

ردِّ قادیانیت

رسائل

رئیس الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری

حکیم الامت حضرت مولانا شرف علی تھانوی

شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانی

محکم دلائل حضرت مولانا سید محمد بدیع عالم میرٹھی

احتساب قادیانیت

جلد چہارم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

مضوری باغ روڈ، ملتان - فون: 514122

ردِ قادیانیت

رسائل

- رئیس الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
- شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی
- علامہ محمد رفیع الدین مولانا سید محمد عبد عالم میرٹھی

احکام قادیانیت

جلد چہارم

علامہ محمد رفیع الدین مولانا سید محمد عبد عالم میرٹھی

مضوری باغ روڈ، ملتان - فون: 514122

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

دیباچہ

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد!

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے ”احساب قادیانیت“ کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے رد قادیانیت پر مجموعہ رسائل کو ”احساب قادیانیت“ جلد اول کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس وقت خیال بھی نہ تھا کہ یہ سلسلہ آگے جاری رکھا جائے گا۔ قدرت کے کرم اور کریم کے احسانات کو دیکھتے کہ اس نام سے جلد دوم میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے رسائل اور جلد سوم میں حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ کے رسائل کے مجموعہ جات شائع ہو گئے۔ دوسری جلد کی اشاعت پر جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ التفسیر حضرت مولانا محمد عبد صاحب مدظلہ کا اصرار کی حد تک حکم تھا کہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے رسائل کو بھی یکجا شائع کریں۔ ان کی تجویز پر فقیر نے ارادہ کر لیا تھا لیکن تیسری جلد پر کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ تیسری جلد کی تکمیل پر فقیر نے شہید ختم نبوت حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے عرض کیا کہ آپ اجازت بخش تو احساب قادیانیت کی چوتھی جلد میں شیخ الاسلام سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو یکجا کر دیا جائے۔ آپ اس تجویز پر بلا مبالغہ خوشی سے اچھل گئے۔ فرمایا! ضرور۔ ان کی متبسم شیریں بیانی کا منظر اس وقت بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ دعا بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمادیں اور یہ چھپ جائے۔ آپ نے وجد بھری کیفیت میں فرمایا! ”چھپ گئی“ آج جب اس کتاب کے دیباچہ کے لئے قلم اٹھایا ہے تو یہ حسرت و محرومی دل کو گھائل کر رہی ہے کہ کتاب چھپ گئی اور اس کی اشاعت کی منظوری دینے والے منوں مٹی کے نیچے چھپ گئے۔ یہاں پہنچ کر دل کی تار نے سازوہ چھیڑ دیا ہے کہ اس سے آگے لکھنے کا یا رہ نہیں رہا۔ ہر کتاب کا تعارف اس کتاب کے لہذا میں دے دیا گیا ہے۔ چند ماہ ہوئے حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت کا جم سے ملان دفتر مرکزیہ میں مقدمہ لکھوایا تھا۔ اب اسے پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ حریذ توفیق عنایت فرمائیں اور خدا کرے کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

مقدمہ

از حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى . اما بعد !

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو استحکام دینے اور جہاد کو احکام اسلام سے خارج کرنے کے لئے مسلمانوں میں ایک مذہبی گروہ پیدا کیا۔ جس نے انگریزوں کے سیاسی مقادات کو پورا کرنے کے لئے قادیان (پنجاب) میں ایک نئی وحی اتاری اور اسلام کے مرکزی عقیدہ ختم نبوت کو بری طرح مجروح کیا۔ بات اس سے بہت آگے بھی نکلی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ تحریک صرف ہندوستان کے لئے نہیں پوری دنیائے اسلام کے خلاف ایک زبردست دجالی کارروائی تھی جس نے پورے اسلام کو استعدات کی زد میں لا کر ایک ایک جیاد اسلام کو تاویل باطل میا کی اور دیکھتے دیکھتے پرانے اسلام کے خلاف ایک نیا اسلام لا کھڑا کیا اور مندرجہ ذیل اصولوں پر اپنے اس نئے اسلام کی بنیاد رکھی۔

۱..... قرآن سمجھنے میں اب تک امت مسلمہ نے جو ذرائع اختیار کئے تھے اور تفسیر پر تیرہ صدیوں میں جو عظیم ذخیرہ تیار کیا تھا یکسر ناقابل اعتبار ٹھہرایا اور کھل کر کہا کہ پچھلی تیرہ صد سالہ تفاسیر میں ہم کسی کا اعتبار نہیں کرتے۔

۲..... مسلمانوں کے حدیثی لٹریچر پر اپنے آپ کو حکم ٹھہرایا کہ جو حدیث ہم کہیں وہی لائق قبول سمجھی جائے اور جو حدیث ہماری وحی کے مطابق نہ چلے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

۳..... صحابہ کرامؓ کی قرآن فہمی اور حدیث دانی میں غلطیاں نکالی جائیں اور انہیں پرانے اسلام کے لئے معیار حق نہ مانا جائے تاکہ اس نئے اسلام کا پرانے اسلام سے کوئی تسلسل باقی نہ رہے۔

۴..... اسلام کا مرکز عقیدت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نہ ہیں۔ یہ بات کھل

کر کہی جائے کہ اب مکہ و مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے پرانے اسلام پر ان چار ایٹمی ہتھیاروں سے حملہ کیا۔ اکابر علماء اسلام میں سے امام العصر حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قادیانیت کو پوری امت مسلمہ پر ایک ”عالمگیر دجالی حملہ“ سمجھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے علماء اسلام ختم نبوت اور حیات مسیح کے عنوانات پر قادیانیوں کے خلاف اعتقادی جنگ کا آغاز کر چکے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ احتیاط کی تمام منزلوں سے گزر کر مرزا غلام احمد قادیانی پر حتمی کفر کا فتویٰ دے چکے تھے۔ لیکن ابھی تک بطور جماعت قادیانیت کو ایک غیر مسلم اقلیت نہ کہا گیا تھا اور نہ قادیانیت کو ہندوستان سے آگے گزر کر پوری امت کے خلاف ایک عالمگیر دجالی فتنہ قرار دیا گیا تھا۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس دجالی تحریک کے خلاف ”دعوت حفظ ایمان“ کی آواز لگادی۔ بابائے صحافت مولانا ظفر علی خانؒ نے انجمن دعوت و ارشاد قائم کی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے تمام شاگردوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور حکومتی سطح پر قادیانیوں کے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے نقصانات بیان کئے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جن کی عقلمانی نگاہ نے قادیانیت کو پورے اسلام کے خلاف ایک خطرناک یلغار سمجھا۔ آپ نے دیوبند میں اپنی قیام گاہ واقع محلہ خانقاہ دیوبند سے ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو دعوت حفظ ایمان کے نام سے ایک عظیم فکری دعوت پیش کی۔

آپ نے اپنی اس دعوت میں مرزا غلام احمد قادیانی کے صرف بڑوں کو ہی نہیں اس کے لاہوری فرقہ کے پیروں کو بھی برابر ساتھ رکھا اور پھر ۲۲ ذیقعدہ کو ”دعوت حفظ ایمان“ کی ایک اور صدا لگادی۔ آپ کی بیعتوں کی تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں اور ضرورت تھی کہ ہندوستان میں قادیانیت کے خلاف جو اردو میں کام ہوا۔ اس میں کفر و اسلام کے جو اصولی فاصلے سامنے آئے ان میں حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تحریروں کو سنگ بنیاد سمجھا جائے۔

آپ کے شاگردوں نے پنجاب میں مجلس مستشار العلماء قائم کی اور پنجاب کے مختلف شہروں میں اس کی براہنچیں قائم کیں۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی طرف سے قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی صدامندہ کی تو قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی بات پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ انگریزی دستور حکومت میں قادیانی گو مسلمانوں میں سے ہی سمجھے جاتے تھے لیکن نکاح اور فسخ نکاح اور شمولیت نماز جنازہ جیسے مسائل میں قادیانی پورے ہندوستان میں غیر مسلم اقلیت سمجھے جانے لگے اور مقبوضہ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں بھی خاوند کے قادیانی ہونے پر مسلم خواتین کے نکاح فسخ ہوئے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ سبق لیا اور انجمن حمایت اسلام لاہور میں یہ تحریک پیش کی کہ کوئی قادیانی اس کا ممبر نہ ہو سکے اور جو پہلے سے اس میں شامل ہیں وہ یکسر خارج کر دیئے جائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا عالم عرب کو انتباہ

آپ نے قادیانیت کو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی خطرہ نہ جانا بلکہ آپ نے حفظ ایمان کی یہ دعوت پورے عالم اسلام میں پھیلا دی۔ عرب دنیا کو اس پر مطلع کرنے کے لئے عقیدۃ الاسلام اور اکفار المحدثین فی انکار شی من ضروریات الدین جیسی مؤثر کتابیں عربی میں لکھیں۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ عربی کتابیں تو بار بار چھپتی رہیں اور علماء نے ان کی روشنی میں اردو میں بھی اس پر بہت وقیع لٹریچر مہیا کیا لیکن حضرت شاہ صاحب کی حفظ ایمان کی یہ اردو تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں جن کو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سرکاری وعدہ الی سطح پر قادیانیت کے کفریہ فیصلہ کے لئے بیادہ کردار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اس بیان کا ہے جو آپ نے بہاولپور کی عدالت میں قادیانیوں کے خلاف دیا۔ وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح“ لکھی۔ یہ کتاب مطبع ہلالی سٹیم پریس ساڈہورہ ضلع انبالہ سے

چھپی۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۳۳۸ھ میں ”قائد قادیان“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دونوں متذکرہ رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

آپ نے اس کی فصل ثانی میں ان کتابوں کی بھی ایک فہرست دی ہے جو خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پورہ مونگیر سے شائع ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں بہت سرگرم رہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان تحریروں سے قادیانیت پوری طرح بے نقاب ہوئی۔ انہیں پڑھ کر ان کے غیر مسلم ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ جو لوگ پہلے مسلمان تھے پھر وہ قادیانی ہوئے اب وہ محض غیر مسلم نہیں مرتد سمجھے جائیں گے جن کے لئے عام کافروں کا سا حکم نہیں بلکہ مرتد کا حکم اور زیادہ سخت ہے اور جو قادیانی ان کی ذریت ہیں وہ زندیق شمار ہوں گے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے باز نہیں آتے۔ نام اسلام کا ہو اور عقائد غیر اسلامی ہوں تو یہ وہ زندق ہے جسے اسلام میں برداشت نہیں کیا گیا۔ یہ زنداقہ مرتدین کے ساتھ شمار ہوں گے۔ جب قادیانی عام سطح پر غیر مسلم سمجھے گئے تو اب اسلامی دنیا کو ان کے حکم سے مطلع کرنا بھی ضروری بنا۔ اس میں بھی پہل علماء دیوبند نے کی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رسالہ ”الشہاب لرحم الخاطف المرناب“ میں قادیانیت کا شرعی حکم تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے نہایت سلیس، معقول اور منصفانہ طریقہ سے مرزائیوں کے ارتداد کا ثبوت، قتل مرتد کے شرعی دلائل اور اس کا عقلی فلسفہ اور جہاد بالسیف کی حکمت اور حدود افغانستان کے فیصلہ دربارہ تعزیر مرتد کی تحسین و تصویب کی۔ آپ نے یہ رسالہ ۸ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو شائع کیا پھر ۶ فروری ۱۹۲۵ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری جانشین مسٹر محمد علی مرزائی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس کے دو ماہ بعد اپنے رسالہ ”الشہاب کی ایک تذیب جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ میں شائع کی۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی اس تحریک پر ان کے جن تلامذہ نے رد قادیانیت میں محنت کی ان میں دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت پر تمام رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان تمام قدیم تالیفات کو جن کے بل بوتے پر ملت اسلامیہ نے پاکستان میں دو دفعہ ختم نبوت کے محاذ کھولے اور بلا اثر قادیانیوں کو دستور اور قانون کے تقاضوں میں ایک غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا۔ پھر سے بطور تاریخی دستاویزات کے شائع اور محفوظ کیا جائے۔ راقم الحروف اسی سلسلہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے اس وقت کے علمی احتساب کو نمبردار شائع کرنے کا قصد کیا ہے۔ جب سے برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت کا پودا لگا۔ الحمد للہ! مجلس نے اس سلسلہ میں بہت سا کام کیا ہے۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب بھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اتنا عظیم کام کرنے اور کامیابی سے کنارے اترنے پر لائق صد تبریک ہیں۔ اب تک اس سلسلہ میں جن بزرگوں کی تحریریں شائع ہو چکیں ان کے اسماء گرامی، سن ولادت، سن وفات ہدیہ قارئین ہیں :

- ۱..... حکیم الامت حضرت مولانا سید محمد اشرف علی تھانویؒ... (و ۱۸۶۳ء، م ۱۹۳۳ء)
 - ۲..... امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ..... (و ۱۸۷۵ء، م ۱۹۳۳ء)
 - ۳..... شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم..... (و ۱۸۸۹ء، م ۱۹۳۹ء)
 - ۴..... شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ.... (و ۱۸۹۸ء، م ۱۹۷۳ء)
 - ۵..... مناظر اسلام حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ..... (و ۱۸۹۸ء، م ۱۹۳۸ء)
 - ۶..... مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر صاحبؒ..... (و..... م ۱۹۷۳ء)
 - ۷..... محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی. (و ۱۸۹۸ء، م ۱۹۶۵ء)
- اللہ رب العزت ان تمام حضرات کی مساعی کو قبولیت سے نوازے۔ آمین!

خالد محمود عطاء اللہ

حال مقیم دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان - ملتان

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

۱۱	مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ	دعوت حفظ ایمان نمبر ۱	۱
۱۷	"	دعوت حفظ ایمان نمبر ۲	۲
۳۳	"	بیان مقدمہ یہاں پور	۳
۹۵	مولانا شرف علی تھانویؒ	الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی	۴
۱۳۱	"	قائد قادیان	۵
۱۹۱	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	الشہاب لرحم الخاطف المرتاب	۶
۲۴۳	"	صدائے ایمان	۷
۲۵۳	مولانا بدر عالم میرٹھیؒ	نزول عیسیٰ علیہ السلام	۸
۳۶۵	"	ختم نبوت	۹
۴۴۵	"	سیدنا مہدی علیہ الرضوان	۱۰
۴۹۷	"	دجال اکبر	۱۱
۵۳۱	"	نور ایمان	۱۲
۵۴۳	"	الجواب الفصیح لمنکریات المسیح	۱۳
۵۴۸	"	مصباح العلّیہ لمحو النبوۃ الظلیہ	
۵۷۶	"	الجواب الحفی فی آیت التوفی	
۵۹۲	"	انجاز الوفی فی آیت التوفی	
۶۳۹	"	آواز حق	۱۴

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت کراچی گذشتہ پچیس سالوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اندرون و بیرون ملک تمام دینی رسائل میں ایک امتیازی شان کا حامل جریدہ ہے۔ جو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ و پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسنی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی اور مولانا مفتی محمد جمیل خان کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔

زر سالانہ صرف =/350 روپے

رابطہ کے لئے:

منیجر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر 3

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مکتبہ النبیین لاہور
پبلشرز آف اسلام آباد، مسیحیہ مسجد کوئیٹہ، لاہور

دعوت حفظ ایمان

حصہ اول

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد!

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے رد قادیانیت پر مندرجہ ذیل کتب تحریر فرمائیں: ۱..... اکفار الملحدین۔ ۲..... خاتم النبیین۔ ۳..... التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔ ۴..... عقیدۃ الاسلام۔ ۵..... تحیتہ الاسلام۔ الحمد للہ! یہ کتابیں بارہا شائع ہوئیں۔ پہلی تین کتابوں کے اردو میں تراجم بھی ہو گئے۔ آخری دو کتابوں کے ترجمے تاحال طبع نہیں ہوئے۔ خدا کرے ہو جائیں تو اسلامیانِ بر صغیر کے لئے گرانقدر علمی اثاثہ ہوں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ عقیدۃ الاسلام کا ترجمہ حضرت مرحوم کے صاحبزادے حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کر رہے ہیں۔ خدا کرے جلد شائع ہو جائے۔ ان کے علاوہ حضرت مرحوم کی دعوت حفظ ایمان ۱..... ۲ ہے۔ یہ مختصر چند صفحات کے رسائل ہیں۔ دعوت حفظ ایمان نمبر اول میں حکومت کشمیر کو قادیانی فتنہ کی زہر ناکوں سے باخبر کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا ظفر علی خانؒ، استاذ محترم مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالحق انبازویؒ، احمد یار خانؒ کی گرفتاری پر بے چینی کا اظہار کیا گیا ہے اور اپنے شاگردوں سے ختم نبوت کا کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ تحریر ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ دعوت حفظ ایمان نمبر دوم میں قادیانی کفریہ عقائد کو طشتِ اذہام کر کے روزنامہ زمیندار کی اشاعت کی توسیع اور مستشار العلماء پنجاب لاہور (جو آپ کے شاگردوں نے رد قادیانیت کے لئے قائم کی تھی) سے تقویت اور اعانت کے لئے متوجہ فرمایا گیا۔ یہ تحریر پہلی تحریر کے دس دن بعد یعنی ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ یہ رسالے ایک ایک بار شائع ہوئے۔ اب ان کا ملنا مشکل مسئلہ تھا۔ اس لئے ان کو ان مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ (باقی ضخیم کتب ہیں جن کے نام اوپر ذکر کر دیئے ہیں) اللہ رب العزت شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ !

حامدا و مصلیا و مسلما . السلام علیکم یا اهل الاسلام
و رحمة الله و بركاته .

حمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و اخوت دینی اور امت
مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء ہونے کے لحاظ سے کافی اہل اسلام خواص و عوام کی عالی
خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگرچہ فتنے طرح طرح کے حوادث اور وارداتیں اس دین
سادی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدا نے برحق کا یہ ہے کہ :

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِينًا . مائدہ آیت ۳“

﴿ آج کے دن میں نے دین تمہارا کمال کو پہنچایا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور
اسلام پر ہی تمہارا دین ہونے کے لئے راضی ہوا۔ ﴾

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيِّينَ . وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا . احزاب آیت ۴۰“

﴿ نہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے ، لیکن ہیں رسول خدا
کے اور خاتمہ پیغمبروں کے اور خدا ہر چیز کا اپنے امور میں سے عالم ہے۔ ﴾

اور اس کے قطعی الدلالت ہونے پر بھی امت محمدیہ ﷺ کا اجماع منعقد ہو گیا اور
ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا اور جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی
اسی امت نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اس دعویٰ پر مسلّمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیا اور بڑا
کفر دونوں کا یہ دعویٰ قرار دے کر کذاب مشتمر کیا اور باقی جرائم کو کذاب کے ماتحت رکھا۔ مگر
پھر بھی حکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کی صورتیں بھی

رہیں اور بالآخر واصل بجہنم ہوئے۔ ہمارے اس منحوس دور میں جو یورپ کی افتاد سے ایمان اور خصائل ایمان کی فنا کا زمانہ ہے۔ منشی غلام احمد قادیانی کا فتنہ درپیش ہے اور گزشتہ فتنوں سے مزید اور شدید ہے اور حکومت وقت بھی بمقابلہ مسلمانوں کے قادیانی جماعت کی امداد اور اعانت کر رہی ہے۔ یہ جماعت بہ نسبت یہود اور نصاریٰ و ہنود کے اہل اسلام کے ساتھ زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ کوئی چیز ان کے اور اہل اسلام کے درمیان مشترک اور اتحادی باقی نہیں رہی۔ منشی غلام احمد قادیانی جو اس زمانہ کا دجال اکبر ہے پس جزو وحی قرآن مجید پر اضافہ کرتا ہے۔ جو کوئی اس کی اس پس جزو وحی کا انکار کرے اور ان کو نبی نہ مانے وہ ان کے نزدیک کافر ہے اور اولاد زنا ہے اور کوئی اسلامی تعلق مثل جنازہ کی نماز اور نکاح کے اس کے ساتھ جائز نہیں۔ پھر قرآن مجید کی تفسیر اس نے اپنے قبضہ میں رکھی ہے۔ دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں لگتا۔ جیسے فارسی مثل ہے: ”خوردن زمن و لقمه شمردن از تو“

اس کی تفسیر کے متعلق خواہ کل امت کا اختلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر اسلام ﷺ کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو۔ اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکے میں پھینک دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہے اور حسب تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوئی ہے اور بمقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے۔ کہ بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہیں ہوگی۔ صریح ادعاء شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج قادیان ہوا کرے گا۔ نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔ جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں:

زنده شد ہر نبی با آمدنم . ہر رسولے نہاں با پیرا نہم

آنچه دادست ہر نبی را جام . داد آں جام را مرا باتمام

(نزل السج ص ۱۰۰-۹۹ خزائن ص ۷۷-۷۸ ج ۳)

نیز اپنی مسیحیت کی تولید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان دین محمدی

ہے ایسی توہین کی ہے کہ جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیق توہین ہے۔ الزامی یا بقول نصاریٰ تو دور کنار رہی۔ توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیقی توہین کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے: ”گفتہ آید در حدیث دیگران۔“ یہ معاملہ اسی پیغمبر کے ساتھ کیا ہے تاکہ عظمت ان کی وثوق سے اتار دے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ اسی واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا بلکہ توقیر کی ہے اور ایسے ہی بزرگان اسلام امام حسینؑ وغیرہم کی تحقیر اور اپنی تعالیٰ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔

علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں۔ اس وقت کہ ایک لطیفہ غیب نمودار اور نمایاں ہوا ہے کہ مجاہد ملت جناب سائی القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دامت برکاتہم اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس وقت جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولوی عبدالحق صاحب ہزاروی، مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہیے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو:

دانی کہ چنگ وعود چہ تفرید می کنند

پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری بھی برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے۔ بلکہ (بقول ان کے) ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری ”قادیانی“ میں تحویل ہوتا ہے اور جن کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ (اہل) وطن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس اہقر ہیچمیز سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے۔ وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت محصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے۔ جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہو اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قوم نسبی لقب یا ملکی و شہری نسبت کی طرح لائیک رہے بلکہ (اسلام) عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضرورت قطعہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر و الحاد ہے۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔ خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو: ”ان الله ليؤيد الدين بالرجل الفاجر۔“ اسی میں وارد ہوا ہے حق تعالیٰ صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین!

انتباہ! آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر و جمیع اہل اسلام اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

از دیوبند محلہ خانقاہ ۱۲ یقعدہ ۱۳۵۱ھ

منقول از رسد اور مجلس تحفظ ختم نبوت

ملتان: ص ۸۲، ۱۲۳، ۱۳۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَدَنی آفسری سنسبى مشون، مسجده ہند کون نینى نمون.

دعوت حفظ ایمان

حصہ دوم

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم یا اہل الاسلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

حامدا و مصليا و مسلما .

مندہ درگاہ الہی، محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ پھر بحیثیت ایمان و اسلام و بحیثیت اخوت دینی و بحیثیت اس کے کہ ہم سب امت مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء و اجزاء ہیں جملہ اہل اسلام خاص و عام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ :

عالم چو کتابے است پر از دانش و داد
 صحاف قضا و جلد او بدع و معاد

شیرازہ شریعت چو مذاہب اوراق

امت ہمہ شاگرد و پیبر استاد

عالم بعقیدۂ ادیان سماوی جاہلین ماضی و مستقبل سے محدود ہے کیونکہ مستقبل کل قوت سے فعلیت میں نہیں آیا اور میرے نزدیک چونکہ ماضی و مستقبل محض ہمارے اعتبار سے ہیں حق تعالیٰ کے ہاں ایک ہی آن حاضر ہے جیسے طبرانیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ : ”لیس عند ربك صباح ولا مساء“

پھر جب ہم حق تعالیٰ سے زمانہ رفع کر دیں تو حوادث آرہے ہیں اور جارہے ہیں آنے کی جانب کو ہم نے مستقبل نام رکھا ہے اور جانے کی جانب کو ماضی۔ اس تقدیر پر یہ دونوں اعتباری اور اضافی ہوئے نہ حقیقی اور حوادث خواہ کیسے ہی غیر محصور ہوں پھر بھی قدم کی وسعت اور امتداد کو پر نہیں کر سکتے۔

و علیٰ ہذا ماضی کی جانب بھی میرے نزدیک غیر متناہی بالفعل نہیں جیسا کہ خیال کیا

جاتا ہے بلکہ عالم دونوں جانب سے غیر متناہی: ”بمعنی لایقف عند حد۔“ ہے اور دونوں طرف سے منقطع اور زمانہ کوئی شے مستقل برآسہ نہیں بلکہ ان ہی حوادث سے متزع ہے اور مسئلہ تجد و امثال کا بھی ایک صحیح مسئلہ ہے اور چونکہ مادہ سے کثرت ہوتی ہے اور صورت سے احتمال جیسے سامان عمارت چونکہ مادہ ہے وہ کثیر اور متعدد ہے اور صورت تعمیری چونکہ صورت ہے اس سے عمارت کی وحدت شخصی آئی۔

علیٰ ہذا القیاس کل عالم کو سمجھئے کہ اس میں ایک وحدت انتظامی ہے اور وہ ایک شخص اکبر ہے نہ محض ایک بے انتظام گدام۔ آدم علیہ السلام سے پیشتر عناصر اور موالید ثلاثہ اور ارض و سماء اور بعض انواع پیدا کئے گئے مگر یہ تا چندے بمنزلہ مادہ کے رہے، آدم علیہ السلام کے آنے کے بعد ان مقرقات منتشرہ کو وحدت انتظامی عطا کی گئی کہ بمنزلہ صورت کے ہے۔ اشیاء متفرقہ کے مجموعہ میں اگر وحدت ہو سکتی ہے تو وحدت انتظامی اور ترتیبی ہی نکلتی یعنی آدم علیہ السلام کو خلیفہ اور افسر بنا کر بھیجا اور عالم کو ان کی ماتحتی میں دے دیا اس سے کل عالم واحد بالمشخص اور شخص اکبر ہو گیا۔

اس پیغمبر حق نے اپنے عمل سے بنی آدم کو یہ تعلیم دی کہ جب کسی ایک پر کسی معاملہ میں فرد جرم لگا کرے وہ بارگاہ خداوندی میں نہ جواب و دعویٰ پیش کرے اور نہ صفائی دینے کی کوشش بلکہ اس کا حق صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ مراحم خسروانہ میں در خواست دے کہ:

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخَاسِرِينَ۔ اعراف آیت ۲۳“

عزیزیل (ابلیس) نے حق تعالیٰ سے حجت کی وہ لبد الدہر ملعون ہو گیا: ”لَا يَسْتَلْ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْتَلُونَ۔ الانبیاء آیت ۲۳“ اب اہل سنت کا قدم آدم علیہ السلام کے قدم پر ہے اور اہل اعتزال کا قدم عزیزیل کے قدم پر۔ اور اس واقعہ سے حق تعالیٰ نے یہ بھی تعلیم کر دی کہ خلفاء سے جو شخص انحراف کرے وہ اصل سلطنت سے باغی ہے یہاں ہی سے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا جزء ایمان ہو گیا۔

آدم علیہ السلام کے بعد کچھ دیر تک دنیا میں ایمان ہی رہا نوح علیہ السلام کے قبیل
دنیا میں قابیل کی ذریت میں کفر نمودار ہوا اور پہلے وہ پیغمبر کہ کفر کے توڑ کے واسطے بھیجا
گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد دنیا میں صائین ظاہر ہوئے۔ صائین ان کو کہتے ہیں
جن کا خیال ہے کہ ہم اعمالِ سفلیہ سے علویات کو مانع اور مسخر کریں گے جیسے معشوق یا ہمزاد
کو کوئی مسخر کرتا ہے۔ اس خیال میں یہ بھی مندرج ہے کہ اس فرقہ کو خدا کی جانب سے
ہدایات کی ضرورت نہیں اور نہ کسی ہادی کا واسطہ و ثنیت (مت پرستی) بھی صابثیت کا ایک
ذلیل تنزل ہے۔ منتر جنتر کے ذریعہ سے خدا کو مسخر کرنا چاہتے ہیں؟

انبیاءِ علیہم السلام کا دین اس کے بالکل برخلاف ہے ان کا دین یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ
میں محض بندگی اور عبدیت کی عرض و معروض رہے گی اور ادھر ہی کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا
ہو گا و بس۔ صائین کے مقابلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا گیا اور ان کا لقب حنیف ہوا۔ حنیف
اس کو کہتے ہیں کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر ایک خدا کا ہو جائے جیسے شیخ عطارؒ فرماتے ہیں :

از یکے گو وزہمہ یک سوئے باش

یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

اس کے بعد کچھ تکمیل دین سلوی کی کہ ابتداء سے خاتم الانبیاء تک دین واحد ہے
باقی تھی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ہاتھ پر تمام کر دی اور اعلان کر دیا کہ :

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ

الْاِسْلَامَ دِينًا . مائدہ آیت نمبر ۳“ اور :

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ

النَّبِيِّينَ . وَ كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا . احزاب آیت ۴۰“

پہلی آیت میں یہ بھی آگیا کہ اب کوئی جزء ایمان کا باقی نہیں رہا خاتم الانبیاء ﷺ پر
ایمان لانا کل انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے۔ ایسا نہیں کہ من بعد کسی پر ایمان نہ لانے سے
کافر رہے جیسے قادیانی دجال سمجھا ہے کہ :

”جو دین نبی ساز نہ ہو وہ دین لعنتی ہے۔“ (براہین غمیرہ ص ۳۸ خزائن ج ۲۱ ص ۳۰۶)

جیسے معلوم ہوا کہ عالم محض متفرقات منتشرہ نہیں بلکہ وہ ایک واحد منظم ہے اسی طرح بقصر صیح حدیث خاتم الانبیاء ﷺ نبوت بھی عمارت کی مثال ہے کہ اس کی اساس رکھی گئی اور تعمیر کی گئی اور تکمیل کو پہنچا کر اہل نبی کریم ﷺ کو رکھ کر عمارت ختم کر دی گئی۔ قرآن مجید نے اعلان تکمیل و ختم سنا دیا اور نبوت کی کوئی جزئی باقی نہیں رہی۔ البتہ کمالات نبوت کہ وہ فیوض اور تعلقات نبوت ہیں عین نبوت نہیں۔ باقی ہیں۔ یہاں اجزاء اور جزئیات کا فرق بھی اہل معقول پر مخفی نہیں جزء پر کل صادق نہیں اور جزئی پر کلی صادق۔

ختم نبوت کا عقیدہ بہ تبلیغ پیغمبر اسلام، خاص و عام کو پہنچ کر ضروریات دین میں سے ہو گیا جس کا انکار یا تحریف کفر ہے۔ صوفیاء کرام نے جو کوئی مقام ولایت کا انبیاء الاولیاء اور نبوت من غیر تشریع ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی نہایت مؤکد پیارے تصریح کی ہے کہ نبوت سے مراد لغوی معنی پیشین گوئی ہے نہ نبوت شرعی۔ کیونکہ نبوت شرعی کا جو ایک منصب الہی اور وہی ہے نہ کسی۔ خواہ شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو اختتام اسلام میں اساسی اصول ہے اور منصوص قرآن و احادیث متواترہ اور مجمع علیہ امت محمدیہ ﷺ ہے۔ اسی دفعہ کے ماتحت مسئلہ کذاب کو قتل کیا، اور کذاب، فرد جرم لگائی بقیہ شائع اس کے مادون اور بعد کے رہے بلکہ جیسے ابن خلدونؒ نے ذکر کیا ہے یہ امویٰ صحابہؓ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ قتل تو دعویٰ نبوت پر ہوا ہے۔

اس کے بعد دنیا میں حسب طبیعت دنیا، زندہ اور الحاد ظاہر ہوا۔ زندہ اور الحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گریز کر دے اور اسماء سابقہ کو حال رکھ کر حقیقت ان کی بگاڑ دے کہ فلاں چیز کی حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس دین کا اسم ہی چھوڑے مسک فناء کر دے۔ دہلی میں ایک صاحب چارپائی کے پائنتی کے سیر وے فقہ بغل کے نیچے دبائے ہوئے یہ صدا لگایا کرتے تھے (دو نہیں لمبے تڑنگے، ایک نہیں سر ہنے کا چار نہیں ٹیکن کے، اور لو چار پائی) آٹھ لکڑیوں میں سے سات موجود نہیں اور پھر بھی چارپائی ہے۔

ایسے ہی وقتاً فوقتاً ملحدوں اور زندیقیوں نے دینِ برحق کی شکست و رخت کر کے
مسی فناء کیا اور کچھ پردہ باقی رکھنے کی وجہ سے عوام کی نظر میں غیر فرقہ ہونے کی جو کچھ زد
پڑتی اس سے بچ گئے۔ اس وقت یورپ کی افتاد جو ایمان اور صفات ایمان پر ہے اس کی پیدلوار
اور حکومت وقت کی پیدلوار مشی غلام احمد قادیانی کی دعوتِ نبوت ہے۔

یہ شخص معمولی درجہ کی قاری اور اردو کا مالک ہے نثر و نظم میں کوئی اعلیٰ پایہ نہیں
رکھتا۔ عربی میں محض تکبیر کی یا سرودہ کر سکتا ہے اور صوفیاء کرام جسے فنِ حقائق کہتے ہیں
اس میں سے کسی حقیقت کو صحیح نہیں سمجھ سکا۔ قرآن مجید کی مناسبت سے اس قدر محروم ہے
کہ اپنی مطبوعات میں نہایت کثرت سے آیاتِ غلط اور محرف نقل کرتا جاتا ہے۔

تعلیم اس کی باب اور ہماء اللہ کی تعلیم سے مروق ہے۔ ہماء اللہ کی کتابیں یہاں
پیشتر موجود نہیں تھیں۔ جس کی وجہ سے کچھ وقفہ رہا اب کہ کتابیں اس کی آگسٹیاظرین نے
اس سرودہ قاضی کو ملت کر دکھایا۔ معہذا اس دجال کی دریدہ دہنی اس درجہ تک ہے کہ کہتا
ہے :

زندہ شد ہر نبی بآ مدغم

ہر رسولے نماں یا میرا نیم

(نزولِ المسحس ۱۰۰ اخوان مس ۷۸ ج ۳۴۱۸)

ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوا ہے۔ (نہیں تو مرے پڑے تھے) اور ہر رسول
میرے چولے میں چھپا پڑا ہے۔

پہلوں نے کیا خوب پیشین گوئی کی ہے :

بنمائے بصاحبِ نظرے گوہرِ خود را

عیسیٰ نتوان گشت بتصدیقِ خرے چند

اور :

کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

پتا اس (مرزا غلام احمد قادیانی) کا اس کی بعثت کو خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت سے

افضل اور اکمل اعلان کرتا ہے اور اسی پر بیعت لیتا ہے۔ اس کافر دجال نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جو کوئی کل عالم اسلام اسے نبی نہ مانے اس کو کافر اعلان کیا اور ولد الزنا کہا اور دعویٰ وحی کیا جو مساوی قرآن اس کے زعم میں ہے اور بمقابلہ ان علماء کے جنہوں نے آئندہ شریعت ناممکن لکھی ہے (اور کلام ان کی شریعت جدیدہ میں ہے) دعویٰ شریعت کیا۔ اس سے ناظرین خود سمجھ لیں کہ یہ دعویٰ بمقابلہ ان علماء کے دعویٰ شریعت جدیدہ کو مستلزم ہے یا یوں ہی بے سوچے سمجھے کلام بے موقع دلا یعنی ہے۔ اس کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ جہاد اسلامی میرے آنے سے منسوخ ہو گیا اور (ظلی) حج آئندہ قادیان کا ہو گا اور جو چندہ قادیان کا نہ دے گا وہ خارج از بیعت یعنی خارج از اسلام ہے زکوٰۃ بھی رہ گئی۔ اور بہت سے ضروریات دین کا انکار کیا جو تاویل سے ہو یا بغیر تاویل کے کفر ہے۔ عالم کو قدیم کہتا ہے اور قیامت کو ایک تجلی فقط اور تجلی کا جو صوفیاء کرام کی اصطلاح ہے کوئی مفہوم محصل اس کے ذہن میں نہیں اور اگر سودفہ جیئے اور سودفہ مرے کبھی ان حقائق کو سمجھ نہیں سکتا ناحق صوفیاء کی اصطلاحات میں الجھتا ہے اور منہ کی کھاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس لفظ کو اور مواضع میں اطلاق کیا ہے کسی نے ان میں سے قیامت کو تجلی نہیں کہا مگر اس دجال نے ان ہی سے اڑایا ہے اور قدم عالم کا مسئلہ ایسا معرکہ الآراء ہے کہ باپ پڑا مل کر قیامت کی صبح تک بھی نہیں سمجھ سکتے ناحق ان مشکلات میں ٹانگ لڑائی ہے۔ اپنی کم مائیگی اور تنگ ظرفی سے معمولی سواد کو جو اسے حاصل ہے عدیم المثال سمجھتا ہے اور اسی کم حوصلگی کی بناء پر جب کسی جذبہ کے ماتحت غیب گوئی کرتا ہے اور منہ کی کھاتا ہے تو کمال بے ایمانی سے تاویلات مضحکہ اور مبالغہ کرنے کو آموجود ہوتا ہے۔

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

تقدیر کا بھی منکر ہے ملائکہ کرام کو قویٰ کہتا ہے اور ان کے نزول کا جو منصوص قرآن ہے منکر ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام جو متواتر دین محمدی ہے اور معجزہ احیاء میت جو منصوص قرآن ہے اس کو شرک و کفر کہتا ہے اور جو دین نبی ساز نہ ہو اسے لعنتی دین بتلاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور بہت سی چیزوں کا جو دین میں متواتر اصول ہیں تحریف کی۔ جو زندہ اور کفر

ہے جیسے کوئی نماز کی تحریف کرے۔ تو ہین انبیاء علیہ السلام کی گزر گئی کہ کل کے کل کو اپنا چیلہ بتلاتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کو تو العیاذ باللہ اپنی تعلیم کا مستقل موضوع بنایا ہے اور رسالے لکھے ہیں نہ تحقیقی توہین میں کمی ہے اور نہ تحریر میں یعنی دوسرے کے کندھے پر رکھ کر مدوق چلانا اور غرض اس دجال کی اس سے یہ ہے کہ عظمت ان کی قلوب سے اتارے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ لہذا ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا بلکہ توقیر اور استمالہ کیا ہے۔

ہم نے کسی جماعت میں خواہ علماء ہوں یا عقلاء روزگار ملکی اتفاق علم نہیں دیکھا۔ الا انبیاء علیہم السلام کہ ان میں اتفاق کلی ہے۔ اسی سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ کوئی اور علم ہے جو حضرت حق نے دیا۔ اس قادیانی دجال نے اس کو بھی بے وزن کر دیا اور یہی تعلیم اپنے اذتاب کو دے گیا۔ یہ بھی معلوم ہو کہ قادیانی پہلے مسیحیت کے دعویٰ کو تاج کھتا تھا اور دعویٰ صرف شیل ہونے کا تھا۔

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

”مجھے مسیح لکھن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تاج کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط شیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔“

(اشتمار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ مجموعہ اشتمارات ج ۱ ص ۲۳۱، عمل معنی ج ۲ ص ۵۲۸)

اس کے بعد جب دوسرا جنم لیا تو یوں کہا :

”سو اس نے قدیم وعدے کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسیٰ کا لوندار اور

احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۱۸، خزائن ص ۴۶ ج ۱)

یہاں ضروریات دجیہ کی تفسیر ضروری ہے۔ ضروریات دجیہ ان متواترات شرعیہ کو کہتے ہیں جو یہ تبلیغ پیغمبر اسلام خاص سے متجاوز ہو کر عوام کو بھی پہنچ گئے اور ان کے علم میں عوام بھی شریک ہو گئے اور شریعت کے بدیہی امور ہو گئے۔

اور مراد ان کی بھی وہی مقرر رہے گی جو امت نے بوقت تبلیغ سمجھی اور پھر

طبقہ بعد طبقہ پہنچاتے اور سمجھاتے آئے۔ اس کی تحریف اور اس سے انحراف کفر و الحاد ہے۔ یہاں ضرورت بمعنی بد اہت ہے اور یہ ایک مشہور اصطلاح فنون کی ہے جس کا علم بالا ضرر ہو۔ متواتر اس کو کہتے ہیں جس کی نقل اس قدر چیم ہو کہ خطاء کے احتمال کی اس میں گنجائش نہ رہے۔ فنون مدونہ میں بھی کسی فن کے اصحاب کے نزدیک بھڑت متواترات ہوتے ہیں۔ جیسے صرف و نحو میں بھڑت متواترات ہیں جن میں کوئی بھی شبہ نہیں کرتا اور ایسے ہی علماء لغت جو ایک جماعت مخصوصہ ہے ان کے اتفاق کے بعد بھی کوئی متردو نہیں رہتا۔ اسی طرح قرآن مجید تو حرفاً و حرفاً متواتر ہے۔ علاوہ اس کے شریعت میں اور بھی بھڑت متواترات موجود ہیں جیسے مضمضہ و استسحاق (ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا) وضوء میں اور مسواک وغیرہ صدہا امور اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ضروریات دینیہ اعلیٰ درجہ کے فرائض مؤکدہ کو کہتے ہیں بلکہ مستحب بھی اگر صاحب شریعت سے بقواتر ثابت ہو وہ بھی ضروریات میں سے ہے بلکہ بعض مباحات کی لباحت مثلاً جو اور گیہوں کی لباحت ضروریات دینیہ سے ہے جو کوئی ان کی لباحت اور جل کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے کیونکہ پیغمبر اسلام کے عہد سے لے کر اب تک امت کھاتی آئی اور حلال کہتی آئی۔ کسی کو جو 'مرغوب طبیعت نہ ہو وہ خوشی ترک کر سکتا ہے لیکن حل کے انکار سے کافر ہو جائے گا۔ ضرورت سے یہاں ضرورت اعتقاد و ثبوت مراد ہے نہ ضرورت عمل جو ارجح۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہ کل ضروریات دین ایمان کے دفعات ہیں نہ فقط توحید و رسالت بلکہ رسالت پر ایمان تو اسی واسطے ہے کہ جو کچھ وہ خدا سے لائیں اور تبلیغ کریں اس پر ایمان ہو۔ و علیٰ ہذا کہہ سکتے ہیں کہ مسواک سنت ہے اور اعتقاد اس کی سننیت کا فرض ہے اور اس کی معلومات حاصل کرنا سنت ہے اور دانستہ جحود کفر ہے اور جمل اس سے حرمان نصیبی۔

شریعت محمدیہ ﷺ میں بہ تبلیغ پیغمبر اسلام بہت کثرت کے ساتھ متواترات ہیں اور بقواتر تواتر یعنی نسلاً بعد نسل بقواتر نقل کئے گئے ہیں اور ان میں طبقہ بعد طبقہ تواتر چلا آتا ہے تواتر اسنادی کوئی لازم نہیں۔

حاصل کلام کا یہ کہ کل وہ امور جو دین میں بالبد اہت معلوم اور درمیان عامہ خاص

کے مشہور اور مسلم ہوں وہ کل کے کل ضروریات دینیہ میں سے ہیں اور ان سب پر بدو انحراف و تحریف کے ایمان لانا ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایمان کے دفعات وہی امور ہیں جن کی تبلیغ حضرت رسالت پناہ سے ہو۔ اور ان مسائل و عقائد بدیہیہ کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ ایمان کے دو جزء یعنی شہاد تین ان کل متواترات اور ضروریات کی تسلیم پر حاوی ہیں۔

ورنہ یوں دجال بھی آنحضرت ﷺ کی مجمل تصدیق کرے گا جیسے احادیث میں موجود ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے :

”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيَسْأَلُوكَ تَسْلِيمًا“ النساء آیت ۶۵

قسم تیرے رب کی کہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے حکم نہ مائیں ہر اس چیز میں کہ اختلافی ہو گئی ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے جیوں میں گھٹن آپ ﷺ کے فیصلہ سے اور مان لیں ماننے کی طرح۔

اس بدیہی مضمون کے بعد قادیانی کی تکفیر بدیہی امر ہے۔

توقف کا سبب کوئی علمی مرحلہ نہیں بلکہ بعض کو تو ایمان کے ساتھ کوئی ہمدردی ہی نہیں اور نہ فرق ایمان و کفر سے کوئی سروکار۔ ان کے نزدیک دعویٰ اسلام ہی اسلام ہے جیسے نسب اور شر و ملک کی نسبت میں فقط دعویٰ کافی سمجھا جاتا ہے ان لوگوں کو تو مسئلہ تکفیر سے اشتعال اور طیش آ جاتا ہے۔

وہ خود بہت سی قیود شریعت سے آزاد ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی کا کیا حق ہے کہ ہم پر حرف گیری کرے کفر ہے کس جانور کا نام؟۔ اور بعض ایسے ہیں کہ سلامت روی میں ان کا دنیوی فائدہ ہے ان کو اس کی کیا پرواہ کہ ایمان پر کیا گزر رہی ہے :

حافظ اگر خیر خواہی صلح کن باخاص و عام

بامسلمان اللہ اللہ بابر ہمن رام رام

بعض روشن خیال زمانہ جن کا نصاب تعلیم فقط انگریزی زبان اور انگریزی خط ہے اور

نصاب علم شریعت سے لگی فارغ اور ان کو اس کا اقرار بھی ہوتا ہے مگر پھر چنے کے چھلکے کی طرح خالی چیتے رہتے ہیں۔

”وما مثله الا كفار غ حمص . خلی بلا معنی ولكن یفرقع .“

یہ صاحب زبانی دعوت اتفاق و اتحاد دیتے ہیں اور اس میں خلل انداز صرف مولویوں کی تکفیر بازی قرار دیتے ہیں۔

اس گمراہ کن مغلطہ میں یہ چند امور یادداشتی ہیں کیا کافر کی تکفیر اگر حق جالب بھی ہو وہ بھی ترک کرنی چاہئے؟۔ اس صورت میں تو کفر و ایمان میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ اگر یہ صحیح نہیں اور عقیدت اسلام کی ہے تو ضرور کوئی معیار درمیان کفر و ایمان کے قارق ہو گا پھر اس معیار کی تحقیق کرنی چاہئے تاکہ اسی پر عمل رہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا تکفیر بازی لولہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کی۔ جس نے کل عالم اسلام کو جو اس کو نبی نہ مانے کافر اور ولد الزنا کہا اور یہ ہی بخ کن اسلام ہوا یا علماء اسلام؟۔ جنہوں نے مرزا قادیانی اور اس کے لڑکوں کی تکفیر کی جن کی تعداد سنا ہے کہ مردم شماری کی اعداد میں ۷۵ ہزار دونوں (لاہوری و قادیانی) طائفہ کی ہے اور کیا اتفاق کی جڑ مرزا غلام احمد قادیانی نے کاٹی یا علماء اسلام نے؟۔

قادیانی کہتا ہے کہ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور احیاء میت شرک و کفر ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ میں بھی ایک زمانہ دراز سے بتقلید جمہور اہل اسلام اسی عقیدہ پر تھا اب کفر سے اسلام کی طرف گیا ہوں اور علماء اسلام کہتے ہیں نہیں بلکہ قادیانی اسلام سے کفر کی طرف گیا۔

پھر کیا جو انتقال اس نے اپنے اقرار سے کیا، تحول کی طرح ہل دینے کی چیز ہے یا علماء اسلام کا حق ہے کہ اس کو پرکھیں؟۔

بات یہ ہے کہ اپنی لٹی میں تو کوئی یہ سخلت اور کرم نہیں کرتا اور جب ایمان کی تقسیم کا وقت ہو سو وہ ہے کیا چیز جس میں سقاء اور جود نہ کریں :

بخال ہند و ش بخشنم سمر قندو بخارا را

گم سے کیا گیا جو حساب و احتیاط ہو۔

جو صاحب لاہوریوں کی تکفیر میں جو قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں اور نبوت ظلی مدزی وغیرہ کہتے رہتے ہیں جس کی کوئی اصل دین میں نہیں متاثر ہیں وہ بھی سمجھنے سے محروم ہیں۔ کیا اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان نے دعویٰ نبوت کیا ہی نہیں بلکہ ایک محدث وہ بھی ہوا ہے تو اس سے وہ شخص کفر سے نجات پائے گا؟ حق تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب کرے اور سلامت فطرت کی دے۔ آمین!

قادیانی کی تعلیم اور دعوت کو کیوں اٹھا کر نہیں دیکھتے کیا وہ دعویٰ نبوت اسی معنی سے نہیں کرتا جس معنی میں یہ لفظ آسمانی کتابوں میں آیا ہے اور کیا وہ اپنی نبوت نہ ماننے والے کو کافر اور ولد الزنا نہیں کہتا اور کیا وہ اپنی وحی کو قرآن کے برابر نہیں کہتا اور کیا اس نے دعویٰ شریعت اور توہین انبیاء نہیں کی؟ اس کے بعد لاہوریوں کا کتمان اور عدم مغالطہ ان کے منہ پر کیوں نہ مارا جائے اور ان کو فی النار و السقر کیوں نہ کیا جائے؟

اصل میں اس فرقہ کی تکفیر میں بھی توقف کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر گزر گئے کوئی نئی بات نہیں۔ پنجابی دھولی کپڑے کو پتھر پر مارنے کے وقت بولا کرتے ہیں: ”ساذا کی جانے اچھو“ اور اگر کسی کو ان مسائل کا جہل ہو تو اپنے جہل ہی کا اعتراف کرتا رہے جہل کو علم نہ مانے اور جہل خدا و کو نہ چھپائے اور خلق اللہ کو گمراہ نہ کرے۔

تکفیر کا مسئلہ اگر احتیاط کی چیز ہے تو دونوں جانب سے ہے نہ مسلم کو کافر کہے اور نہ کافر کو مسلم۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی قطعاً کافر ہے اور بدیہی کافر اور تاریخ اسلام میں بلا فصل مدعی نبوت کو کافر کہتے آئے ہیں اور سزائے قتل دیتے تو اس کے دعاوی کو کتمان کرنے والا اور مصالح سے تحریف کرنے والا جو بداہت کے خلاف ہے کفر سے کیسے بچ سکتا ہے؟ بداہت کے خلاف مکملہ شرعاً و عقلاً قابل التفات نہیں۔ کفار کے ساتھ جہاد کیوں ہوتا ہے۔ کیا ان کے شبہات نہیں؟ یہی تو کہ وضوح حق کے بعد شبہات کی پرواہ نہیں کی گئی اور یہاں تو شبہات بھی نہیں محض بے حیائی اور کتمان ہے اور جنگ زرگری۔

اور سنئے کہ اس جاہلانہ احتیاط میں کیا کچھ مضمر ہے۔ کیا کسی ناپاک ذات کو مسیح

موجود ماننا کفر نہیں؟۔ شریعت تو زرات میں کہ نبوت جاری تھی اس میں متنبی کا ذب کا کیا قتل نہیں؟۔

کیا کسی رجس خبیث کو مسیح موجود اور مہدی مسعود کہنا شریعت متواترہ اسلامیہ کی تحریف اور تمسخر نہیں؟۔ شریعت متواترہ کی تحریف کیا جائے خود کفر نہیں۔ کفر کے کوئی سیگ ہیں کہ دروازہ میں نہ سائیں؟۔ ہاں! خوب یاد کیا کہ ممکن ہے کہ کفر کی شکل جیسے سچہ بہادر ہو یا درودر گویاں اور ان کے سیگ بھی ہوں۔

اس کے بعد اس جاہل محتاط سے کہنا چاہئے کہ وہ اپنی اس ہمہ دانی میں میاں مٹھو کی طرح اتنے ہی پر اکتفا کرے کہ قادیانی قطعی بدیہی کافر ہے پھر دنیا کو ان کی سمجھ پر چھوڑ دے وہ خود نتیجہ نکال لیں گے کہ بدیہی کافر کو مسیح و مہدی بنانے والا کیا ہے؟۔

یہ بھی شریعت میں دیکھنے کی چیز ہے کہ کیا کسی کے لئے سوائے اعتقاد نبوت کے اعتقاد وحی مسلولی قرآن رکھنا یا اعتقاد شریعت رکھنا یا اس کے اس قول پر :

انبياء گرچه بودہ اند بسے

من يعرفان نہ کمترم زکسے

(نزل الحج م ۹۹ خزائن ۷ ج ۴ ص ۱۸)

اعتقاد رکھنا کیا یہ کفر نہیں؟۔

نیز فرض کیجئے کہ کسی شخص نے دعویٰ نبوت بالصریح کیا اور اس کے اذتاب ہو گئے بعض نے نبی مانا اور بعض نے عمداً مصلحتاً: ”توجیہ القائل بما لا یرضی بہ قائلہ“ کر کے اس کو نبی نہ کہا لیکن سب خصائص و فضائل انبیاء کے اس کے لئے اعتقاد کر لئے کیا وہ سب کافر نہیں؟۔ یہ بھی معلوم رہے کہ انبیاء کی نقل اتارنا مثلاً اپنے دو چیلوں کا نام جبریل اور میکائیل رکھے اور کہتا رہے کہ مجھے جبریل نے یہ خبر دی اور میکائیل نے یہ کہا یا یہ کہے کہ مجھ پر میرے حق میں: ”لولاک لما خلقت الافلاک“ نازل ہوئی ہے۔

(تذکرہ ص ۶۱۲)

غرض نقل اتارنا جو جیسے مسئلہ نقل اتارنا تھا اور محاکات کرتا تھا:

آنچه انسان مے کند بوز زینہ یم

اس کی دو صورتیں ہیں یہاں کہ انبیاء کے ساتھ استہزاء کرتا ہو یا ادعاء ہو کہ مجھے بھی یہ خصائص حاصل ہیں اور واقعی یہ دو فرشتے میرے پاس آتے ہیں اگرچہ اس ادعاء سے نقل اتارنا مغایر ہے۔ حکم دونوں صورت کا کفر ہے اور جو کوئی اس کے اس ادعاء کو صداقت بخور کرے وہ بھی کافر ہے۔

ان صاحبوں سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ اس فرقہ کے علاوہ اگر آپ سے بایں عنوان مسئلہ پوچھا جائے کہ اگر کوئی اور خبیث مذہب کھڑا ہو جائے اور دعویٰ مسیحیت کرے اور اس کے پاس مال نہ ہو اور ثواب پیدا نہ ہوں لیکن وہ وہی دعویٰ پر رہے اس کے حق میں آپ کا کیا حکم ہے یا فقط زور دہر اسامی ہی دیکھ کر آپ کا مسئلہ بدلے ہے؟

دجال اکبر جس کے قتل کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اس کی کیا وجہ ہے سوائے اس کے کہ اس نے اپنے آپ کو یہود سے مسیح موعود منوایا ہو گا۔ جسے خدا سمجھ نہ دے اسے خدا سمجھے بالجملہ انبیاء علیہم السلام کی نقل اتارنا مستقل کفر ہے اگرچہ ادعاء نبوت بلفظ نبوت نہ کرے اور جو کوئی اس کو صداقت بخور کرے بلکہ جملہ مقررین سے بڑھ کر مانے اور اس پر ایمان لائے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو انبیاء علیہ السلام کی اسامی قبضائے اور وہ کہ اس پر ایمان لائے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ قادیانی نے علاوہ دعویٰ نبوت کے دعویٰ وحی، مسلولی قرآن اور دعویٰ شریعت اور توہین انبیاء اور تکفیر امت حاضرہ اور ادعاء خصائص انبیاء علیہم السلام اور ان کی نقل اتارنا اور انکار ضروریات دینیہ اور تحریف دین متواتر اور تمسخر بعض شریعت متواترہ کا کیا ہے اور یہ سب وجوہ متفق علیہ کفر ہیں اور لاہوری اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

کشتی نوح ص ۱۶ خزائن ص ۱۸ ج ۱۹ پر قادیانی کی عبارت دیکھنی چاہئے کہ اپنی جانب سے اپنی تحقیق سے مریم صدیقہ کی طرف زناء کی نسبت کرتا ہے: ”والعیاذ باللہ

العلی العظیم۔ واللہ الہادی لاہادی الاہو۔“

یہ کل بحث اس صاحب کے ساتھ ہے جس کے نزدیک دین کی کوئی حقیقت محصلہ

ہے اور اس پر ایمان و کفر کا فرق گراں نہیں۔ ورنہ جس کا دین محض مصلحت وقت اور ہر دلعزیزی ہے اس کے ساتھ ہمارا مخاطب نہیں۔

بالآخر پھر اپنے احباب سے استدعاء ہے کہ وہ اس وقت کو غنیمت سمجھ کر انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں اور ہر طرح سے اس کی تقویت و امداد کی سبیل نکالیں تاکہ ایک مستقل اور مستقر انجمن ہو جائے اور دین مبین کی خدمت کرتی رہے۔

نیز زمیندار کی توسیع اشاعت میں سعی فرمائیں کیونکہ ان معلومات کا اصل ذخیرہ اور سرچشمہ وہی ہے اور اسی کی فروغ میں سے باقی شعبے ہیں۔ حکومت کشمیر کو پھر بحیثیت رعیت ہونے کے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ کل عالم اسلام، مصر، شام، عرب، عراق، ہندوستان، کابل وغیرہ قادیانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ان کی بھرتی سکولوں اور محکموں میں مسلمانوں پر احسان نہیں اور ہمیشہ موجب تصادم و خلل امن رہے گی فقط!!

اہل کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر سے جاری ہوا ہے وہ قادیانی عقائد یعنی کفر کی تخم ریزی ہے۔ عنقریب شاخ و برگ دکھائے گا۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کفر نہ خریدیں۔ والسلام!

العارض

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

از دیوبند ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۵۱ ہجری

مجلس معمار العلماء پنجاب لاہور سے بھی بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ کیونکہ اعضاء اس کے مستند علماء ہیں۔ اصحاب و احباب اسے بھی فراموش نہ کریں۔ اگر اس کی تقویت اور اعانت ہو گئی تو انشاء اللہ! بہت سی خدمت مذہب و ملت کی انجام دے گی۔ واللہ الموفق!!!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

ملتِ اسلامیہ کی بین الاقوامی تنظیم ہے

۹. حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قائم فرمائی، مجاہدیتِ غیرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے چار چاند لگائے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور اب شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد دست بکاتم کی قیادت میں قادیانیت کے خاتمہ کی مہم پر ہے۔

اعراض و مقاصد

اسلحہ کی دولت و تہیہ، ناموسِ ختم نبوت کی پاسداری، قادیانی ترافقوں کی سرکوبی، باطل قوتوں کا مقابلہ، مجلس کا حکیم اور حدس قصص، قادیانیوں کے لیے اربوں کھربوں سے منصوبہ شریعت کی شکست، غیرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی دنیا کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اربوں کھربوں سے منصوبہ شریعت کی شکست، سب اہل فتنہ و اربوں سے امداد برہا ہونے کیلئے وقف میں مجلس کا سالانہ بین الاقوامی اجتماع، جامع مسجد ربوہ، جامع مسجد کراچی اور دیگر شہروں میں جلسے، اندرون و بیرون ملک میں بھی دفاتر قائم کیے جا رہے ہیں، اندرون و بیرون ملک قادیانیوں کے ساتھ مقدمات کی وجہ سے مجلس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، ختم نبوت کی خدمت اور مالی امانت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاکست کا ذمہ ہے۔ آجنا ب سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ جس کا خیر میں ضرور شریک ہو گئے

واجب کرم علی اللہ، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

فقیر حق محمد امیر مرکز، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ضلعی باغ و ڈولتان

کتابخانه المصنفین لائبریری
مدرسہ اسلامیہ، مسیحیہ، ہندو کولہ، بنیادی

بیان در مقدمہ بہاول پور

۲۵ / ۲۷ / ۲۸ / ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

امام العصر جۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بہاولپور کا معرکتہ الآراء تاریخی مقدمہ

۱۹۳۲ء کی تیسری سہ ماہی میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بوجہ علالت چند ہفتوں کے لئے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب طبع مبارک قدرے رو بہ صحت ہوئی تو ڈابھیل مراجعت فرمانے کا عزم فرمایا۔ اور رخت سفر تیار کیا کہ اچانک حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحبؒ کا صحیفہ گرای موصول ہوا جس میں اہالیان بہاولپور کی اس آرزو کا اظہار تھا کہ حضرتؒ بہاولپور تشریف لا کر حق و باطل کے اس مقدمہ میں شہادت قلمبند کرائیں۔

حضرتؒ نے معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ڈابھیل کا سفر معرض التوا میں ڈال کر بہاول پور کا قصد فرمایا اور باوجود پیرانہ سالی و شدید ضعف و علالت کے دیوبند سے بہاول پور تک کا صعوبت انگیز سفر اختیار فرمایا۔ اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء بروز جمعۃ المبارک سرزمین بہاولپور کو قدم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔

حضرتؒ کی بہاولپور آمد کے ساتھ ہی تمام ہندوستان کی نظریں اس مقدمہ پر مرکوز ہو گئیں اور اس نے لاقانی شہرت اختیار کر لی۔ پنجاب اور سندھ کے اکثر علماء دین بہاولپور پہنچ گئے۔ آپ کی قیام گاہ پر ہمہ وقت زائرین کا اثر دھام رہتا تھا۔ ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو جب یہ رأس المحدثین اپنی شہادت قلمبند کرانے عدالت میں پہنچا تو کمرہ عدالت ذی علم علماء دین و مشاہیر و وزراء و اکابرین قوم سے مکمل طور پر معمور تھا۔ عدالت کے باہر میدان میں

عوام کا ایک جم غفیر موجود تھا جس میں اہل ایمان کے علاوہ اہل ہنود بھی شامل تھے اور ہر شخص حضرت کے ارشادات گرامی سننے کے لئے مضطرب تھا۔ آپ کا یہ بیان ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء تک جاری رہا جبکہ ۲۹ اگست کو جلال الدین شمس قادیانی مختار فریق ثانی نے آپ پر جرح کی۔ حضرت نے مندرجہ ذیل پانچ وجوہ پیش کر کے مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کی تکفیر کا ثبوت پیش فرمایا:

(۱)..... دعویٰ نبوت

(۲)..... دعویٰ شریعت

(۳)..... توہین انبیاء علیہم السلام

(۴)..... انکار متواتر اساتذہ و روایات دین

(۵)..... سب (کالی دینا) انبیاء علیہم السلام

حضرت نے اپنے دلائل قاطع و دہشتناک ساطع سے مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل نبوت اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد اور پورے عالم میں ابیض من الطمس کر دیا (حضرت کا یہ بیان علم و عرفان کا ایسا بحر و ذخار ہے جس کی گہرائیوں میں گہراں قدر اور بے بہا موتی بھرے ہوئے ہیں۔)

مقدمہ بھولپور کے ساتھ دیئے تو بہت سے تاریخی واقعات دلالت ہیں۔ قارئین گرامی کی بہرہ اندوزی کے لئے یہاں پر صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)..... مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء کو جب جلال الدین شمس قادیانی مختار مدعا

علیہ حضرت شاہ صاحبؒ پر لایعنی جرح کر رہا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی زبان مبارک سے ”غلام احمد جہنمی“ کا لفظ نکلا جس پر مختار مدعا علیہ نے شدید احتجاج کرتے ہوئے جرح بند کر دی اور عدالت سے درخواست کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم فرمایا جائے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں۔ عدالت کا کمرہ علماء فضلاء و مشاہیر سے کچا کچھ بھرا ہوا تھا ان حضرات نے مشاہدہ کیا کہ حضرتؒ پر ایک خاص کیفیت و جد طاری ہو گئی۔ چہرہ مبارک نور سے منور ہو گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک جلال الدین شمس قادیانی کے کاندھے پر رکھ کر فرمایا:

”ہاں ہاں! مرزا غلام احمد قادیانی جتنی ہے۔ دیکھنا چاہتے ہو کہ وہ جہنم میں کیسے جل رہا ہے؟۔“

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان الہامی کلمات سے مرزائیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ جلال الدین شمس قادیانی نے فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کا دست مبارک اپنے کندھے سے ہٹا دیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیں۔ تو میں اسے شعبہ بازی کہوں گا۔

بفضل تعالیٰ آج بھی یہاں پور میں بالخصوص بورہ صغیر میں بالعموم ہزاروں افراد موجود ہیں جو اس تاریخی واقعہ کے معنی شاہد ہیں۔

(۲)..... ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کو یوم جمعۃ المبارک تھ۔ جامع مسجد الصلوات یہاں پور میں آپ نے جمعہ کی نماز ادا فرماتا تھی۔ مسجد کے اندر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ قرب وجوار کے گلی کو چے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے نماز کے بعد آپ نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

”میں بوا سیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لئے پایہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ صاحب کا مکتوب مجھے ملا جس میں یہاں پور آکر مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادر راہ ہے نہیں۔ شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں حضرت محمد ﷺ کے دین کا جانبدار بن کر یہاں آیا ہوں۔“

یہ سن کر مجمع بے قرار ہو گیا۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا عبدالحق ہزاروی آہ و بکا کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہوگی؟۔ اس کے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف و توصیف میں عرض کئے جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

”ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا۔ حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں۔“ (کلمات انوری)

(۳)..... جب بہاولپور سے بیان دیکر واپس دیوبند جانے لگے تو اپنے شاگرد حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ سے فرمایا کہ اگر فیصلہ میری زندگی میں ہوا تو خود سن لوں گا۔ اگر میرے مرنے کے بعد فیصلہ ہو تو میری قبر پر آکر سنا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کہ فیصلہ سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ نے دیوبند جا کر آپ کی مزار انور پر اس فیصلہ میں اہل اسلام کی کامیابی کی نوید عرض کی۔

(فقیر اللہ وسایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵ اگست ۱۹۳۲

باتقرار صالح

بیان گواہ مدعیہ

سید محمد انور شاہ ولد معظم شاہ ذات سید سکندہ کشمیر عمر ۵۵ سال
ایمان اور کفر کی حقیقت

کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر بلور کرنے اور غیب کی خبروں کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر بلور کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور کفر کہتے ہیں حق ناشناسی اور منکر ہو جانے کو یا مکر جانے کو۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے۔ یا تواتر سے یا خبر واحد سے۔

اقسام تواتر: تواتر اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی ثابت ہوئی ہو نبی کریم ﷺ سے

سے اور ہم تک پہنچی ہو علی الاصل کہ اس میں احتمال خطا کا نہ ہو۔ تواتر ہمارے دین میں چار قسم کا ہے۔ حدیث ہے کہ:

”من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار.“

﴿جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات کی نسبت کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔﴾

پہلی قسم: یہ حدیث متواتر ہے اور ہمیں صحابہؓ سے بسند صحیح مذکور ہے۔ اس کو تواتر اسنادی کہا جائے گا۔ نزول مسیح میں چالیس حدیثیں صحیح ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ متواتر ہیں۔ (اگر) اس کا کوئی انکار کرے (تو وہ کافر ہے۔

دوسری قسم: تواتر طبقہ۔ (کہ جب) یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر۔ اس تواتر کا منکر اور منحرف بھی کافر ہے۔ مسواک کا ثبوت بھی دونوں طرح سے متواتر ہے۔ اگر کوئی (مسواک) ترک کر دے تو چند اہل وبال نہیں اور اگر اس کا کوئی انکار کر دے علم دین سمجھ کر تو وہ کافر صریح ہے۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ ”جو“ حرام ہیں تو وہ کافر ہے۔ حسب شریعت محمدیہ (جو کھانا) کوئی بڑی چیز نہ تھی لیکن پیغمبر ﷺ نے ”جو“ کھائے اور امت اب تک ”جو“ کھاتی آئی ہے۔ اس تواتر قطعی کا انکار کفر ہے۔

تیسری قسم: تواتر قدر مشترک ہے۔ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ وہ حصہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثال اس کی کہ معجزات نبی کریم ﷺ کچھ متواتر ہیں۔ اور کوئی (کچھ) اخبار احاد ہیں۔ لیکن ان اخبار احاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے۔ کہ وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے۔ جیسے پہلی دو قسم کا۔

چوتھی قسم: تواتر توارث ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ جیسا کہ ساری امت اس علم میں شریک رہی کہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ یہ تواتر اس طرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے (اپنے) باپ سے لیا اس کا انکار بھی صریح کفر ہے۔

اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت قائم نہیں رہ سکتی اور نہ کسی اور یقینی چیز کی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا۔ مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔ رد ہے اور مسوع نہیں ہے۔

متواترات کو تاویل سے پلٹنا کفر ہے

میں نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام کے صفحہ اول پر متواترات کے پلٹنے کی مثال دی ہے۔ اس کا نام باطنیت ہے۔ اسی کا نام زندیقیت اور الحاد ہے۔

کفر کے اقسام: کفر کبھی قولی ہوتا ہے۔ اور کبھی فعلی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نمازیں پڑھتا رہے اور تیس چالیس سال کے بعد ایک دفعہ بت کے آگے سجدہ کرے تو وہ کافر ہے۔ اور تارک نماز سے بدتر ہے۔ یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے کہ مثلاً یہ کہہ دے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے۔ صفتوں میں یا فعل میں یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا یہ کفر قولی ہے۔

اختلاف مراتب: کوئی شخص اگر اپنے مساوی رتبہ سے کہہ دے کہ کلمہ بکا۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاد اور باپ سے (یہی کلمہ) کہہ دے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو یہ کفر صریح ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر سے آکر مغفرت کی دعا کرو تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔ اس کو بھی پیغمبر کے مقابلے میں قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔ کوئی شخص اگر بغیر نیت کے بطور ہنسی کھیل کے کلمہ کفر کہتا ہے۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ اگر سبقت لسانی ہوئی تو یہ معاف ہے۔

اس کی تائید میں آیت: ”وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا“ توبہ آیت ۷۴

بے شک کہا انہوں نے لفظ کفر اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر اور کہا تھا اس چیز کا

جو ان کو نہ ملی۔ ﴿

اور: ”لَا تَخْذَرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔ توبہ آیت ۶۶“

﴿یہاں نے مت ڈرو تم کفار ہو گئے۔ اظہار ایمان کے بعد۔﴾

ان دفعات (اسلامیہ) سے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں (جو) انکار کرے تو وہ خدا کا باغی ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

مرزائیوں سے اصولی اختلاف

اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا نہیں۔

مرزا قادیانی نے اسلام کے اصول بدلے

مرزائی مذہب والے (مرزا غلام احمد قادیانی) نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کی تبدیلی کر دی ہے اور بہت سے اسمائے کا مسکمی بدل دیا ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں اور قرآن مجید ہے اور اجماع بالفعل ہے اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے اور کوئی مسلمان جس کو تعلق ہو اسلام کے ساتھ۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہ رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے اگر کوئی آیت قرآنی ہو اور اس کی مراد پر اجماع ہو امت کا اور صحابہ کرام کا اس سے انحراف کرنا اور تحریف کرنا کفر صریح ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ: ”من ادعی الاجماع فهو كاذب“ تو اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ کہیں کہیں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ اجماعی ہوتے نہیں۔ نہ یہ کہ کوئی چیز دین محمدی میں اجماعی ہے ہی نہیں؟

ہم خود زبان امام احمد سے نقل اجماع کو ہم بہت (خوب) ثابت کر دیں گے۔

امت محمدیہ ﷺ میں پہلا اجماع

پہلا اجماع جو اس امت محمدیہ ﷺ میں ہوا ہے وہ اس پر ہوا ہے کہ مدعی نبوت کو

﴿آغاز اس دین کی ایک شخص سے تھی کہ اس نے کوشش کی اور وہ سردار ہو گیا

امتوں کا۔﴾

اس شعر سے قرار دیا گیا کہ یہ شخص نبوت کو کسی کہتا ہے جو کہ ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسے قتل کر دیا گیا۔
ختم نبوت کی آیت :

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ . وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا . احزاب آیت ۴۰“

﴿محمد رسول اللہ ﷺ تم باغوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن رسول ہیں اللہ کے اور ختم کرنے والے ہیں پیغمبروں کے۔﴾

اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم کی نبوت (باپ ہونے) کا علاقہ دائما دنیا سے منقطع ہے۔ اور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ دائما ثابت ہے۔ گویا ساری جگہ نبوت اور رسالت کی محمد ﷺ نے گھیر لی۔ کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ احادیث تو اتر کو پہنچ گئی ہیں کہ یہ عمدہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لانے سے نبوت کا عمدہ منقطع ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اناعلامت ہے اس بات کی کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں اس لئے پہلے نبی کو لانا پڑا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

”چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہر حال۔ محمد ﷺ ہی نبی ہے نہ اور کوئی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ج ۲۱۲ ضمیمہ حقیقت النبوت ص ۲۶۶)

مطلب یہ کہ میں آئینہ بن گیا ہوں محمد رسول اللہ کا اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے رسول کریم ﷺ کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمسخر ہے۔ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ (یعنی مہر نبی اور مال میں سے مال چرایا گیا)

مرزا غلام احمد قادیانی خاتم کے یہ معنی کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ مہر ہیں اور آپ ﷺ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ (حقیقت الوحی ص ۷۷ حاشیہ خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)

چند شبہات کے جوابات

(۱)..... علمائے اسلام حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے کلمہ کفر میں '۹۹' احتمال کفر کے ہوں اور ایک (احتمال) اسلام کا ہو تو ننانوے احتمالات کو نظر انداز کر دیا جاوے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ایک ہی کلمہ کفر کسی کا پایا گیا ہو۔ حالات اس کے معلوم نہیں۔ تو اس وقت یہ صورت ہوگی 'ورنہ اگر حالات معلوم ہوں اور وہ ۳۰ سال اگر عبادت کرتا رہے اور ایک کلمہ کفر کا کلمہ وہ کافر ہے۔

(۲)..... تکفیر اہل قبلہ یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ بس اس کی مراد میں علماء نے تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد یہ ہے کہ وہ کل متواترات اور ضروریات دینی پر ایمان لایا ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری کتاب السیر ص ۳۲۰ رد المحتار ج ۷ ص ۲۳۷ شرح فقہ اکبر تحریر شیخ ابن حمام ص ۱۸۹)

(۳)..... میں نے شروع بیان میں جو یہ کہا تھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے اور اجماع صحابہ حجت قطعی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب اقامۃ الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳ پر ہے۔ واجب ہے اس اجماع صحابہ کا اتباع بلکہ وہ قوی تر حجت ہے اور مقدم ہے اور حجتوں پر۔ اسلام شناخت ہے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں اسلام کی۔ (اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جاوے تو دین ڈھے گیا۔)

صحیح بخاری ص ۱۰۲۳ جلد ۲ میں ایک حدیث ہے: "فان له اصحاب..... الخ." اس کی ذریت سے کہ ایک نسل آئے گی کہ ان کے روزے اور نماز کے سامنے تمہارے (یعنی صحابہ کے) نماز اور روزے پیچ ہوں گے۔ اس جھٹ (تیزی) سے نکل جائیں گے دین سے۔ جس طرح تیر نکل جاتا ہے شکار سے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اگر میں نے پایا ان کو۔ تو جیسے عاد اور ثمود قتل کئے گئے میں بھی ان کو قتل کر دوں گا۔

(۴).....حافظ المن تھیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گناہوں سے تکفیر

نہ چاہئے۔ ان گناہوں سے مراد وہ ہیں جو کفر کی حد تک نہیں پہنچے اور جو کفر کے کلمے یا فعل ہیں۔ ان سے ہر طرح سے تکفیر کی جائے۔ ایسے گناہ مثلاً زنا، شراب خوری، ڈاکہ زنی، سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اگر نماز کوئی شخص ترک کرے دانستہ، وہ کافر نہیں فاسق ہے اور شدید عاصی ہے، اور اگر تاویل کر جائے نماز میں کہ نماز سے کچھ اور مراد ہے تو وہ کافر ہے قطعاً نماز کا اگر کوئی شخص اقرار کرتا ہے اور دانستہ نہ پڑھے تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے۔ اور اگر ایک دفعہ قبلہ سے روگردانی کر کے دوسری طرف دانستہ نماز پڑھ لے تو وہ کافر ہے۔ نماز کا تارک کافر نہیں ہے۔ فاسق ہے اور اگر بے وضو نماز پڑھے تو کافر ہے۔

اصل کافروں سے بدتر وہ کافر ہے جن کا رلاؤ (طے جلتے) ہو اسلام کے ساتھ جنم کے کافروں سے۔ کیونکہ اصل کافروں سے نفع جاتا ہے اور دوسروں سے پونجی جاتی ہے۔

شیطان کا کفر: کبھی کفر ایسا ہوتا ہے کہ نہ خدا کی تکذیب کی نہ پیغمبر کی تکذیب کی۔ پھر بھی کافر جیسے ابلیس نے نہ خدا کی تکذیب کی نہ آدم کی۔

کافر، منافق اور زندیق میں فرق

جو اقرار نہ کرے دین محمدی کا اس کو کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو اسے منافق کہتے ہیں حکم اس کا بھی وہی ہے۔ بلکہ کافر سے اشد۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو۔ اسے زندیق کہتے ہیں وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے بالاسناد احکام القرآن ص ۵۳ (منقول ہے) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ: ”ومن انکر شیعاً من شرائع الاسلام فقد ابطال قولہ۔ لا الہ الا اللہ۔ السیر الکبیر ص ۲۶۵ ج ۱۴“ کہ جس نے انکار کیا کسی چیز کا اسلامی امور میں سے اس نے باطل کر دیا قول لا الہ الا اللہ کا۔

۲۷۔ اگست ۱۹۲۳ء

تمتہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ

اسلام کفر اور ارتداد کے معنی

اس وقت تک جو اجمالی طور پر کفر و ایمان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے (اسلام سے) خارج ہو جائے۔ اور ایمان یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت بدیہیات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان عام و خاص اس کو جانتے ہیں اس کی تصدیق کرنا۔ عبارت ذیل سے یہ دونوں مسئلہ ثابت ہیں۔

”هو الراجع عن دين الاسلام وركنها اجراء كلمة الكفر على لسان بعد الايمان و هو تصديق محمد ﷺ في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة.“ (در مختار تحفہ شایع ج ۳ ص ۲۲۱ باب الردہ) مرتد وہ ہے جو پھر جائے دین اسلام سے اور حقیقت اس کی جاری کرنا کلمہ کفر کا زبان پر ایمان کے بعد۔ اور ایمان کیا چیز ہے تصدیق کرنا نبی کریم ﷺ کی سب ان چیزوں میں جو خدا کی طرف سے لائے۔ ثبوت ان کا بدیہی ہو گیا۔

دوسری عبارت بالفاظ ذیل: ”الايمان تصديق سيدنا محمد ﷺ في جميع ما جاء به من الدين ضرورة. الكفر تكذيب محمد ﷺ مما جاء من الدين ضرورة ولا يكفر احد من اهل القبلة بجهود“

(صفحہ ۲۶۳ شرح الاشباہ والنظائر نول کشور)

ایمان تصدیق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی جملہ ان امور میں کہ جو لائے اور ثابت ہوئے تو اتارے۔ کفر تکذیب ہے نبی کریم ﷺ کی کسی ایک چیز میں بھی جو دین میں بدیہیات

ثابت ہو۔ کافر نہیں ہوگا کوئی اہل ایمان (اہل قبلہ) میں سے مگر جب انکار کرے کسی اس چیز کے (سے) جو چیز کہ ضروریات دین سے ہو۔ ﴿

ضروریات دین

”معنی التصدیق قبول القلب‘ و اذ عانہ لما علم الضرورة انه من دین محمد ﷺ بحيث تعلمه العامة من غير افتقار الى نظر و استدلال كالو حدانية والتبوة والبعث الجزاء ووجوب الصلوة۔“

ضروریات دین وہ ہیں کہ پہچانیں ان کو خواص و عوام کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا رسالت کا اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

(رد المحتار ص ۷۷ ج ۲۴ باب الامات)

مرزائی تاویلات کا رد

جو لوگ ضروریات دین کا انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کو چھپانے کے لئے مختلف تاویلیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں :

- (۱)..... کبھی کہتے ہیں ہم اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔
- (۲)..... کبھی کہتے ہیں ہم تمام ارکان اسلام، نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تبلیغ اسلام میں سرگرم کوششیں کرتے ہیں۔ ہمیں کیسے اسلام سے خارج کیا جاسکتا ہے؟
- (۳)..... کبھی کہتے ہیں کہ بہ تصریح فقہائے (اسلام) اگر ایک شخص کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کی اور صرف ایک (وجہ) اسلام لی موجود ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ اس ایک وجہ کو اختیار کر کے اس کو مسلمان کہے۔ کفر کا حکم نہ لگائے۔ پھر ہمیں کیسے خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟

(۴)..... اور کبھی کہتے ہیں کہ بتصریح فقہاء جو لوگ کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کی بنا پر کہیں۔ اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ان چاروں شبہات کے جواب تریب وار یہ ہیں۔

پہلا شبہ: اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ یہ بے علمی اور نادانیت پر مبنی ہے۔ چونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ بدتر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ”لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ“ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷

﴿نیکي کچھ بھی نہیں ہے کہ منہ کر دینا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن بڑی نیکی یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔﴾

اس مضمون کی تصریح کتب ذیل میں ہے :

”ثم اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضرورات الدين حدوث العالم وحشر الاجساد و علم الله تعالى بالکيات والجزئيات و ما اشبه من المسائل المهمات فمن و ظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفى الحشر نفى علمه سبحانه بالجزائيات لا يكون من اهل القبلة“ (شرح فقہ اکبر میان موجبات الکفر ص ۱۲۳ مطبع احمدی) جس کا مطلب یہ ہے کہ جان تو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر جیسے حدوث عالم، حشر اجساد، علم اللہ تعالیٰ کا کل خبروں کے ساتھ اور جو اس کی مثالیں ہوں مسائل مہمہ میں سے۔ پس جس شخص نے مداومت کی ساری عمر اطاعت اور عبادت پر باوجود اعتقاد قدم عالم کے اور نفی حشر کے اور جزئیات مادیات کے ساتھ علم الہی کی نفی کی۔ وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ جو مسئلہ کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز

نہیں۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہو گا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیزیں موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

”والمراد قطعاً“ مراد مبتدع سے وہ ہے جو اپنی بدعت رسوم سے کافر نہیں اور ایسے ہی گنہگار اہل قبلہ میں سے وہ شخص مراد ہے جو موافق ہو ضروریات دین کے جیسے حدوث عالم۔ حشر اجساد۔ سوائے اس کے کہ صادر ہو۔ اس سے کوئی چیز موجبات کفر کی۔ (تقریر شرح تحریر الامول ص ۳۱۸ ج ۳)

اس کتاب کے اسی صفحہ پر ہے :

”ثم الخ“

﴿کافر نہ کہنا کسی اہل قبلہ کو کسی گناہ سے تصریح کی ہے اس کی امام ابی حنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمایا کہ ہم کافر نہیں کہتے کسی کو کسی گناہ سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہو۔ جب تک اس گناہ کو حلال نہ سمجھے جیسے کہ منتقی حاکم شہید کی کتاب میں ہے۔﴾

دوسرا شبہ : یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنے والے ہیں۔ پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے؟۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کتاب : ”استنابة المعاندين والمرتدين باب قتال الخوارج“ ص ۱۰۲۴ ج ۲“ جس کو میں پہلے اپنے بیان میں کہہ چکا ہوں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے بلکہ ظاہری خشوع و خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز، روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے نماز، روزے کو بھی پیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز، روزہ ان کو حکم کفر سے نہ بچا سکے۔

تیسرا شبہ : یہ کہا جاتا ہے کہ فقہانے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے

کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فشاء بھی یہی ہے کہ فقہاء کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور اسکے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جس میں صراحت بیان کیا گیا کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جب کہ قائل کا صرف ایک کلمہ مفتی کے سامنے آوے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کلام میں ایسی تصریح ہو جس کا معنی کفر یہ متعین ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال نکل سکے، جس کی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے تو اس احتمال کو اختیار کرے۔ اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہوں جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص بھی یہی معنی کفر یہ مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں اس معنی کفر یہ کی تصریح کر دے تو باجماع فقہاء ہر گز ہر گز اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص کے لئے کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

”اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر وجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يعميل الى ذلك الوجه الا اذا صرح بارادة توجب الكفر. فلا ينفعه التاويل حيثئذ. كذا في البحر الرائق“

(فتاویٰ عالمگیری الباب ۱۱۳ احکام المرتدین قبل باب البغاة ص ۴۲۰ ج ۲)

جب مسئلہ میں کئی وجہیں ہوں کہ واجب کریں کفر کو۔ اور ایک وجہ ہو کہ منع کرتی ہو کفر کو۔ لازم ہے مفتی کو کہ دیکھے اس ایک وجہ کی طرف۔ مگر جب تصریح کی ایسی مراد کی جو کفر واجب کرے تو کوئی مانع نہ ہو دیگر تاویل اس وقت۔ ایسا ہی ہے البحر الرائق میں۔ ایسا ہی ہے خلاصہ بزازیہ میں۔

چوتھا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جاوے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں بھی وہی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔
حضرات فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع
تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل
کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے
قرآن مجید الحاد کہتا ہے۔ اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو
مذہبی لٹریچر بدلے۔ الفاظ کی حقیقت بدل دے۔

محمد بن ابی بکرؓ حاکم مصر نے حضرت علیؓ کی خدمت میں لکھا کہ دو مسلمان زندیق ہو
گئے ہیں۔ ادھر سے جواب دیا گیا اگر توبہ کر لیں تو قتل سے بچ گئے۔ نہیں تو گردن مار دو۔
روایت کیا اس کو امام شافعی اور بیہقی نے زندیق کا لفظ کنز العمال ص ۹۳ جلد ۳ سے لیا ہے۔
زندقہ فارسی لفظ ہے جس کو عربی میں لیا گیا ہے۔ علماء کی کتابوں میں اس کا نام باطنیت آتا
ہے۔ یہ تینوں چیزیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں۔ کفر صریح ہیں۔ معانی الآثار کتاب الحدود باب
حد النمر ص ۸۹ ج ۲ میں ہے۔ امام طحاویؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کی
ہے اہل شام کی ایک جماعت نے شراب پی اور آیت کریمہ: ”لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا“ المائدہ آیت ۹۳ کی تحریف کر کے شراب
کو حلال قرار دیا۔ اس وقت یزید ابن ابی سفیان شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت فاروق
اعظمؓ کو یہ واقعہ لکھا۔ فاروق اعظمؓ نے جواب میں لکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے میرے
پاس بھیجئے۔ جب یہ لوگ حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے تو صحابہؓ اور تابعینؓ
سے ان کے معاملہ میں مشورہ ہوا۔ سب نے یہ رائے دی کہ یا امیر المؤمنینؓ:

”ترى أنهم قد كذبوا على الله و شرعوا في دينهم ما لم ياذن به
الله فاضرب اعناقهم“

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کی ہے اور دین میں ایک ایسی بات جاری کی
جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ اس لئے ان کی گردنیں مار دیجئے۔ لوگوں نے یہ
رائے دی۔

مگر حضرت علیؑ ساکت رہے حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا:

”ارئى ان تستيبهم . فان تابوا ضربتهم ثمانين بشر بهم الخمر و ان لم يتوبوا ضربت اعناقهم قد كذبوا على الله و شرعوا فى دينهم ما لم ياذن به الله فاستتابهم فتابوا . فضربهم ثمانين ثمانين .“

﴿میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ ان سے کہیں کہ اس خیال سے توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کریں تو ہر ایک کو ۸۰، ۸۰ کوڑے لگائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کی گردنیں مار دی جائیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور دین میں ایسی بات جاری کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔﴾

یہ واقعہ حافظ الدنیالین حجر عسقلانی نے شرح فتح الباری میں حوالہ مند عبد الرزاق مصنف ابن ابی شیبہ نقل فرمایا ہے۔

(فتح الباری کتاب اللہ و باب ضرب بالجرید و النعال پارہ ۷ ص ۲۶۰ ج ۱۲)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت کے کسی لفظ کو حال رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے اور مقابلہ ہو متواترات کا تو وہ کفر صریح ہے (ان لوگوں نے قرآن کی تکذیب نہ کی تھی بلکہ بے جا تاویل کی تھی جس پر قتل کا حکم کر دیا گیا۔)
وزیر محمد بن ابراہیم یمانی لکھتے ہیں:

”مثل كفرا الزنا دقة والملاحدة . الى ان قال . و تلعبوا بجميع آيات كتاب الله عزو جل فى تاويلها جميعا بالبواطن التى لم يدل على شئ منها دلالة ولا امارة ولا لها فى عصر السلف الصالح اشارة . وكذلك من بلغ مبلغهم من غيرهم فى تصفية آثار الشريعت ورد العلوم الضرورية التى نقلتها الامة خلفها عن سلفها .“

(امير الحق علی الخلیف ص ۴۴۵)

﴿جیسے کفر زانیوں اور ملحدوں کا کھیل اور تمسخر کیا انہوں نے قرآن مجید کی سب

آیتوں کے ساتھ اور تاویل کی ان آیتوں کی ان باطنی چیزوں کے ساتھ جس پر نہ لفظوں کی دلالت ہے۔ نہ نشان ہے۔ نہ سلف کے زمانہ میں کوئی اشارہ ہے اور اس طرح ان زندیقوں اور ملحدوں جیسے وہ لوگ بھی ہیں۔ جو ان ہی کی صفت کے ہوں اور شریعت کے نشان مٹانے میں اور بدیہی علوم کو رد کرنے میں جس کو پچھلی نسلوں نے اگلی نسلوں سے لیا ہے۔ ﴿

یہاں تک میرے بیان سے اصولی طور پر کفر اور ایمان کی شرعی حقیقت اور یہ بات واضح ہو چکی کہ ایک مسلمان کس قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کبھی کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

کفر مرزا پر علماء کا فتویٰ

اس کے بعد میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قادیانی مدعی نبوت نے کن ضروریات دین کا انکار کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باجماع امت کافر مرتد قرار دیئے گئے اور ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے۔ ان کے کفر اور ارتداد پر نیز ان کے متبعین کے کفر اور ارتداد پر متفق ہو گئے۔

رسالہ القول الصحيح فی مکائد المسيح ص ۱۵ مرتبہ مولوی سہول صاحب سائن مدرس دارالعلوم دیوبند، الحال پر نسیل کالج شمس الہدیٰ پٹنہ عظیم آباد نے ایک فتویٰ مرتب کیا ہے جس پر بہت سے علماء کے دستخط ہیں اور مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ شیخ الہند صاحب نے ایک دو سطریں ہی لکھی ہیں جو بالفاظ ذیل ہیں :

”مرزا علیہ مایستحقہ کے عقائد و اقوال کا امور کفریہ ہونا۔ ایسا بدیہی مضمون ہے جس کا انکار کوئی منصف صاحب فہم نہیں کر سکتا۔ جس کی تفصیل جواب میں موجود ہے۔“
مصر کا فتویٰ بھی اس کے متعلق چھپا ہوا موجود ہے۔ شام کا بھی موجود ہے۔

شام کا مشہور رسالہ ”خلاصۃ الرد فی انتقاد مسیح الہند“ از قلم محمد ہاشم الرشید الخطیب الحسینی القادری ۱۳۴۴ھ ہے۔ اس میں سے چند سطور کا مطلوب یہ ہے کہ تیسری

کلام وہ جو کہ میں نے رسالہ کے ص ۳۰۲ پر نقل کی ہے :

”وہ شہادت دیتی ہے اور حکم کرتی ہے تجھ پر کہ تو کافر ہے۔ نہیں داخل ہوا تو دین

اسلام میں اور ایسا ہی تیرا مسیح ہندی اور جو اس کا پیرو ہے۔“ آگے لکھتے ہیں :

”اسکندرانی اور دیگر سب جرائد نے ہمارے رد کا اعلان کیا ہے۔ مضامین لکھے

ہیں۔ سارے مسلمان اس یقین پر ہیں کہ تم لمحہ اور کافر ہو۔“

دوسرا فتویٰ علمائے ہندوستان کا ہے جو شائع شدہ ہے اور جس کا نام استکشاف

المسلمین ہے جو سال ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوا۔ مصر کے فتویٰ کا ترجمہ جو انجمن تائید الاسلام

کو جر انوالہ نے اپنے رسالہ ”کفر مرزا“ میں شائع کیا ہے کہ :

﴿غلام احمد ہندی کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

مگر غلام احمد نے کہا کہ میرا مقصد ختم نبوت سے ختم کمالات نبوت ہے۔ جو سب سے افضل

رسول اور انبیاء ہمارے نبی پر ختم ہوئے اور میرا عقیدہ ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی

نہیں۔ بجز اس کے جو آپ کی امت میں ہو اور پوری طرح سے آپ کا پیرو ہو۔ جس نے سارا

فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو اور آپ کی روشنی سے روشنی پائی ہو تو وہاں پر مغائرت اور

غیریت کا مقام نہیں اور نہ کوئی دوسری نبوت ہے اور یہ کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ وہ تو خود احمد

ہی ہیں جو دوسرے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ کوئی شخص اپنی صورت کو جس کو اللہ تعالیٰ آئینہ

میں دکھاتا اور ظاہر کرتا ہے۔ غیریت نہیں کرتا۔ پس جو شخص نبی سے ہو اور نبی کے اندر ہو

تو وہ ہو یہودی ہے۔

یہ کلام اس باب میں بالکل صاف ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی آپ ﷺ کے

بعد نبوت کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وہ بھی نبی آپ ﷺ کے

اجتماع سے ہے اور وہ صورت نبی ﷺ سے ہے اور ہو یہو محمد ﷺ ہے۔ یہ صریح کفر ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ احزاب آیت ۴۰ کے صریح مخالف ہے۔ یہ ان بہت سے دعویٰ میں

سے ایک قلیل ہے جو کذب غلام احمد ہندی پر دلالت کرتے ہیں اور جن کو اس نے اپنی کتاب

میں (مواہب الرحمن ص ۶۹، ۷۰، خزائن ص ۲۸ ج ۱۹) تحریر کیا ہے۔
 مغفور مصطفیٰ کامل پاشا رئیس حزب الوطن اور مالک اخبار اللواء نے بھی اس کا رد لکھا ہے۔ غلام احمد کو ضال اور مضل لکھا ہے اور اس کے اقوال کو دیوار پر پھٹکنے اور نجاست کی طرح الاؤ پر ڈال دینے کے لئے کہا ہے۔

کاتب فتویٰ مفتی ملک مصر محمد نجیب اور علامہ طنطاوی جوہری ہیں۔ اصل فتویٰ میں نے دیکھا ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ درست ہے۔ یہ فتویٰ مصر میں علیحدہ شائع ہوا تھا اور میں محمد نجیب اور علامہ طنطاوی دونوں کو جانتا ہوں۔

رسالہ استکاف الاسلام میں مفتی بھوپال کے بھی دستخط اور مہر ہے۔ انہوں نے اس سوال نکاح کے متعلق بھی ایک فتویٰ دیا ہوا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا اگر استیعاب کیا جاوے تو بہت سے متواترات شرعیہ کا انکار اور خلاف صریح سے صریح طور پر اس کے کلام میں موجود ہے۔ جن میں سے اس وقت چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو ہمارے نزدیک اور ساری امت کے نزدیک موجبات کفر سے ہیں:

(۱)..... ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف۔

(۲)..... نبوت کا دعویٰ اور اس کی تصریح کہ ایسی ہی نبوت مراد ہے۔ جیسے

پہلے انبیاء کی ہو تھی رہی ہے۔

(۳)..... وحی کا دعویٰ اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا۔

(۴)..... عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

(۵)..... آنحضرت ﷺ کی توہین۔

(۶)..... عام امت محمدیہ کی تکفیر کرنا۔ بجز اپنے چند مریدوں کے سب کو

دائرہ اسلام سے خارج کرنا۔ پچاس کروڑ مسلمانوں کو اولاد زنا قرار دینا۔ ان سب چیزوں کا

دعویٰ کرنا۔ میں اپنے آخربیان میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کروں گا۔

اس سے پہلے ہر ایک نمبر کے متعلق یہ بتلادینا چاہتا ہوں کہ یہ (مرزا قادیانی کی)

سب چیزیں متواترات اور ضروریات دین کے خلاف ہیں اور اجماعی کفر ہیں۔

ختم نبوت کا انکار : ختم نبوت کا انکار کفر ہے آیت : ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ

أَبَا أَحَدٍ مِّنْ..... الخ .“ خداوندی مشیت میں یہ مقدر تھا کہ انبیاء کی عمارت کو نبی کریم ﷺ پر ختم کیا جاوے اور جتنے کمال ہیں وہ آپ ﷺ پر ختم ہو جائیں۔ اس کے بعد سلسلہ پیغمبری کا باقی رکھنا مشیت نہیں ہے۔ اسی مشیت کے ماتحت آپ ﷺ کی اولاد زریہ باقی نہ رہی۔

اس مقصود سے فرمان ہے قرآن مجید کا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا علاقہ تا آخر کسی کے ساتھ نہیں۔ نبوت کا علاقہ کسی بالغ مرد کے ساتھ تا آخر نہیں ہے۔ اس کی جا (جگہ) میں خاتم الانبیاء کی رسالت ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا علاقہ مستقبل کے لئے اور خاتم النبیین کا علاقہ ماضی کے لئے ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی آپ ﷺ پر سلسلہ پیغمبر ختم کیا گیا اور تورات میں بالفاظ عربی یہ آیت ہے :

”فابی مقرنچ کا موخ . یا قیم یخ . الا . وتسمما یمون بنی من قربک
نعما انیمک کمثلک لملک مقیم لک الہک الیہ تسمعون .“

﴿پیغمبر ایک ، نبی ایک ، تیرے قرأت داروں میں سے ، تیرے بھائیوں میں سے ،
تجھ میں قائم کرے گا ، تیرے لئے خدا تیرا ، اس کی اعانت کرنی ہوگی۔﴾
انجیل میں بلقہ عبرانی یوں ہے :

”یحوہ مینائی و زادم مساعیر ہو منع تو دباران .“

﴿خدا سینا سے آیا۔ طلوع اس کا ساعیر پر ہو اور استوا اس کا فاران پر ہو۔﴾
نبوت موسوی اور عیسوی اور محمدی ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان کو کمال پر پہنچا کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ عبارتیں کتاب الملل والنحل میں موجود ہیں اور دونوں عبارتیں تورات کی ہیں۔

ختم نبوت کے متعلق یہ آیت ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ باین معنی کہ
آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی کو عمدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل و تخصیص

کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک نسل بعد نسل ہر مسلمان جس کو اسلام سے کچھ بھی تعلق رہا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے اور احادیث متواتر المعنی سے جس کا عدد دوسو سے بھی زیادہ ہے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ جس کا منکر قطعاً فرماتا گیا ہے اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ منجملہ آیات کے اس وقت صرف ایک آیت پر اکتفاء کرتا ہوں :

”مَلَكَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ احزاب آیت ۴۰

اس آیت سے ختم کا ثبوت بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی شخص کو عہدہ نبوت ہرگز نہ دیا جائے گا باجماع صحابہؓ تابعینؓ اور باقی مفسرینؒ ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے جو شخص اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نکالے۔ وہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ اس کے ثبوت کے لئے میں امر تفسیر و حدیث کے اقوال بطریق اختصار پیش کرتا ہوں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں :

”فهذه الآية نص في انه لا نبي بعده و اذا كان لا نبي بعده فلا رسول بالطريق الاولى والاخرى لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة فان كل رسول نبي ولا يتعكس و بذلك وردت احاديث المتواترة عن رسول الله ﷺ من حديث جماعة من الصحابة“ (ج ۸ ص ۷۹ طبع قدیم)

یہ آیت نص (صریح ہے) اس میں کہ کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے اور جب کوئی نبی نہیں ہے تو کوئی رسول بھی نہیں ہے۔ بطریق اولیٰ کیونکہ مقام رسالت کا۔ خاص ہے مقام نبوت سے۔ ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں اور اس کے موافق وارد ہوئیں متواتر حدیثیں نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت صحابہؓ کی روایت سے۔

لام موصوف کے اس کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ختم نبوت کو ثابت کرنے کی

حدیثیں متواتر ہیں جن کا ایک بہت بڑا حصہ امام موصوف نے اس کے بعد نقل فرما کر فرمایا ہے :

”فمن رحمة الله تعالى بالعباد ارسال محمد ﷺ اليهم ثم من تشریفه لهم ختم الانبياء والمرسلين به واكمال الدين الحنيف له قد اخبر الله في كتابه ورسوله ﷺ هي السنة المتواتره عنه انه لاني بعدة ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب . افاك . دجال . ضال . مضل ولو تحرق و شعبد و اتى بانواع السحر و الطلاس و النيرنجيات فكلما محال و ضلال عند اولى الالباب . تفسير ابن كثير ص ۹۱ ج ۸“

خدا کی رحمت ہے اپنے بندوں پر کہ اپنے رسول محمد ﷺ کو بھیجا۔ پھر خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ختم نبوت اور رسالت سے مشرف فرمایا اور آپ ﷺ کا (پر) دین حنیف کامل کیا۔ خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے اور اس کے رسول نے اس کو اپنی سنت متواترہ میں کہ کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے تاکہ جانے کہ جس نے دعویٰ کیا ہے۔ اس عہدہ کا بعد خاتم الانبیاء کے وہ جھوٹا ہے، بہتان تراش ہے، دجال ہے، گمراہ ہے، گمراہ کن ہے۔ اگرچہ کتنے حیلے اور شعبدے ایجاد کرے اور کتنے ساحرانہ طلسمات اور نیرنگیاں پیدا (ظاہر) کرے یہ سب محال اور گمراہیاں ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ محمود الوسی، مفتی بغداد تحریر فرماتے ہیں روح المعانی میں جو ان کی تفسیر ہے اس پر ہے :

”والمراد بكونه عليه الصلوة والسلام فاتهمم انقطاع حدوث و صف النبوة في احد من الثقلين بعد تحية عليه الصلوة والسلام بها في هذا النشأة ولا يقدح في ذلك الى قول النبوة .“ (ص ۷۶۰ ج ۷ طبع قدیم)

خبر مراد نبی کریم ﷺ کے خاتم ہونے کی یہ ہے کہ بعد نبی کریم ﷺ کے کوئی اور اس عہدہ سے سرفراز نہ ہوگا۔ یہ نہیں ہے۔ قدح کرنے والا (معارض) اس اجماع میں۔ جس میں امت نے اجماع کیا ہے اور حدیثیں تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ ہے بعض تفسیروں کی رو سے اور ایمان اس پر واجب ہے اور منکر اس کا فرمانا گیا ہے۔

قاضی عیاض اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ :

”باب ما هو من الکفر اجمعت الامة على حمل هذا الکلام على ظاهره و ان مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعاً اجماعياً و سمعاً.“ (شفاء مطبوعہ بریلی ص ۳۶۲)

﴿اجماع کیا امت نے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے اور یہی مفہوم اس کی مراد ہے۔ اس کے سوا کسی تاویل اور تخصیص کے۔ تو کوئی شک نہیں ان سب طائفوں کے کفر اور الحاد میں۔﴾ (جو لو پر بیان ہوئے)

ازروئے اجماع کے اور ازروئے نصوص کے۔ حدیث کے ذخیرہ میں سے میں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں :

”كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا نبي بعدى و سيكون خلفاء فيكثرون قالوا فماتاً مرنا فوابيعة الاول فالاول اعطوهم حقهم . بخاری شریف کتاب احادیث الانبياء ص ۲۹۱“

﴿نبی کریم ﷺ نے فرمایا! بنی اسرائیل کی نگرانی (نہمبانی) انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو دوسرا آجاتا تھا۔ میرے بعد میں کوئی نبی نہیں ہے۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کی گئی کہ پھر کیا ہدایت (حکم) ہے اس وقت۔ فرمایا کہ وفاداری کرو۔ بیعت اول فی الاول کی (ہر ایک کے بعد کے دوسرے کی بیعت پوری کرو) عطا کرو ان کو حق ان کا، کیونکہ حق داروں سے پوچھ لے گا۔ جو رعیت ان کی حوالگی (سپردگی) میں دی گئی تھی۔﴾

یہی حدیث امام مسلم نے کتاب الامارۃ میں دی ہے۔ اس کے بعد اجماع امت اور چند بزرگان ملت کے اقوال پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

سب سے پہلا اجماع

اسلام میں سب سے پہلا جو اجماع منعقد ہوا وہ اس پر تھا کہ مدعی نبوت کو بغیر اس

تحقیق اور تفتیش کے کہ اس کی تاویل کیا ہے اور کیسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے؟۔ کفر اور ارتداد ہے اور سزا اس کی قتل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں میلہ کذاب مدعی نبوت پر جہاد کیا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔ عبارت اس حدیث کی بالفاظ ذیل ہے جو ایک صفحہ تک چلی جاتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں :

”مع نبینا ﷺ ای فی زمنہ کمسیلة الکذاب والاسود العنسی
اوادعی نبوت احد بعده فانه خاتم النبیین بنص القرآن و الحدیث فهذا
تکذیب الله ورسوله ﷺ کالعیسویة .“ (شرح شفاء ص ۵۰۶ تا ۵۰۹ ج ۴)
﴿ جس نے دعویٰ کیا نبی کریم ﷺ ہمارے کے بعد نبوت کا۔ جیسے میلہ کذاب
کے اور اسود عنسی کے یا بعد کے عیسوی فرقہ کے یا تجویز (جائز) کیا نبوت کا کسب ریاضت سے
ان سب کا حکم کفر ہے۔ (بلاشبہ وہ کافر ہیں) ﴾
خفاجی نے شرح شفاء میں اسی قسم کا مضمون لکھا ہے۔ جو کتاب مذکورہ بالا کے
حاشیہ پر ہے۔

ابن حزم لکھتے ہیں :

”فکیف یستجیز مسلم ان یثبت بعده علیہ السلام نبیا فی
الارض حاشا ما استثناه رسول الله ﷺ فی الآثار المسندة الثابة فی
نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فی آخر الزمان .“

(کتاب الملل والنحل ص ۱۸۰ ج ۴ باب ذکر العزائم الموجبة الی الکفر)

﴿ کیسے جائز ہے کہ کوئی مسلمان ہو ثابت کرے نبی کریم ﷺ کے کوئی پیغمبر زمین
میں سوائے اس کے استثناء کیا خود نبی کریم ﷺ نے متواتر حدیثوں میں۔ وہ کیا ہے۔ نزول
حضرت عیسیٰ ابن مریم صاحب۔ ﴾

وہی مصنف ابن حزم اس کتاب کے ص ۲۴۹ ج ۳ پر لکھتے ہیں :

”او ان بعد محمد ﷺ نبیاً غیر عیسیٰ ابن مریم فانه لا یختلف

”وَكَذَلِكَ فَمَنْ ادَّعَىٰ مِنْهُمْ أَنَّهُ يُوْحَىٰ إِلَيْهِ وَ إِنْ لَّمْ يَدْعُ إِنْ النَّبُوَّةِ

إِلَىٰ أَنْ قَالَ فَهَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ كُفَّارٌ مَكْذِبُونَ النَّبِيَّ ﷺ“

جس نے دعویٰ کیا ان لوگوں میں سے کہ اس کی طرف وحی آتی ہے۔ کافر ہے۔

اگرچہ نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ (نیم الریاض شرح معانی تفسیر ص ۵۰۸ ج ۲)

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ (واقعہ) آنکھوں سے دکھلایا۔ جس کی مراد

کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جاوے تو یہ الہام ہے۔

خدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا۔ وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی

ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا

الہام۔ یہ تصوری (معنوی) وحی ہو سکتی ہے شرعی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

موجبات کفر قادیانی میں امر چہارم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور

امر پنجم آنحضرت ﷺ کی توہین ہے۔ توہین دو قسم پر ہے۔ صریح یا تعریض۔ تعریض اسے

کہتے ہیں کہ دوسرے کے حوالہ سے نقل کی اور مقصود اس سے یہ ہو کہ اس شخص کے عیوب

اور نقائص لوگوں میں قبول ہو جائیں۔ گویا کہ کام اپنا کرتا ہے کندھے پر دوسرے کے رکھ کر۔

یہ کفر صریح ہے مگر میں توہین کی صریح مثالیں پیش کروں گا۔

بعض توہینوں کو مستند کرتا ہے قرآن سے یعنی قرآن اس کی سند میں پیش کیا کرتا

ہے اور تفسیر قرآن کی اس سے کی جاتی ہے اور کسی چیز کو کہتا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ یعنی اس

پر اپنا فیصلہ دیتا ہے۔ اب میں سند ات پیش کرتا ہوں کہ توہین انبیاء علیہم السلام کفر ہے۔

یہ بات لول تو محمل دلیل نہیں۔ بلکہ ہر مذہب پرست انسان کے نزدیک مسلمات

میں ہے۔ تاہم چند مختصر دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ نص قرآن نبی کا کلام سن کر بطور

اعراض سر پھیر دینا بھی کفر قرار دیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

”وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَدَّ

أَيُّهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ . المنافقون آیت ۵

﴿جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ استغفار کریں تمہارے لئے رسول اللہ۔ پھیرتے ہیں اپنے سروں کو اور دیکھے گا۔ تو انہیں اعراض کرتے ہیں اور کبر کرتے ہیں۔﴾
اور حکم آیت کریمہ: ”لا نفرق بین احد من رسلہ“۔ یہ حکم تمام انبیاء پر شامل ہے۔

اس لئے فتاویٰ کی مشہور کتاب پر ہے:

”الکافر بسب نبی من الانبیاء فانه يقتل حداولا تقبل توبته مطلقاً۔“
(در مختار شامی (طبع جدید) باب المرتدین ص ۲۳۱ ج ۴)

﴿جو شخص سب کرے یعنی برا بھلا کہے یا ناسزا کہے کسی نبی کو وہ قتل کیا جائے گا حد کے طور پر اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔﴾
دنیا میں اور جو کوئی شک کرے اس کے کفر میں اور عذاب (سزا) میں وہ بھی کافر ہے۔ حافظ ابن تیمیہ حافظ حدیث کہتے ہیں:

”فعلم ان سب الرسل والطعن فہم ینبوع جمیع انواع الکفر و جماع جمیع الضلالت و کل کفر فرع منه“۔
(الصارم المسلول ص ۲۴۲)
﴿جانا گیا سب (گالی) اور ناسزا کہنا پیغمبروں کو اور طعن کرنا سرچشمہ ہے۔ جمع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے جملہ گمراہیوں کا اور ہر کفر اس کی شاخ ہے۔﴾

قاضی عیاض کی شفاء ص ۳۲۰ میں اس بحث پر چند فصلیں لکھی گئی ہیں۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ کسی نبی کی اوئی توہین کرنا بھی کفر ہے۔ عبارت باب اول سے شروع ہو کر اخیر باب ثانی تک جاتی ہے۔ اسی کتاب پر توہین انبیاء کرنے والے کے قتل کے متعلق لکھا ہے:

”الدلیل السادس . اقاویل الصحابہ فانہا نصوص فی تعیین قتله مثل قول عمر من سب اللہ تعالیٰ او سب احداً من الانبیاء فاقتلوا“۔
(الصارم المسلول ص ۲۸۲)

﴿چھٹی دلیل اقوال ہیں صحابہؓ کے۔ وہ نص ہیں تعیین میں قتل کرنے اور ایسے

شخص کے جیسے قول عمر فاروقؓ کا جس نے ناسزا کہا خدا یا کسی پیغمبر کو اس کو قتل کر دو۔ ﴿
اس کتاب کے ص ۵۲ پر ہے کہ :

”قال اصحابنا التعريض بسبب الله وسبب رسول الله ﷺ ردة
وهو موجب للقتل كما لتصريح .“

﴿امام احمد فرماتے ہیں جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی، مسلمان ہو یہ
شخص یا کافر ہو۔ سزا اس کی قتل ہے۔ کہا ہمارے علماء نے اشارہ کرنا یعنی تعريض کرنا خدا کی
سب (گالی) کا اور رسول کی سب (گالی) کا۔ ارتداد ہے اور موجب قتل ہے۔ جیسے صریح۔ ﴿
تکفیر امت : ساری امت حاضرہ کی تکفیر کرنے والا بھی خود کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت نے اپنے چند مریدوں کے سواچالیس پچاس کروڑ
مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے اور سب کو اولاد زنا کہا۔ یہ بھی منجملہ موجبات کفر کے ہے۔ مرتد کا
حکم شرعی یہ ہے قرآن مجید میں ہر قسم کے کافروں کے متعلق یہ فیصلہ صاف مذکور ہے :
”لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ . الممتحنہ آیت ۱۰“

”و يبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس النكاح . الذبيحة
والصيد والشهادة . والارث .“ (در مختار نورشانی (طبع ہائی) ج ۳ باب المرتدین ص ۲۳۹)
﴿باطل ہے۔ بسبب ارتداد کے ہر وہ شئی جس کی بناء ہو ملت پر۔ وہ پانچ چیزیں
ہیں جو بناء ہیں ملت پر۔ نکاح، ذبیحہ، شکار، شہادت اور ارث یعنی ارتداد سے یہ چیزیں منقطع
ہو جائیں گی۔ ﴿

اسی کتاب کے جلد ثانی ”باب نکاح الکافر“ میں ہے

”وارتداد احدهما ای الزوجین (فسخ) فلا ينقض عدا (عاجل)
بلا قضاء .“

﴿ارتداد احد الزوجین کا یعنی مرد عورت میں سے ایک، فسخ (نکاح) ہے۔ فوری
محتاج نہیں ہے حکم حاکم کا۔

تو ہیں انبیاء: اب تو ہیں انبیاء کے قول مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے نقل کئے جاتے ہیں:

آنچه داد است بر نبی را جام
داد آن جام را مرا بتمام
انبیاء گرچه بودہ اندبے
من به عرفان نہ کمترم زکسے
کم نیم زان ہمہ بروئے یقین!
ہر کہ گوید دروغ ہست و لعین!

(نزل السج ۱۸ ج ۱ ص ۹۹ خزائن ص ۷۷ ج ۱۸)

باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت تک یہ پہنچایا ہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے فوق متصور نہیں ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔
مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بہ منبرم!

(ازالہ لوہاج ۱ ص ۶۹ خزائن ص ۱۸۰ ج ۳)

قرآن مجید نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی بے گئی کی ہے اور ایک حرف بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک کا اشارہ کیا کنایہ ذکر نہیں فرمایا۔
مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں اور یہ کہ:

ان مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰ خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

پہلی عبارت کے ساتھ آگے یہ الفاظ ہیں کہ :

”اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔“

”مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔“

(حاشیہ ضمیمہ انجام آئیم ص ۵، خزائن ص ۲۸۹ ج ۱۱)

اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

”عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“

(حاشیہ ضمیمہ انجام آئیم ص ۶، خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین چلتی ہے۔ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔

لفظ یسوع دراصل عبرانی میں ہے۔ ایسوع جس کا ترجمہ ہے نجات دہندہ۔ اس سے یسوع بنا اور اس کی تعریب ہو کر یعنی زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا اور یہ تعریب قرآن پاک سے شروع نہیں ہوئی۔ نزول قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی کہتے تھے۔

مرزا قادیانی کے ہاں بھی یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ذات ہیں۔ جیسے لکھتا ہے کہ :

”مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔“

(توضیح الہام ص ۳، خزائن ص ۵۲ ج ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی ہی توہین کی۔ توہین کی ایک تیسری قسم لزوی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عبارت اس لئے نہیں لائی کہ تنقیص کرے لیکن وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جب تک تنقیص موجود نہ ہو۔

اس قسم کے تحت نبی کریم ﷺ کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی

”جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار لکھی ہے۔“

(دیکھئے تحفہ گوژدیہ ص ۴۰، خزائن ص ۱۵۳ ج ۱)

”اور اپنے معجزات کی دس لاکھ لکھی ہے۔“

(دیکھئے ایمن احمدیہ ج ۵ ص ۵۶، خزائن ص ۷۲ ج ۲)

اس ضمن میں ایک شعر بالفاظ ذیل ہے :

لہ خسف القمر المنیر و ان لی

غسا القمران المشرقان انکر

(مکتاب اعجاز احمدی ص ۱، خزائن ص ۱۸۳ ج ۱)

نبی کریم کے لئے کس لگا چاند کو اور میرے لئے کس لگا سورج اور چاند کو۔ کیا

تجھے اے مخاطب اس سے کچھ انکار ہے۔ یہ بھی تو بین لڑوی ہے۔

اوعاء نبوت : صریح وجہ کفر ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے :

(۱)..... ”سچا خدا ہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“

(دافع بلاء ص ۱۱، خزائن ص ۳۱ ج ۱۸)

(۲)..... ”اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور

تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ : ”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق

لیظہرہ علی الدین کلہ۔“ (اعجاز احمدی ص ۷، خزائن ص ۱۱۳ ج ۱)

(۳)..... ”اور اگر کو صاحب الشریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر

ایک مفتری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید

نہیں لگائی۔ ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے

ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب

شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں

امر بھی ہیں اور نہی بھی۔“ (ابن نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۳۵ ج ۱)

(۴)..... ”ہاں اگر یہی اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں

صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔“

(تمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶ خزائن ص ۷۴ ج ۲۲)

(۵)..... ”اب یہ ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (دشمن سے مراد یہ ہے کہ جو اسے نہ مانے)“

(انجام آقلم ص ۶۲ خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶)..... ”میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ جہاں تک دنیا کی بکادی ہے۔ ان سب کی اصلاح کے واسطے مامور ہوں۔“

(حاشیہ حقیقت الوحی ص ۱۹۲ خزائن ص ۲۰۰ ج ۲۲)

(۷)..... ”تم سمجھو کہ قادیان صرف اس لئے محفوظ رکھی گئی کہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔“

(دافع البلاء ص ۵ خزائن ص ۲۲۶ ج ۱۸)

(۸)..... ”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔“

(دافع البلاء ص ۱۳ خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق ایک اور صریح عبارت ہے کہ :
 ”اور جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ دوسرے شیطانی ہے کہ کہا جاوے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۵۵ خزائن ص ۱۵۹ ج ۲۲)

تکفیر امت : تکفیر امت حاضرہ کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حسب ذیل اقوال ہیں :

”ہاں چونکہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے اس لئے ہم منکر کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مواخذہ سے بری ہے اور کافر منکر ہی کو کہتے ہیں کیونکہ کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے اول یہ کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرا یہ کہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۷۹ خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا ہے :

”تلك كتب ينظر اليها كل مسلم بعين المؤدة والمحبة و ينتفع من معارفها و يقبلنى و يصدق دعوتى الاذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم وهم لا يقبلون.“

(آئینہ کلمات ص ۵۳۸ خزائن ص ۵۳۸ ج ۵)

میری کتابیں پھیل چکی ہیں۔ دیکھتا ہے ان کی طرف ہم (تمام) مسلمان محبت اور مودت کی آنکھ سے۔ نفع پاتا ہے ان کے معارف سے اور مجھے قبول کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے میرے دعویٰ کی۔ مگر نسل زانیہ عورتوں کی جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہے وہ قبول نہیں کرتے۔

وحی کا دعویٰ اور اس کو قرآن کے برابر ٹھہرانا

- (۱)..... مرزا قادیانی کہتا ہے کہ : ”میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برص کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۵۰ خزائن ص ۱۵۲ ج ۲۲)
- (۲)..... ”مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں

قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص ۲۲۱ خزائن ص ۲۱۱ ج ۲۲)

(۳)..... ”پھر اس کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے :

”محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم“ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“ (ایک غلطی کا زوالہ ص ۲۰۲ خزائن ص ۷۰ ج ۲۰ ۱۸)

(۴)..... ”اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی

بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ وحی پاک میرے پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اسی طرح پر میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیش گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔“

(ایک غلطی کا زوالہ ص ۶۰ خزائن ص ۱۸ ج ۲۱۰ ضمیمہ حقیقت النبوة ص ۲۶۴)

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

تمتہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ با اقرار صالح

میں آج حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا قول سب (گالی) نبی کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ حرب کی ایک روایت امام ابن تیمیہ حافظ حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص فاروق اعظمؓ کے سامنے لایا گیا جس نے سب (گالی) کی تھی نبی کریم ﷺ کی۔ فاروق اعظمؓ نے اسے سزائے موت دی۔

(الصارم السلول حافظ ابن تیمیہ ص ۱۹۵ ص ۱۸۱ پر یہ واقعہ کتاب مذکورہ میں درج ہے)

فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے: ”ثم قال عمر من سب الله تعالى و سب

احدا من الانبياء فاقتلوهم“

﴿ جس نے نامز (برابھلا) کہا خدا کو یا کسی پیغمبر کو اسے سزائے موت دی

جائے۔ ﴾

صدیق اکبرؓ کا حکم

کسی عورت نے سب کی ہوئی تھی نبی کریم ﷺ کی، نجران میں۔ وہاں کے حاکم مہاجر ابن امیہ نے اسے کوئی سزا دی ہوئی تھی۔ صدیق اکبرؓ کا حکم پہنچا کہ پہلے مجھے اطلاع ہوتی تو سب نبی کی یہ سزائیں۔ بلکہ اس کی سزا قتل ہے۔ لفظ صدیق اکبرؓ کے یہ ہیں :

”فلولا ما قد سبقتنی فیہا لا مرتک بقتلہا . لان حد الانبیاء لا یشبہ الحدود فمن تعاطی ذلک من مسلم فهو مرتد و معاهد فهو محارب غادر.“

﴿ اگر تو پہلے کچھ نہ کر چکا ہوتا۔ میں امر کرتا اس عورت کے قتل کا۔ کیونکہ انبیاء کے سب کے حد اور حدوں کے مشابہ نہیں جو کوئی مسلمان ایسا کرے وہ مرتد ہے اور جو کوئی ذمی ایسا کرے وہ جنگ کرنے والا ہے۔ ہم سے اور غدر کرنے والا ہے۔ ﴾

یہ تین خلیفوں کے احکام ہیں۔ اس مسئلہ پر کل امت محمدیہ ﷺ کا اجماع بلا فصل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ سب نبی پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جو ”الصارم المسلول“ کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری کتاب السبب المسلول جو شیخ تقی الدین السبکی کی تصنیف شدہ ہے۔ دونوں آٹھویں صدی کے حافظ حدیث ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ :

”لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے

قہے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔“ (دافع البلاء ص ۴ خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸)

ایک شعر مرزا غلام احمد قادیانی کا الفاظ ذیل ہے :

ہر نبی زندہ شد با آمدِ نم

ہر رسول نہاں با پیراہنم !

(کتاب نزول مسیح ص ۱۰۰ خزائن ۷۸ ج ۱۸)

علماء نے جب تورات اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے۔ نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تالائق تھے۔ (معاذ اللہ) علماء کے طریق میں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے طریق میں کفر و اسلام کا فرق ہے۔ جو عبارت حقیقت الوحی ص ۱۷۹ خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲ سے پڑھی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا تھا کہ قادیانی اور مرزا غلام احمد قادیانی اپنے منکرین کو کافر کہتے ہیں۔ یہی مضمون ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے :

”اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدارِ نجات ٹھہرایا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔“ (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ص ۳۳۵ ج ۱۷)

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا۔ یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں شان اعلیٰ رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الہی سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“ (حاشیہ تریاق القلوب ص ۳۲۵ خزائن ۳۲۲ ج ۱۵)

تریاق القلوب کی عبارت مذکورہ کو پہلی عبارتوں کے ساتھ جمع کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی فقط نبوت ہی کے مدعی نہیں ہیں بلکہ شریعت جدیدہ کے بھی مدعی ہیں۔ جیسا کہ اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ۳۲۲ ج ۱۵ کی عبارت سے بھی یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے۔

اصول یہ باندھا کہ جو صاحب شریعت ہو۔ اس کا انکار کفر ہے۔ پھر ساری امت حاضرہ کو جو منکر ہو۔ اس کو کافر کہا۔ تو گویا دعویٰ شریعت جدیدہ کا کیا۔ پھر اس پر بس نہیں کی۔ تصریح کر دی کہ شریعت امر و نہی کا نام ہے۔ امر جیسا میری وحی میں موجود ہے لیکن محض مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے چند الفاظ ظلی، بروزی وغیرہ گھڑے ہوئے ہیں۔ جس کی آڑ میں ذیل کی تحریف کرتے ہیں۔ اس لئے میں ان الفاظ کی حقیقت خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

بروزی، ظلی، مجازی نبوت کی اصلیت

خود مرزا غلام احمد قادیانی کا کلام ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجودیہ دور یہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو‘طیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبد اللہ پر عبد المطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔“ (تزیان القلوب حاشیہ ص ۷۷ ۳ خزائن ص ۷۷ ج ۱۵)

یہ ہے حقیقت مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک بروزی، ظلی اور مجازی کی۔ دوسرے جنم کا عقیدہ اسلام میں کفر ہے اور یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا قول اس طرح مذکور ہے :

”کلمات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے..... پہلے تمام انبیاء ظل تھے نبی کریم ﷺ کے خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم ﷺ کے ظل ہیں۔“

(کتاب قول فیصل ص ۶ حوالہ اخذ الحکم ۱۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء، ملفوظات احمد ج ۴ ص ۴۲۲ مرتبہ منظور الہی)

ان عبارات سے نتائج ذیل برآمد ہوتے ہیں :

(الف)..... ”مرزا غلام احمد قادیانی نے جو اپنے کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر

دنیا کو یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ اس کی نبوت، نبوت محمدیہ: ”علی صاحبها الصلوٰۃ والتحیۃ.“ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور اس سے ہر نبوت نہیں ٹوٹی۔ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مرزا غلام احمد قادیانی کے اس قول مذکور سے یہ لازم آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ معاذ اللہ کوئی چیز نہیں تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دور ہیں۔

گویا اصل ابراہیم علیہ السلام ہوئے اور آئندہ رسول ﷺ ہوئے اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک عینیت ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد ﷺ کہتے ہیں تو جب محمد ﷺ بروزِ ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ آپ ﷺ کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔“

(ب)..... ”رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی، آنحضرت ﷺ کے بروز ہوا۔ تو خاتم النبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہوا نہ کہ آنحضرت ﷺ۔“

(ج)..... ”الحکم کی عبارت مذکورہ سے یہ ثابت ہوا کہ جملہ انبیاء سابقین رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک صفت میں ظل ہیں اور تمام کمالات رسالت رسول کریم ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوۃ اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں نہ کہ آنحضرت ﷺ میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہیں۔ یہ صریح تو ہیں ہے سرورِ عالم ﷺ کی۔ اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہ کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے۔ (جو کھلا ہوا دور ہے)“

ظل، بروز، تناسخ: اس کے بعد میں ظل اور بروز کی اصطلاح (تحقیق) فلسفہ

سے ذکر کرتا ہوں فلسفہ یونانی میں بروز اسے کہا ہے کہ ایک روح دوسرے ذی روح میں حلول کرے یعنی ایک بدن میں دو روحوں ہو جائیں تنازع اسے کہتے ہیں کہ روح ڈھانچے بدلتی رہے۔

تنخ:..... اسے کہتے ہیں کہ ایک نوع دوسری نوع میں تبدیل ہو۔

رنخ:..... اسے کہتے ہیں کہ ایک حیوان نباتات میں تبدیل ہو۔

منخ:..... اسے کہتے ہیں کہ حیوان جمادات میں جائے۔

یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

غلام احمد قادیانی کا اقرار ختم نبوت

”وما كان لى ان ادعى النبوة و اخرج من الاسلام و الحق بقوم الكافرين.“
(حملہ البشری ص ۷۹ خزائن ص ۷۲۹ ج ۷)

کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین سے مل جاؤں۔
(منقول از قمیہ النبوة فی الاسلام ص ۵۹)

”مسیح کیونکر آسکتا ہے۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار اس کو آنے سے روکتی ہے۔“
(ازالہ لوہام ج ۲ ص ۲۱۶ خزائن ص ۸۰ ج ۳)

لکھتا ہے کہ :

”یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبریل کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے۔ ایک نئی کتاب اللہ جو مضمون میں قرآن شریف سے تو ادر رکھتی ہو۔ پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو۔ وہ محال ہوتا ہے۔“
(ازالہ لوہام ج ۲ ص ۲۳۱ خزائن ص ۱۳ ج ۳)

لکھتا ہے :

”قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم وحی بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی

رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔“
(ازالہ اوہام ص ۳۱۰ ج ۲ خزائن ص ۵۱۱ ج ۳)

یہ مضمون اختلاف بیان مرزا غلام احمد قادیانی میں پیش کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے ابتداء ہی سے زندقہ اور الحاد کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت کے متعلق

آیت کریمہ: ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ . وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا . احزاب آیت ۴۰“ یہ آیت اس واسطے آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نسل زینہ چھوڑنا ہماری مشیت میں مقدر نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد میں تا آخر دنیا نبوت کی اسامی آپ ﷺ کے وجود فی جود سے پر ہے۔ آپ ﷺ مستقبل کے لئے تا آخر دنیا رسول ہیں اور جملہ انبیاء سابقین کے خاتم ہیں۔ نسبی سلسلہ کے بدلہ میں اس نبوی سلسلہ کو عوض میں رکھ لو۔

اس عقیدہ کے موافق کوئی دو سو حدیث نبی کریم ﷺ سے وارد ہوئیں اور رسالہ (ختم نبوت کامل) مفتی حال دیوبند (مولانا) محمد شفیع کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کا۔ ابتداء سے لے کر آج تک بلا فصل۔

اور جیسے قرآن امت کو پہنچا ہے اسی طرح یہ عقیدہ بھی پہنچا ہے اور جب سے لے کر اب تک اس کا بھی اجماع ہوا ہے کہ اس آیت میں کوئی تاویل نہیں ہے اور اس عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ خلفاء اور سلاطین اسلام نے جب سے لے کر اب تک مدعیان نبوت کو سزائے موت دی اور انہیں کافر و مرتد سمجھا اصلی کافر کے وجود کو برداشت کیا اور ایسے مرتد کے وجود کو برداشت نہیں کیا اور خود مرزا غلام احمد قادیانی کا جب تک مسلم تھے یہی عقیدہ رہا ہے۔

نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو اور نہ وہ کبھی سلب ہو یہ عقیدہ یہود کا ہے کہ نبوت سلب بھی ہو سکتی ہے۔

اگر نبوت کسی ہو تو سلب بھی ہو سکتی ہوگی۔ یہ عقیدہ اسلام کا نہیں۔ ولایت ایسی

چیز ہے کہ کسب سے حاصل ہو اور زائل بھی ہو جائے۔ یہ صفت نبوت جو نبی کی ذات کے ساتھ قائم و دائم باقی ہے۔ احکام شرعیہ کی تبلیغ اس کے وقتی ثمرات میں سے ہے اور توابع میں سے ہے۔

کسی محدود وقت میں اگر نبی نے ضروری احکام نہ پہنچائے تو وہ نبی بذات خود نبی برحق ہے۔ صفت نبوت جو اس کی ذات کے ساتھ قائم تھی کسی طرح زائل نہیں ہوتی۔ تبلیغ ایک کارگزاری تھی۔ پیغمبر کی کہ حاجت پر دائر ہوگی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لا بلاعینہ ایسا ہے کہ جیسا گزشتہ زمانہ میں یعقوب علیہ السلام مصر چلے گئے تھے اور وہاں بطور رعایت کچھ دن گزارے۔

نبوت و ولایت: صوفیائے کرام نے نبوت کو بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا دوسرے کو اطلاع دینا کی اور اس کے نیچے انبیاء اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔ نبوت شرعی کے نیچے انبیاء اور رسل دونوں درج کر دیئے اور اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے نکھر گئی اور مخصوص ہو گئی۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعے سے مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرار و معارف۔ مکاشف اس کا دائرہ ہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھ پر مستحب کا حکم آیا ہے پس یہ اگر پہلے سے شریعت محمدیہ ﷺ میں موجود ہے تو ثابت اور اگر موجود نہیں ہے اور پھر وہ دعویٰ کرتا ہے اضافہ کا تو گردن زدنی ہے اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کتاب الیواقیت والحواہر کے ص ۷۹ پر حسب ذیل الفاظ ہیں :

”فقد بان لك الخ“

”پس روشن ہو گیا تیرے لئے کہ دروازے لوامر الدین کے اور نواہی کے بند کر دیئے گئے۔ جس نے دعویٰ کیا امر و نہی کا بعد محمد ﷺ کے پس وہ مدعی شریعت کا (ہے) جو

اس کی طرف بھیجی گئی۔ مراد ہے کہ وہ موافق ہو امر شریعت کے یا مخالف ہو۔ پس اگر ہے عاقل بالغ یہ مدعی اتاریں گے ہم اس کی گردن، اور اگر عاقل بالغ نہیں ہے اس سے اعراض کریں گے۔“

شطحیات: صوفیاء کے ہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں اور خود فتوحات میں اس کا باب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ہمارے ظاہر قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا (اوقات) غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر عمل پیرا نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں۔ وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کرے۔ مجملہ ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کسی زیادتی۔ کسی کے صوفیاء میں سے کوئی بھی قائل نہیں اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔ ہم نے لولیاء اللہ قدس اللہ اسرار ہم کو ان کی طہارت تقویٰ اور تقدس کی خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال، اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ ان قرائن اور نشانیوں سے جو خارج محوٹ عنہ سے ہوں۔ یعنی انہی شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغایر یا موہم ہمارے سامنے پڑھتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور محمل نکالیں کہ ٹھکانہ اس کا کیا ہے۔ شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جمع ٹھکانا، نامفہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راست بازی اگر جداگانہ تجارب سے اور جو طریقہ راست بازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوئی ہو تو پھر اگر کہیں کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آگیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے اور محمل نکالیں گے۔

یہ عاقل کا کام نہیں ہے کہ راست بازی کسی کی ثابت ہونے سے پیشتر وہی کلمات

مغالطہ پیش کر کے مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرے اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہو گا کہ فلاں کی راست بازی جداگانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے تو ہم محتاج توجیہ ہوں گے اور اگر زیر بحث یہی کلمت ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماریں گے۔

خلاصہ بیان: میرے کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی مدعی نبوت حسب تصریحات قرآن و حدیث اور باجماع امت کافر مرتد ہے اور جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود کہے۔ وہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔

اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ اور اگر بعد نکاح کے کوئی شخص ایسا عقیدہ اختیار کرے تو فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ قضاء قاضی اور عدت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور اس کے بعد اگر زن و شوہر کے تعلقات باقی رکھے گئے تو جو اولاد ہوگی وہ اولاد ثبات النسب نہ ہوگی یعنی وہ حرام کی ہوگی جیسا کہ شامی کے حوالہ سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور موجبات کفر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے قبیحین کے لئے میرے بیان میں چھ دجواہ آئے ہیں۔

اول: ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

دوم: دعویٰ نبوة مطلقہ اور تشریحیہ۔

سوم: دعویٰ وحی اور ایسی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔

چہارم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

پنجم: آنحضرت ﷺ کی توہین۔

ششم: ساری امت محمدیہ ﷺ کو بجز اپنے مقبوعین کے کافر کہنا یہ

اصول ہیں۔ جن کے تحت میں اور بھی ایسے فروع موجود ہیں جو منشا موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو دیکھنے والے پر یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر توافقت اور تضاد پھیل جاتا ہے۔

خود مرزا غلام احمد قادیانی کو ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے۔ جس سے نتیجہ گڑبڑ رہے اور ان کو بوقت ضرورت کے مخلص اور مفر بانی رہے۔ یہی ذکر میں آیا ہے کہ زنا و قتل نے ہمیشہ یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ کہیں ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں پر ایسا عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ علیہ السلام کے عقیدہ کے موافق متواتر دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔ ان کا سبب پورے غور کرنے سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مادر زاد کافر نہ تھے۔ ابتدائے ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی (اس لئے) انہی کے پابند تھے اور وہی لکھے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعویٰ کے رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے۔ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ عام و خواص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا جس کے متعلق پہلے بیان میں آچکا ہے کہ ایسا کرنا کفر صریح ہے۔ اور اس قسم کے کفر کا نام قرآن مجید نے الحاد رکھا ہے۔ اور حدیث نے زندقہ اور عام محققین نے باطنیت کے نام سے اس کو پکارا ہے۔ اس لئے اب قادیانی صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں عام اہل سنت و الجماعت کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو

کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے جو جمہور امت نے سمجھی اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفر یہ انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ زندگی اس کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن ان کی ایسی تاویل و تحریف کرے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھائی جائے کہ قادیانی صاحب ختم نبوت اور اقطاع وحی کا اس معنی کے اعتبار سے قائل ہے جس معنی سے صحابہ و تابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔ اسی طرح حشر اجساد۔ نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا اقرار کر لینا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہو گا۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔ اسی طرح مسئلہ توہین ہے کہ جب ایک جگہ توہین کے کلمات ثابت ہو گئے۔ تو اگر ہزار جگہ کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثناء خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ اس کو اس کے کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلم اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کو اتباع اور اطاعت گزاری اور مدح و ثناء کرتا رہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کی۔ تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔ الغرض اول تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی آخر عمر تک دعویٰ نبوت پر وحی پر قائم رہا ہے۔ اور اپنی کفریات سے کوئی توبہ نہیں کی۔ جیسا کہ ان کے آخری خط سے واضح ہوتا ہے جو موت سے تین دن پہلے اخبار عام لاہور کے ایڈیٹر کے نام لکھا ہے اور اگر یہ بھی ثابت نہ ہوتا تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ لکھنے اور کہنے کے بعد اس وقت تک اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ جب تک وہ ان عقائد سے توبہ کا اعلان نہ کرے اور توبہ کا اعلان جہاں تک ہم نے کوشش کی ان کی کسی کتاب یا تحریر میں نہیں پایا گیا۔ اس لئے تکفیر کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت وغیرہ سے توبہ کی تھی جب بھی ہمارا مدعا علیہ چونکہ ان کو عام انبیاء کی طرح نبی اور رسول ماننے کی تصریح اپنی کلام میں کرتا ہے

اس لئے اس کے کفر و ارتداد میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا از روئے عقائد اسلام و مسائل فقہیہ اجماعیہ کا اس کا نکاح جو مسلمان عورت کے ساتھ ہوا تھا۔ قطعاً فسخ ہو چکا۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علی الہ اجمعین
دستخط جج محمد اکبر

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

جرح بر بیان امام العصر سید محمد انور شاہ صاحبؒ گواہ مدعیہ

مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

صحیح مسلم میں ہے کہ جس کو بچے میرا کلمہ اور تصدیق نہ کرے ”ما جئت بہ۔“ کی وہ مسلم نہیں ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی دریافت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی یہ تشریح کی کہ ایمان لانا خدا پر، ملائکہ پر، کتب سماویہ پر، رسل پر، یوم آخرت پر، تقدیر خیر و شر من اللہ ہونے پر۔ یہ اجزاء ایمان کے فرمائے اور اسلام میں عبادت حق تعالیٰ کی (وحدہ لا شریک لہ) اقامت صلوٰۃ، اتیاء زکوٰۃ، صوم رمضان پر، جبرائیل علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی۔ یہ بات حدیث کے متن میں موجود ہے جس جس چیز کو قرآن (پاک) ایمان کہے، گاہہ ایمان ہے۔ اس کا منکر خارج از اسلام ہے۔

احادیث میں پانچ چیزوں پر بنائے اسلام رکھی گئی ہے۔ دو شہادتیں، یعنی توحید اور رسالت کی شہادت، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کا دینا، رمضان کا روزہ رکھنا اور حج کرنا جو طاقت رکھے۔ یہ حدیثیں قدرے مشترک کے تواتر تک پہنچی ہیں۔

تواتر کی قسمیں علماء کی اپنی طرف سے ایجاد شدہ نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے قرآن اور حدیث کا ثبوت جس حال سے پایا اس کو ادا کر دیا۔ علماء نے حال واقعی جیسا پایا اس کو یونہی ادا کیا۔ یہ تواتر کے اقسام علماء کی اصطلاحات ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنی کتبوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تواتر معنوی میں جو حصہ قدر مشترک ہے۔ اس کا ثبوت اگر واضح ہے۔ تو

اس کا منکر کافر ہے اور اگر خفی ہے تو مجمل ایمان فرض ہے اور تفصیل کو خدا کے سپرد کریں۔
 ایک خبر واحد کو اگر کوئی شخص حجت نہ مانے تو کافر نہیں۔ بدعتی ہے۔ کتاب مسلم
 الثبوت کے ص ۱۷۱ پر امام رازیؒ کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام رازیؒ
 فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا درجہ تو اترا معنوی پر نہیں پہنچا اور مسئلہ پر دلیل ہونا اس میں تردد
 ہے۔ یہ نہیں فرماتے کہ وہ تو اترا معنوی کو پہنچا ہو اور پھر اس کا منکر کافر نہیں۔ خفیہ کا اصول
 ہے کہ اجماع صحابہؓ کا قطعی ہے اور منکر اس کا کافر ہے اور ملحد کے اجماع کا منکر مبتدع اور
 فاسق ہے۔ اجماع صحابہؓ کے قطعی ہونے میں امام ابن تیمیہؒ کی کتاب سے حوالہ دیا جاسکتا ہے۔
 نزول مسیح علامات قیامت میں سے ہے۔ جو خبریں اخبار مستقبل سے تعلق رکھتی
 ہیں ان پر اجماع ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ نزول مسیح کے سوال پر فقط اجماع ہی نہیں بلکہ
 نصوص احادیث کا تواتر ہے۔

”اما فی المستقبلات هذا۔“ (کتاب مسلم الثبوت ص ۱۹۵ ج ۲)

اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ واقعہ پیش آگیا ہو اور اس کا حکم دینا ہو مجتہدین کو۔ تو
 اتفاق اور اجماع کریں اور آئندہ چیزیں جو یقینی ہیں ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔
 عقیدہ کافی ہے۔ یعنی تواتر اگر ہو جائے تو اس عقیدہ کو ایمانی عقیدہ قرار دو۔ اور ان کی تفصیل
 اور مصداق ڈھونڈنے میں نہ پڑو۔ جب وہ واقعات پیش آجائیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے
 دیکھ لو خلیفہ کا خلیفہ ماننا اجزاء ایمان میں داخل نہیں ہے۔ واجبات میں سے ہے۔ مسئلہ کی
 جیسی حقیقت ہوگی۔ ویسے ہی اس پر اجماع رہے گا۔ ثبوت اس کا قطعی ہو جائے گا۔ حکم اس کا
 ویسا ہی رہے گا۔ جیسی اس کی حقیقت ہے۔

صحابہؓ کا اجماع کسی مسئلہ پر ہو اس کا منکر کافر ہے۔ لیکن مسئلہ تعدد خلیفہ کا اور
 وحدت کا صدر لول میں مختلف فیہ ہے۔ اجماع کسی مسئلہ پر ہوتا ہے۔ یا کسی کارروائی پر کسی
 مسئلہ پر جو اجماع ہو اس کا وہی حکم رہا جو اجماع صحابہؓ کا ہے۔ اور کسی عملی استصواب پر یا
 کارروائی پر ہو تو وہ اجماع اس قسم کا نہیں۔ جس پر بحث ہو رہی ہے۔

”ولو انکر یکفر۔“ (کتاب شرح فقہ اکبر ص ۱۳۷)

اس کی مراد یہ ہے کہ روافض جو منکر ہیں۔ خلفائے ثلاثہ سے اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے تو وہ کافر ہیں اور اگر صحابہؓ صدیق اکبرؓ کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو کوئی خلاف جزو ایمانی نہ تھا۔ حیات مسیح اجماعی مسئلہ ہے۔ صحابہؓ میں اور تواتر ہے حدیث کا اور سوائے طہروں کے کسی نے انکار نہیں کیا۔ روح المعانی کا حوالہ پیش کیا جا چکا ہے۔ جو تفسیر سورہ احزاب میں ہے۔ (ص ۶۰ ج ۷)

”امارفع عیسیٰ..... فارفعت.“ (تلخیص الحیدر ص ۳۱۹)

لیکن اٹھایا جانا عیسیٰ علیہ السلام کا پس اتفاق کیا اصحاب اخبار اور تفسیر نے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے بدن کے ساتھ زندہ ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ موت آئی تھی رفع سے پہلے یا سو گئے اور اٹھالیا گیا۔

حیات کے متعلق چند سلف کا اختلاف ہے لیکن عام طور پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ہمارے نزدیک حیات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ایک ہی مشنی ہے۔ میری بحث اجماع اور تواتر پر ہے۔

سوال یہ تھا کہ حیات مسیح پر صحابہؓ کے اجماع کی سند دی جائے اس کا جواب گواہ ابھی دینا چاہتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا حضرت امام مالکؒ نے نہیں کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پانے گئے وہ حیات و نزول عیسیٰ کے قائل ہیں۔

”قال مالك..... ثلاثین سنة.“ (کتاب اکمال الاکمال ج ۲ ص ۲۶۵ مری)

امام مالکؒ کا یہ قول بھی ان کی اکمال سے لکھا۔ جو عطیہ کے نام سے موسوم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موت آئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ ۳۳ سال کے تھے۔ اس کتاب میں دوسری جگہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا دریں اثناء کہ لوگ کھڑے ہوں گے سنتے ہوں گے کان لگائے ہوں گے اقامت صلوٰۃ کے لئے ڈھانک لے گا ان کو ایک بادل اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ ابن حزم کا جو قول تفسیر جلالین سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے یہ الفاظ غلط نقل ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ابن حزم کی کتاب میں اس کی نقیض ہے اور بیان میں لکھوائی گئی ہے۔ جو حدیث ”الفرق بین العبدو

بین الکفر۔ ” ترک الصلوٰۃ ہے۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

تین اماموں کا اتفاق ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ فاسق کہا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔ سنن ابی داؤد کی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف پڑ گیا۔ دوسری حدیث جو میان کی گئی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے۔ الفاظ میں کچھ فرق ہے۔
عقیدہ نماز کی فرضیت کا چھوڑ دے تو باجماع امت کافر ہے :

”و كذلك ترك صلوة موجب للقتل عند الشافعي“۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۳)

یہ تشریح ہے کہ جو شخص نماز کو فرض جان کر ترک کرے وہ کافر ہے۔

سنن ابی داؤد کی احادیث سے پیدا ہوتی ہے۔ جس حدیث میں بناء اسلام پانچ میان کی گئی ہے اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض کیں خدا نے، جس نے اچھا کیا و ضوان کا اور پڑھیں اپنے وقت پر اور پورا کیا رکوع ان کا اور خشوع تو خدا کی ضمانت میں ہے کہ مغفرت کرے اسے اور جس نے نہ کیا۔ خدا کی ضمانت میں نہیں ہے۔ چاہے مغفرت کرے چاہے عذاب کرے۔ (سنن ابی داؤد)

اس پر مجتہدین کی رائے ہو گئی جو مسائل :

”کذالو قال عند شرب الخمر والزانی بسم الله عمدا او باعتقاد

انهما حلا لان و کذالو افتنی لامرأة لتبين من زوجها“۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۲، ۱۶۰، ۱۵۶)

استخفاف علماء کفر ہے۔ جو اشارہ سے مشابہت کرے کفر ہے۔ جو عالم کو مولوی

طولی کہ دے کافر ہو جائے گا۔ جو شراب پیتے وقت بسم اللہ کہہ دے وہ کافر ہو جائے گا سے میان کی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ مسئلہ ہیں۔ میرے بیان میں آچکا ہے کہ کوئی چیز کسی حال میں کفر ہوتی ہے۔ کسی حالت میں کفر نہیں ہوتی، میں اس کی مثال دے چکا ہوں۔ کلمات مذکورہ بالا بعض حالات میں موجب کفر ہو جائیں گے۔ بعض حالات میں نہیں ہوں گے لیکن ہم نے عقائد باطلہ پر حکم لگایا ہے۔ کسی ایک اختلافی چیز سے مدد نہیں لی اور نہ اپنے حکم کی بناء

کسی مختلف حصہ پر رکھی ہے۔ اختلافی حصہ کو پہلے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہمارے صم می
 بناء اس دین پر ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے بلا فصل اب تک چلا آ رہا ہے۔ جو مسائل اوپر
 میان کئے گئے ہیں۔ یہ مسائل اختلافیہ ہیں۔

علماء بریلی نے جن واقعات پر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ عقائد علمائے
 دیوبند نے ظاہر نہیں کئے۔ غلط فہمی ہوئی۔ جن عقائد کی بنا پر علمائے بریلی نے علمائے دیوبند کے
 خلاف کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ علمائے دیوبند ان عقائد کے قائل نہ تھے۔

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

تمتہ بیان جرح سید انور شاہ صاحب گواہ مد عیہ بالاقرار صالح

ضروریات دین کا انکار کرنا یعنی عقیدہ چھوڑ دینا کفر ہے لیکن عمل نہ کرنا کفر نہیں
 وہ فسق اور معصیت ہے کفر نہیں جو عقیدہ ترک کرے وہ ایمان سے نکل جاتا ہے اور جو عمل
 ترک کرے وہ عاصی ہے۔ جو شخص دستور ملکی کی بناء پر باوجود طاقت رکھنے کے شرعی حکم کو
 چھوڑے۔ اس کی بلات بھی یہی حکم ہے۔

اگر عقیدہ حق ہونے کا ترک کیا اور کہتا ہے کہ یہ شریعت غلط ہے اور اگر کہتا ہے کہ
 یہ عقیدہ صحیح اور مسئلہ درست ہے۔ عمل ہم اپنی بد قسمتی سے نہیں کرتے۔ وہ داخل ایمان اور
 عاصی ہے۔ مدعی نبوت اور اس کی طرف بلانے والے کی سزا قتل ہے۔ صاحب شریعت (نبی)
 دستور ملکی کی رو سے اگر کوئی چیز بیان کرے وہ بھی شریعت ہے۔ وہ جو کچھ فرمائے کرے۔ کل
 شریعت ہے اور جو کچھ صاحب شریعت کے رو برو ہو اوہ اس پر سکوت کرے۔ تو وہ بھی
 شریعت ہے۔ لکن صیاد جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دعویٰ نبوت کیا۔ اسے اس لئے
 قتل نہ کیا گیا کہ وہ نابالغ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اس امر کی تصریح ہے کہ وہ نابالغ تھا۔
 صحیح بخاری نے اس سے متعلق ہے کہ وہ نابالغ تھا۔

صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے۔ میسلہ نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور کچھ نفری (جماعت) اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے مہم تیار کی۔ اس کے جہاد کے واسطے بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ مدینہ میں اس وقت لوگ کم ہیں اور خطرہ ہے۔ مدینہ کی حفاظت کے لئے لوگوں کو موجود رہنے دیا جاوے۔

صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں بہادر تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو گئے۔ یہ مجھے برداشت نہیں صحابہؓ نے اس پر کوئی تحلف نہ کیا اصول میں یہ اجماع کہلاتا ہے۔ اجماع کے معنی یہ ہیں کہ مسئلہ پیش کیا جاوے اور اس پر سب اتفاق کر گئے۔ کسی نے مخالفت نہ کی اسے اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے سامنے وہ مسئلہ پیش ہو اور وہ کہے کہ مجھے اتفاق ہے۔

میسلہ نے نبی کریم ﷺ کے بعض احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا لیکن جو دو شخص نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو میسلہ کہتا ہے یعنی کہ وہ نبی ہے۔

کتاب حج الکرامۃ ص ۲۳۴، ۲۳۵ میں ہے جو واقعات میسلہ کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں یہ وقوع میں ظاہر ہوئے ہیں لیکن وقت اس کتاب میں ترتیب سے نہیں لکھا گیا۔ میسلہ کو قتل کرنے کی بڑی وجہ دعویٰ نبوت تھی اور جو چیزیں اس کے متعلق اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں وہ اس کے لگ بھگ تھیں اور یہ چیزیں نبوت کے تحت میں تھیں۔

اگر اخبار احاد کی تاویل کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو مبتدع یعنی بدعتی نہیں کہیں گے اور اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں ہے تو وہ خاطی ہے۔

آیات قرآن متواتر ہیں

قرآن اور حدیث جو نبی کریم ﷺ سے ہم تک پہنچا اس کی دو جاہیں ہیں۔ ایک ثبوت اور ایک دلالت، ثبوت قرآن کا تواتر ہے اور اس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسا ہی جو شخص تواتر کے حجت ہونے کا انکار

کرے اس نے دین ڈھا (گرا) دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی، ثبوت قطعی ہے۔

دلالت کا معنی ہے کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہؓ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے۔ تو پھر دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔ حدیث ہے کہ: ”لکل آية ظاہر و باطن“، لیکن قوی نہیں۔ بل وجود قوی نہ ہونے کے مراد اس کی میرے نزدیک صحیح ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں کچھ کلام ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملًا ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور لولہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں۔

بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں وہ مقبول نہ ہو گا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات میں باطنیت اور الجلو کی حد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ کہ ہم مکلف فرمانبردار اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو سپرد کر دیں خدا کے۔

اگر اخبار احاد متعدد جب باہم مل کر توازن کے درجہ کو پہنچ جائیں تو وہ قطعیت میں قرآن مجید کے ہم مرتبہ ہیں اور کوئی متواتر چیز قرآن کے منافی دین میں ممکن نہیں کہ پائی جاوے۔ اور اگر اخبار احاد توازن کے درجہ کو نہ پہنچیں اور بظاہر ان کی مغایرت معلوم ہوتی ہو قرآن سے، تو علماء کا فرض ہے کہ اس کی تطبیق اور توفیق ڈھونڈیں یعنی (آپس میں) ملائیں۔

خبر واحد کے بھی دو پہلو ہیں :

ثبوت پہلو کا۔ دوسرا دلالت کا۔ ثبوت میں وہ ظنی ہوتی ہے۔ جب تک کئی

مل کر تو اتر کو نہ پہنچ جائیں اور دلالت میں کبھی قطعی اور کبھی ظنی۔

دین میں کوئی متواتر چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو قرآن کی نسخ ہو، کوئی حدیث متواتر یا خبر واحد ایسی نہیں ہے کہ جس کو علماء نے قرآن کے ساتھ جوڑا نہ ہو۔

نسخ کا باب اگر کوئی چھیڑے تو فرضی ہے۔ وقوع اس کا نہیں، خوارج کے قتل کی وجہ میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ کفر کی وجہ سے قتل ہوئے اور کوئی کہتا ہے کہ بغاوت کی وجہ سے، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۲ میں ہے کہ خوارج کو بعض کہتے ہیں کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ بغاوت کی وجہ سے۔

حضرت علیؓ کا قول خوارج کے بارے میں جو کتاب منہاج المسلمین ج ۳ ص ۶۱ سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب میں ہے۔ ان خوارج میں سے جو منکر ہوں گے ضروریات دین کے ان کی تکفیر ہوگی اور جو ضروریات دین کے منکر نہ ہوں گے وہ باغی رہیں گے اور ان کے ساتھ قتال یعنی جنگ ہوگی۔

نزدیک است کہ علماء ظواہر
چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر..... تفصیل سے کتاب میں یہ عبارتیں ہیں۔

(کتاب مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب حج الکرامہ ص ۲۶۲)

شیخ مجدد میرے نزدیک مسلم صاحب کشف ہیں۔ کشف ظنی چیز ہے۔ مجھے احادیث سے اور روایات سے جو امام مہدی کے متعلق آئی ہیں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوا۔ جس سے یہ پتہ چلے کہ لمسی نوبت آئے گی یعنی ان کے ظہور کے وقت میں علماء کی طرف سے یہ نوبت آئے گی۔ باقی رہا کشف مجدد صاحب کا، وہ اللہ کو معلوم ہے مجھے روایات پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ حدیث ہے کہ میری امت کے ۷۲ فرقے ہو جائیں گے اور آگے ہے کہ سارے بار میں جائیں گے مگر ایک فرقہ۔ اس پر عرض کی گئی کہ وہ کون ہوگا۔ فرمایا کہ وہ ہوگا جو میرے راستہ پر اور میرے صحابہ کے راستہ پر ہوگا۔

واللہ اعلم میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ وہ جماعت ہوگی۔

”اس جماعت سے مراد اس کے مصنف شہ ستانی مراد اہل سنت والجماعت ہے۔“

یہ الفاظ بعض روایات میں ہیں اور بعض میں نہیں ہیں اس سے یہ اصلاً مراد نہیں کہ وہ چھوٹی جماعت ہوگی۔“

محمد ہاشم خطیب سے جس نے شام میں مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔ مجھے اس سے تعارف نہیں ہے۔

نبی کی اولاد کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں صحابی کے متبعیت میں آیت کی مراد میں یہ ذکر کیا ہے۔ ورنہ کوئی حاجت نہیں اور نہ میرا اس پر مطلب موقوف ہے۔ قول صحابی کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم نبیؐ تا ہو کر مہر کے معنی میں ہی ہے اور آخر کے معنی میں بھی ہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے سوا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی آسکتا ہے وہ کافر ہے۔

قرآن شریف میں تین طریقے انسان کے ساتھ خدا کے کلام کے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کو احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے اپنے بیان میں وحی کی تعریف نہیں کی۔ اقسام بیان کئے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ وحی کے متعدد طریقے ہیں جو پیغمبر کا معاملہ اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس کی انتہاء میرے مقدور سے باہر ہے۔ وہ مخصوص معاملہ ہے۔ خدا کا اور پیغمبر خدا کا اور جب وہ صفت مجھے حاصل نہیں تو میں اس کی پوری حقیقت اور کنہ کو نہیں پاسکتا۔ لیکن حرف شناسی اور طالب العلمی کی مد میں آیت کی تفسیر کرتا ہوں :

”وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ . إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ . الشوری آیت ۵۱“

مناسب نہیں ہے کسی بزرگ کو کہ کلام کرے اس کے ساتھ خدا۔ مگر بطور وحی یا پردہ کے پیچھے سے یا بھٹے اس کی طرف قاصد اور قاصد کے ذریعہ سے پیغام دے۔ اپنی مشیت اور ارادے سے جو پیغمبر کہ پیغمبر ثابت ہو چکا ہے۔ جداگانہ طریق پر۔ اس پر جو وحی ہوتی ہے۔ وہ وحی قطعی ہے۔ دوسرے شخص پر جو وحی ہو وہ ظنی ہے۔ جو شخص خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد وحی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو

وحی ہے وہ وحی نبوۃ نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہو گا۔ وحی قرآن کا لفظ ہے اور لغت میں جتنے معنی وحی کے لئے گئے ہیں ان پر وحی کا لفظ اطلاق ہو سکتا ہے۔ حضرت مریم اور ام موسیٰ (والدہ موسیٰ) کی طرف جس وحی کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ چونکہ پیغمبر نہیں ہیں اس لئے اس وحی سے وہ دوسری وحی مراد ہو گی۔ جو ظنی ہے۔

قرآن شریف میں جو تین طریقے وحی کے مذکور ہیں۔ ام موسیٰ اور حضرت مریم کی طرف جو وحی آئی ہو گی۔ وہ ان تینوں طرق میں سے ہو گی مگر عام مفسرین نے اس آیت: ”وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ“..... الخ۔ کو وحی نبوت پر ہی اتارا ہے۔

میں نے سنا ہے :

”اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کشفی ہے۔ یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں ہے۔ شیخ

مجدد کی کلام کشف والہام میں ہے۔“ (کتوبات لہام ربانی جلد ثانی ص ۹۹، مکتوب ۵۱)

تو بین انبیاء کے بارے میں میں نے تصریح کر دی ہے اپنے بیان میں کہ سب (کالی) کی قسم تعریض سے بھی ہوتی ہے اور لزوم سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن میں نے وجہ ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں تعریض کو نہیں لیا بلکہ جس جھوٹ کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس جھوٹ کو اپنی جانب سے حق کہا میں اسے ارتداد سمجھتا ہوں اور اسی کو ارتداد کی وجہ قرار دیا۔

مرثیہ شیخ رشید احمد صاحب گنگوئی ص ۸۶ کے اشعار ص ۳۳ کے اشعار

متعلق مسیح کا جواب۔

شیخ الہند صاحب کے جو شعر نقل کئے گئے۔ اس کے متعلق یہ جواب ہے کہ جو

مدحیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے بلکہ بصر کی کلام انکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی ذہن کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہو گی وہ عقیدہ ہو گا اور وہ تحقیق ہو گی اور وہ کسی طرح سے انکل نہ ہو گی۔ حقیقت حال ہو گی۔ نہ کم نہ بیش بصر انتہاء کو حقیقت کی نہیں پہنچتا تخمینہ لفظ کہتا ہے اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا کہ شاعرانہ نوع

تعبیر 'عام اطلاق الفاظ نہیں ہے اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں۔ جو اس پاس (قریب قریب) ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹ میں اور شاعر میں یہ فرق ہے۔ کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلا یہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ وہ خود سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ دوسرے وقت ایسے واقع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے اور یہ ایک قسم ہے کلام کی جو فنون علیہ میں درج ہے اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا اور بڑی چیز کو چھوٹا کرنا۔ بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے۔ نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے وہ اور جہاں کا ہے اور یہ حضرت شاعر اور جہاں میں ہیں۔

کتاب ازالۃ الاوهام مصنفہ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر کی اور اشعار مولوی آل حسن صاحب سے جو مشکوٰۃ شریف میں جو قصہ حضرت عمرؓ کے تواریک کا ورق پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کا جواب دینے کے متعلق مذکور ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے جواب سے حضرت موسیٰ کی کوئی توہین ظاہر نہیں۔

جواب میں موجب ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا۔ جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے اور اسے حق کہا ہے اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔ میں اپنے بیان میں تصریح کر چکا ہوں کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نیت پر گرفت نہیں کروں گا۔ زبان پر کروں گا۔ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر مجھے حکم دینے کی ضرورت ہوئی۔ اسی قدر میں نے مطالعہ کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا اور بغیر توبہ کے مرے۔ اس لئے میرے نزدیک وہ کافر ہیں۔

بروز..... نسخ..... رخ..... فسخ..... مسخ..... کے جو الفاظ میں نے بیان کئے تھے۔ اس سے میں نے یہ دکھلایا تھا کہ ان کی کوئی حقیقت دین ساوی میں نہیں ہے اور کہ یہ لفظ نہ آئے ہوں۔ یہ غلط ہے۔ نہ میرے بیان میں ہے۔ علماء نے ان لفظوں کو لیا ہے اور رد کیا ہے۔ میرا عقیدہ نہیں ہے کہ مسیح کی شکل دوسرے کسی مرد میں ڈالی گئی ہو لیکن بعض مفسرین نے اہل کتاب سے نقل لی ہے :

”کونوا قردة خاسئين.“ کے متعلق میرا عقیدہ کہ وہ لوگ مسخ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد حسین ہالوی نے جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق کہا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک درست کہتا ہے۔ (دستخط جج) محمد اکبر

سوال مکرر : میں نے کل اس سوال سے کہ اسلام کی بناء پر چنانچ چیزوں پر بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد میں نے یہ لی تھی کہ صاحب شریعت نے جو بناء اسلام کی پانچ چیز پر رکھی ہے۔

مظہر نے بہت سے دفعات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا جواب میں نے اس وقت یہ دیا تھا کہ جو جو چیز قرآن شریف میں سے لی جائے گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور جو متواتر حدیث ہو گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور یہ جو ہے کہ بناء اسلام کی پانچ چیز پر ہے۔ ایک شہادت توحید کی اور شہادت رسالت کی اس شہادت رسالت کے تحت سارا دین پیغمبر کا داخل ہو گیا۔ رسول کا ماننا۔ ان کی شریعت کی اطاعت کو حاوی ہے۔ انہی پانچ کے اندر بلکہ ایک ہی لفظ کے اندر رسول کی رسالت کو ماننا۔ سارا دین آگیا۔

میں نے کوئی دفعہ جو اضافہ کی ہے۔ مطلق اضافہ نہیں نیز مقنن اگر کئی ایک قانون کہے تو یہ اعتراض بے معنی ہے کہ ایک ہی دفعہ کے تحت ذیلی منشاء کو کیوں ادا نہ کر دیا؟۔ بلکہ سارے قوانین اس کے واجب الانقیاد یعنی واجب اطاعت ہوں۔ میں نے صحیح مسلم کی حدیث کا حوالہ کل دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان

سب پر جو میں لایا ہوں خدا کی طرف سے ایمان نہ لائے وہ مومن نہیں۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ میں امر کیا گیا ہوں کہ میں مقابلہ کروں لوگوں کے ساتھ۔ یہاں تک کہ شہادت دیں لا الہ الا اللہ۔ کی اور ایمان لائیں مجھ پر اور اس چیز پر جو میں لے کر آیا ہوں۔

بناءً اسلام کے جو پانچ ارکان میان کئے گئے ہیں۔ یہ مهم (اہم) ارکان ہیں۔ بڑے ستون تو یہ ہیں اور حدیث میں اور چیزیں بھی ہیں۔ یعنی ایمان کے دیگر بھی کئی شعبے ہیں۔ خلافت شیخینؓ کے اجماع کے متعلق میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جو شخص ان کے مستحق خلافت ہونے کا انکار کرے کہ وہ خلافت کے لائق نہ تھے وہ شخص کافر ہے۔

”لعل المراد انکار استحقاقهما الخلافة فهو مخالف لاجماع الصحابة لا انکار وجودها۔“ (شامی باب الامت ”نقل عن البحر الرائق“ ص ۶۱ ج ۱)

شاید مراد انکار ہے۔ استحقاق شیخینؓ کا ایسا شخص مخالف ہے اجماع صحابہؓ کے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ وقوع خلافت سے کوئی انکار کرے۔

حیات مسیح کے سوال پر امت کا اجماع ہے اور امت کہتے ہیں۔ یہاں سے لے کر پیغمبر کے زمانے تک کے مسلمان اور صحابہؓ بھی اس میں داخل سمجھے جائیں گے۔

دیوبندیوں کے خلاف جو فتویٰ علماء بریلی کا پیش کیا گیا تھا۔ اس میں جو فقرے کتاب تحذیر الناس سے نقل کئے گئے ہیں وہ مختلف مقامات سے جوڑ کر ان کی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ مولانا کی تصریح یہ ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ بسبب تو اتر کافر ہے۔ کتاب تحذیر الناس کے ص ۱۰ پر سواگر سے کافر ہو گا تک۔

مولانا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ قرآن سے۔ تو اترے اور اجماع سے کافر ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ قرآن اور حدیث جس طریقہ پر ہمارے پاس پہنچا۔ اس طریقہ کو علماء نے ادا کیا اور جو شخص تو اتر کا انکار کرے وہ قرآن کو ثابت نہیں کر سکتا اور دین الہاء سے آخر تک منہدم ہو جائے گا۔ اس میں پس و پیش کرنا کہ متواتر خبر حدیث قطعی ہے، مستلزم ہو گا کہ قرآن میں بھی پس و پیش کرے کہ اس واسطے کہ ثبوت قرآن کا اور

حدیث متواتر کا تواتر ہی ہے۔ تواتر میں اگر جھگڑا والا تو اس شخص کے پاس دین محمدی ﷺ کی کوئی جڑ نہیں۔

کل یہ سوال کیا گیا تھا کہ امور مستقبلہ پر اجماع ہوتا ہے یا نہیں، امور مستقبلہ میں اجماع نہ ہونا کی مراد یہ ہے کہ حکم عملی جو ہاتھ پیر سے کرنا ہو۔ اسے مستقبل پر چھوڑا جاوے۔ پہلے سے اجماع کا کوئی اثر نہیں۔ وقت پر دیکھا جائے گا اور جو عقیدہ قرآن و حدیث میں آچکا ہے۔ مستقبل کے متعلق اس پر اجماع منعقد ہونا معقول ہو گا اور حجت ہو گا۔ کہیں فرض ہو گا: ”ودعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔“

شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ کتاب اکمال الاکمال کے حوالہ سے جو کل یہ بیان کیا گیا تھا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس کتاب کے دوسرے صفحہ پر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ امام مالکؒ کی مراد یہی ہو گی کہ برائے چند ساعت موت دی گئی ہے اور بعد میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک ہی صاحب کے مقولہ کے دو قطعہ ہیں۔

سن کر تسلیم کیا گیا

دستخط صاحب

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء



الكتاب الثاني لابن يعقوب
سيرة آخوند زكي بن علي، صاحب السيرة المشكور بن علي بن زكي.

الخطاب المليح

في تحقيق المهدي والمسيح

حكيم الامت

حضرت مولانا اشرف علي تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رد قادیانیت پر گرانقدر تصنیف ”الخطاب الملح فی تحقیق المہدی والکسح“ اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر جلاتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو مرزا قادیانی کے زمانہ حیات میں شائع ہوئی مگر بد باطن مرزا قادیانی کی کور باطنی اور بد عقلی پر ماتم کیجئے کہ وہ اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۹، خزائن ج ۲۱ ص ۷۱ ۳ پر اسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تصنیف قرار دے کر جواب کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ قادیانی کرم فرما، مرزا قادیانی کی بد عقلی دسوائے فنی پر ماتم کریں کہ ٹائٹل پر لکھے ہوئے مصنف کے نام کو جو شخص پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس نے جواب کیا دیا ہوگا؟۔ قادیانی اس کتاب کو پڑھیں اور مرزا قادیانی کے جواب سے تقابل کریں کہ مرزا قادیانی کو جواب دہی سے سوائے رسوائی و ندامت کے اور کیا حاصل ہوا ہے؟۔

اس کتاب کی تصنیف کی تقریب یوں ہوئی کہ انبالہ کے مفتی کرم خان نے چند سوالات لکھ کر حضرت تھانویؒ سے ان کا جواب طلب کیا۔ آپ نے مرزائیوں کے سوالات کو ”قول مرزا“ اور اس کے رد کو ”جواب“ کا عنوان دے کر یہ کتاب تحریر فرمادی جو قدرت حق کی طرف سے مرزا قادیانی کے منہ پر طمانچہ تھا اور اہل اسلام کے لئے بہت بڑا علمی سرمایہ۔ یہ کتاب ایک آدھ بار شائع ہوئی۔ اب اس مجموعہ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

”الحمد لله الذى هدانا لهذا الكتاب والسنة و جعلنا متبعين للسواد الاعظم من الامة فنحمده على ما انعم علينا بهذه المنّة ونصلى على سيدنا محمد نبيه و رسوله الذى به من علينا بتلك النعمة و على آله و صحبه ومن معهم الذين هم السواد الاعظم فيالهم من ائمه فمن حاد عن سبيلهم فلا ريب ان قلبه فى اكنه و امره لا بد وان يكون عليه غمه . اما بعد!!!“

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی غلطیوں کو بہت اہل علم ظاہر فرما رہے ہیں۔ اس لئے کبھی اس باب میں لکھنے کا خیال نہیں ہوا۔ مگر بعض احباب سے جو کچھ زبانی سوال و جواب کا اتفاق ہوا اور بفضلہ تعالیٰ ان کے شبہات کو شفا ہوئی انہوں نے تقید بالقلم کا اصرار کے ساتھ مشورہ دیا چونکہ نفع کی امید پائی گئی اس لئے خود بھی اس کا خیال ہو گیا۔ اسی اثناء میں خشی کرم خان صاحب نائب محافظ دفتر ڈپٹی کمشنر انبالہ نے کچھ سوالات بعض اقوال کی نسبت محض نیک نیتی سے بغرض جواب بھیج دیئے۔ وہ اس خیال کے لئے اور بھی مؤید اور مؤکد ہو گئے۔ اس لئے ان سوالات کا جواب لکھ کر آخر میں ایک مستقل مختصر مضمون جو اجمالاً انشاء اللہ! ایسے تمام شبہات کے جواب کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اضافہ کر دیا اور اس مجموعہ کو ایک رسالہ کی شکل میں بنا کر ”الخطاب الملیح فی تحقیق المہدوی والمسیح“ کے ساتھ نامزد کر دیا اول سوال مر قوم ہے پھر جواب مذکور ہے پھر اسی آخری مضمون پر کتاب ختم ہے :

والله تعالى ولى الهداية ومنه البداية واليه النهاية .

نقل خط منشی صاحب موصوف متضمن سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

جناب ہدایت مآب مولانا صاحب مکرم معظم دام ظلکم و فضلکم از جانب احقر العباد پر عصیان کرم خان، بعد اوائے مراسم ماوجب نہایت ادب سے عرض ہے میں ایک معمولی اردو خوان ملازم ہوں لیکن بفضل خدا کتب شرعی دیکھنے کا شوق ہے۔ ان ایام میں جو شور مرزائیوں کا ہو رہا ہے اور اکثر لوگ بے علم جو بگڑ رہے ہیں وہ ظاہر ہے، بعض میرے احباب آپس میں گفتگو رکھتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دلائل و قات مسیح کی پیش کیا کرتے ہیں۔ گو بفضل خدا اور برکت علماء سے یہ خاکسار اس کے عقائد اور اقوال سے بیزار ہے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے لیکن بعض مقامات کو برائے ازدیاد تقویت و یقین کبھی کبھی بعض مامور علماء سے پوچھ لیا کرتا ہے۔ چنانچہ دو تین مرتبہ جو مقامات کی نسبت بہت مسائل مختلفہ و تقلید و تراویح ہشت رکعت جناب مولانا مخدومنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہم (گنگوہیؒ) سے دریافت کیا تو حضرت مولانا صاحب ممدوح نے میرے سوالات پر رسالہ سبیل الرشاد اور رسالہ الرائے النجیح فی عدد رکعات التراویح، تحریر فرما دیا ہے۔ اسی طرح آپ سے مجھ کو بعض امور کی بابت تحقیق ہے۔ گو جناب مولانا رشید احمد (گنگوہیؒ) صاحب سے ایک گونہ نیاز حاصل ہے لیکن مجھ کو شرم آتی ہے کہ شاید مولانا موصوف یہ خیال نہ فرمادیں کہ یہ شخص ہمیشہ سائل رہتا ہے۔ چونکہ ان امور مندرجہ ذیل کا معلوم کرنا ضروری ہے پس اس وقت مجھ کو بھی ضروری ہوا کہ ان امور کو بامید جواب شافی و تسلی کافی کے حضور ہی کی خدمت میں پیش کروں۔ بعض تصانیف حضور کی میرے پاس ہیں اور جو فضل و کمال و خلق محمدی و توجہ و تبحر معلوم حضور کو ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور نیز مخدومی مکرمی مولوی انوار الحق صاحب نقل نویس جو میرے دفتر میں ہیں اور نیز مولوی اکرام حسین صاحب نے بھی مجبور کیا کہ تم کو مولانا ہی جواب سے جلد مشرف فرمادیں گے۔

گو جناب کو بھی علاوہ درس و تدریس و ذکر اللہ کے کتب بینی و تصانیف و تحریر فتاویٰ بے شمار میں ایک مشغلہ عظیم ہے لیکن میں امید قوی رکھتا ہوں کہ حضور ان امور کا جواب دینا بھی ضروری خیال فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کی برکت سے امید ہے کہ بعض لوگ جو عقاید مرزا میں گرفتار ہو جاتے ہیں شاید چ جاویں۔ اس واسطے جناب کی خدمت میں عرض ہے۔ اول قول مرزا غلام احمد قادیانی کا پھر امور تحقیق طلب لکھتا ہوں۔

قول مرزا نمبر ۱.....: عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ نے بمقام کشمیر وفات

پائی ہے۔ چنانچہ آیت قرآن شریف: ”واوینا ہما الی ربوة“ سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ کشمیر بہت بلند جگہ ہے جبکہ مسیح علیہ السلام صلیب سے بھاگ کر کشمیر چلے گئے تو ہر دو مسیح والدہ حضرت مریم علیہا السلام نے وہاں وفات پائی۔ اسی جگہ ان ہر دو کی قبر ہے۔

جواب نمبر ۱.....: ربوہ کی تفسیر دمشق یا فلسطین یا بیت المقدس غرض ملک

شام کے کسی مقام سے کی گئی ہے۔ کشمیر سے تفسیر کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور علی سبیل التنزل کہتا ہوں کہ اگر کشمیر تشریف لانا مان بھی لیا جاوے تو اس کو اصل مدعا منکر رفع جسمانی الی السماء سے کیا تعلق ہے۔ کیا سفر کشمیر کے بعد وہاں سے جانا اور پھر مرفوع الی السماء ہونا ممنوع ہے؟۔ رہا دعویٰ وہاں قبر ہونے کا محض بے اصل ہے۔ تخمین و قیاسات و افواہی حکایات کا مقابلہ دلائل شرعیہ کوئی اعتبار نہیں رہی تحقیق قبر حضرت مریم کی اس کی ضرورت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲.....: حضرت مریم علیہا السلام نے حالت حمل میں نکاح

کر لیا تھا چنانچہ مسیح علیہ السلام کے حقیقی والدہ ہمیشہ گان بھی تھیں۔

جواب نمبر ۲.....: کہیں ثامت نہیں قبل حمل اس کا قائل ہونا صریح

تکذیب قرآن ہے اور بعد حمل تکذیب اجماع ہے۔ پس دونوں امر باطل ہیں اور جنت میں نکاح کئے جانے کی مجھ کو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی ضرورت سمجھی۔

قول مرزا نمبر ۳.....: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور نیز خاریؓ کا وفات

مسیح علیہ السلام پر مذہب ہے۔ چنانچہ کتاب التفسیر خاری میں قول عبداللہ بن عباسؓ کا ہے: ”متوفیک ای ممیتک۔“ یعنی تو فی ممعنے فوت ہے۔ نہ نیند وغیرہ اور امام خاریؓ حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کو میری امت سے بعض اشخاص ننگے سر دپاؤں لائے جائیں گے ان کو اپنے اصحاب کہوں گا۔ نہ اہوگی کہ یہ تیرے بعد گمراہ ہو گئے تھے تو اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو عیسیٰ نے کہا یعنی: ”انی اقول کما قال العبد الصالح۔“ پس یہ فرمانا ان حضرات کا اس وقت یعنی زبان حضرت میں ایک قصہ ماضی کا ہو گیا۔ حضرت نے کہا قل فرمایا یقول نہیں فرمایا اور مسلمان کہتے ہیں کہ مسیح قیامت کو جواب دیں گے حالانکہ یہاں صیغہ ماضی کا بلا لایا گیا ہے۔

جواب نمبر ۳.....: اگر میٹک کو اپنے ظاہری معنے پر کہا جاوے پھر بھی منکر

رفع جسمانی کو کچھ مفید نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہ موت بعد النزول الی الارض ہو جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے دیدی اور واو تر تیب کے لئے موضوع نہیں۔ اس لئے اس کا تحقق ورائعک الی سے پہلے ضروری نہیں۔ رہی یہ بات کہ ذکر میں کیوں مقدم فرمایا سو گو اس نکتہ کی تحقیق کو اصل بحث سے تعلق نہیں مگر ترممانکتہ کا بیان بھی کئے دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں دو فرقوں کو افراط و تفریط تھا۔ ایک نصاریٰ کو کہ ان کو الہ مانتے تھے دوسرے یہود کو۔ وہ ان کو غیر ظاہر جانتے تھے اور نصاریٰ کی غلطی یہود کی غلطی سے بڑھی ہوئی تھی کیونکہ غیر الہ کو الہ ماننا زیادہ بعید ہے۔ نبی کو غیر نبی جاننے سے۔ اگرچہ کفر دونوں ہیں۔ اس لئے متوفیک کو جبکہ معنے میٹک ہو مقدم کیا کہ اس میں ابطال ہے عقیدہ نصاریٰ کا کیونکہ موت منافی ہے الوہیت کے۔ پھر رد فرمایا عقیدہ یہود کو اس طرح سے کہ ان کے لئے رفع الی السماء ثابت کیا جو مستلزم ہے طہارت جسمانی کو اور تطہیر مطلق ثابت کی جو مستلزم ہے طہارۃ روحانی کو اس طرح دونوں فرقوں پر رد ہو گیا اور متوفیک کی تقدیم مناسب ہوئی اور اگر ترتیب ذکر کی کے ساتھ ترتیب

و قوعی بھی مان لی جائے تب بھی منکر رفع کو مفید نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ قبل رفع تھوڑی دیر کے لئے آپ کو وفات دی گئی ہو اور پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھائے گئے ہوں جیسا کہ بعض سلف اس کے قائل بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے :

”الثانی متوفیک اے ممیتک و ہو مروی عن ابن عباس و محمد بن اسحاق قالوا والمقصود ان لا یصل اعداء من الیہود الی قتله ثم انه بعد ذلك اکزمه بان رفعه الی السماء . ثم اختلفوا علی ثلاثة اوجه احدھا قال و ہب توفی ثلث ساعات ثم رفع . ثانیھا قال محمد بن اسحاق توفی سبع ساعات ثم احیاه اللہ تعالیٰ و رفعہ . الثالث قال الربیع بن انس انه تعالیٰ توفاه حین رفعہ الی السماء .“

بہر حال ممیتک کے ساتھ تفسیر کرنا بھی کسی طرح منکر رفع کو مفید نہ ہو۔ اور امام بخاری کا اس تفسیر کو نقل کرنا، بول تو مستلزم نہیں کہ ان کا بھی یہی مذہب ہو اور اگر ہو بھی تو منکر رفع کو مفید نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ موت اور رفع العبد الی السماء میں تافی نہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ رہا استدلال کرنا قال کے ماضی ہونے سے یہ بھی محض ضعیف ہے۔ اول تو اس لئے کہ ماضی بمعنی مضارع بئرت قرآن میں وارد ہے : ”ونفخ فی الصور . و اشرققت الارض . و صنع الکتاب . جئی با النبیئن . قضی بینہم . و سیق . و غیر ذلک .“ پس قال بمعنی یقول ہو سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ ماضی سے کیوں تعبیر فرمایا سو گو بیان نکتہ کو اصل مقصود میں کوئی دخل نہیں مگر تہمہ بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اپنی حکایت بیان فرمائی کہ میں قیامت میں اس طرح کہوں گا۔ اس بیان سے پہلے صحابہؓ یہ آیت سن چکے تھے : ”ان تعذبہم فانہم عبادک . الا یہ .“ پس مقتضایا لغت کا ہوا کہ حکایت کے ماضی ہونے کو بمنزلہ محکی عنہ کے ماضی ہونے کے ٹھہر کر صیغہ ماضی استعمال فرمایا۔ یا یوں کہا جائے کہ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول پہلے ہو چکے گا پھر ہمارے حضور ﷺ کا یہ قول صادر ہوگا تو حضور ﷺ کے قول کے وقت چونکہ وہ قول ماضی ہو چکا ہے اس لئے صیغہ ماضی سے تعبیر

فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی اس کی نظیر ہے: ”قال تعالیٰ یوم یأتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل“ یہ یقینی بات ہے کہ تکلم کے وقت کے اعتبار سے: ”لم تکن امنت“ مستقبل ہے۔ مگر باعتبار وقت حکم لا ینفع کے ماضی تھا اس لئے ماضی لائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض جگہ تو مستقبل سے مستقبل کو بھی ماضی سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ”قال تعالیٰ و علی الاعراف رجال یعرفون کلابسیمام و نادوا اصحاب الجنة“ اس میں یقیناً نداء بعد معرفت کے ہے پھر یرفون کو مستقبل لائے اور نداء جو اس مستقبل سے بھی مستقبل ہے اس کو ماضی سے تعبیر فرمایا۔ اور اگر قال کو ہم ظاہری معنی پر ہی محمول کریں تب بھی استدلال منکر رفع کا غلط ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مخاطبت فیما بین اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رفع الی السماء واقع ہو چکی ہو، جیسا احادیث میں وارد ہے کہ شہداء سے بمجرد پیشی قبل قیامت ہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ غایت مافی الباب یہ لازم آیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام سے یہ باتیں ہو چکی ہیں۔ تو توفی بھی واقع ہو چکی ہے مگر اس میں بھی کوئی اشکال لازم نہیں اگر توفی بمعنی اخذ الشی بالتمام کی ہو جیسا بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں اور اس بناء پر توفی عین منہوم رفع عیسیٰ علیہ السلام مخ الجسد والروح ہو گا۔ تب تو ظاہر ہے کہ کوئی اشکال نہیں اور اگر بمعنی وفات ہی لے لیا جائے تب بھی اوپر تحقیق ہو چکا ہے کہ وفات میں اور رفع مع الجسم میں کوئی منافاة نہیں بہر حال کسی تفسیر پر بھی منکر رفع کو مفید نہیں۔

قول مرزا نمبر ۴.....: میں نبی ہوں، رسول ہوں، مگر بروزی طور پر میں

صاحب شریعت نہیں ہوں لیکن جزوی نبی ہوں، اور ایسا دعویٰ اکابر نے بھی کیا ہے جیسے منصور نے انا الحق و بایزید بسطائی نے انا نوح۔ وغیرہ کیا ہے ثابت ہے۔

جواب نمبر ۴.....: رسالت و نبوت و وحی کے جو معانی اصطلاح شرعی میں

ہیں، ان کا منقطع ہو جانا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور ہمارے حضور ﷺ ان امور کے خاتم ہیں۔ اس کے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں۔ رہا قصہ بروز کا سو یہ ایک اصطلاح مستحدث ہے۔ اگر

اس کی تعریف جامع مانع ایسی کی جائے جو قواعد شرعیہ کے مخالف نہ ہو تو گو حکم قول لا مشاحۃ فی الاصطلاح محل نزاع نہیں، مگر چونکہ یہ حکم بھی شرعی ہے کہ الفاظ موہمہ سے احتراز واجب ہے چنانچہ اسی بناء پر: ”لا تقولوا راعنا“ فرمایا گیا اور احادیث میں بہت سے الفاظ کی ممانعت اسی بناء پر وارد ہے۔ اس لئے جس جگہ اس قسم کا الہام اور عوام کے لئے مغلط اور مفسدہ کا احتمال ہو گا ایسے الفاظ کے استعمال کو حرام و معصیت کہا جائے گا، اور اگر ان الفاظ اصطلاحی کے تعریف ہی میں کوئی جزو مخالف قواعد شرعیہ ہو گا تو اس وقت اس کو فی نفسہ بھی باطل قرار دیں گے۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اگر لفظ بروز کے بڑھادینے سے رسالت و نبوت کا دعویٰ جائز ہے تو اسی قید کے ساتھ خدائی کے دعویٰ کی بھی اجازت ہونا چاہئے۔ کیونکہ آخر مخلوق میں صفات الہیہ کا کم و بیش: ”علی قدر العطاء الوہبی“۔ قل تو ضروری ہے کیا کوئی عاقل متدین اس امر کو گوارا کر سکے گا؟ جب خدائی کا دعویٰ گوارا نہیں تو رسالت کا کیونکر گوارا ہے؟ رہا استدلال کرنا فعل اکابر سے سو اگر ان قصوں کو صحیح مان لیا جائے تو وہ حضرات غلبہ حال سے معذور تھے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب ان کو حالت صحت میں اس کی اطلاع کی گئی تو توبہ ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں پھر ایسی بات کہوں تو مجھ کو بلاتردد قتل کر ڈالو۔ چنانچہ لوگوں کا اس طرح سے قصد کرنا اور پھر آپ کی کرامت سے زخموں کا اثر نہ ہونا مشہور ہے۔ بہر حال قصد و عمد سے کبھی نہیں کہا نہ اس پر اصرار تھا۔ پس کجا وہ حالت اور کجایہ حالت کہ اگر کوئی ذرا کلام کر دے تو اس کے رد میں رسالے اور اشتہارات تیار کئے جائیں۔

کار پاکان راقیاس از خود مگیر

گرچہ ماند نوشتن شیرو شیر

تو صاحب نفسی اسے غافل میاں خاک خون میخور

کہ صاحب دل اگر زہری خورد آن انگبین باشد

قول مرزا نمبر ۵.....: رفع جمیع عزت کے موت دینا ہے۔ یا بعد مرنے

کے روحانی طور پر بہشت میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ: ”ورافعك الی بحق.“ مسیح علیہ السلام اور لفظ: ”ورفعناه مکانا علیا.“ حق اور لیس علیہ السلام ہی بولا گیا ہے۔ نہ بالجسم اٹھانا مراد ہے۔

جواب نمبر ۵.....: رفع کے معنی لغوی مشہور ہیں۔ شرعی اصطلاح اس میں

جد اگانہ نہیں۔ عزت کی موت اس کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ رفع بمعنی درجہ کے بھی مستعمل ہے اور بمعنی رفع روح جس کا حاصل موت ہے بھی مستعمل، لیکن دونوں معنی کا مجموعہ کہ اس میں دونوں قیدیں ہوں اس میں کہیں مستعمل نہیں دیکھا گیا، اور اگر کہیں مستعمل ہوتا بھی ہو، تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو لفظ رفع آیا ہے وہ تو یقیناً اس معنی میں مستعمل نہیں کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو بمقابلہ ان کے مرفوع ہونے کے فرمایا گیا ہے چنانچہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے۔ پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً ایک لفظ کے جو معنی ہوں گے دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہوگا۔ پس اگر رفع سے مراد مع الجسم آسمان پر جانا مراد لیا جائے جیسا جمہور کہتے ہیں تو نزول سے مراد مع الجسم زمین پر آنا مراد ہوگا جس میں نہ تقابل فوت ہو نہ کوئی خرابی لازم آئی۔ اگر بھول منکر رفع جسمانی سے مراد عزت کی موت لی جائے تو نزول سے مراد بقرینہ مقابلہ ذلت کی پیدائش لینا چاہئے۔ پس معنی حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے، اور اگر یہاں یہ معنی نہ لئے جائیں تو مقابلہ فوت ہو جائے گا۔ جس کا لزوم اوپر ثابت ہو چکا ہے پس معلوم ہوا کہ عزت کی موت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم مطلق موت مراد لے لیں گے، تو ہم کہیں گے کہ اول تو اس کی دلیل چاہئے اور اگر بلادلیل ہم تسلیم بھی کر لیں جب بھی منکر رفع جسمانی کو مفید نہیں، کیونکہ رفع جسمانی اگر اس لفظ سے ثابت نہ کہا جائے گا دوسری دلیل شرعی یعنی اجماع سے ثابت رہے گا، اور موت کا رفع جسمانی کے منافی نہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر: ”ورفعناه مکانا علیا.“ میں صرف رفع روح مراد ہو جب بھی ہم کو مضمر

نہیں کیونکہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ رفع روحانی میں اس کا استعمال نہیں آتا۔ اسی وجہ سے تحقیق قصہ اور لیں علیہ السلام کی حاجت نہیں ہمارا تو یہ قول ہے کہ دونوں معنی میں استعمال ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرفوع بالجسم ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کے قصہ میں اس معنی کو ترجیح ہے اور علی سبیل التزلزل کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن میں معنی رفع الجسم نہ بھی لے تب بھی ہمارا دعویٰ رفع مع الجسم کا اجماع سے ثابت ہے جیسا عنقریب بیان ہو چکا ہے۔ اور چونکہ لفظ رفع معنی رفع مع المادۃ میں لفظ مستعمل ہے۔ اس لئے نظیر کی حاجت نہیں اور تمہارے نظیر بھی پیش کرتے ہیں: ”قال تعالیٰ رفع السموات بغير عمد“ وقال تعالیٰ رفع سمکھا۔“ حدیث صحیحا میں ہے: ”قللت عائشہ ولقد کنا لنرفع الکراع۔ ترمذی ص ۲۷۷ ج ۱“ اور حدیث حج صبی میں: ”فرفعت امرأة صبیاً۔ ترمذی ص ۱۸۵ ج ۱“ دیکھئے یہ سب اشیاء مادی ہیں جو مع المادہ مرفوع ہوئیں۔

قول مرزا نمبر ۶.....: لفظ نزول جو حق مسیح علیہ السلام احادیث میں وارد

ہے وہ مراد آسمان سے اترنا نہیں ہے بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا خدا نے: ”وانزلنا الحديد“ کیا یہاں لوہا بھی آسمان سے اتر رہا ہے یا لفظ: ”انزلنا الكتاب“ میں مراد یہ ہے کہ قرآن مجید آسمان سے اتر رہا ہے اور کسی نے دیکھا ہے۔

جواب نمبر ۶.....: گو نزول بھی دوسرے معانی میں حقیقتاً مجازاً مستعمل

ہوتا ہے جس کا انکار نہیں مگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا یقیناً باعتبار معنی ظاہر متبادر کے ہے۔ اولاً حدیث مسلم باب ذکر الدجال میں ہے: ”فینزل الی قوله بین مہر و زین واضعا کفیه علی اجنته ملکین۔“ اگر بقول مکر نزول ”من السماء“ یہاں پیدائش کے معنی لئے جائیں تو استغفر اللہ حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام دور نگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے پیدا ہو گئے۔ اول تو یہ مطلب کیسا مہمل ہے۔ پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی۔ پس حدیث کے قرآن معنی متبادر

کے تعین کر رہے ہیں۔ دوسرے اس معنی پر اجماع بھی ہے۔

قول مرزا نمبر ۷..... : آسمان پر اس جسم خاکی کا جانا محال ہے اور ”معاذ

اللہ“ یہ لفظ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جسم کثیف سے معراج کو نہیں گئے بلکہ معراج کشفی و نومی تھا اور حضرت عائشہؓ کا قول لاتا ہے کہ وہ بھی جیسی معراج کی قائل نہ تھیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ آسمان پر کرہ ناریا زمریر ہے خاکی جسم کا جانا محال ہے بلکہ بڑے پہاڑوں پر جانے سے انسان نہیں زندہ رہ سکتا ہے۔

جواب نمبر ۷..... : بلاشبک جاسکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص محال کہے تو اس

سے پوچھنا چاہئے کہ یہ محال عقلی ہے یا شرعی ہے یا عادی ہے۔ اگر محال عقلی یا شرعی ہے تو دلیل لانا چاہئے۔ کون سی دلیل عقلی نے اس کی نفی کی ہے؟۔ کونسی دلیل شرعی اس کا انکار کر رہی ہے؟۔ انشاء اللہ تعالیٰ! قیامت تک کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو سکے گی۔ اور اگر محال عادی ہے تو مسلم، مگر یہ مفید نہیں کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی امر کا امکان عقل سے ثابت ہو اور دلیل شرعی اور اس کے وقوع کی خبر دے اور اس کے وقوع کا اعتقاد واجب ہے۔ چنانچہ یہ امر بہت ہی ظاہر ہے پس جب اس میں کوئی استحالہ عقلی ہے نہیں اور دلیل شرعی اس کا اثبات کر رہی ہے تو واجب ہو گا کہ اس کو خرق عادت قرار دیکر اس کا اعتقاد کیا جائے۔ اور ممکنات عقلیہ کی نسبت: ”ان الله على كل شئ قدير۔“ عقیدہ قطعہ ہے۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہاں ممکن ہے کہ کوئی مانع عادی طبعی بھی نہ ہو، کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اگر آگ یا مثل اس کے کسی تیز چیز کے اندر سے بہت جلدی سے انگلی کو بار بار ہانک لیں تو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور فلسفہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سرعت حرکت کی کوئی حد نہیں پس ممکن ہے کہ جسم محمدی و جسم عیسوی علیہما السلام کو کرہ زمریر و کرہ نار کے اندر سے نہایت سرعت و عجلت کے ساتھ نکال کر آسمان پر پہنچا دیا ہو اور بوجہ سرعت جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ اور بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محال عادی پر قادر ہیں جو چاہیں واقع کر دیں زمریر اور نار سب ان کے مسخر اور محکوم ہیں۔ جب اس کا

امکان ثابت ہو گیا تو بلندی کشتی نوح علیہ السلام کے تحقیق کی کچھ حاجت نہیں۔ اور قول حضرت عائشہؓ کا یا بمقابلہ دیگر روایات صحیحہ مرجوح ہے یا تعدد واقعہ پر محمول ہے۔ اور صریح دلیل معراج کے جسمانی ہونے کی یہ ہے کہ منکرین نے اس کی کس شدت سے تکذیب کی۔ اگر روحانی و نومی ہوتی استعجاب و استعجاب کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر حضور ﷺ خود فرمادیتے کہ اس میں استعجاب کیا ہے یہ تو نومی و روحانی ہے۔

قول مرزا نمبر ۸.....: مسیح کا آنا محال ہے کیونکہ اگر وہ حالت نبوت آئے تو خاتم النبیین کی آیت کا نقض ہے اگر بلا نبوت آئے تو ان سے کیا قصور ہوا ہے کہ نبوت سے معزول ہو گئے۔

جواب نمبر ۸.....: اس مدعا کی تو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تابع شرع محمدی ﷺ ہو کر تشریف لانا یقینی ہے۔ اور اس میں نہ ختم نبوت میں قدح لازم آتا ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت نبی بھی ہو گئے اور تابع دوسرے نبی یعنی ہمارے حضور ﷺ کے تابع بھی ہو گئے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی نبی تھے اور شریعت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور پھر بھی تابع ہونے سے معزول ہونا لازم نہیں آیا۔ البتہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت خود صاحب شریعت مستقل ہوتے تو حضور ﷺ کی شریعت کا منسوخ ہونا اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت نبوت عطا ہوتی اور پہلے زمانہ میں نبوت نہ مل چکتی، تو حضور ﷺ پر نبوت کا ختم نہ ہونا بے شک لازم آتا۔ مگر جب ایسا نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی جن کو حضور ﷺ کے زمانہ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔ حضور ﷺ کے تابع شرع ہو کر آویں گے تو اس صورت میں نہ حضور ﷺ کی بدیہ شریعت میں کوئی خلل ہو اور نہ ختم نبوت میں کوئی قدح ہو۔ اور اگر صرف اتباع کا نام معزولی ہے تو حدیث میں صاف تصریح ہے: ”لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الاتباعی“ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ اس بنا پر

معنی حدیث کے یہ ہونا چاہئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام میرے وقت میں زندہ ہوتے تو نبوت سے معزول ہو جاتے۔ پس یہی سوال ہم کرتے ہیں کہ اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خطا تھی جو وہ نبوت سے معزول کر دیئے جاتے؟۔

قول مرزا نمبر ۹.....: آیت: ”وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به

قبل موته۔“ میں ہر دو ضمائر میں ایک ضمیر اول میں قرآن شریف یا آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ اور ضمیر دوم میں ایک کتابی چنانچہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ ہر ایک کتابی بوقت موت خود مسیح پر ایمان لے آتا ہے۔ پس ضمیر ہ کی مسیح کی طرف پھیرنا اور قیامت کو صیغہ مستقبل لانا غلطی ہے۔

جواب نمبر ۹.....: اس ضمیر میں کئی قول ہیں چونکہ ہمارا استدلال اس پر

نہیں ہے۔ اس لئے ہماری طرف سے گنجائش ہے جس قول کو چاہے کوئی اختیار کر لے ہمارا کچھ ضرر نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ضمیر راجع ہو تب تو ظاہر ہے کہ ہم کو مفید ہے ہی اور اگر کتابی کی طرف ہو تو حیات و موت عیسیٰ علیہ السلام اس آیت میں مسکوت عنہا ہوگی۔ سو ہمارے پاس دوسرے دلائل موجود ہیں۔ اس لئے ایک جگہ مسکوت عنہا ہونا ہم کو مضر نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۰.....: آیت: ”قد خلت من قبله الرسل۔“ صاف

دلالت وفات مسیح ہے کیونکہ لفظ خلا معنی موت ہے اگر گذرنا معنی لئے جاویں تو وہ گذرنا مراد ہے جو پھر واپس نہ آوے۔ جیسا کہ مرنا ہے کہ پھر کوئی نہیں آیا۔

جواب نمبر ۱۰.....: خلا معنی مطلق مضیٰ ہے۔ نہ حیات اس کے مفہوم کا

جزو ہے نہ موت۔ قرینہ مقام سے جیسے مضییٰ مناسب ہوگی مراد لے لی جائے گی۔ خواہ وہ مضییٰ بالموت ہو یا مع الحیوة۔ پس خلت کو بالتعیین معنی مات لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ رہا یہ کہ کوئی ایسی نظیر ہو جس میں حیات کے ساتھ استعمال خلت کا آیا ہو۔ جواب

سوال ششم میں اس کا جواب ہو چکا ہے کہ بعد اثبات حجت استعمال کے نظیر پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ مگر ہم تبرعاً نظیر بھی پیش کرتے ہیں: ”قال الله تعالى وان من امة الا خلا فيها نذير“۔ فی الصراح ای مضمیٰ وارسل، گودلیل خارجی سے نذیر کا میت ہونا معلوم ہوا ہے مگر جو مقصود ہے اس کلام سے کہ کوئی امت بلا نذیر نہیں۔ یہی جیسا صاحب صراح نے مضمیٰ کی تفسیر ارسل سے کر کے اس کی تصریح کر دی، اس مقصود میں خلا کا صدق حیوة فاعل خلا کے ساتھ ہوا ہے کیونکہ حالت موت میں مرسل ہونے کے کوئی معنی نہیں جیسا ظاہر ہے ورنہ آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جتنی امتیں ہوئی ہیں سب میں ایک ایک نذیر مرچکا ہے۔ سو اس کا مخالف مقصود قرآنی ہونا ظاہر ہے اور اگر قدخلت کو بمعنی قد مات ہی لے لیا جائے تب بھی منکر رفع جسمانی کو مفید نہیں کیونکہ موت اور رفع الجسم میں منافات نہ ہونا اوپر محقق ہو چکا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۱.....: مجمع بحار الانوار ص ۲۸۶ میں قول مالک مات حق مسیح

لکھا ہے اور امام ابن قیم اور ابن تیمیہ مسیح کی وفات کے قائل ہیں۔

جواب نمبر ۱۱.....: ہم کو تحقیق حوالہ و تحقیق مذہب ابن تیمیہ وابن القیم کی

حاجت نہیں کیونکہ تسلیم موت میں بھی منکر رفع جسمانی کو کوئی نفع نہیں جیسا کئی بار گذر چکا۔ اور اگر کسی کے کلام میں رفع جسمانی کی نفی مصرح ہو یا وجہ خلاف اجماع ہونے کے قابل قبول نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۲.....: قرآن شریف میں ۲۳ جگہ وفات یعنی توفی بمعنی

موت ہے اور انی متوفیک میں صاف ظاہر ہے کہ معنی میں مار دوں گا تحریر ہے۔ نہ مراد لینا ہے۔ اور کہیں قرآن یا حدیث یا قول صحابہؓ یا محاورہ عرب میں توفی بمعنی رفع لینا نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں خدا فاعل اور ذی روح مفعول اور فعل توفی ہو وہاں صرف قبض روح اور جسم ہیکار چھوڑ دینا ہے۔ ایسے موقع پر کہیں سوائے قبض روح اور مراد نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱۲.....: جب آیت: ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ . الْإِنْعَامِ

آیت ۶۰“ میں غیر موت میں (توفی کا) استعمال ثابت ہے تو اور نظائر کی کیا ضرورت ہے؟۔
ورنہ مثل اس نظیر کے اور نظائر کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سب نظائر کے سوا اور کوئی نظیر
بھی ہے؟۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ بعد اثبات حجت استعمال کے ایک نظیر کی بھی حاجت نہیں
ہے اور صحت استعمال لغت سے ثابت ہے۔ توفی کے معنی ”تمام گرفتن حق“ لکھا ہے۔ نیز مجمع
البحار میں ہے: ”متوفیک ورافعک علی التقدّم والتأخر و قد یكون الوفاة قبضاً لیس بموت۔“

قول مرزا نمبر ۱۳.....: آیت: ”فَیْہَا حَیْوٰنٌ وَ فِیْہَا تَمُوتُوْنَ وَ

مِنْہَا تَخْرُجُوْنَ۔“ سے صاف مراد ہے کہ انسان زمین ہی پر رہے گا نہ آسمان پر۔ اگر آسمان
پر مسیح کا جانا مانا جاوے تو یہ آیت مخالف ہے۔

جواب نمبر ۱۳.....: اگر دلیل حصر جز تقدیم معمول کے اور کچھ ہے تو ظاہر

کرنا چاہئے اور اگر معمول کی تقدیم دلیل ہے تو استدلال غلط ہے کیونکہ تقدیم کے اور فوائد بھی
اہل بلاغت نے ذکر کئے ہیں۔ پس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں حصر کے لئے ہی ممکن ہے اور
بلکہ واقعی یہی ہے کہ یہاں تقدیم اہتمام شان کے لئے ہے۔ چونکہ مقام ذکر معائنہ حضرت
آدم علیہ السلام کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے لئے جزائے اکل شجرہ میں ملکوت سے
بعد ہو گیا اور جائے اس کے زمین سے تعلق و تلبس ہو گیا۔ پس اس مقام پر مناسب تھا کہ
زمین کے ذکر کو مقدم کیا جاتا، حیات میں بھی، موت میں بھی دوبارہ خروج میں بھی تاکہ جمیع
احوال میں تلبس بالارض مؤکد ہو جائے۔ پس اس کو حصر پر کوئی دلالت نہیں اور قرآن مجید
میں ایسی تقدیم بہت مواقع پر ہے: ”قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔“
اور ظاہر ہے کہ یہاں حصر کے معنی محض باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ غیر اعمال
مخاطبین پر بھیر نہوں۔ نعوذ باللہ منہ۔ پس جب حصر پر کوئی دلیل نہیں پھر حصر پر کسی حکم کو

مبنی کرنا کس طرح درست ہوگا؟۔ بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ آیت: ”فیبھا تحیون۔“ میں اگر حصر مانا جاوے تو لازم آتا ہے کہ انسان کی حیات جنت میں بھی نہ ہو۔ کیونکہ جنت زمین سے خارج ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ اگر کہا جائے کہ اس حصر سے زمان آخرت مستثنیٰ ہے ہم کہیں گے کہ مکان آخرت بھی مستثنیٰ ہے۔ آسمان مکان آخرت میں داخل ہے۔ پس جو شخص مکان آخرت میں ہو اس کی حیات غیر ارض پر ہو سکتی ہے اور یہی جواب ہے: ”ولکم فی الارض مستقر۔“ سے استدلال کرنے کا۔ مزید برآں یہ ہے کہ اگر فی الارض کی تقدیم حصر کے لئے ہے تو لکم کی تقدیم بھی مفید حصر ہونا چاہئے جس سے یہ لازم آوے گا آپ کا کہ بجز انسانی اور کوئی مخلوق زمین پر نہیں رہتی اور بطلان اس کا ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۴.....: آیت: ”اوصانی بالصلوة والزکوة۔“

وکانا یا کلان الطعام۔“ وغیرہ میں صاف ہے کہ انسان بلا غذا نہیں رہ سکتا ہے۔ پس صبح آسمان پر کس طرح قائم ہو گئے اور زکوٰۃ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے؟۔

جواب نمبر ۱۴.....: زکوٰۃ سے مراد اگر یہی زکوٰۃ بالمعنی المشہور ہو تب بھی

کچھ اشکال نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے محض ”پادر ہوا“ ہے۔ کیونکہ زمین پر رہتے بھی یہ حکم ایسا نہیں جو کسی عارض سے ساقط نہ ہو جاوے۔ مثلاً ما مورب الزکوٰۃ کے پاس مال نہ رہے اب وہ ما مورب نہ رہے گا اور کوئی امر مانع وجوب پایا جاوے وجوب نہ رہے گا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ منخلہ شرائط وجوب زکوٰۃ کے یہ بھی ہے کہ وہ شخص زمین پر رہتا ہو اور مالدار ہو، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے پاس مال بھی نہیں اس لئے شرط وجوب مفقود ہوگی۔ پس شروط یعنی وجوب بھی ساقط ہو گیا۔ پس اوصانی بالزکوٰۃ کے معنی یہ ہوں گے ”اوصانی بغير اجتماع شرائط دار تقاع الموانع“ جیسا جمیع احکام میں بالا جماع یہی دونوں قیدیں معتبر ہوتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ پر زکوٰۃ واجب ہونے نہ ہونے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔ اگر ان پر واجب نہ ہونا ثابت بھی ہو جاوے تو

اوصانی بالزکوٰۃ کے معنی ہوں گے ”اوصانی بان آمرامتی بالزکوٰۃ رہا کا نا یا کلان الطعام۔“ سے یہ استدلال کرنا کہ بلاغذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اس سے حیات عیسویہ کو آسمان پر متمتع کہنا نہایت ہی غلطی ہے۔ اس آیت میں صرف ان کے اکل طعام سے ان کے ابطال الوہیت پر استدلال کیا ہے، جس کا عمر بھر میں ایک بار بھی متحقق ہو جانا استدلال کے لئے کافی ہے، کیونکہ اکل طعام دلیل احتیاج کی ہے اور وہ دلیل حدوث کی ہے اور وہ منافی ہے وجوب کے، جو الوہیت کے لئے لازم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار کے اکل طعام سے بھی حدوث ثابت ہو جاویگا اور حادث کا واجب بالذات ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ایک فرد بھی اکل طعام کی استدلال کے لئے کافی ہوگی۔ یہ حاصل ہے آیت کا۔ پس مقصود آیت کا جب ایک بار کے اکل طعام سے بھی حاصل ہو سکتا ہے تو دوام اکل طعام پر آیت کی دلالت کہاں ہے؟ جب آیت دوام اکل طعام پر دلالت نہیں کرتی تو ضرورت اکل طعام پر تو کب دلالت کر سکتی ہے۔ جیسا کہ عقلاء پر ظاہر ہے۔ پھر آیت سے امتناع حیات بدون غذا کا حکم کرنا جو موقوف ہے اثبات ضرورت اکل طعام پر کب صحیح ہوگا۔ پس یہ دعویٰ محض غلط ہوا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاغذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا، دوسرے کا دوام کے لئے ضروری الدلائل بھی نہیں جیسا اہل عربیت پر ظاہر ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر دوام کے لئے مان بھی لیا جاوے تو باعتبار زمان ماضی کے اور اس میں بھی زمان سکونت ارض کے اعتبار سے دوام ہو سکتا ہے پس آسمان پر غذا کی ضرورت یا دوام کی کیا دلیل ہے۔ رہا اگر کوئی آیت سے قطع نظر کر کے باعتبار اقتضائے مزاج انسانی کے دعویٰ کرے کہ بدون غذا کے حیات متمتع ہے تو جواب دیا جاویگا کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ امتناع عقلی یا شرعی تو ہے نہیں، صرف عادی ہے سو اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اقتضاء مزاج کو بدل ڈالیں کہ غذا کی حاجت نہ رہے۔ دنیا میں جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا کر بعض مقتضیات مزاجیہ بدل جاتے ہیں تو آسمان وزمین کے خواص میں تو بہت فرق ہونا ممکن ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہؓ کا قول روح المعانی میں منقول ہے :

”رفع الله تعالى عيسى عليه السلام فكساه الريش والبسه“

النور و قطع عنه لذة المطعم و المشرب فطار مع الملائكة . ” بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خروج و جال میں اہل ایمان کو کل کو یا بعض کو جائے غذا کے صرف ذکر اللہ کافی ہو جایا کرے گا۔ مشکوٰۃ ص ۷۷ باب العلامات ثلثین یدی الساعۃ و ذکر الدجال میں ہے: ” قال ﷺ یجزیہم ما یجزی اہل السماء من المسیح و التقدیس . “ اور اگر بدون غذا کے زندہ رہنا سمجھ میں نہیں آتا تو ہم کہیں گے کہ کیا آسمان پر اللہ تعالیٰ غذا نہیں دے سکتے۔ اگر جنت کے میوے کھلا دیتے ہوں تو کیا مشکل ہے؟۔

قول مرزا نمبر ۱۵..... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ مسیح فوت ہو گئے۔

اور جو فوت ہو جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا یہ سنت اللہ ہے غیر متغیر و متبدل اور حضرت عزیر علیہ السلام کا زندہ ہونا واقعی نہ تھا اور دیگر مردمان کا زندہ ہونا، مرد وہاں موت سے غشی ہے نہ حقیقی موت۔

جواب نمبر ۱۵..... : جن قصص میں مردوں کا زندہ ہونا قرآن مجید میں آیا

ہے ان الفاظ کے حقیقی معنی تو یہی ہیں کہ بے جان سے جان دار کر دیئے گئے موت کو غشی پر اور احیاء کو ازالہ غشی پر محمول کرنا مجاز ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک حقیقی معنی کے تعذر کی کوئی وجہ نہ ہو اس وقت تک مجاز پر عمل کرنا درست نہیں۔ لہذا یہ تاویل یقیناً باطل ہے۔ اور اگر بلا دلیل سے ایسے احتمالات کا اعتبار کیا جاوے تو حشر و نشر میں بھی ایسی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ جیسا ملحدین نے کہا ہے۔ پس جیسا ملحدین کے شبہ کو اسی قاعدہ اصالتہ معنی حقیقی سے باطل کیا جاتا ہے تو اسی قاعدہ پر یہاں بھی عمل ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں جگہ لفظ احیاء اور امات آیا ہے۔ البتہ جہاں کوئی دلیل ترک معنی حقیقی کی ہو وہاں مجاز لینے میں کسی کو کلام نہیں، لیکن جہاں کوئی قرینہ مانع معنی حقیقی سے نہ ہو وہاں کوئی وجہ نہیں کہ معنی مجازی لئے جاویں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہاں دلیل قائم ہے معنی حقیقی نہ لینے کی، وہ یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ مر کر کوئی زندہ نہیں ہوتا: ” ولن تجد لسنفہ اللہ تبدیلا . “ ہم کہتے ہیں کہ اگر سنت اللہ کی تبدیل کے یہ معنی ہوں تو پھر قیامت میں مردوں کو زندہ کرنا تو سب سے بڑھ کر سنت

اللہ کی تبدیل ہے کیونکہ اس کی قبل تک تو یہی سنت چلی آتی تھی کہ سب مردہ تھے بلکہ قبل قیام ساعت تو یہ سنت اس قدر پرانی نہیں ہوئی جس قدر قیام ساعت تک پرانی ہو جاوے گی۔ پس اگر اس روز اس سنت اقدم کی تبدیل ہوگی تو اس وقت تو اقدم بھی نہیں ہوئی صرف سنت قدیمہ ہی کے تبدیل ہے۔ جب اقدم میں تبدیل جائز ہے تو قدیمہ میں تو بدرجہ اولیٰ جائز جانا چاہئے۔ اور لیجئے عالم اہل حق کے نزدیک حادث بالزمان ہی قبل حدوث ایک غیر متناہی مدت اس پر عدم کی گذر گئی۔ اور یہ معدوم رکھنا سنت اللہ تھا۔ پس عالم کو پیدا کر کے اس سنت اللہ کو کیسے بدل دیا گیا۔ اور پھر پیدا کرنے کے بعد جب اس کا وجود مظهر سنت اللہ ہو گیا پھر موت مسلط کر کے اس سنت کو کیسے بدل دیا جاتا ہے۔ غرض یہ چند بار تبدیل سنت اللہ کیسے واقع ہوا۔ اس پر اگر یوں کہا جاوے کہ یہ مجموعہ حالات کا من حیث المجموع سنت اللہ ہے اور اس میں تبدیل نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے اسی طرح اکثر مردوں کو دنیا میں زندہ نہ کرنا اور کسی کسی مردے کو زندہ کر دینا یہ مجموعہ بھی سنت اللہ ہے۔ پس کسی کسی کا زندہ کرنا موجب تبدیل سنت اللہ نہیں ہوا۔ اصل یہ ہے کہ آیت کے یہ معنی ہی نہیں کہ ہم خود بھی اپنے طریقہ کو نہیں بدلتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ ہمارے طریقہ کو بدل سکے۔ جیسے ارشاد ہوا ہے: ”لا مبدل لکلماتہ“ اور اگر تبدیل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاوے تو سنت سے مراد سنت قولیہ یعنی وعدہ قولی ہے اس میں وہ خود بھی تبدیل نہیں فرماتے اور اس تمام تر تقریر کی اس وقت ضرورت ہے جب وفات مسیح علیہ السلام کو مان لیا جاوے اور یہی اس میں گنجائش کلام ہے جیسا تفسیر متوفیک کے ضمن میں معلوم ہوا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۶.....: مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

کہ اس وقت سے سو برس کے اندر جس قدر نفوس زندہ ہیں وہ مر جاویں گے۔ اگر بقول مسلمانان مسیح زندہ بھی تھے تو اس حدیث سے مر گئے۔

جواب نمبر ۱۶.....: یہ حدیث اہل ارض کے باب میں ہے نہ کہ اہل سماء کے

بارہ میں۔ چنانچہ حدیث میں: ”علی ظہر الارض“ کی قید صاف مذکور ہے۔ اور اہل

ارض میں سے بھی باعتبار اکثر کے فرمایا ہے ورنہ خود ابلیس بھی ایک نفس منفوسہ ہے۔ اور اب تک زندہ ہے۔ مقصود اصلی اس حدیث کا یہ فرمانا ہے کہ ایک صدی کے بعد یہ قرن گذر کر دوسرا قرن لگ جاویگا اور زمانہ کا نیارنگ ہو جاویگا گو بعض لوگ اس قرن کے زندہ بھی رہیں، چنانچہ راوی حدیث ابن عمرؓ نے خود یہی تفسیر کی ہے رواہ البخاری پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ وقت ارشاد اس حدیث کے اہل سماء میں سے ہیں۔ اس لئے وہ اس حدیث میں داخل ہی نہیں۔ اور اگر زبردستی باعتبار ماکان کے ان کو علی ظہر الارض مانا جاوے تو دوسرا جواب دیدیا جاوے گا کہ یہ حدیث باعتبار اکثر کے ہے۔ نہ باعتبار کل کے، اور بعد ان جواہوں کے حیات خضر علیہ السلام واصحاب کف و قصص جن کی تحقیق کی حاجت نہیں کیونکہ یہ سب نظائر ہونگے اور ہر واقعہ کے لئے اگر نظیر کی ضرورت ہو تو وہ نظیر بھی ایک واقعہ ہوگا۔ اس قاعدہ کے موافق اور اس کے لئے ایک اور نظیر چاہئے۔ اس طرح اس میں بھی کلام ہوگا۔ پس یا تو سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا تو تسلسل محال لازم آوے گا اور اگر کہیں ختم ہوگا تو وہ واقعہ بلا نظیر مان لیا جاوے گا تو وہ قاعدہ غلط ہوگا۔

قول مرزا نمبر ۱..... : حدیث میں ہے کہ میری امت کی عمر بہت کم ہوگی۔ اگر بھول مولویان مسیح زندہ ہیں تو اس وقت دو ہزار برس کی ان کی عمر ہوگی اور یہ خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمان مسیح کو امتی بھی آنحضرت ﷺ کا مانتے ہیں۔

جواب نمبر ۱..... : اس قسم کی حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس ارشاد کے وقت وہ حضور ﷺ کی امت میں داخل نہیں ہوئے جو اس حدیث میں داخل کئے جاویں۔ اور جب امتی ہو کر تشریف لاویں گے تو بمقتضائے ان احادیث کے معمولی عمر کے بعد وفات فرما جاویں گے۔ دوسرے یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے کیونکہ بعض روایات میں : ”ما بین سبعین الی سبعین“ آیا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بعض امتیوں کی عمر اس مدت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال ان احادیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ثبات سخت مغالطہ ہے۔

جواب نمبر ۱۸.....: کہ نبی کے معنی خبر دہندہ ہے۔ اور وحی اور ان پر بھی سوائے انبیاء کے نازل ہوئی ہے۔ پس باب وحی و نبوت من کل الوجوہ بند نہیں ہوا۔ البتہ نبی صاحب شریعت کا خاتمہ ہے۔ بطور ظلیت محمدی ﷺ کے جزوی نبی اس امت میں ہوتے رہیں گے۔ فقط!!!

جواب نمبر ۱۸.....: اس کی تحقیق جواب سوال چارم میں گذر چکی۔

قول مرزا نمبر ۱۹.....: اگر جناب کے پاس انجیل برنباس کی ہووے تو اس میں سنا ہے کہ حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور پھر آنے اور آنحضرت کی پیشین گوئی کا ذکر درج ہے یہ تحریر فرمادیں۔

جواب نمبر ۱۹.....: انجیل نہ میرے پاس ہے نہ بعد اقامتہ دلائل شرعیہ اس سے تحقیق کرنے کی حاجت ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۰.....: آیت: ”ان اراد ان یملک المسیح ابن مریم وامه ومن فی الارض جمیعا“ میں صاف حیات مسیح نکلتی ہے۔ مگر لفظ امہ کی کیا توجیہ ہے؟۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت مریم علیہا السلام فوت شدہ تھیں۔

جواب نمبر ۲۰.....: ہمارا استدلال یہ نہیں لہذا اس غرض سے توجیہ کی حاجت نہیں گو تحقیق تفسیر کے مقام میں توجیہ کی جائے جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۱.....: سنا ہے کہ محی الدین لنن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۰ یا ۲۶۰ میں ایک حدیث لنن عمرؓ سے ایک حواری مسیح کا قصہ صعود و نزول مسیح میں لکھا ہے اور وہی روایت کتاب ازالۃ الخفا حضرت شاہ ولی اللہؒ میں بھی ہے۔ ان کی صحت تحریر فرمائیے کہ کہاں ہے اور ازالۃ الخفا میں کیا عبارت ہے اور سنا ہے کہ محی الدین لنن عربی نے اس حدیث کی صحت کشفی طور پر کی ہے۔

جواب نمبر ۲۱.....:

مجھ کو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت
فی طلعتہ الشمس مانیعینک عن زحل

قول مرزا نمبر ۲۲.....: بوقت وفات جناب سرور کائنات روحی فداہ

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو مروہ کے گا میں مارونگا۔ اور فرماتے تھے کہ محمد ﷺ نہیں مرے بلکہ: ”رفع کما رفع عیسیٰ“۔ ”کہا جئے حضرت مسیح کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ پڑھا اور سمجھایا۔ یہ پورا قصہ کہاں ہے لہذا یہ الفاظ: ”رفع کما رفع عیسیٰ“۔ ”ہیں یا کیا الفاظ ہیں۔

جواب نمبر ۲۲.....: یہ الفاظ مجھ کو یاد نہیں۔ اگر ہوں تو تشبیہ مطلق رفع

میں ہے گو مشبہ میں رفع روحانی ہو اور مشبہ بہ میں رفع جسمانی مع الروح ہو۔ صحت تشبیہ کے لئے ادنیٰ مشارکت کافی ہے۔ البتہ بخاری میں یہ الفاظ پیش نظر ہیں: ”ولیبعدنہ اللہ“۔ سو اس میں کوئی امر قابلِ بحث ہی نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۳.....: حضرت مہدی علیہ السلام کا بعد اختلاف اس

کے کہ وہ بنی ہاشم سے ہونگے یا کسی اور قوم سے قول فیصل لہذا اکثر کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۳..... احادیث میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی

نسبت: ”من اہل بیعتی ومن عترتی ومن اولاد فاطمۃ“۔ ”منصوص ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ بنی ہاشم سے ہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۴.....: مرزا: ”لامہدی الا عیسیٰ“۔ و امامکم

مذکم“۔ ”کے احادیث سے کہتا ہے کہ مہدی کوئی نہیں ہوگا فقط مسیح ہوگا۔ چنانچہ میں مسیح ہوں اس کی کیا عمدہ توجیہ ہے؟“

جواب نمبر ۲۴.....: چونکہ احادیث سے قطعاً تقارر و تماثر حضرت عیسیٰ

علیہ السلام و حضرت مہدی علیہ السلام کا ثبوت ہے اور نیز اجماع اس پر منعقد ہے اس لئے حدیث: ”لامہدی الا عیسیٰ“ بالاجماع (ضعیف و ناقص حجت ہے صحیح ہوتی تو تب بھی) ماول ہے۔ علماء نے چند تاویلیں ذکر کی ہیں جو مناسب معلوم ہو اختیار کر لینا جائز ہے۔ میرے نزدیک توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ یہ ترکیب مستعمل ہوتی ہے کمال تشبہ کے لئے۔ پس مطلب یہ ہے کہ ان دونوں درگوں میں باعتبار صفات کمال کے ایسا تشبہ ہو گا کہ گویا مہدی عین عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں۔

جیسا کسی کا قول ہے شعر:

من توشدم تو من شدی من تن شدم توجان شدی

تاکس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگر

اور امامکم منکم میں امام سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں اور اس سے

قبل اس حدیث میں یہ ہے کہ: ”کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم“ اور امامکم منکم مبتداً خبر مل کر حال واقع ہو گا۔ اس میں تو کوئی وجہ شبہ اتحاد کی بھی نہیں بلکہ مطلب صاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی حالت میں آویں گے جبکہ تم میں مہدی بھی موجود ہوں گے۔ غرض کسی حدیث سے دونوں کا ایک ہونا ثبوت نہیں رہا اپنی نسبت دعویٰ کرنا اس کے متعلق خاتمہ ملاحظہ کیا جاوے۔

قول مرزا نمبر ۲۵.....: ظاری شریف میں عامر بن فہیرہ کا یہ معونہ

کے دن مقتول ہونے کے بعد محمد عنصری آسمان پر اٹھ جانا درج ہے۔ ایک کتاب میں دیکھا ہے امید کہ اس کی صحت باب ظاری وغیرہ سے پتہ دیں اور یہ بھی ثبوت دیں کہ انسان کا آسمان پر جانا ممکن ہے یا نہیں۔ کتاب شرح الصدور ص ۷۴ کا حوالہ بھی لکھا ہے بہت خبیث بن عدی کے۔ چونکہ یہ ایک بڑا مجموعہ سوالات کا ہے اور میں بفضل خدا اور برکت سرور کائنات ﷺ و علمائے شریعت سے اپنے عقائد اہل سنت حنفی المذہب پر بہت معتقد و قائم

ہوں لوگوں کی چھیڑ چھاڑ اور بعض احباب کے بگڑ جانے اور بعض کے مستقیم رہنے کی وجہ سے یہ تکلیف حضور کو دی ہے۔ خدا خدا ہی عالم ہے کہ یہ امر بطور بناوٹ اور خود غرضی کی وجہ سے نہیں۔ اگر حضور ﷺ کل کا جواب تحریر فرمادیتے تب بھی میں جناب کا مشکور اور اگر بعض کا تب بھی حضور کا ممنون ہوں۔

جواب نمبر ۲۵..... : خطاری جلد ثانی ص ۵۸ میں اس قصہ کے یہ الفاظ

ہیں: ”قال لقد رايته بعد ما قتل رفع الى السماء حتى انى لا نظر الى السماء بينه وبين الارض ثم وضع.“ اس میں رفع مع الجسم کی تصریح ہے اور شرح الصدور میرے پاس نہیں ہے نہ اس میں تحقیق کرنے کی حاجت اور ممکنات کے ثبوت کا قاعدہ و طریقہ جواب ہفتم میں مذکور ہو چکا ہے۔ اور استحالہ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۶..... : اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت حسینؑ و علیؑ کے اوپر طعن و تشنیع بہت کیا ہے اور آخر میں یہ فقرہ لکھ دیتا ہے کہ میں تو اپنے عیسیٰ کو جو نبی تھے یا حضرت حسینؑ و علیؑ کو جو ہمارے ہیں نہیں کہا ہے۔ بلکہ عیسائیوں کے مسیح کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور جس کا قرآن میں ذکر نہیں ہے کہا ہے اور شیعہوں کے حسینؑ اور علیؑ کو کہا ہے۔ چونکہ عیسائیوں نے ہمارے حضرت کو اور شیعہوں نے ہمارے خلفاء ثلاثہ کو بہت برا کہا ہے اس وجہ سے ہم نے بھی ان کے مسلمہ و موضوعہ صفات موصوفہ خیال ان کے کو کہا ہے۔ آیا ایسا پیرایہ اور نیلہ کر کے حضرت حسینؑ، مسیح علیہ السلام، علیؑ پر کس قدر حملہ جائز ہے؟ یا قطعی ناجائز ہے اگر کوئی الزام ان پر دیا جاوے تو اس کی کیا صورت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں حق مسیح علیہ السلام علماء سلف و خلف نے ایسا حملہ کیا ہے اور علماء اہل سنت نے مقابلہ شیعان کے برتاؤ کیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب نمبر ۲۶..... : گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک

آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے۔ وہ آیت یہ ہے: ”لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ“ آل عمران ۱۸۱۔ اس کا شان نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی جس پر یہود نے یہ بات کہی، یہ یقینی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا بلکہ محض الزام کے طور پر کہا تھا کہ حضور ﷺ کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حاجت مند ہونا لازم آتا ہے۔ مگر انہوں نے اس قضیہ شرطیہ کو سورہ حملیہ میں کہا اللہ تعالیٰ نے اس کی تصحیح فرمائی۔ گو اس کا بطور قضیہ شرطیہ کے کہنا بھی بوجہ لزوم تکذیب حضور ﷺ کے قابل تنقیح کے ہے۔ مگر اس مقام پر اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ صرف امر اول کی تصحیح پر اکتفا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا پیرایہ قبیح ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اس کی تاویل کرینگے کہ مقصود الزام ہے اور کہیں گے کہ انہوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا۔ اور خاص کر جب یہ کہنا مخالفین کی زبان سے اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہلانے کا سبب بن جاوے اس صورت میں تو دوسری وجہ سے بھی ممنوع ہونے کی پائی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ“ الانعام آیت ۱۰۸۔ اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گذرے۔

قول مرزا نمبر ۲.....: چونکہ بعض اوقات بعض مسلمان کہہ دیا کرتے

ہیں کہ مرزا کلمہ گو ہے اور اس کو نہ کہہ اور خاص کر صوفی المشرّب میں توہر کسی کو کہنا ہی نہیں آیا ہے۔ اس میں حضور کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ مرزا مدعی نبوت و رسالت و مہدیت و مسیحیت وغیرہ کا ہے۔ اور ظاہر اہانت انبیاء و علماء کی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے۔ علماء کی مواہیر اس کے ضال و مضل و بعض بحرف وغیرہ ثبت ہیں۔ امید کہ مفصل جواب نمبر وار سے مشرف فرمادیں گے اور جس کتاب کا حوالہ دیں باب یا فصل سے مطلع فرمادیں۔ چونکہ مرزا بخاری شریف پر اور قول مینک حضرت ابن عباسؓ پر بہت باز کرتا ہے۔ اگر زیادہ تر حوالہ بخاری شریف اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا حوالہ دیں تو عمدہ ہے۔ اور اکابر

علماء جن میں محی الدین لکن عرثی یا جلال الدین سیوطی اور خصوصاً حضرت امام مالک کی بابت اگر کہیں اقوال ہوویں تو ضرور تحریر فرمادیں یا اصحاب مالک سے حوالہ دیں۔ اور مجمع البحار کی عبارت سے تسلی فحشیں۔ حضور کے جواب کا میں منتظر رہوں گا۔ اگر کاغذات جواب زیادہ ہو جاویں تو ہر گز ارسال فرمادیں۔ یا جو صورت ہووے۔ زیادہ والسلام۔ خدا حضور کو سلامت با کرامت رکھے۔ امید رکھتا ہوں کہ جناب ہمدہ کو محروم نہ رکھیں گے۔ ہمدہ خاکسار۔ کرم خان نائب محافظ دفتر فارسی صاحب ڈپٹی کسٹرن انبالہ، شہر انبالہ محلہ نیلا نس ۲۲ فروری ۱۹۰۳ء

جواب نمبر ۷۲.....: بلا ضرورت تو کسی کو بر بھلا کتنا واقعی برا ہے گو وہ شخص

برای کیوں نہ ہو لیکن جہاں ہمدہ گمان خدا کے دین اور عقیدہ کی حفاظت مقصود ہو ایسے وقت واجب ہے کہ جس شخص کی وجہ سے دین میں فتنہ ہوتا ہو اس کی غلطیوں کو مسلمانوں پر ظاہر کرے البتہ سب و مہم فضول حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ الْعَنْكَبُوتِ آیت ۶۶“ پھر اللہ فرماتے ہیں: ”وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۚ بَنِي إِسْرَائِيلَ آیت ۵۳“

اب ہم اس مقام پر مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض اقوال مع حوالہ نقل کریں۔ ناظرین اگر اہل علم و فہم ہیں تو خود دور نہ علماء محققین کے رویہ وان کو پیش کر کے تحقیق کر لیں کہ ایسے اقوال کا شریعت میں کیا اثر اور قائل کا کیا حکم ہے؟

قول اول:

ان مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بھر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸، مکتوفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

قول دوم: مشتعل بر چند قول ازالہ اوہام ص ۳۰۸، خزائن ص ۲۵۷

اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح بن مریم باذن و حکم الہی الیسع نبی کی طرح اس عمل التراب میں کمال رکھتے تھے۔ گوا الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے تھے..... اگر یہ عاجز اس عمل التراب کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان العجوبہ نمایوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ تھا..... جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کی دفع دفع کرنے کے لئے اپنی دلی و دماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیروں میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے اور امر تنویر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے ہاتھ سے بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کی کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارہ میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ازالہ اوہام ص ۳، خزائن ص ۱۰۴ ج ۳ پر لکھا ہے کہ: ”میں سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔“ اور بھی اس قسم کے اقوال ہیں جو ان کے مقابلین کے تالیفات میں نظر پڑتی ہیں۔ اللہم اعذنا من کل قول او عمل لا یرضیک۔

قول مرزا نمبر ۲۸.....: حضرت الیاس یعنی اور لیس علیہ السلام کے نزول کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۲۸.....: چونکہ ہمارا مدار استدلال نہیں اس لئے کچھ حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۹.....: اور حضرت عزیر علیہ السلام کے دوبارہ شہر میں آنے کا اور توریت اور ان سے پھر کہنے یا صحیح کرنے کا قصہ جو مشہور ہے اس کا پتہ صحیح کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۹.....: قرآن مجید میں بعد قصہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ

السلام کے ایک قصہ مذکور ہے جس میں صاحب قصہ کا مر جانا پھر بعد سو برس کے زندہ ہونا صراحۃً مذکور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صاحب قصہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ غرض صاحب قصہ کوئی ہو حیات بعد موت ثابت ہے اور حفظ توریت وغیرہ کے قصہ کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۳۰.....: اگر کسی مردہ کا زندہ ہونا کسی لولیاء اللہ سے بھوت

کتاب معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۳۰.....: کچھ حاجت نہیں: ”تمت الجوابات والحمد لله

الذی بنعمۃ تہتم الصحاحات۔“

خاتمہ مفیدہ جس میں خلاصہ اختلاف

مرزا قادیانی و جمہور مسلمین کا بیان ہے

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ مشترکہ اس باب میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع الجسم مرفوع الی السماء ہوئے اور پھر مع الجسم آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ مثل دیگر اموات کے میت و مقبور نہیں ہوئے۔ اب اس رفع و نزول کے درمیان کی حالت کو کوئی شخص خواہ حیات کے یا موت کے یا حیات بعد الموت کے اس کو اختیار ہے کوئی شق اصل مدعا میں قاذح نہیں۔ اس بنا پر اگر آیات متضمنہ لفظ توفی و خلعت وغیرہ کو معنی موت پر بھی محمول کر لیا جائے تو مدعا ئے مذکور میں مضر نہیں۔ چنانچہ چند جگہ ضمن اجوبہ اسولہ میں اس کا مذکور ہو چکا ہے۔ اس حالت کو یا اصطلاحاً موت کہا جائے گا یا تشبیہاً جیسا بعض مفسرین نے توفی کے معنی میں لکھا ہے: ”السابع انی متوفیک ای اجعلک کالمتوفی لانہ اذا رفع الی السماء وانقطع خبرہ عن الارض کان

کا المتوفی۔ کبیر“ اور حاصل دعویٰ مرزا غلام احمد قادیانی کا دوا میں ہیں۔ ایک دعویٰ مسیح ہونے کا۔ دوسرا دعویٰ مہدی ہونے کا۔ اور ان دونوں دعویوں پر دود لیلیں قائم کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی دوسری اجمالی۔ تفصیلی دلیل دونوں دعویوں پر جدا جدا اس طرح ہے کہ دعویٰ اولیٰ کی بنا پر مقدمات ہیں۔

نمبر ۱.....: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

نمبر ۲.....: بعد وفات پھر کوئی زندہ نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳.....: پس احادیث نزول میں عیسیٰ مجازی مراد ہے اور وہ میں ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ لوٹی میں اگر وفات سے مراد مع دفن الجسم فی الارض ہے تو بوجہ مخالف ہونے ظواہر آیات و نصوص حدیث و محکم اجماع کے غلط ہے۔ جیسا ضمن اجوبہ مذکور بیان کیا گیا ہے اور اگر مطلق وفات ہے تو مضر نہیں، کیونکہ مطلق وفات اور رفع الجسم الی السماء میں منافات نہیں جیسا اوپر ذکر ہو چکا اور مقدمہ ثانیہ میں اگر مراد انتفاع سے انتفاع عادی ہے تو جمہور کو مضر نہیں کیونکہ دلائل یقینیہ سے وقوع خوارق عادات کا ثابت ہے اور اگر انتفاع عقلی یا شرعی ہے تو غلط ہے یہ بھی ضمن اجوبہ میں گذر چکا ہے۔ مقدمہ ثالث مبنی ہے پہلے دو مقدموں پر، ان کے انہدام سے یہ بھی منہدم ہو گیا۔ پھر علی سبیل التزیل کہا جاتا ہے کہ اگر بضر محال عیسیٰ مجازی ہی مراد لیا جائے تب بھی تعین مدعا کی دلیل ہے کہ میں ہی ہوں ممکن ہے کہ کوئی اور شخص ہو۔ رہا تشابہ صفات کا سو ایسی تاویلات بعیدہ سے تو سینکڑوں آدمی مرزا غلام احمد قادیانی سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشارکت صفاتی رکھنے والے نکل سکتے ہیں اور اگر تعین پر بعض مکاشفات سے استدلال کیا جائے جیسا کہ تختہ گوٹرویہ میں نقل کیا ہے تو بعد تسلیم صحت روایت اور ان ہا جہوں کے صاحب کشف صحیح ہونے اور اس کشف میں غلطی نہ ہونے کے ان مکاشفات کو بوجہ مخالف دلائل شرعیہ کے تاویلات مناسب سے ماڈل کیا جائے گا۔ رہا دوسرا دعویٰ اس کی بنا دو مقدموں پر ہے۔

نمبر ۱.....: مہدی و عیسیٰ ایک ہیں۔

نمبر ۲.....: میں مسیح ہوں نتیجہ نکلا کہ میں ہی مہدی ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ ثانیہ میں دعویٰ اولیٰ ہے جس کا ابطال ابھی ہو چکا ہے اور مقدمہ اولیٰ اس لئے صحیح نہیں کہ احادیث سے صاف دونوں کا جدا جدا ہونا صریحاً ثابت ہوتا ہے اور تاویل حدیث کی اوپر مذکور ہو چکی اور اگر نفی تقاضا میں المسیح والمہدی کے لئے احادیث وارد فی حق المہدی کا انکار کیا جائے جیسا بعضوں کو مقدمہ لن خلدون سے شبہ پڑ گیا ہے تو اس کے جواب میں احقر کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائی جائے جس کو مہتمم مطبع آسی مدر اسی لکھنؤ اپنے جریدہ الیابان میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ غرض کہ جب یہ دونوں مقدمے بھی ثابت نہ ہوئے دوسرا مدعا بھی ثابت نہ ہوا اور اگر اجتماع کسوف و خسوف سے بارہ رمضان میں جو کئی سال ہوئے واقع ہوا تھا اس مدعا میں سہارا ڈھونڈا جائے تو اول تو اس میں یہی کلام ہو سکتا ہے کہ تعین کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ یہ علامت قرب خروج مہدی اصلی کی ہو اور وہ بعد چندے متحقق ہو جائے دوسرے یہ کہ حدیث میں جس کیفیت سے خسوف و کسوف کے اجتماع کی خبر آئی ہے بعد قطع نظر ضعف حدیث کے وہ اجتماع ابھی واقع بھی نہیں ہوا۔ دارقطنی میں وہ حدیث یوں مروی ہے :

”روی الدار قطنی من طریق عمرو بن شمر عن جابر عن محمد عن علی قال ان لمہدینا آیتین لم یكونا منذ خلق اللہ السموات والارض تنکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منه ولم یكونا منذ خلق اللہ السموات والارض . صفحہ ۱۸۸“

یعنی رمضان کی پہلی تاریخ چاند گھٹن ہوگا اور نصف ماہ پر سورج گھٹن ہوگا۔ حاصل یہ کہ دونوں خلاف قاعدہ ہیئت ہوں گے۔ اور جو کسوف و خسوف رمضان میں ہو چکا ہے وہ قواعد ہیئت کے موافق تھا اور اس حدیث دارقطنی میں یہ تاویل کہ اول لیلۃ سے مراد اول تواریخ خسوف قمر ہے نہ خود اول تاریخ رمضان کی اس تاویل کو خود الفاظ حدیث ”لاول

لیلة من رمضان“ صراحتہ رد کرتے ہیں کیونکہ عبارت مذکور کا ترجمہ: یعنی رمضان کی اول شب کہ جو شخص نے گاؤہ یقیناً اس تاویل کو باطل سمجھے گا اور تاویل مذکور پر اس سے استناد کرنا کہ پہلی شب کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے محض ضعیف ہے بعد قیام قرینہ تعذر معنی حقیقی کے استعمال فی المعنی المجازی کے امتناع کی کیا دلیل ہے؟ اور قرینہ یہاں وہی حدیث کی عبارت مذکور ہے جیسا ابھی بیان ہوا ہے اور خود قرآن مجید میں بالمعنی العام وارد ہے: ”قال تعالیٰ والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القديم“. دوسری جگہ فرمایا ہے: ”وقدر منازل لتعلموا عدد السنين والحساب“. اور ظاہر اور یقینی ہے کہ سیر منازل کا آلہ حساب بن جانا اول ہی شب سے شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ جو داس کے پھر اس حالت میں بھی اس کو قمر ہی کہا گیا، زمخشری کہ لغت و عربیت میں مسلم و ماہر ہیں تفسیر میں لکھتے ہیں: ”وهی ثمانية وعشرون منزلا ينزل القمر کل ليلة فی واحد منها لا یخطاه ولا یتقاصر عنه علی تقدیر مستولا یتفاوت یسیر فیها من ليلة المستهل الی الثمانية والعشرين ثم یستر لیلیتین اولیلة انا نقص الشیخ“. اس میں لیلۃ المستهل کی تصریح اس عموم کی مؤید ہو رہی ہے۔ اس طرح حدیث مذکور میں احتمال قرب ظہور پر یہ استبعاد کہ علامت تو اب ہو اور ذی علامت ایک صدی بعد ہو اور اس احتمال کو بے مزگی قرار دینا بھی عجیب ہے، لہذا ایک صدی کا فصل لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ اسی صدی میں اس کا وقوع ہو جائے رہا صدی کے شروع پر ہونا سولول تو اس پر کوئی حجت قویہ نہیں دوسری نصف سے پہلے پہلے شروع ہی کے حکم میں ہے تاہنا اگر اس سے زیادہ بھی فصل ہو تو مضر نہیں اور علامت ہونے میں مغل نہیں احادیث میں قیامت کی جو علامات آئی ہیں اس میں بہت سی علامتیں گزر چکیں اور قیامت لبتک بھی نہیں آئی چنانچہ اہل علم پر حجتی نہیں اب بعد تقریر عدم الایات کے اثبات العدم کے لئے کہتا ہوں کہ جو شخص خالی الذہن ہو کر ان احادیث کو جو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں یا اگر اصل احادیث نہ سمجھ سکے تو ترجمہ مشکوٰۃ میں ان ابواب کو فرست میں صفحہ دیکھ کر نکال کر ترجمہ ان کا دیکھے گا وہ یقین کے ساتھ سمجھ لے گا اور اس کے نزدیک کالمعانیہ

متیقن ہو جائے گا کہ ابھی تک ان صفات و علامت کا مصداق ظاہر ہیں ہو اور کھینچ تان کر کے کسی کا مصداق بنانا یا بنا دینا تو تمام شریعت مطہرہ سے امن و اطمینان اٹھائے دیتا ہے کیونکہ اس قسم کے احتمالات تو نصوص صلوٰۃ و زکوٰۃ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور ملاحظہ نے نکالی بھی ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اعمال میں تو ان احتمالات کو فاسد باطل قرار دیا جائے اور عقاید میں ان کو صحیح و حق سمجھا جاوے۔ مقتضائین و تقویٰ کا تو یہ ہے کہ غرض نفسانی و ہوا پرستی کو چھوڑ کر نظر حق طلبی سے کتاب و سنت کو دیکھ کر عقائد و اعمال میں ان کا اتباع کیا جائے۔ ورنہ غلبہ ہوئے نفسانی سے حق ہرگز واضح نہیں ہوتا۔ اسپر حضرت مولانا روئیؒ کے چند اشعار یاد آتے ہیں :

تازہ کن ایمان نہ از گفت زیان
 اے ہوا را تازہ کردہ درنہان
 تابوا تازہ است ایمان تازہ نیست
 چون ہوا جز قفل آن دروازہ نیست
 کردہ تاویل حرف بکررا
 خویش را تاویل کن نے ذکررا
 برہوا تاویل قرآن مے کنی
 پست و کز شد از تو تو معنی سنی
 ماند احوالت بدان طرفہ مگس
 کوہمی پنداشت خودرا پست کس
 از خودی سرمست گشتہ بے شراب
 ذرہ خودرا شمرده آفتاب
 وصف بازان راشنیدہ درزمان
 گفت من عنقائے وقتم بیگمان

آن مگس بر برگ کاه و بول خر
 همچو کشتیبان ہمی افراشت فر
 گفت من کشتی و دریا خوانده ام
 مدتی در فکر آن مے مانده ام
 اینک ابن دریا و این کشتی و من
 مرد کشتیبان و اہل رائے دفن
 بر سر دریا ہمیراند او عمد
 مے نمودش اینقدر بیرون زحد
 بود بیحد آن چیم نسبت بدو
 آن نظر کو بیند اورا ست کو
 عالمش چندان بود کش بنیش ست
 چشم چندین بحریم چندنیش ست
 صاحب تاویل باطل چون مگس
 وہم او بول خر و تصویر خس
 گرمگس تاویل بگذارد برائے
 آن مگس رابخت گرداند ہمائے
 آن مگس نبود کش این غیرت بود
 روح ادنی در خور صورت بود

یہ کلام تو تھا ان کی تفصیلی دلیل میں اور اجمالی دلیل اپنے سب دعوؤں پر یہ پیش
 فرماتے ہیں کہ اگر میں (مرزا قادیانی) کاذب ہوتا تو اب تک ہلاک کر دیا جاتا اور اس باب میں
 اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ”وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ . لَا خَذَنَّا
 مِنْهُ بِالْيَمِينِ . ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ . فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ
 حَاجِزِينَ . الْحَاقَّةُ آیت ۴۷“ میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں اگر مراد مطلق تقول ہے تو

تمام کفار اپنے کفر و شرک میں متقول علی اللہ ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور قرآن مجید میں بھی ان کو متقول علی اللہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحِشَةِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ الاعراف آیت ۲۸ ”جیسے کہ اور آیات میں بھی ہے کہ حالانکہ بہترے ان میں ہلاک نہیں ہوتے بلکہ ان کی شان میں جا جا اس قسم کی آیتیں فرمائی گئیں ہیں: ”سَنَسْنَدُ رِجْلَهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ“ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ“ قلم آیت ۴۵ ”اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَرِيْمَ آیت ۷۵“ پس یہ تو یقیناً ثابت ہو گیا کہ مطلق تقول مراد نہیں کوئی خاص تقول ہے پھر یہ کہ وہ خاص کیا ہے؟ سو ظاہر یہ ہے کہ جس دعویٰ کے باب میں یہ آیت آئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ جو حضور نے کیا اور جس حالت میں یہ نازل ہوئی ہے یعنی اوس وقت شرائع کی تکمیل نہ ہوئی تھی اور اس لئے دلائل شرعیہ سے ایسے امور میں اتمام حجہ نہ ہو سکتی تھی ویسا ہی دعویٰ اور اسی حالت کا مراد ہے پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جو شخص ایسے وقت میں کہ اور حج شرعیہ سے لوگوں کا التباس رفع نہ ہو سکے نبوت بالمعنی الشرعی کا دعویٰ کرے وہ بمقتضائے حکمت و رحمت خداوندی کہ خلق گمراہ نہ ضرور ہلاک کیا جاوے گا۔ سو اب اگر کوئی شخص تقول کرے اول تو وہ نبوت کا دعویٰ نہیں اور اگر بالفرض کوئی ایسا بھی کرے تو بوجہ تکمیل اصول فردغ شرعیہ کے اس پر بھی احتجاج ہو سکتا ہے اور لوگوں کو بھی بوجہ وضوح دلائل شرعیہ کے التباس و اشتباہ واقع نہیں ہو سکتا۔ پس ایسا تقول مستلزم اہلاک نہیں ہے جب اہلاک لازم ہی نہیں تو اس کی نفی سے تقول کے نفی پر استدلال کرنا باطل ہے پس یہ اجمالی دلیل بھی باطل ہو گئی۔ یہ ملخص ہے مکالمہ فابن مرزا غلام احمد قادیانی و جمہور کا۔ احقر کے نزدیک منشاء ان کے خیالات کا فساد قوتہ تخمیلہ ہے جو اس باب میں ہو گیا ہے جس کا سبب گا ہے طول خلوت بھی ہو جاتا ہے اور گا ہے اس میں کچھ کشف بھی ہونے لگتا ہے جیسا شرح اسباب وغیرہ میں مذکور ہے۔ اگر اس سے زیادہ تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو دوسرے اہل علم کی تصانیف جو اس باب میں لکھی گئی ہیں جیسے سیف چشتیانی و عصائے موسیٰ و صحیفہ الولاء

’ورد الشہات وغیرہا ان کا مطالعہ کیا جاوے اور امید تو اللہ سے یہ ہے کہ طالب حق و تابع انصاف کے لئے یہ مختصر اور ارق ہی انشاء اللہ تعالیٰ کافی شافی ہیں اور سخن پرور کے کئے تو ہزاروں دفتر بھی غیروافی ہیں لیکن: ہذا آخر ما رونا ایرادہ وکان ہذا التحرید و تمامہ فی یوم عرفہ من ۱۲۲۰ھ وجمع اسبابہ الضرویۃ قبلہ بیوم فی یوم الترویۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین تمت•

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆.....☆..... قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔

☆.....☆..... مرزا قادیانی کے بلند بانگ مگر بے لغو دعوے ”مراق“ کا کرشمہ ہے۔

☆.....☆..... وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف

قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے یکمپ میں ہوں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَنْ آخَرَ بِسْمِ اللَّهِ مِنْهُ، مَسِيحٌ بِهِ كَوْنُ نَبِيِّهِمْ.

قائد قادیان

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
 حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گرانقدر تصنیف ”قائد
 قادیان“ ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ کی ہے۔ اس کی پہلی فصل میں مرزا قادیانی ملعون
 کے اقوال نقل کر کے اس کا رد کیا گیا ہے جو اہل علم کے لئے ایک علمی تحفہ
 ہے۔ اس میں مرزا قادیانی ملعون کے ۲۵ اقوال کا رد لکھا گیا ہے۔ مرزا قادیانی
 کے اقوال و دعاوی کی تردید کے بعد اسی فصل اول کا ضمیمہ تحریر فرمایا ہے جس
 میں مرزا قادیانی کے علم و اعمال و اخلاق کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ فصل ثانی
 میں رد قادیانیت کی کتب کی فہرست مع مختصر تعارف کے نقل فرمائی۔ حیات
 مسیح پر لکھے گئے رسائل کا علیحدہ تعارف تحریر فرمایا ہے اور آخر میں مومنین سے
 شائع شدہ رسالہ ”جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش اور مسیح قادیان کی
 حالت کا بیان“ کو بطور ضمیمہ اپنی کتاب کا حصہ بنادیا ہے۔ حکیم الامت حضرت
 تھانویؒ کی یہ تصنیف لطیف رسالہ ”النور تھانہ بھون میں قسط وار شائع ہوئی۔
 ۸۳ سال بعد ”النور“ سے پہلی بار اسے کتابی شکل میں شائع کرنے پر جتنی خوشی
 ہو رہی ہے اس کی کیفیت قلم سے بیان کرنا ممکن نہیں۔

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوة!

قادیان ایک گاؤں کا نام ہے ضلع گورداسپور پنجاب ہندوستان میں۔ اس رسالہ میں اس گاؤں کے ایک قائد یعنی پیشوا کی حالت باطلہ کا بقدر ضرورت بطور نمونہ بھیئت رسالہ انموذج کے تذکرہ ہے جس سے ناظرین کافی تبصرہ حاصل کر کے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں: ”والرسالة مشتملة على ثلاثة فصول. شرفنا الله تعالى بالنفع والقبول.“ (کتبہ اشرف علی ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ)

فصل اول در فرست بھٹے اکاذیب و باطل قادیانی کہ بھٹے از انما بدرجہ کفر رسیدہ است: ”اعاذنا الله تعالى منهما.“

قول مرزا نمبر ۱.....: ”لیکن ضرور تھا کہ قرآن و احادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو علماء اسلامی کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے اور اس کی سخت توہین کی جائے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۷۷ خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

کیفیت قول.....: قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں محض افتراء علی اللہ و الرسول ہے۔

قول مرزا نمبر ۲.....: ”مولوی غلام دستگیر قصوری نے اور مولوی اسماعیل

علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اس طرح پر ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔“
(اربعین نمبر ۳ ص ۹، خزائن ص ۳۹۳ ج ۱)

کیفیت قول..... : مرزا یوں کو چیلنج دیا گیا کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون

دکھادیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔
(صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۳)

قول مرزا نمبر ۳..... : ”جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان

کی امت میں سلسلہ نبوت جاری رہا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی امت میں بھی سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔“
(نور الدین ص ۱۲۰، تلخیص)

کیفیت قول..... : حدیث : ”لانیبی بعدی۔“ و نص خاتم النبیین سے اس

کا بطلان ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۴..... : ”تونی کو موت ہی کے معنی میں منحصر سمجھنا۔“

کیفیت قول..... : تفسیر کبیر میں ہے کہ تونی جنس ہے۔ اس کے تحت میں

انواع ہیں۔ موت اور آسمان پر اٹھایا جانا، انتک الی فرمانا تعیین نوع کی ہے۔ اس میں تکرار نہیں۔

صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۳ خود قرآن مجید کی آیت : ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ ۝ الْإِنْعَامِ

آیت ۶۰ میں اس کے معنی سلا دیتا ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی (ازالہ اوہام ص ۶۴۰، خزائن

ص ۴۴۵ ج ۳) میں لکھتا ہے کہ : ”مات کے معنی لغت میں نام کے ہیں۔“

آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میں آپ کو سلا دینے والا ہوں پھر اپنی طرف اٹھالینے والا

ہوں۔ چنانچہ خازن میں ہے کہ نیند کی حالت میں اٹھالیا تاکہ خوف لاحق نہ ہو، صحیفہ نمبر ۲ ص

۶۵ اور یہ بات کہ کثرت سے جس معنی میں ہو ہر جگہ اس پر محمول کریں گے خود ہی قاعدہ

غلط ہے۔ اصحاب النار کا لفظ قرآن میں بئثرت معذبین بالنار کے معنی میں ہے۔ مگر سورہ مدثر میں ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا ہے جہاں یہ معنی نہیں ہیں۔

قول مرزا نمبر ۵.....: ”حضرت ابن عباسؓ نے متوفی کی تفسیر ممیت فرمائی ہے۔“

کیفیت قول.....: درمنثور میں بروایت صحیح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ”رافعک الی ثم متوفیک فی آخر الزمان“ (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۵)

قول مرزا نمبر ۶.....: ”خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔“ (دافع البلاء ص ۱۳، خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸) پھر اسی رسالہ (دافع البلاء ص ۴، خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸) پر لکھتے ہیں: ”بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔“

کیفیت قول.....: اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت اہانت ہے کہ ان کو پاک دامن نہ سمجھا اور یہ کفر ہے۔

قول مرزا نمبر ۷.....: ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۱۶ ج ۲۲) ص ۲۲ صفحہ میں ہے علاوہ اس کے: ”جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“

کیفیت قول..... : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔ پس توجیہ ظلی اور بروزی کی محض آڑ اور تلمیس ہے۔

قول مرزا نمبر ۸..... : ”قرآن مجید کے وہی معنی لائق اعتبار ہیں جو میں بیان کروں اور حدیث وہی لائق اعتبار ہے جسے میں صحیح کہہ دوں ورنہ ردی میں پھینک دینے کے لائق ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ حدیث کا ردی کی طرح پھینکنا اور غیر معتبر ہونا سالہ اعجاز احمدی کے ص ۳۰، خزائن ص ۱۲۰ ج ۱۹، ضمیرہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۰، خزائن ص ۵۱ ج ۷ میں مرقوم ہے۔“

کیفیت قول..... : کتاب ابطال اور بلادلیل بلکہ خلاف دلیل دعویٰ ہے۔ کیا بجز صاحب وحی کے ایسا دعویٰ کوئی کر سکتا ہے؟۔ پس ایسا دعویٰ وحی قطعی کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۹..... : ”(مرزا غلام احمد قادیانی) کہتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۲۷ ج ۲۲)

کیفیت قول..... : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۰..... : ”خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکھر اور یا مکذب اور متردو کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔“ (حاشیہ لربعین ص ۲۸، خزائن ص ۱۷ ج ۱۷)

قول مرزا نمبر ۱۱..... : ”سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟۔ فرمایا پہلے تمہارا فرض ہے کہ اسے واقف کرو پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔“ (فتاویٰ احمدیہ ج ۱ ص ۸۲)

کیفیت قول.....: نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے تو پھر غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اس کو کافر سمجھنا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۲.....: ”دعوئی نبوت کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض الہامات و اقوال :

(۱)..... ”انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً“ (حقیقت الوحی ص ۱۰۱، خزائن ص ۱۰۵ ج ۲۲)

(۲)..... ”یسین انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم“ (تنزیل العزیز الرحیم“ (حقیقت الوحی ص ۱۰۷، خزائن ص ۱۱۰ ج ۲۲)

(۳)..... ”انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا و تالوا کذاب اشیر۔“ (البعین نمبر ۲ ص ۲۶، خزائن ص ۳۸۲ ج ۱۷)

(۴)..... ”فکلمنی و نادانی و قال انی مرسلک الی قوم مفسدین وانی جاعلک للناس اماماً وانی مستخلفک اکراماً۔ کما جرت سنتی فی الاولین۔“ (انجام آتم ص ۷۹، خزائن ص ۷۹ ج ۱۱)

(۵)..... ”الہامات میں میری نسبت بارہدیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ و لور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“ (انجام آتم ص ۶۲، خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶)..... ”سچا خدا یعنی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“ (دافع البلاء ص ۱۱، خزائن ص ۲۳۱ ج ۱۸)

(۷)..... ”تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون و دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔“ (دافع البلاء ص ۱۰، خزائن ص ۲۳۰ ج ۱۸)

(۸)..... ”مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی

اس آیت کا مصداق ہے کہ: ”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کلہ“ (اعجاز احمدی ص ۱۷، خزائن ۱۱ ج ۱۹)

(۹)..... ”خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین

حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶، خزائن ۱۱ ج ۱۷)

(۱۰)..... ”سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند

امرو نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف طرم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۶، خزائن ۱۱ ج ۱۷)

کیفیت قول..... : ان سب اقوال میں رسالت کا دعویٰ ہے جو صریح آیت

ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اور بعض میں رسالت مستقلہ تشریعیہ کا دعویٰ جو تاویل ظلیت اور بدویت کو باطل کرتا ہے جیسے قول ۹، ۱۰ میں ہے اور بعض میں مزید تحریف بھی ہے جیسے قول ۸ میں ہے کہ جائے رسول اللہ ﷺ کے خود کو مصداق بتایا ہے اور چونکہ قول ۷ کی تکذیب قادیان میں طاعون کے آجانے سے ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون آیا اور ۲۸۰۰ کی گبادی میں سے ۳۱۳ مرے جن میں ان کے خاص مرید عبدالکریم سیالکوٹی بھی تھے اور صدق لوازم رسالت وحی سے ہے اور لازم کی نفی سے ملزوم کا انتفاء یقینی ہے تو علاوہ نصوص شرعیہ کے خود ان کا یہ قول بانضمام واقعہ طاعون ان کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے اور اگر طاعون کی پیشین گوئی میں کوئی قید ہے جو معلوم نہیں تو پھر توسیع مکان کے لئے چندہ کیوں مانگا۔ ممکن ہے کہ اس مکان میں رہنے کے بعد بھی اس وجہ غیر معلوم سے مبتلائے طاعون ہو تو چندہ بھی برباد گیا اور یہ صریح دھوکہ ہے کیونکہ دینے والا تو اسی خیال سے دے رہا ہے کہ محفوظ رہیں گے۔ تو چندہ کی ترغیب کے وقت اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا۔

قول مرزا نمبر ۱۳.....:

(۱)..... ”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت و انجیل و قرآن کریم پر۔“
(اربعین نمبر ۴ ص ۱۹، خزائن ص ۵۴ ج ۱۷)

(۲)..... ”میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خداوند تعالیٰ کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔“
(حقیقت الوحی ص ۲۱۱، خزائن ص ۲۲۰ ج ۲۲)

(۳)..... ”اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔“
(حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)

(۴)..... ”خدا تعالیٰ نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۴۸، خزائن ص ۵۲ ج ۲۲)

(۵)..... ”اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔“
(تمہ حقیقت الوحی ص ۶۸، خزائن ص ۵۰۳ ج ۲۲)

”اور رسول اللہ ﷺ سے بقول مرزا صاحب تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔“

(تمہ کو لڑیہ ص ۶۷، خزائن ص ۵۳ ج ۱۷)

(۶)..... ”لیکن پھر بھی دو نام دو نبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ یعنی مہدی کا نام ہمارے نبی ﷺ سے خاص ہے اور مسیح یعنی مویذ بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے..... اور نبیوں کی پیشین گوئیوں میں یہ تھا کہ امام آخر

الزمان میں یہ دونوں صفتیں اکٹھا ہو جائیں گی۔“ (اربعین نمبر ۲ ص ۱۲ خزائن ص ۳۵۹، ۳۵۸ ج ۱۷)

(۷)..... ”لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران

المشرقان اتذکر۔“ ترجمہ: اس کے لئے (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے لئے۔ ذرا ترجمہ کا

ادب قابل لحاظ ہے) چاند کا خسوف ظاہر ہو اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا

توانکار کرے گا۔“ (قصیدہ اعجازیہ اعجاز احمدی ص ۷۱ خزائن ص ۱۸۳ ج ۱۹)

(۸)..... ”اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں

گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس

کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے:

”سبحان الذی اسری“ (خطبہ المامیہ ص ۱۹۳، ۱۹۴ خزائن ص ۲۸۸ ج ۱۶)

(۹)..... ”لولاک لما خلقت الافلاک“

(استثناء ص ۸۵ خزائن ص ۷۱۲ ج ۲۲)

(۱۰)..... ”انما امرک اذا اردت شیاً ان تقول لہ کن فیکون“

(حقیقت الوحی ص ۱۰۵ خزائن ص ۱۰۸ ج ۲۲)

کیفیت قول.....: ان سب اقوال میں مضمون مشترک دعویٰ ہے نبوت

مستقلہ قطعیہ کا جو تاویل بدویت و ظلمیت کا مبطل ہے کیونکہ اس تاویل سے تو

دوسرے بزرگوں کے لئے بھی ثبات ہو سکتی ہے جس کی نفی قول (۳) میں کی ہے اور قول

(۴) میں دعویٰ افضلیت کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے جو کہ نبی مستقل ہیں افضل نہیں

ہو سکتا اور دعویٰ افضلیت کے ساتھ ان کی تحقیق و تنقیص بھی ہے اور قول (۵) میں رسول اللہ

ﷺ پر افضلیت کا دعویٰ ہے اسی طرح قول (۶) میں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ جامع

کمالات اپنے کو بتایا ہے اور اس سے بڑھ کر قول (۷) (۸) (۹) میں حضور ﷺ پر اس طرح

فضیلت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث حضور ﷺ کے باب میں لفظاً تو غیر ثبات اور معنی ثبات

مگر ظنی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حق میں الہامی جو کہ ان کے نزدیک قطعی ہے کہ ظاہر

ہے کہ فضیلت قطعاً والا افضل ہوگا فضیلت ظنیہ والے سے اور سب سے بڑھ کر قول (۱۰) میں تو معراج ترقی انتہا تک پہنچ گئی کہ حق تعالیٰ کی خاص صفت میں شریک ہو گئے اور جو خدا کا مساوی ہو گادہ نبی کا ظل کیوں ہو گا؟۔

قول مرزا نمبر ۱۴.....: ”پھر جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور

تمام جہیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر شیطانی دوسوہ ہے کہ یہ کہا جاوے کہ کیوں تم مسیح بن مریم سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو۔“ (حقیقت البوحی ص ۱۵۵ خزائن ص ۱۵۹ ج ۲۲)

کیفیت قول.....: چونکہ کوئی نائب رسول کسی ادنیٰ نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ

سکتا۔ چہ جائے کہ ایک لولولعزم رسول سے افضل ہو جاوے تو اس میں صاف نبوت مستقلہ غیر ظلیہ وغیرہ روزیہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۵.....: ”۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک

روک کے دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔“

(مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۱۵۸)

”خدا تعالیٰ نے..... ظاہر فرمایا کہ احمدیہ کی دخترکلاں انجام کا۔ تمہارے

نکاح میں آئے گی اور..... آخر کار ایسا ہی ہو گا۔“ (ازار لوہام ص ۳۹۶ خزائن ص ۳۰۵ ج ۳)

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمانوں کی قوم

سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں :

(۱) مرزا احمدیہ ہوشیار پوری تین سال کی معیاد کے اندر فوت ہو۔ (۲) اور پھر

ولما داس کا جو اس کی دخترکلاں کا شوہر ہے۔ اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔ (۳) اور پھر یہ کہ

بھڑا احمدیہ تاروز شادی دخترکلاں فوت نہ ہو۔ (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تانکاح اور تالیام

بیوہ ہونے اور نکاح خانی کے فوت نہ ہو۔ (۵) اور پھر یہ کہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے

پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔ (شہادت القرآن ص ۸۰، خزائن ص ۷۶ ج ۳)

کیفیت قول..... اس پیشین گوئی کا کاذب ہونا ظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ

۱۸۹۳ء میں اس کا نکاح ہوا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد قادیانی مرے اور وہ دونوں میاں فی فی ہونے کی حالت پر زندہ رہے اور کاذب ہونے کا نتیجہ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ: ”میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشین گوئی دہلاد احمد بیگ کی تقدیر مہرم ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوگی۔ اور میری موت آجاوے گی۔“

(انجام آتھم ص ۳۱ حاشیہ، خزائن ص ۳۱ ج ۱۱)

احمد بیگ کے مرنے سے وسوسہ نہ کیا جاوے۔ کیونکہ مرکب صادق و کاذب سے کاذب ہے اور یوں تو کیف ما اتفاق کوئی شخص دس پیشین گوئی کر دے تو کسی نہ کسی کا واقع ہو جانا اتفاقی بات ہے دلیل صدق نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۶، ۱۷..... پیشین گوئی ہے کہ:

”مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس نہ آئیں تو.....“

(اعجاز احمدی ص ۲۳، خزائن ص ۱۹ ج ۱۳۲، مخلص)

مرزا قادیانی نے پیر مر علی شاہ صاحب سے مناظرہ کا اشتہار دیا۔ یہ بھی لکھ دیا کہ:

”اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر لاہور نہ جاؤں تو پھر میں کاذب سمجھا جاؤنگا۔“

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۳۱، مخلص)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت میں آخری فیصلہ کا اعلان دیا اور اس طرح دعا کی کہ:

”اے میرے آقا!..... اب میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھالے..... اے میرے

مالک! تو ایسا ہی کر۔“ (اخذ القلم ج ۱۱ نمبر ۱۳، ۱۹۰۷ء، مجموعہ اشتیارات ج ۳ ص ۵۷۹)
 ”مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خاں پٹیالوی میری زندگی میں مر جائے گا۔“ (پیشہ معرفت ص ۳۲۱، خزانہ ج ۳۶ ص ۲۳، شخص)

کیفیت قول..... : مگر مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے بجز اظہار غیض و غضب اور زبردستی کی باتوں کے اور کچھ نہیں کیا۔ (الہامات مرزا ص ۱۶، ۱۱۰)

اسی طرح پیر مر علی شاہ صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچے اور ۲۹ تک مرزا قادیانی کے منتظر رہے۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی گھر سے نہ نکلے۔ (حاشیہ فیملہ آسمانی حصہ ۳ ص ۴۳)

مباہلہ ثنائیہ میں مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مر گئے اسی طرح مولوی عبدالحق صاحب غزنوی بوڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے مباہلہ و بددعا میں ہوا۔ (شہادت آسمانی حصہ ۲ ص ۱۱۴)

قول مرزا نمبر ۱۸.....: شعر فارسی :

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
 عیسیٰ کجا ست تا بنہد پا بمنبرم
 (ازالہ لوہام ص ۱۵۸، خزانہ ص ۱۸۰ ج ۳)

اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :

اے مریم کے ذکر کو چھوڑو
 اس سے بھڑ غلام احمد ہے
 (دافع البلاء ص ۲۰، خزانہ ص ۲۴۰ ج ۱۸)

آنچه داد است ہر نبی راجام
 داد آن جام رامرا بہ تمام

انبیاء گرچہ بودہ اندبے
من بعرفان نہ کمترم زکسے
کم نیم زان ہمہ بروئے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

(نزل الحج ص ۹۹، خزائن ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵ ج ۱۸)

”ولما ترك يونس بسوء فهمه الا ستقامة والا استقلال“

(انجام آتم ص ۲۲۵، خزائن ص ۲۲۵ ج ۱۱)

کیفیت قول.....: کھلی لہانت ہے ایک نبی اولولعزم کی، کیا اس کے کفر

ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟۔ اور صریح تفصیل ہے اپنی سب انبیاء پر کیونکہ جو سب کمالات انبیاء کا جامع ہو گا۔ سب سے افضل ہو گا اور ایک قول میں لہانت ہے یونس علیہ السلام کی کہ ان کو بد فہم کہا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۹.....: ”مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود (مرزا غلام احمد

قادیانی) کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے۔“ (خطبہ الہامیہ ص ۲۱، خزائن ص ۲۱ ج ۱۶)

کیفیت قول.....: تمام علماء اسلام کی تفسیر کے خلاف اور تواتر کے بھی

خلاف۔ کیا رسول اللہ ﷺ شب معراج میں قادیان کی مسجد میں تشریف لائے تھے؟ جس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

قول مرزا نمبر ۲۰.....: ”جب احمد یک کے مرنے کی پیشین گوئی معیاد

کے اندر پوری نہ ہوئی تو مرزا غلام احمد قادیانی کو اقرار کرنا پڑا کہ اس وعید کی معیاد میں تخلف ہو گیا۔“ (انجام آتم ص ۲۹، خزائن حاشیہ ص ۲۹ ج ۱۱)

کیفیت قول.....: مرزا قادیانی کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۱.....:

(۱)..... ”انت منی وانا منك.“ (حقیقت الوحی ص ۷۴، خزائن ص ۷۷ ج ۲۲)

(۲)..... ”ظهورك ظهوری.“ (تذکرہ ص ۷۰۴ طبع سوم)

(۳)..... ”انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی.“

(حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۴)..... ”انت منی بمنزلة ولدی“ (حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۵)..... ”میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی

(کتاب البریہ ص ۸۵، خزائن ص ۱۰۳ ج ۱۳)

ہوں۔“

کیفیت قول..... : خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا خدا کے ساتھ اتحاد شرعاً و عقلاً

ہر شخص جانتا ہے کہ باطل ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۲.....:

(۱)..... ”یأتی قمر الانبیاء.“ (یقوت الوحی ص ۱۰۶، خزائن ص ۱۰۹ ج ۲۲)

(۲)..... ”یا نبی اللہ کنت لا عرفک.“

(للاستثناء تتمہ حقیقت الوحی ص ۸۵، خزائن ص ۱۱۳ ج ۲۲)

(۳)..... ”خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں

تحریف معنوی اور لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا

ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس اہمار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول

کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔“

(ضمیمہ تہذیب کوثر ص ۱۰، خزائن ص ۷۵۱ ج ۱۷)

”ہم اب تک سمجھتے ہیں کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اس کا حکم قبول کیا جائے۔ اور

اس کا فیصلہ گودہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے نا طاق سمجھا جائے۔“

(اعجاز احمدی ص ۲۹، خزائن ص ۱۳۹ ج ۱۹)

قول مرزا نمبر ۲۳.....: ”میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود

خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں..... اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔“

(کتاب البریہ ص ۷۸، ۷۹، خزائن ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳)

کیفیت قول.....: جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو وہ بلا تاویل ایسا دعویٰ کرے

اس کا جو شرعاً حکم ہے ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۳.....:

(۱)..... ”آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھ میں سوائے مکرو فریب کے

اور کچھ نہ تھا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷، خزائن ص ۱۱ ج ۲۹۱)

(۲)..... ”یہ بھی یاد رہے کہ آپ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو جھوٹ بولنے

کی بھی عادت تھی۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵، خزائن ص ۱۱ ج ۲۸۹)

(۳)..... ”آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر

ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود

ظہور پذیر ہوا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷، خزائن ص ۱۱ ج ۲۹۱)

(۴)..... ”آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا کنجریوں (کسیوں) سے مناسبت

اور صحبت بھی اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک

جوان کنجری (کسی) کو ایسا موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے

اور زنا کاری کا عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے

سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔“

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷، خزائن ص ۱۱ ج ۲۹۱)

(۵)..... ”یسوع (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے دادا صاحب داؤد نے تو

سارے برے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کر لیا اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگولیا اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔“ (معیار اللذائب ص ۲۱ خزائن ص ۷۹ ج ۹)

کیفیت قول.....: عیاں را چہ ہیاں اور جواب الزامی میں بھی اس عنوان کا

اختیار کرنا خلاف ایمان ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے کہ اگر تمہارا قول مان لیا جاوے تو یہ یہ امور لازم آویں گے۔ نعوذ باللہ منہ اور خصوص جب کہ انجام آتھم میں یہ لکھتے ہیں کہ: ”عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“ پھر لکھتے ہیں کہ: ”ممکن ہے کہ اپنی معمولی تدبیر سے کسی شہکورو غیرہ کو اچھا کیا ہو۔“ اور اسی صفحہ میں ہے کہ: ”آپ کے ہاتھ میں سوائے مکرو فریب کے کچھ نہ تھا۔“ اور توہین انبیاء ذی شان یہ صریح ہے کہ یہ الزام نہیں بلکہ اسی کو حق سمجھ کر لکھا ہے۔ نیز دفع البلاء کی عبارت جو خانہ (۶) میں ہے جس میں یہ قصے نقل کر کے لکھا ہے کہ: ”اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مائع تھے۔“ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام نہیں کیونکہ پادریوں پر قرآن کا حوالہ حجت نہیں خود اپنی تحقیق ہے۔ قرآن سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں:

”تم الفهرس المختصر الکاشف عن عقائد القائد القادیانی . حفظ
اللہ تعالیٰ جمیع المسلمین عن امثال هذه الضلال الشیطانی وان اشتقت
الی السبب فی الاطلاع علیہا وعلی جوابہا فانظر مافی الفصل الثانی .“

ضمیمہ فصل اول

یہ تو قائد قادیان کے اقوال و دعاوی تھے جن سے عقائد کا پتہ لگتا ہے۔ اب کچھ نمونہ کے طور پر ان کے علم و اعمال و اخلاق کی کیفیت بھی دکھلائی جاتی ہے:

علم : (۱)..... میں نے ایک کتاب عربی زبان میں ان (مرزا غلام احمد

قادیانی) کی دیکھی ہے جس کا نام یاد نہیں رہا۔ (الہدی) اس میں ایک حدیث کی عجیب مضحکہ خیز شرح کی ہے۔ حدیث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو باب لد پر (ایک مقام ہے شام میں) قتل کریں گے۔

انہوں نے اس میں عجیب تحریف کی ہے لکھا ہے کہ :

”لد مخفف ہے لد ہیانہ کا۔“ (الہدی والتبصرة لمن یری ص ۹۲ خزائن ص ۱۸ ج ۳۴۱)

میں نے لد ہیانہ میں پادریوں کو مغلوب کیا تھا۔ یہ اس کی پیشین گوئی ہے اس کے صریح جمل ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟

(۲)..... دعویٰ کیا ہے کہ :

”دجال ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جماعت کا لقب ہے۔“

(تحدہ گوڑویہ ص ۱۴۵، ۱۵۰ خزائن ص ۲۳۵، ۲۳۶ ج ۱۷)

اور دلیل میں ایک عجیب جمل ظاہر کیا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث ہے :

”سیکون رجال یختلون الدنیا بالدين.“ اس بعد خدا نے رجال کو دجال سمجھا ہے

اور یختلون میں جو ضمیر جمع کی اس کی طرف راجع ہے۔ اس سے اس پر استدلال کیا ہے اور

منشاء اس غلطی کا یہ ہوا کہ انہوں نے حدیث کو کنز العمال سے نقل کیا ہے وہ ٹائپ کا چھاپہ ہے

اس میں حرف (ر) کا سر اذر آگے کو مڑ گیا ہے جس سے اس کو (د) سمجھا۔ مگر جس شخص کو ذرا

بھی علم سے مناسبت ہوگی وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ کہ میرے لکھنے سے حافظ

عبد القدوس مرحوم سابق ایڈیٹر صادق الاخبار بہاولپور نے ان کے خلیفہ (نور الدین) کو اس

کے متعلق خط لکھا تھا تو وہاں سے جواب آیا کہ حدیث میں تو دجال ہی ہے باقی مولوی صاحبان

جو چاہیں کہیں بھلا اس جمل مرکب کی بھی کوئی حد ہے۔ ماشاء اللہ۔ وزیر بے چنیں شریارے

چناں۔ پھر بھولے لوگ ان کو ذی علم کہتے ہیں انا للہ پری نہفتہ رخ و دیودر کرشمہ و ناز۔

(۳)..... متعدد مسائل میں یہ مضمون منقول ہے کہ اگر میرے بیٹے نے اپنی

بی بی کو طلاق نہ دی تو میں اس کو عاق کر دوں گا۔ اس جمل میں عالم کیا طالب علم کا صحبت یافتہ

بھی بتلا نہیں ہو سکتا۔

عمل: (۱)..... ”مجھ سے ایک ثقہ راوی کا پوری نے جو قادیان میں ایک

معتد بہ مذمت تک اپنی ایک دنیوی حاجت کے لئے رہے تھے۔ بیان کیا کہ ان کے روز و عید کے روز ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں بلا عذر جمع حقیقی کیا گیا اور عصر کی نماز کے وقت مسجد میں میز کر سیاں بچھا کر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے خواص کا فوٹو لینے کا انتظام کیا گیا۔“

(۲)..... ”مجھ سے میرے ایک ہم وطن نے جو کہ ان (مرزا قادیانی) کے

مرید تھے بیان کیا کہ میں نے نماز میں وساوس کی شکایت کی تو انہوں نے یہ عمل بتلایا کہ بعد قومہ کے اردو زبان میں اس کے ازالہ کی دعا کیا کرو سبحان اللہ کیسی اچھی نماز کی تعلیم ہے؟۔“

(۳)..... ”عبد اللطیف رئیس خوست جو حج کو جاتے ہوئے ان (مرزا قادیانی)

کے پاس آئے تھے ان کو حج سے روک کر تبلیغ کے واسطے وطن واپس کر دیا جو امیر عبد الرحمن خاں صاحب کے وقت میں ہلاک کئے گئے جس کا ذکر خود ”تذکرۃ الشہداء تین“ میں لکھا ہے اور اس فعل کا: ”یصدون عن سبیل اللہ۔“ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور اسی عبد اللطیف کے قصے میں خود ہی اپنا ایک علمی نمونہ بھی دکھلایا ہے۔ اول ابو داؤد کی عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں ایک حدیث نقل کی ہے: ”بین ثوبین ممصر تین..... الخ۔“ یعنی دو زرد کپڑوں میں نزول فرمادیں گے۔ پھر آگے اس پر ایک سوال نقل کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی زرد کپڑے کہاں پہنتا ہے پھر اس کا جواب نہایت پاکیزہ خوشبودار دیا ہے کہ زرد کپڑوں سے مراد پیشاب اور سردرد ہیں (کہ دونوں کا رنگ زرد ہے) اور میں ان ہی دو امراض میں مبتلا ہوں اس طرح سے یہ مجھ پر صادق آگیا۔ یہ علم لوریہ عمل ہے مسیح الزمان کا۔“

(تفصیلات کے لئے دیکھئے تذکرۃ الشہداء تین ص ۳۳ خزائن ص ۲۶ ج ۲۰)

اخلاق: حسن اخلاق کا شعبہ اعظم وہ ہے جس کو شیخ شیرازی نے اس شعر میں

جمع کیا ہے:

مرا	شیخ	دانائے	روشن	شباب
دو	اندر	زفرمود	بروئے	آب

یکے آنکہ بر خویش خودبین مباش

دوم آنکہ بر غیر بد بین مباش

یہاں ماشاء اللہ دونوں تعلیموں کا روز و شب جس بیدردی سے خون کیا جاتا تھا مخفی نہیں ان کی تمام تحریرات میں بے حد تعلیموں اور دعوؤں سے بھری ہوئی ہیں اور اسی طرح اپنی مخالفین کو خصوص علماء کو وہ مغلط گالیاں دی ہیں کہ نقل کرنے کو بھی لوگ خلاف شرافت سمجھتے ہیں۔ عصائے موسیٰ میں گالیوں کی ایک الف ب ت ہے یعنی ہر حرف سے بہت بہت گالیاں شروع ہوئی ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔

نتیجہ : ظاہر ہے کہ ایسے اوصاف کا آدمی صلحاء میں بھی داخل نہیں۔ چہ جائیکہ ولی یا ممدی یا نبی ہو۔ نعوذ باللہ! اگر اب بھی کوئی ایسے شخص پر فریفتہ ہو تو بجز ”خدم اللہ علیٰ قلوبہم“ کے کیا کہا جائے۔

فصل ثانی

در فهرست بعضے کتب رد قادیانی

یہ فہرست مولوی محمد اسحاق صاحب نے خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پور موئگیر سے بصورت ایک رسالہ مسمی ”حفاظت ایمان کی کتابیں“ کے شائع کی ہے جو بعد حذف اکثر مضامین ذیل میں منقول ہے۔

فہرست موعود

(۱)..... فیصلہ آسمانی حصہ اول معہ تتمہ :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نہایت عظیم الشان نشان کو غلط ثابت کر کے اور ان کی ذاتی حالت کو دکھا کر نہایت روشن طریقہ سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کے جو بات کی غلطی نہایت روشن طریقہ سے دکھائی ہے۔

(۲)..... فیصلہ آسمانی حصہ دوم :

اس میں مرزا قادیانی کے پختہ اقراروں سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کی عظیم الشان دلیل کا بطلان نہایت محققانہ طور سے کیا ہے۔

(۳)..... فیصلہ آسمانی حصہ سوم :

اس میں نہایت محققانہ طریقہ سے قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے مرزا قادیانی کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے اور رسالہ اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح کی حالت دکھا کر ان کی خطرناک حالت پر متنبہ کیا ہے۔ پھر ان کی غلط پیشین گوئیاں دکھا کر قرآن مجید کی متعدد آیات سے مرزا قادیانی کے دعویٰ کی غلطی دکھائی ہے۔ خلف فی الوعد کی حدیث کی تحقیق سے لکھی ہے کہ اب تک متقدمین اور متاخرین کی کتاب میں دیکھی نہیں گئی ہوئے صفحات پر ۱۳۶ ہیں۔

(۴)..... حقیقت المسیح :

صحیح حدیث سے اور مرزا قادیانی کے حالات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مسیح موعود ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے (مرزا) سواس کے کہ مسلمانوں کو کافر بنایا اور کچھ نہیں کیا۔

(۵)..... معیار المسیح :

بعض وہ آیتیں جن سے مرزا قادیانی کی صداقت ثابت کی جاتی ہے۔ انہیں سے ان کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۶)..... تنزیہہ ربانی از تلویت قادیانی :

اس مختصر رسالہ میں قرآن مجید کی آیتوں اور خود مرزا قادیانی کے اقرار سے انہیں جھوٹا ثابت کیا ہے اور خاص مرزائی نے جو جواب دیا تھا اس کی غلطی اظہر من الشمس کی ہے۔ ان سب رسالوں کے مکرر چھپنے کی سخت ضرورت ہے۔

(۷)..... معیار صداقت :

اس میں اصل مضمون وہی ہے جو تنزیہہ میں ہے مگر طریقہ اور دلائل دوسرے

ہیں۔

(۸)..... شہادت آسمانی :

اس میں مرزا قادیانی کی آسمانی شہادت کو نہایت تحقیق اور تفصیل سے غلط ثابت کیا ہے اور ان کی ناگفتہ بہ باتیں دکھائی ہیں۔

(۹)..... دوسری شہادت آسمانی:

پہلی شہادت آسمانی مختصر تھی۔ یہ ۱۲۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶:

اس میں مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت مستقلہ ثابت کر کے قرآن اور حدیث سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے۔

(۱۱)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۷:

اس میں (مرزا قادیانی کا) دعویٰ نبوت کے علاوہ یہ ثابت کیا ہے کہ انہیں افضل الانبیاء ہونے کا دعویٰ ہے ان کے اقوال نقل کر کے ان کا نتیجہ دکھایا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیاء کی بعثت بے کار ہوئی کسی نے شیطان کو ذلیل نہیں کیا مگر مرزا قادیانی نے کیا۔ بھائیو! مرزا قادیانی کی ایسی باتوں میں غور کرتے جاؤ جن سے ان کی خاص حالت پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱۲)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۸ نمبر ۹:

اس میں رسالہ عبرت خیز ہے جس میں مفتریوں اور صادقوں کی عبرت خیز حالت دکھا کر مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے اور نہایت خوبی سے عبدالماجد صاحب کی غلطیوں کو پردہ پوشی کے ساتھ دکھایا ہے۔ یہ ایک ہی رسالہ مرزا قادیانی کے کذب کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ رسالے نہایت شائستگی اور کامل تحقیق اور وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک منصف طالب حق کی ان سے تسلی ہو سکتی ہے اور ایسی قابلیت اور تحقیق سے اعتراضات کئے گئے ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ان میں ہر ایک رسالہ مرزا قادیانی کو کاذب ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اب حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کرنا اور مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی دلیل پوچھنا بے کار ہے کیونکہ ان رسالوں میں قرآن مجید کے نصوص قطعیہ سے اور احادیث صحیحہ سے اور خود مرزا قادیانی کے متعدد اقوال سے یقینی طور پر ان کا کاذب ہونا

ثابت کر دیا ہے۔ اب مرزائیوں سے ان اعتراضات کے جواب کی درخواست کرنا چاہئے۔ اس کے سوا اور تمام گفتگو فضول ہے اب حضرت مسیح کی ممت کا عقیدہ کام نہیں آسکتا۔ ان رسالوں نے قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح زندہ ہوں یا مر گئے ہوں مگر مرزا قادیانی ہر طرح کا زب ہے۔ اس کا صادق ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۱۳)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱:

اس میں جلسہ بھاگل پور کی کیفیت اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان کا خلاصہ ہے۔

(۱۴)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲:

اس میں وہ تقریر ہے جو مولانا سعید انور حسین صاحب پروفیسر کالج مونگیر نے جلسہ بھاگلپور میں ختم نبوت پر کی تھی۔

(۱۵)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۳:

اس میں مرزائیوں کے صحیفہ تبلیغیہ نمبر کا جواب ہے جس کے بعد مرزائیوں کو صحیفہ نکالنے کی ہمت نہ ہوئی۔

(۱۶)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴:

اس میں لارڈ ہیڈلے کے مسلمان ہونے کی واقعی حالت بیان کر کے خواجہ کمال (مرزائی) کے غلط دعوؤں کا اظہار کیا ہے۔

(۱۷)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۰:

اس میں مولوی عبد الماجد (مرزائی) کی بددیانتی اور فاش غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔

(۱۸)..... صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱:

مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی تشریح کر کے مولوی عبد الماجد (مرزائی) کی غلطیاں دکھائی ہیں۔

(۱۹)..... محکمات ربانی لنسح القائے قادیانی:

اس میں پوری تحقیق سے القائے قادیانی کا جواب دیا ہے اور عبد الماجد (مرزائی) کی

بددیانتیاں دکھائی ہیں۔

(۲۰).....انوار ایمانی :

القائے قادینی میں جو عبدالماجد (مرزائی) نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں ان کا نمونہ اس میں دکھایا ہے اور اصل بات کا جواب دے کر مرزا قادیانی کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۲۱).....مرزائی ماجد کی پہلی غلطی میں تیس غلطیاں :

اپنے القاء میں جو انہوں نے پہلی غلطی قرار دی ہے اس میں تیس غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ اس وقت تک ۵ رسالے القائے قادینی کی غلطی کے اظہار میں طبع ہو چکے ہیں۔

(۲۲).....صواعق ربانی ہر مولف برق آسانی :

اس میں میاں خلیل احمد مرزائی کے برق آسانی کا جواب ہے۔

(۲۳).....تذکرہ حضرت یونس علیہ السلام :

چونکہ مرزا قادیانی نے اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کی پیش گوئی کو بہت پیش کیا ہے۔ اس لئے اس رسالہ میں اس کی پوری حقیقت اور واقعی حالت دکھا کر مرزا قادیانی کے فریب کو ظاہر کیا ہے۔ ابھی چھپا نہیں۔

(۲۴).....ابطال اعجاز مرزا :

اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں مرزا قادیانی کے قصیدہ اعجازیہ کی غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ دوسرا حصہ عربی کا قصیدہ ہے۔ ”قصیدہ اعجازیہ“ مرزا قادیانی کے جواب میں۔

(۲۵).....دعائے مرزا :

اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ مرزا قادیانی کا آخری فیصلہ یعنی اس کا مفتری اور کذاب ہونا خدا کی مشیت کے مطابق ہوا ہے۔

(۲۶).....مسح کاذب :

اس میں مرزا قادیانی کی چوبیس پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے اور مرزائیوں کی بدذہابی کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

(۲۷).....تنبیہ قادیانی :

مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے صحبت یافتہ ایڈیٹر اخبار بد رنے بے تہذیبی سے کچھ لکھا تھا اس کا کافی جواب ہے۔

(۲۸)..... تائید ربانی :

اس میں ملک منصور مرزائی طالب علم کے رسالہ نصرت یزدانی کا دندان شکن جواب ہے۔

(۲۹)..... آئینہ قادیانی :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی بانی مذہب جدید کے چند اقوال دکھا کر ان کی مخفی حالت دکھائی گئی ہے۔

(۳۰)..... حق نما :

اس میں مختصر تمہید کے ساتھ اس مناظرہ لاہور کی کیفیت ہے۔ جس سے مرزا قادیانی گریز کر گئے تھے اور اپنے اقرار سے کاذب و ملعون قرار پائے۔

(۳۱)..... حق طلب کی بچی فریاد :

اس میں مرزا قادیانی پر چند لا جواب اعتراض ہیں۔

(۳۲)..... اظہار حق :

مناظرہ مونگیر کی کیفیت اور بعض رسالوں کی فرست ہے۔

(۳۳)..... رسالہ ختم نبوت :

نہایت محققانہ طور سے ثابت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد مستقل غیر مستقل ظلی بدوزی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا مختصر رسالہ ہے۔

(۳۴)..... النجم الثاقب :

اس کے تین حصے ہیں حصہ اول کے شروع میں مرزا قادیانی کے دعویٰ کو قرآن اور حدیث سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد ان کی غلط پیشین گوئیاں اور غلط الہامات کو دکھایا ہے جس سے ان کا کاذب ہونا بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ یہ حصہ ۱۲۳ صفحات پر چھپا ہے۔

(۳۵)..... النجم الثاقب حصہ دوم :

حصہ دوم میں مرزا قادیانی کی اکیس پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے۔

(۳۶).....انجم الثاقب حصہ سوم :

حصہ سوم میں ماسٹر عبد المجید مرزائی کے رسالہ اظہار حق کا جواب دیا گیا ہے۔ ہر

ایک حصہ درحقیقت مستقل رسالہ ہے مگر چھپنے کی ضرورت ہے۔

(۳۷).....دوستانہ نصیحت :

اس میں مولوی علاؤ الدین احمد صاحب بی اے وکیل کا خط ہے مولوی صاحب نے

ماسٹر عبد المجید صاحب بی اے کے مقابلہ میں مرزا قادیانی پر لا جواب اعتراضات کئے ہیں۔

دکٹوریہ پر لیس بدایون میں چمپا ہے۔

(۳۸).....خیر خواہی و تائید خیر خواہی :

یہ مختصر رسالہ قاضی منشی اشرف حسین صاحب نے ایک احمدی (قادیانی) کے خط

کے جواب میں بنظر خیر خواہی لکھا ہے اور مولف اسرار نہانی کی جمالت کو دکھایا ہے۔ اس کی

تائید میں مولوی عزیز الحسن صاحب بدایونی نے اچھا مضمون شائع کیا ہے۔

(۳۹).....جواب حقانی :

قاضی صاحب ممدوح نے اس میں احمدی (قادیانی) مذکور کے دوسرے خط کا

دندان شکن جواب دیا ہے۔

(۴۰).....تکذیب قادیانی از نشان آسمانی :

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۱).....قبر ربانی و نشان آسمانی :

اس میں حکیم خلیل (قادیانی) کے اشتہار کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

(۴۲).....دروغ قادیانی منتخب از نشان آسمانی :

اس میں خلیل (قادیانی) کے اشتہار کے کذب کو نمبر وارد دکھا کر جواب دیا گیا ہے۔

(۴۳).....عتاب ربانی :

اس میں رسالہ فیصلہ آسمانی کا لا جواب ہونا دکھلا کر مرزائی کی دروغ گوئی کا جواب دیا گیا ہے۔

(۳۴)..... مرزا غلام احمد کا منصب :

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۵)..... مسیح قادیانی کا فیصلہ :

اس میں بھی اس کے اقوال سے اس کی حالت دکھائی گئی ہے۔

(۳۶)..... اہل حق کو بغارت :

اس میں نہایت واضح طریقہ سے دکھلایا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا

قرآن وحدیث کی دلیل صحیح سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اپنے اقرار سے کاذب ہے۔

یہ رسائل خدام دُخنین حضرت مولانا ممدوح (مولانا محمد علی مونگیریؒ) دام

فیضہم کے ہیں آخر کے سات رسالے چھوٹے چھوٹے ۱۳۳۰، ۱۳۳۲، ۱۳۳۲ ہجری میں لکھے

گئے ہیں۔ جس وقت مرزا یوں کے دعویٰ کا غل تھا اور سمجھتے تھے کہ ہماری باتیں لا جواب ہیں

جب ہماری طرف سے پرودہ دری کی گئی اور بنظر خیر خواہی مرزا قادیانی کی واقعی حالت دکھائی

گئی تو اب یہ حضرات دم خود ہیں۔ کسی کو غیرت نفسانی اور کسی کو دنیاوی طمع حق بات کے قبول

کرنے سے مانع ہے۔

(۳۷)..... الہامات مرزا :

اس میں مرزا قادیانی کی مخصوص پیشین گوئیوں کو غلط ثابت کر کے اس کا کاذب

ہونا ثابت کیا ہے۔

(۳۸)..... مرقع قادیانی :

یہ ماہوار رسالہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جاری کیا تھا سال بھر یا کچھ

زیادہ جاری رہا چونکہ مولوی صاحب، مرزا قادیانی کے حالات سے خوب واقف ہیں اس لئے

خوب ہی ان کی اصلی حالت کو کھولا ہے۔ یکم جون ۱۹۰۷ء سے جاری ہوا تھا۔

(۳۹)..... صحیفہ مجبویہ :

حکیم نور الدین نے مرزا کی مدح میں ایک رسالہ چھپوا کر والئی حیدر کلاؤکن کی

خدمت میں پیش کیا تھا اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے یہ صحیفہ بھیجا ۱۹۰۹ء میں چھپا ہے۔

(۵۰)..... فاتح قادیان :

اس میں اس آخری فیصلہ کا بیان ہے، جس میں مرزا قادیانی اپنے الہامی اقرار سے کذاب و مفتری ثابت ہوئے۔ یہ فتح بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کے حصہ میں رہی اور مرزا قادیانی کی عاجزانہ دعا بھی قبول نہ ہوئی۔

(۵۱)..... السیف الاعظم :

مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کی تالیف ہے اور سید مکرم علی صاحب رئیس کنک نے اپنی عالی ہمتی سے اسے چھپوایا ہے۔

(۵۲)..... افادۃ الافہام :

مرزا قادیانی کی مایہ نحر کتاب ”ازالہ اوہام“ کا نہایت عمدہ اور مبسوط جواب دو جلدوں میں ہے۔ استاد حضور نظام حیدر کبادکن مولانا محمد انوار اللہ صاحب کی تصانیف سے ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں چھپی ہے۔

(۵۳)..... مفتاح الاعلام :

اس میں افادۃ الافہام کے دونوں حصوں کے مضامین کی فہرست ہے۔ جس سے مجملہ مرزا قادیانی کی حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۵۴)..... انوار الحق :

مولوی حسن علی بھگل پوری کے تائید الحق کامل جواب ہے۔ ۱۳۳۲ھ حیدر کباد میں چھپا ہے۔

(۵۵)..... الخبر الصحيح عن قبر المسيح :

اس میں مرزا قادیانی کے اس دعویٰ کی تکذیب کی گئی ہے کہ حضرت مسیح کا مزار کشمیر میں ہے۔

(۵۶)..... سلم الوصول :

اس میں حضور ﷺ کی معراج جسمانی کا ثبوت دیا گیا ہے جس کا مرزا قادیانی منکر ہے۔

(۵۷)..... الذكر الحكيم نمبر ۳ :

اس میں ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب کے وہ خطوط ہیں جن میں انہوں نے مرزا قادیانی سے علیحدہ ہونے کی نہایت معقول وجوہ بیان کئے ہیں۔

(۵۸)..... الذکر الحکیم نمبر ۶ :

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے تمام دلائل و دعویٰ کی کامل تردید ہے۔

(۵۹)..... اتمام الحجۃ عرف کا نارجال :

اس میں مرزا قادیانی کی ہلاکت اور ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی فتح کا بیان ہے۔

(۶۰)..... المسيح الدجال :

اس میں ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب نے وہ وجوہ بیان کئے ہیں جن سے وہ مرزا قادیانی سے علیحدہ ہوئے اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام سمجھا۔ اس میں نہایت معقول طور سے مرزا قادیانی کے مکرو فریب ثابت کئے ہیں۔

(۶۱)..... عصائے موسیٰ :

مرزا قادیانی کے ایک دوست منشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ نے مرزا قادیانی کی خوب حقیقت کھولی ہے اور خوب اعتراضات کئے ہیں۔ یہ رسالہ مرزا قادیانی کے رسالہ ضرورۃ الامام کا جواب ہے۔ ہزار سالہ ہے مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ اب نہیں ملتا۔

(۶۲)..... چودھویں صدی کا مسیح :

چونکہ اس وقت ناول دیکھنے کا مذاق زیادہ ہو گیا ہے۔ مؤلف نے مرزا قادیانی کے واقعی اور سچے حالات ناول کے طریقہ پر لکھے ہیں تاکہ اہل مذاق دیکھ کر واقف ہوں۔ خوب لکھا ہے۔ مگر اب نہیں ملتا۔

(۶۳)..... الخلافة فی خیر الامۃ رد علی النبوة فی خیر الامۃ :

قاسم علی مرزائی نے ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ امت محمدیہ میں نبوت قائم رہے گی اور مرزا قادیانی نبی ہے۔ اس کے جواب میں اس رسالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبوت نہیں رہ سکتی البتہ خلافت رہے گی۔ عمدہ رسالہ ہے۔

(۶۴)..... تردید نبوت قادیانی جواب نبوت فی خیر الامۃ :

یہ بھی قاسم علی (مرزائی) کے اسی رسالہ کا جواب ہے۔ قاسم علی نے اشتہار دیا تھا کہ جو کوئی میرے رسالہ کا جواب دے اسے ایک ہزار روپیہ دیا جائے گا مگر جب جواب دیا گیا اور مجیب نے اعلان دیا کہ روپیہ لاؤ اگر جواب میں ترو ہو تو جلسہ کر کے طے کر لو، مگر ہمت کہاں تھی ہزار کا اشتہار تو عوام کے فریب کے لئے تھا کہ اگر کسی نے جواب کی طرف توجہ نہ کی تو پھر غل مچا کر عوام کو بہکائیں گے اور اب اگر راستبازی کا دعویٰ ہے تو دو ہزار روپے دونوں رسالوں کے مؤلف کو دیں۔ ورنہ آئندہ جھوٹی گپوں سے توبہ کریں۔

(۶۵)..... معیار عقائد قادیانی :

مرزائیوں کے عقائد بیان کر کے ان کا رد کیا ہے۔

(۶۶)..... مرزائی صاحبان کے ہینڈ بل کا جواب :

یہ پرچہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ بھائی دروازہ نشی پیر بخش صاحب پوسٹ ماسٹر پنشنر سے طلب کرنا چاہئے۔

(۶۷)..... کلمہ فضل رحمانی :

یہ کتاب ۱۳۱۳ھ قاضی فضل احمد کورٹ انسپکٹر لودھیانہ مؤلف میزان الحق نے مرزا قادیانی کے رسالہ انجام آتھم و ضمیمہ وغیرہ کے جواب میں لکھی ہے۔

(۶۸)..... کاشف اسرار نمائی یعنی رد و مکذبات قادیانی :

اس میں مرزائیوں کے مقدمہ بازی کی مفصل حالت لکھی ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی پر دائر ہوا تھا۔

(۶۹)..... بیان للناس :

مطبوعہ ۱۳۰۹ھ انصاری دہلی۔ اس میں وہ خط و کلمات ہے جو درمیان مولوی عبد المجید دہلوی اور مولوی محمد احسن مؤلف اعلام الناس حواری مسیح قادیانی ہوئی تھی۔

(۷۰)..... شفاء للناس :

مطبوعہ ۱۳۰۹ھ انصاری دہلی۔ اس میں مولوی عبد اللہ صاحب شاہ جہان پوری نے اعلام الناس کا جواب دیا ہے اور مرزا قادیانی کی حالت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

(۷۱)..... نمونہ لیاقت علمی :

اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے یعنی جس طرح عبد الماجد بھگل پوری (قادیانی) کی دیانت اور لیاقت کا نمونہ کئی رسالوں میں دکھلایا گیا ہے (محمد احسن قادیانی) امر وہی لیاقت کا نمونہ ایک ہی رسالہ میں دکھا گیا ہے۔

(۷۲)..... اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح :

اس میں بھی مرزا قادیانی کی حالت کو ظاہر کیا ہے کیونکہ پہلے ان کو دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تھا اس لئے اسی دعوے کی تکذیب کی گئی ہے۔

(۷۳)..... الشاعة السنة جلد ۶ وغیرہ :

اس کے لکھنے والے مرزا قادیانی کے خاص دوست مولوی محمد حسین صاحب بٹولی ہیں۔ جب تک مرزا قادیانی حد سے نہیں بڑھے یہ ان کے معاون رہے جب ان کے دعوے حد سے بڑھے تو پھر مولوی صاحب نے خوب خبر لی چار برس تک زور شور سے تحریریں ہوتی رہیں۔ اس کا ذکر ۱۳۱۱ھ کے جلد ۷ میں مولوی صاحب نے کیا ہے۔ جلد ۱۵ اور ۶ وغیرہ دیکھی جائے اس میں آتھم کے مناظرہ کی حالت بھی پوری لکھی ہے۔

(۷۴)..... اشتہار واجب الاظہار :

مرزا قادیانی نے مسلمانوں کا جلسہ کر کے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں دعویٰ نبوت نہیں کرتا۔ مولوی مجھ پر اہتمام کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی امر تسری نے اس میں ان کا دعویٰ نبوت اور توہین انبیاء ثابت کی ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب ممدوح کی متعدد تحریریں مرزا قادیانی کے دعوؤں اور ان کی غلطیوں کے اظہار میں چھپی ہیں۔

(۷۵)..... کتاب اعجاز مسیح پر ریویو :

اس میں مرزا کے رسالہ اعجاز المسیح کی غلطیاں بطور اختصار دکھائی گئی ہیں۔ دو جزیں ہیں۔

(۷۶)..... حفاظت ایمان کی کتابیں :

یہی فہرست ہے جس میں مفید مضامین بھی ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی

گئی ہے۔

(۷۷)..... تنقیح امامت قادیانی ابطال امامت قادیانی :

مولانا عبد الرحیم صاحب صادق پوری کے حکم سے چھپی ہے اور مدرسہ اصلاح المسلمین بانگی پور سے قادیانی کو مفت دی جاتی ہے۔

وہ رسالے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا ہے

تمہید

رسائل ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کا تذکرہ ہے اور حیات کو ثابت کیا ہے۔ اسی بحث کو مرزائی حضرات اپنی پناہ خیال کرتے ہیں اور لول اسی مسئلہ کو پیش کر کے ایسی باتیں سناتے ہیں کہ گفتگو کی نعمت نہ آئے۔ چونکہ مرزائی اپنے مرشد مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت و مہدویت وغیرہ ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس فضول گفتگو کو چھیڑ کر اپنی بات رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر الحمد للہ! ہماری طرف سے اس کا مسالہ (حل) بھی تیار ہے۔ البتہ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کی حیات (یا ممات) کو مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اسے لازم و ملزوم کہنا یا موقوف علیہ ٹھہرانا محض غلط ہے اور یہ غلطی ایسی بدیہی ہے کہ کسی فمیدہ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ نہایت ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مرجانے سے ایسا شخص مسیح موعود کسی طرح نہیں ہو سکتا جس کا کذب قرآن مجید سے، صحیح حدیثوں سے، اہل بیت سے متعدد اقوال سے کاذب قرار پائے اور دوسرے ناشائستہ اقوال اس کے ایسے ہوں جو کسی بزرگ کے نہیں ہو سکتے اور مہدی اور مسیح کی توہی شان ہے۔ پھر ایسا شخص مسیح موعود کیسے ہو سکتا ہے؟۔ مگر میں براہِ ان اسلام کی واقفیت کے لئے چند کتابوں کے نام لکھتا ہوں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کی بحث میں لکھے گئے ہیں اور مرزا قادیانی کی دلیلوں کو خاک میں ملا کر ثبوت حیات کے پایہ کو چرخ چارم تک پہنچایا ہے۔ مرزا محمود (پسر مرزا قادیانی) لاہور میں آئے

تھے وہاں کی انجمن تائید اسلام نے انہیں خط لکھا کہ مرزا قادیانی کے دعویٰ کے اثبات میں گفتگو کیجئے مگر صاحب جزوے صاحب حضرت مسیح کی حیات و ممات کا تذکرہ چھیڑ کر اور اسے مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کو لازم و ملزوم کہہ کر بھاگے، انہیں اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ لڑم کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان دونوں میں لازم کون ہے اور ملزوم کون ہے؟ اگر صداقت کا دعویٰ ہے تو پہلے یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح کی موت کو مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا لازم ہے یا جو مرزائی اسے موقوف علیہ کہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کریں مگر یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ مرزا محمود تو کیا کوئی مرزائی ثابت نہیں کر سکتا: ”ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا۔“ اور اس کا دہی ثبوت دہی ہے جو پہلے کہا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے تو ایسا شخص ان کا قائم مقام کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جس کا کاذب ہونا متعدد وجوہ سے اظہر من الشمس ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور پہلو گریز کا نکالا ہے وہ بھی لائق ملاحظہ ہے۔

حضرات! مرزائی جب مقابلہ کے لئے مسیح کی حیات و ممات کی بحث کو اپنی پناہ قرار دیتے ہیں تو ہماری طرف سے محض ان کے سمجھانے اور ان کا بغزد کھانے کے لئے بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے مان لیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے، ہم بحث میں کسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو پیش نہ کریں گے نہ کسی اعتراض میں نہ کسی جواب میں، مگر یہ حضرات ہمارے اس احسان کو بھی نہیں مانتے کہ ہم نے ان کی خاطر سے بحث کو مختصر کرنے کے لئے حضرت مسیح کی موت کو مان لیا اور اثبات موت کا بادل ان پر سے ہٹا کر دیا۔ ہمارے اس کہنے کے بعد کہتے ہیں کہ وفات مسیح کو مان لینا اور فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا (یعنی جیسا کہ مرزا محمود نے لاہور میں کہا تھا) اب ان عقل کے دشمنوں سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیوں کام نہیں دے سکتا؟ جب ہم کہتے ہیں کہ اسرائیلی مسیح کا ذکر ہم بحث میں نہ کریں گے جب تم کوئی حدیث پیش کرو گے ہم ہر گز نہ کہیں گے کہ یہ حدیث اسرائیلی مسیح علیہ السلام کے باب میں ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ جو علامتیں مسیح موعود کی اس حدیث میں آئی ہیں وہ مرزا قادیانی میں ثابت کر لو، جن دلیلوں سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ ان کا جواب دو۔ مگر یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا اس لئے اپنا بغز پوشیدہ کرنے کے لئے یہ حیلہ

نکالا کہ فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا۔ اے صاحب کیوں کام نہیں دے سکتا جب ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی اعتراض یا جواب میں حضرت مسیح کی حیات کو پیش نہ کریں گے۔ پھر کام نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ مونگیر کے مرزا یوں کو بھی اس پر بہت خوش ہوتے سنا کہ حضرت مسیح کی موت کو اب تو مانا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ کبھی اس کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ اے نادانو ہمارا یہ ماننا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم حیات مسیح ثابت نہیں کر سکتے اور مرزا قادیانی نے جو موت ثابت کر دی تو ہم اسے مان گئے۔ بلکہ محض بطور فرض ہم نے اسے مانا ہے تاکہ فضول گفتگو میں وقت ضائع نہ ہو۔ ورنہ ہمیں ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا بکد یہی ثبوت یہ ہے کہ رسائل ذیل ہمارے پاس موجود ہیں جن میں حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور کوئی مرزائی ان کا جواب نہیں دے سکا۔ ان کی فرست ملاحظہ ہو۔

(۷۸)..... الالہام الصحیح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ نہایت قابلیت سے مرزا قادیانی کے ابتدائی وقت میں لکھا گیا ہے نہایت معقولانہ طریقہ سے حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور مرزا قادیانی کے دلائل کا جواب دیا ہے اس کے مؤلف نہایت زور سے دعویٰ کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی یا ان کے خلیفہ نور الدین نے اس کے جواب میں کچھ بھی قلم اٹھایا تو پھر ایسا ان کا رد کیا جائے گا کہ ہوش جاتے رہیں گے۔ اس رسالہ کے بعد دونوں صاحب بر سوں زندہ رہے مگر جواب میں قلم نہیں اٹھا سکے مؤلف رسالہ مولانا ابو زہرہ غلام رسول عرف رسل بیلا امرتسری ہیں ۱۳۱۱ھ میں چھپا ہے۔ اب گویا نایاب ہے۔ مگر الحمد للہ یہاں موجود ہے جس کا جی چاہے آکر دیکھے۔ (الحمد للہ! دفتر ختم نبوت ملتان میں بھی موجود ہے۔)

(۷۹)..... الفتح ربانی :

یہ رسالہ اصل عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔

(۸۰)..... حصر الشارونی رد ہفتات المولوی عبدالواحد الملقب بہ تشدید

المبانی لرد القادیانی :

اس کے مؤلف مولانا حافظ ابو عبد اللہ صاحب چھپراوی مقیم کلکتہ ہیں آپ سے اور مولوی عبدالواحد صاحب مرزائی سے تحریری مناظرہ ہوا ہے۔ مرزائی صاحب بالکل ساکت ہو گئے اور مولانا نے خوب تفصیل سے جواب دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا اور سالہ ہے مگر ابھی تک طبع نہیں ہوا۔

(۸۱).....شمس الہدایہ :

یہ ۱۳۲۳ھ میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولانا پیر مر علی شاہ صاحب ہیں۔

(۸۲).....سیف چشتیانی :

اس کا جواب مرزا سے نہ ہو سکا۔ اس رسالہ کے مؤلف بھی پیر صاحب ہیں۔

(۸۳).....الحق الصریح فی حیات المسیح :

۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جس کے دلائل کے جواب بالقابل مرزا قادیانی نہ دے سکے اور دہلی چھوڑ کر قادیان بھاگ گئے تھے اس کے مؤلف مولانا محمد بشیر احمد صاحب سوانی ہیں۔

(۸۴).....البيان الصحيح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ عمدۃ المطابع لکھنؤ میں چھپا ہے۔

(۸۵).....شہادت القرآن (باب اول) :

اس رسالہ کے اس باب میں کیات قرآنیہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کی ہے۔

(۸۶).....شہادت القرآن (باب دوم) :

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے دلائل ممت کو غلط ثابت کیا ہے۔ یہ باب دوبارہ لاہور میں ۱۳۳۰ھ میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہیں۔ ہر ایک باب مستقل رسالہ ہے اور علیحدہ علیحدہ چھپا ہے۔ مرزا قادیانی تمام عمر اس کا جواب نہ دے سکا اور اب کوئی کیا دے گا۔

(۸۷).....رسالہ مذہب الاسلام:

اس کے آخر میں حیات مسیح علیہ السلام پر عمدہ بحث کی ہے۔ اس کا جواب بھی کسی مرزائی نے نہیں دیا۔ ۱۹۱۳ء میں چھپا ہے۔

(۸۸).....صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵:

اس میں مولانا سید انور حسین صاحب پروفیسر کالج موئگیر نے لفظ توفی پر خوب اچھی بحث کی ہے جس سے ممات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے والوں کی کمر ٹوٹ گئی۔

(۸۹).....رسالہ النجم لکھنؤ جلد نمبر ۱۰ نمبر ۱۳:

مولوی غلام سرور (قادیانی) اور مفتی صادق (قادیانی) لکھنؤ میں آئے تھے علمائے اسلام نے مرزا قادیانی کے مدعی و مسیح موعود ہونے کے دلائل طلب کئے۔ اس سے انہوں نے بالکل گریز کیا۔ مگر حیات و ممات کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے راضی ہوئے مگر وہ بھی بالمقابل گفتگو نہ کر سکے اور یہ کہا کہ لکھ کر قادیان بھیج دیتا ہم جواب دیں گے۔ مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم نے نمبر مذکور میں جواب لکھ کر بھیجا مگر اس وقت تک وہاں سے کچھ جواب نہ کیا مگر صاحبزادے (مرزا محمود) صاحب لاہور پہنچ کر پھر اسی مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اے جناب! مدیر النجم نے تو آپ کی سب باتیں مان کر اثبات حیات پر مضمون لکھا تھا اس کا جواب کیوں نہ دیا گیا اس وقت ہر سکوت منہ پر کیوں لگی رہی؟۔

(۹۰).....موازنة الحقائق:

مؤلف رسالہ نے حیات و ممات مسیح کے رسالے دیکھ کر بلا تعصب حاکمانہ فیصلہ کیا ہے زبان فارسی میں اور حضرت مسیح کی حیات کو ترجیح دی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد اکبر صاحب کارخانہ پیسہ اخبار لاہور)

(۹۱).....درة الدرائی علی رد القادیانی:

اس میں بھی حضرت مسیح کی حیات کو ثابت کیا ہے۔ علاوہ اس کے جس قدر عقائد باطلہ و لغویات و کفریات مرزا قادیانی کے قول میں پائے جاتے ہیں اس کی تشریح اور پوری

تردید عمدہ طور سے کی گئی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد حیدر اللہ خاں مجددی مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھاپا ہے۔)

یہ چودہ رسالے اس وقت تک میرے علم میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کے بحث میں لکھے گئے ہیں۔ پھر کسی مولوی مرزائی کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کا جواب دے۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کی ممات کا دعویٰ ہو رہا ہے اور جب کوئی بحث کو اکتاہے تو حیات و ممات کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں ہمارے علماء نے تو اتنے رسالے اس بحث میں لکھ کر شائع کر دیئے اور مرزا قادیانی کی کتاب کا بھی جواب دے دیا۔ اب تمہیں کسی طرح حق نہیں ہے کہ بغیر ان رسالوں کا جواب دیئے اس بحث کو پیش کرو۔ اس کے علاوہ اب تو تمہارا اول فرض یہ ہے کہ پہلے ان الزامات کو اٹھا دو مرزا قادیانی پر کئے گئے ہیں اور مذکورہ رسالوں میں مندرج ہیں۔ جن سے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ بموجب قرآن و حدیث مرزا قادیانی کاذب ہیں اور خود ان کے پختہ اقرار انہیں جھوٹا اور ہر بد سے بدتر ثابت کرتے ہیں۔ ان الزاموں کے اٹھانے کے بعد قرآن و حدیث سے ان کے دعویٰ نبوت کو ثابت کیجئے مگر میں قطعی پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن مجید کی نصوص قطعاً نے ان کے کاذب ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور وہ اپنی زبان سے کاذب ٹھہر چکے ہیں۔ اب جو کوئی ان کی صداقت میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرے اسے بالیقین سمجھو کہ فریب دیتا ہے یا جاہل ہے آیت کے مطلب کو نہیں سمجھا، کیونکہ یہ غیر ممکن ہے کہ جس کے کذب کا فیصلہ خود کلام الہی کر چکا ہو، جس کا کذب بدیہی طور سے دنیا پر ظاہر ہو گیا ہو، پھر وہی کلام بھی دوسرے مقام پر اسے صادق ٹھہرائے۔ آسمان و زمین ٹل جائیں مگر یہ نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! اس پر غور کرو کہ ۹۱ کتابیں (اور اب تو ۲۰۰۱ء میں ۱۵۰۰ سے بھی زائد) مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کے ثبوت میں ہمارے علماء نے لکھی ہیں ان میں سے بہت کتابیں مرزا قادیانی کی زندگی میں لکھی گئی ہیں اور بلوچو کہ وہ بڑے لکھنے والے تھے اور اس قدر لکھنے میں منہمک ہوتے تھے کہ نماز کی بھی پرواہ نہیں رکھتے تھے مگر ان کا جواب نہ دے سکے۔ ان کے خلیفہ لول بھی عاجز رہے۔ اس واقعہ سے ہر ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتابیں

لاجواب ہیں اور مرزا قادیانی کا کاذب ہونا قطعی اور یقینی ہے بایں ہمہ اگر کوئی مرزائی کسی مسلمان کے دل میں شبہ ڈالے اسے چاہئے کہ ان کتابوں کو اچھی طرح دیکھے۔ اگر پھر بھی شبہ رہے تو بالضرور ہمیں اطلاع دے۔ انشاء اللہ! یہاں سے اس کا کافی جواب دیا جائے گا اور ان کی تسلی کر دی جائے گی۔

مکرر التماس! میں محض خیر خواہانہ فرست شائع کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اے آپ سے دیکھیں گے اور ان کتابوں کو منگوانے اور اشاعت کی کوشش کر کے اس کا ثواب عظیم حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہمیشہ توفیق خیر عنایت کریں۔ آمین!

راقم: خاکسار محمد اسحاق خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص
پور مولگیر (۲۶۔ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۲۳ھ)

آخری التماس از مشتر موصوف

میں نے آپ کے روبرو ان کتابوں کی فرست پیش کی ہے کہ اگر آپ خالی الذہن ہو کر ان کو دیکھیں گے تو اس جدید فتنہ سے آپ کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اب میں ان کی خدمت میں التماس کرتا ہوں جو مرزا کی بعض باتوں کو قانون قدرت کے موافق خیال کر کے ان کی سب باتوں پر ایمان لے آئے وہ یہ فرمائیں کہ کیا کوئی جھوٹا کبھی سچ نہیں بولتا اور کوئی عمدہ بات نہیں کہتا؟ مجھے ہر عقلمند سے امید ہے کہ اس سے انکار نہ کریں گے اس لئے ضرور ہے کہ مدعی نبوت و رسالت کے دعویٰ کی تصدیق اسی وقت کرنی چاہئے کہ جب وہ اپنے خاص دعویٰ میں سچا ہو۔ مرزا قادیانی تو اپنے دعویٰ میں کسی طرح صادق نہیں ہو سکتے۔ اس کے نہایت کافی وجوہ ان رسالوں میں لکھے گئے ہیں جن کی فرست میں پیش کر چکا ہوں۔ ختم شد التماس

ضمیمہ فرست مذکور جو دوسرے مقامات سے نقل کیا گیا ہے یہ ترتیب سلسلہ مذکورہ اصل فرست۔ (۹۲)..... حدیبیہ والی پیشین گوئی کی صداقت۔ (۹۳)..... اعلان الحق از ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب۔ (۹۴)..... ہدیہ نمبر ہائے الذکر الحکیم علاوہ نمبر ہائے مذکورہ فرست۔ (۹۵)..... ہدیہ عثمانیہ۔ (۹۶)..... ہدیہ ناظرین منصف مزاج۔ (۹۷).....

شہاب ثاقب۔ (۹۸)..... ایک ہمدرد مخلص کی فریاد۔ (۹۹)..... القول الصحيح فی مکائد المسيح۔ (۱۰۰)..... مرزائی جماعت کا تنزل۔ (۱۰۱)..... مسیح قادیانی کے جھوٹے الہامات۔ (۱۰۲)..... مسیح قادیان کا عالم برزخ میں داویلا۔ (۱۰۳)..... عبرت خیز۔ (۱۰۴)..... حیات مسیح۔ (۱۰۵)..... اشتہار مرزا محمود کی تشریف آوری۔ (۱۰۶)..... جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش۔ (۱۰۷)..... مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذی شان۔ (۱۰۸)..... اسلامی اعلان۔ (۱۰۹)..... تبلیغ رحمانی۔ (۱۱۰)..... الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح از احقر۔ (۱۱۱)..... بھٹے پرچے اخبار اہل سنت والجماعت امر تر۔ (۱۱۲)..... تغلیط منہاج نبوت قادیانی۔ تمت الضمیمہ۔

تنبیہ: (۱)..... فرست مذکور و ضمیمہ مذکورہ کی بعض کتب کی نسبت ماخذ میں غیر مطبوع لکھا ہے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔

(۲)..... بہت سی کتابیں اور بعض کے ملنے کا پتہ خانقاہ رحمانیہ مولگیر محلہ مخصوص پور مولوی محمد اسحاق صاحب سے ملے گا اور بعض کا اور مختلف مقامات سے۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امر تری سے مگر ان حضرات سے اولاً ہی پھجنے کی درخواست نہ کی جائے بلکہ جوائی کارڈ پر دریافت کیا جائے کہ اگر آپ کو معلوم ہو تو فلاں کتاب کے ملنے کا پتہ بتا دیجئے۔

تسہیل فی المشورہ: اگر سب کتابوں کا جمع کرنا یا دیکھنا دشوار ہو تو رسائل ذیل تو ضروری دیکھ لینا اور پاس رکھنا چاہئیں۔

ان رسائل کے نام مع خلاصہ مضمون

(۱)..... مسیح کاذب:

اس میں ۲۴ کذب فاحش مرزا قادیانی کے ہیں۔

(۲)..... معیار المسيح:

ان آیتوں کی شرح جن سے مرزائی مرزا قادیانی کا صدق ثابت کرتے ہیں اور اسی میں ان کے خطوط منکوہ آسمانی کے باب میں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۳).....ابطال اعجاز مرزا:

قابل ملاحظہ اہل علم قصیدہ اعجازیہ کے اغلاط دکھلائے ہیں۔

(۴).....اشتہار مرزا محمود کی شریف آوری:

اس میں ختم نبوت کے دلائل اور خاتم النبیین کی تفسیر ہے۔

(۵).....جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش:

اس مختصر تحریر میں مرزا قادیانی کے اکاذیب متعدد دکھلائے ہیں۔

(۶).....شہادۃ القرآن مولوی محمد امجد علی لکھنوی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات حیات۔

(۷).....صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴:

لارڈ ہیڈلے کے اسلام کی تحقیق۔

(۸).....صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵:

ختم نبوت و توفی۔

(۹).....صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶ و نمبر ۷:

دعویٰ نبوت و جواب دلائل و قیامت۔

(۱۰).....فیصلہ آسمانی حصہ اول:

منکوہ آسمانی کی کامل حث ہے اور آخر میں توفی کی تحقیق۔

(۱۱).....فیصلہ آسمانی حصہ دوم:

اس میں قطع و تین کی حث اور مدعیان کاذب کا مدت دراز تک ہلاک نہ ہونا۔

(۱۲/۱۳).....شہادت آسمانی حصہ اول و دوم:

اس میں خسوف و کسوف رمضان المبارک کے اجتماع سے استدلال کا بہت اچھا

جواب ہے۔

(۱۳).....الذکر الحکیم کے سب نمبر :

(۱۵).....اعلان الحق :

(۱۶).....سیح دجال :

(۱۷).....النجم الثاقب :

اس میں بعض اکاذیب مرزا قادیانی کے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۸).....معیار صداقت : نکاح والی پیشین گوئی کے جواب۔

(۱۹).....حفاظت ایمان کی کتابیں :

اس میں ان کتابوں کا تذکرہ ہے جن کا پاس رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(۲۰).....عصائے موسیٰ :

از غشی الہی حش صاحب یہ پہلے معتقد تھے۔

ذیل کی پانچ تحریریں جو نہایت مختصر ہیں۔ ان کا تو پاس رکھنا ہر شخص کو بہت ہی

آسان ہے۔ دعویٰ ہند۔

(۲۱).....جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات اور اکاذیب کا بیان ہے۔

(۲۲).....سیح قادیان کا عالمہ زرخ میں دویلا :

اس میں مرزا کے متعلق عبرتناک خواب ہیں۔

(۲۳).....سیح قادیان اور توہین انبیاء ذیشان :

مضمون کے نام سے ظاہر ہے۔

(۲۴).....اسلامی اعلان :

اس میں مختصر امرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ اور عقائد اور علماء کرام کا فتویٰ اور

قادیانی مشن کے مبلغین کی اور ان کے اخباروں کی فرست اور رسائل رد مرزا قادیانی کی

فرست مع قیمت اور بعض رسائل رد مرزا غلام احمد قادیانی کی فرست جن کا جواب نہیں

ہو سکا اور مرزا قادیانی کی درخواست چندہ تو سب مکان کے متعلق مرزا قادیانی کے بڑے

بھائی کی طرف ایک خط اور صفحہ آخر میں کچھ اقوال جو عین اسلام ہیں۔

اس مقام پر فصل سوم کے عنوان سے ان پانچ تحریروں میں سے صرف تحریر اول کو بعینہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصل ثالث در نقل مضمون معنون

جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش

اور مسیح قادیانی کی حالت کا بیان

از مولانا ابو احمد صاحب رحمانی مونگیر

ہم نے نہایت خیر خواہی سے تمام مسلمانوں کو اور خصوصاً جماعت احمدیہ کو مرزا قادیانی کی حالت سے آگاہ کیا اور متعدد در سالے لکھ کر ان کے سامنے پیش کئے مگر افسوس ہے کہ مرزائی جماعت کچھ توجہ نہیں کرتی اور ان کے سرکردہ ہمارے رسالوں کو دیکھنے نہیں دیتے اور ایک قیمتی جھوٹے کی پیروی میں سرگرم ہے اور نہایت ناجائز طریقوں سے جھوٹ کی اشاعت میں کوشاں ہے اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ دنیا میں بہت تھوڑے دن رہتا ہے۔

سخت حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی اپنے اعلانیہ جھوٹ اور فریب چھپانے کے لئے خدا تعالیٰ پر جھوٹ اور فریب کا الزام لگاتے ہیں اور یہ خوشی سے مان رہی ہے۔ ان کے مولوی نہایت غلط اور شرمناک باتوں کو مرزا قادیانی سے الزام اٹھانے کے لئے اعلانیہ پیش کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے خدا پر الزام آئے گا۔ اور شریعت الہی بے کار ہو جائے گی۔ مگر ان کی اس بے رخی اور بے اعتنائی کے ساتھ بھی ہم ان کی خیر خواہی سے باز نہیں رہ سکتے اور مخلوق خدا کو اس عظیم الشان گمراہی سے چانے کیلئے مستعد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور بھائیوں کو بھی مستعد کرے۔ اس تحریر میں ہم خاص طور سے مرزا قادیانی کی کذب بیانی دکھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے متحی ہیں کہ وہ ہادی مطلق، مرزائی جماعت کو ہدایت کرے اور استبازی اور حق پسندی کا جوش ان کے دل میں عنایت فرمائے۔ پہلے اس کو اپنے ذہن

نشین کر لیتا چاہئے کہ ہمارا مذہب مقدس اسلام ایسا عالی مرتبہ ہے کہ راستی و سچائی اس کا جزو ہے۔ ہمارے نبی کریم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے مختلف اوقات میں فرمایا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتے۔ یہ کیسا پیدار اور سچا قول ہے جس کی خوبی اور صداقت پر ایک انسان شہادت دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ برگزیدہ اسلامی مفت مرزائیوں کے مرشد میں نہیں پائی جاتی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت اس سے بہت دور ہے اور راستی اور سچائی ان کی سرشت میں سرایت کر گئی ہے۔ پھر ایسے شخص کو مقدس اور بزرگ ماننا اسلام کی ہنگامہ کار اور ارشاد نبوی کو پامال کرنا ہے۔ جس میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے بموجب اسلام کا جزو اعظم نہ پایا جائے اسے بزرگ اور مسیح موعود سمجھنا اور تمام لو لیا ئے کرام سے اسے افضل ماننا کس قدر اسلام پر اور کالمین اسلام پر مخالفین اسلام کو مستحکم کا موقع دیتا ہے۔ مخالفین علانیہ کہیں گے کہ جس مذہب کے بڑے بزرگ جنہیں خواجہ کمال (قادیانی) لکچر اور تمام لو لیا ئے امت سے افضل قرار دیں اور ایک جماعت کے مفروض الطالعہ امام میاں محمود (قادیانی) انہیں خدا کا رسول بتائیں وہ ایسے جھوٹے اور کذاب ہوں پھر اور لو لیا ئے امت کا کیا حال ہو گا اور تمام شریعت الہی کے معجز ہونے کی کیا وجہ ہو گی؟ حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی کو جھوٹ بولنے میں اس قدر جرأت ہے کہ نہایت بے اصل اور علانیہ جھوٹ کو اس قدر زور اور دعوے سے بیان کرتے ہیں کہ مذاق کے ذہن میں اس کی صداقت اثر کر جاتی ہے اور اس کے جھوٹے ہونے کا خطرہ بھی اسے نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سادہ لوحوں اور کج طبیعت حضرات نے انہیں مان لیا اور ماننے کے بعد اس میں سرشار ہو گئے اور یہ حق کو تنخواہیں ملنے لگیں۔ بعض کو بات کی چٹ لگ گئی اور ابو طالب کے پیرو ہو گئے۔ اب مرزا قادیانی کی ناراستی اور کذب بیانی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ذرا اس صحیفہ کا پہلا نمبر ملاحظہ کیجئے کہ اس میں کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے بیان ہوئے اور کئی پیش گوئیاں جو انہوں نے اپنی سخت مخالفت کے مقابلہ میں کی تھیں وہ جھوٹی ہوئیں۔ پیام صلح والے (لاہوری مرزائی) اور محمودی پارٹی (قادیانی) انہیں کھول کر دیکھے اور انہیں شہر کرے اس نمبر کے شروع میں سات کتابوں کے نام لکھ کر یہ بتایا ہے کہ :

پہلے رسالہ میں ۱۵۹ جھوٹ دفریب مرزا قادیانی کے دکھائے ہیں، اور دوسرے میں ۶۹، اور تیسرے میں ۹۰، اور چوتھے میں ۴۵، اور پانچویں میں ۴۲، اور چھٹے میں ۲۴، اور ساتویں میں ۱۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے مقابلہ کی معرکہ الآراء پیش گوئی کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے اور اس سے کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے ثابت کئے ہیں۔ انہیں دیکھئے :

(۱)..... ان (مرزا قادیانی) کا یہ کہنا کہ ڈاکٹر عبد الحکیم میرے روبرو دھلاک ہو گا۔

(۲)..... دنیا میں وہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۳)..... میں اس کی زندگی میں ہر گز نہ مروں گا۔ میں سلامتی کا شہزادہ ہوں۔

(۴)..... ڈاکٹر عبد الحکیم مجھ پر غالب نہیں آسکتا۔

یہ چاروں باتیں مرزا قادیانی کی جھوٹی ثابت ہوئیں اور اپنے اقرار سے لعنت کی موت سے مرے کیونکہ مرزا قادیانی کو مرے ہوئے آٹھ برس ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب نہایت خیر و خوبی سے اب تک بیٹھے ہوئے تالیف کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے کذب کو دکھا رہے ہیں۔ اسی صحیفہ کے آخری صفحہ میں تین قدس گوئیوں کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے۔ غرض کہ سات جھوٹ اور چار جھوٹی پیش گوئیاں دکھائی گئی ہیں۔ اب ان کو سلسلہ رسائل والے جھوٹوں کے ساتھ شمار کر لیجئے اور جمع کیجئے کہ کتنے سو جھوٹ ہوئے؟ اور پھر تھوڑی سی عقل کو دخل دیجئے کہ جھوٹ ایسا جرم ہے کہ اگر ایک جھوٹ بھی کسی کا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں رہتا اور جو ایسا جھوٹ بولے جس سے خدا پر الزام آئے تو حسب ارشاد خداوندی وہ جھوٹا ہے۔ مرزا قادیانی نے تو ہر قسم کے جھوٹ بولے ہیں۔ پھر ایسا جھوٹا شخص مسیح موعود مانا جائے حیرت ہے۔ یہی حضرت ہیں جنہیں خواجہ کمال (مرزائی) مسیح موعود اور تمام لولیاں اللہ سے افضل مانتے ہیں اور بولے فخر سے ان کی مدح میں یہ مقررہ پڑھتے ہیں :

آنچه خوبایا همه دارند تو تنها داری

کہتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔ غیر معتبر اور جھوٹا ہونے کے لئے ایک جھوٹ کا

ثبوت کافی ہے اور یہاں تو دو ورق میں اس قدر جھوٹ ثابت کر دیئے گئے اور دکھایا گیا کہ مرزا قادیانی مسیح موعود تو کیا ہوتے صلحا اور استباز جماعت میں بھی ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور موعود

سے لے کر کھجال اور حیدر آباد تک اور حیدر آباد سے قادیان اور لاہور اور پشاور تک ہزاروں دو درتے شائع کر دیئے مگر کسی قادیانی کی مجال تو نہ ہوئی کہ جواب دے۔ اگر ہم نے غلط کہا ہے تو مرزائی جواب دیں، مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ اس صحیفہ کے نمبر ۲ میں دوسرے طریقہ سے ان کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے یعنی احادیث صحیحہ سے یہ دکھایا گیا ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں انبیاء کی توہین تحقیقاً اور الزاماً کسی طرح جائز نہیں ہے اور مرزا قادیانی نے اس ناجائز فعل کا ارتکاب بڑی شد و مد سے کیا ہے اور انبیاء کرام کی سخت توہین کی ہے جس سے وہ علانیہ دائرہ اسلام سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں اور اس توہین میں اپنی عادت مستمرہ کے بموجب محض جھوٹی باتیں کہی ہیں۔

مثلاً مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ :

”حق بات یہ ہے کہ ان سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“

(ضمیمہ انجام آختم ص ۶، خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

ملاحظہ ہو یہ وہ جھوٹ ہے جس کی شہادت کلام الہی دیتا ہے اور ارشاد خداوندی سورہ بقرہ کے دسویں رکوع میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ہم نے عیسیٰٰ ابن مریم کو معجزات دیئے اور سورہ مائدہ میں ان معجزات کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اب مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا کیسا صریح جھوٹ ہے؟ اور یہ جھوٹ الزام نہیں بولا ہے، بلکہ ان کا یہ کہنا کہ حق بات یہ ہے، غلطی ثابت کرتا ہے کہ اس امر میں ان کے نزدیک جو امر حق ہے اسے بیان کیا ہے، اب ان کا حضرت مسیح کے معجزات سے انکار کرنا اور اس انکار کو حق بات کہنا، قرآن مجید کی کلمات مذکورہ سے صریح انکار ہے، مگر چونکہ مسلمانوں کو فریب دینا ہے اس لئے صاف انکار نہیں کرتے باتیں بنا کر فریب دیتے ہیں۔ مولوی عبد الماجد مرزائی سے اسی پر گفتگو ہوئی تھی اور مولانا محمد عبدالشکور صاحب (لکھنؤی) نے انہیں ایسا عاجز اور ساکت کر دیا کہ وہ اپنے عجز کے خود مقرر ہو گئے اور تمام حاضرین جلسہ نے اس کا معائنہ کر لیا۔ اسی صحیفہ میں ایک جھوٹ یہ بھی دکھایا ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت لکھتے ہیں :

”آپ کے ہاتھ میں سوا مکرو فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔“

(ضمیمہ انجام آٹھم ص ۷، خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

برادران اسلام! ایک اولوالعزم نبی کی شان کو خیال کریں اور مرزا قادیانی کی اس گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ عالی مرتبہ پیغمبر ہیں جن کی عظمت و رسالت اور معجزات اور تقرب الہی کا ذکر قرآن مجید میں غالباً دس جگہ آیا ہے۔ ان کی نسبت مرزا قادیانی کا قول ہے کہ ان کے ہاتھ میں سوا مکرو فریب کے کچھ نہ تھا۔ یہ کیسی صریح ان آیات کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ پر الزام ہے جن میں ان کی عظمت و رسالت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں :

”وَ اتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۝ الْبَقَرَةُ

آیت ۸۷“

یعنی ہم نے عیسیٰ کو معجزے دیئے اور روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد کی۔ بعض مقام پر ان کی تعریف اس طرح فرمائی :

”وَجِئْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ آل عمران آیت ۴۵“

ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) دونوں جہان میں صاحب وجاہت اور مقبولان خدا سے

ہے۔

برادران اسلام! ملاحظہ کریں کہ جن کی برگزیدہ صفات اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بیان فرمائے۔ ان کی نسبت مرزا قادیانی نہایت بے باکی سے یہ لکھتے ہیں کہ : ”ان کے ہاتھ میں سوائے مکرو فریب کے اور کچھ نہ تھا۔“ یہ کیسی صریح تکذیب ہے کلام الہی کی کسی مسلمان کو ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ الزام آیا کہا ہے محض جہالت یا فریب دہی ہے۔ اول تو انبیاء کی نسبت ایسی گستاخیاں تحقیقاً اور الزاماً ہر طرح منع ہیں۔ حدیث سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ الزام دینے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ اہل علم اسے خوب جانتے ہیں یہی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ البتہ مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اپنے آپ کو اسلام کا مطیع کہتے تھے اور قرآن و حدیث سے

استدلال پیش کرتے تھے۔ مگر اس میں ایسی تحریف کرتے تھے جسے اہل علم ہی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی دلی خواہش کو مسلمانوں سے منوانے کے لئے قرآن مجید کو پیش کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہمارا مدعا ثابت ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس تحریر میں اور بھی جھوٹ و فریب میان ہوئے ہیں۔ ناظرین اس نمبر کو ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہاں دوسرے قسم کے جھوٹ آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

مسیح قادیان کے بعض اعلانیہ جھوٹ

جن میں بعض وہ بھی ہیں جو کئی برس ہوئے دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا مگر اب تک یہاں سے قادیان تک سب کا نا طبقہ بند ہے۔ جواب سے عاجز ہیں مگر سخت افسوس ہے ان کے حال پر کہ ایسے علانیہ جھوٹ دیکھ کر بھی اس کی پیروی سے علیحدہ نہیں ہوتے، مقابلہ پر کبھی دم خود ہو جاتے ہیں، کچھ نہیں کہتے، کبھی کہتے ہیں کہ حوالہ غلط ہے، پوری عبارت نہیں لکھی گئی، اصل کتاب دکھاؤ۔ چونکہ جانتے ہیں کہ ہر وقت ہر شخص کے پاس کتاب موجود نہیں رہتی اس لئے ٹالنے کے لئے ایسا کہہ دیتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ جو حوالے ہم نے مرزا قادیانی کی کتاب سے دیئے ہیں اگر مرزا قادیانی کی کتاب میں یہ مطلب نہ ہو تو ہم مجمع میں اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کریں گے اور ہر غلط حوالہ کے عوض ہزار روپے دینے کو موجود ہیں۔ اگر حوالہ غلط نہ ہو اور جو مطلب ہم نے ثابت کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہو تو تمہیں مرزا قادیانی کو جھوٹا ماننا ہو گا۔ میں تمام برادران اسلام! سے کہتا ہوں کہ جب کوئی مرزائی ہمارے حوالہ پر الزام لگائے اس سے یہی کہیں اور نہایت زور سے کہیں اب مرزا قادیانی کے جھوٹوں کا نمونہ ملاحظہ ہو :

پہلا جھوٹ : مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ :

”مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور مولوی محمد اسماعیل صاحب علی

گڑھی نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا۔“

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا صریح کذب ہے۔ ان دونوں حضرات نے ایسا کہیں نہیں لکھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو بتائے کہ کہاں اور ان کی کس کتاب میں ہے؟۔ دعائی مرزا قادیانی میں یہ بھی استثناء کیا گیا ہے اور مجیب کے لئے پانچ سو روپے کا اشتہار دیا ہے اور یہ رسالہ صحیفہ رحمانیہ سے بہت پہلے چھاپا ہے۔ پھر صحیفہ رحمانیہ نمبر اول میں اس جھوٹ کو دکھایا گیا ہے۔ صحیفہ صفر ۱۳۳۲ھ میں چھاپا ہے اور اب ۱۳۳۵ھ ہے (اور اب ۱۳۲۱ھ ہے) مگر اس وقت تک کوئی مرزائی اس جھوٹ کے داغ کو مٹا نہیں سکا اور نہ قیامت تک مٹا سکتا ہے۔

دوسرا جھوٹ.....: لکھا ہے کہ :

”جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے مقابلہ میں آئے خدا تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔“
(اختیار مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۰۶ء ملفوظات ص ۹۹ ج ۹)

یہ دعویٰ بھی محض غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ صوفی عبدالحق صاحب کے سوا کسی سے مرزا قادیانی نے مباہلہ نہیں کیا اور صوفی صاحب اب تک زندہ موجود ہیں اور مرزا قادیانی کو ہلاک ہوئے آٹھ برس ہو گئے مگر مریدوں کی کذب پرستی کا یہ حال ہے کہ اپنے مرشد کے اس جھوٹے دعوے کو سچ مان کر بڑے زور سے اب تک یہی دعویٰ کر رہے ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے کہ :

”کئی ایک مخالفین بالمقابل کھڑے ہو کر اور مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔“
(۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء پیغام صلح)

اب دیکھا جائے کہ یہ کیسا اعلانیہ جھوٹ ہے، مگر کاذب کی پیروی نے دل کو تاریک اور عقل و ہوش کو بے کار کر دیا کہ متنبہ کرنے کے بعد بھی واقعی بات کی تحقیق نہیں کرتے۔ اس دعویٰ کا جھوٹا ہونا ۱۹۱۳ء میں صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ بائیں ہمہ ۱۹۱۶ء میں کس جرأت سے لکھتے ہیں کہ مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔ اگر اور کچھ نہیں دیکھا تھا اور مرزا قادیانی کے جھوٹ کو بھی وہ سچ سمجھتے تھے تو صوفی عبدالحق صاحب کو بھی انہوں نے دیکھا یا سنا تھا کہ مباہلہ کرنے والے اس وقت

تک زندہ امر تسر میں موجود ہیں۔ پھر ایسا اعلانیہ جھوٹ بولتے انہیں شرم نہیں آئی اور یہ بھی خیال نہیں کیا کہ باوجود اس شور و غل کے تمام عمر میں ایک صوفی صاحب سے مباہلہ کی نوبت آئی اور ان کی زندگی میں مرزا قادیانی ہلاک ہوئے اور اس سے اہل حق کی صداقت پر مہر لگا گئے۔ اب اس اعلانیہ سچے واقعہ کے خلاف بیان کرنا کسی صاحب شرم و حیاء کا کام ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ یہ خولجہ کمال (مرزائی) کی پارٹی کا جھوٹ ہے جو اشاعت اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں سے روپیہ بنڈور رہے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء کے اہل حدیث میں ان مباہلین کے نام دریافت کئے ہیں جو مرزا قادیانی سے مباہلہ کر کے مر گئے، تو بیوی جرأت سے تاریخ مذکور کے پیغام صلح میں ان پانچ شخصوں کے نام بتائے جنہوں نے مرزا قادیانی سے کسی وقت مباہلہ نہیں کیا۔ البتہ جس طرح دنیا کے بہت لوگوں نے مرزا قادیانی کے سامنے انتقال کیا اسی طرح ان پانچوں صاحب نے انتقال کیا مگر اس جماعت کے کذب کی پیروی اور راستی اور سچائی سے بیزاری قابل ملاحظہ ہے کہ باوجودیکہ اپنا اور اپنے مرشد کا جھوٹ معلوم کر چکے، مگر عوام نادانوں کے سامنے مجمع کر کے اپنی سچائی دکھانا چاہتے ہیں اور پانچ شخصوں کا نام گناتے ہیں تاکہ نادان ف یہ سمجھیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مباہلہ کیا اور مر گئے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ یہی حضرات اشاعت اسلام کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ اور مسلمانوں سے چندہ مانگتے ہیں اور ہمارے سیدھے سادھے مسلمان انہیں سچا سمجھ کر چندہ دے رہے ہیں۔

تیسرا جھوٹ..... : مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ :

”ضرور تھا کہ قرآن کریم اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دئے جائیں گے۔“

(اربعین نمبر ۳ ص ۱۷، خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ امام مہدی اور مسیح جب آئیں گے تو مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اس قدر ہوگی کہ ہر وقت ان کا ذکر کریں گے اور بلا ان کی خواہش کے بیعت ان سے کرنا چاہیں گے اور کریں گے۔ ملاحظہ ہو :

”البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں“

مرزا قادیانی نے مذکورہ قول میں تین باتیں قرآن اور حدیث کی طرف منسوب کی ہیں :

(۱)..... یہ کہ علماء کے ہاتھ سے مسیح موعود دکھ اٹھائے گا۔ یعنی اسے ماریں

پیش گے۔

(۲)..... اسے کافر قرار دیں گے۔

(۳)..... اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے۔

اور یہ تینوں باتیں قرآن وحدیث کی طرف منسوب کی ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں آئی ہیں اور حدیث میں بھی۔ مگر یہ تینوں دعوے محض غلط ہیں نہ قرآن میں ان دعوؤں کا پتہ ہے اور نہ حدیث میں۔ اس لئے یہ چھ جھوٹ ہوئے۔ اب جس کو ان کے سچے ہونے کا دعویٰ ہے وہ قرآن وحدیث سے ثابت کرے ورنہ خدا سے ڈر کر ایسے جھوٹے بے علیحدہ ہو جائے۔ آٹھ جھوٹ تو یہ ہوئے۔ اب نواں جھوٹ دیکھئے :

نواں جھوٹ..... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

”ہمارے نبی کریم ﷺ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے۔“

(قادیانی اخبار البدن سورہ ۲۴ نومبر دسمبر ۱۹۰۴ء ملفوظات ص ۷۷ ج ۷)

دیکھئے یہ کیسا بے نکا جھوٹ ہے۔ اب قادیانی پارٹی یا لاہوری پارٹی کوئی اپنے مقتداء کی صداقت ثابت کرے اور کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائے۔ یہ اس قسم کے جھوٹ ہیں جن سے ٹھوٹی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی جھوٹ بولنے میں ایسا بے باک تھا کہ جب جو

جی چاہا ہے کہہ دیا۔ اب خیال کیا جائے کہ جو شخص ایسا اعلانیہ جھوٹ بولے جو تھوڑی سی تحقیق سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے اس قول کو کہ مجھے یہ وحی والہام ہوا ہے کون عقل باور کر سکتی ہے؟۔

دسواں جھوٹ.....: ۱۲/ اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا قادیانی نے اشتہار دیا تھا

جس کی سرخی تھی ”عام مریدوں کے لئے ہدایت“ اس میں لکھا ہے کہ :
 ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں دبانازل ہو، تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔“

یہ قول بھی حضور سرور انبیاء علیہ السلام پر افتراء ہے۔ اس افتراء کی ضرورت مرزا قادیانی کی یہ پیش آئی کہ قادیان میں جب طاعون آیا تو مرزا قادیانی باہر بھاگے اس لئے اس بھاگنے کو حضور علیہ السلام کا حکم ظاہر کرنا چاہتے ہیں اب اگر سچا ماننے والوں کو کچھ غیرت ہو تو کسی حدیث کی کتاب سے کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائیں مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں دکھا سکتے۔

گیارہواں جھوٹ.....: مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

”اگر حدیث کے میان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ : ”ہذا خلیفۃ اللہ المہدی“۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے کہ..... جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں ہے۔ (شہادۃ القرآن ص ۳۱، خزائن ص ۷۲۳ ج ۶)

اس مضمون کو بخاری کی روایت بتاتا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ مرزا قادیانی کی طبیعت میں احتیاط اور راست بازی کا بالکل خیال نہ تھا جو دل میں آگیا وہ زور سے بیان کر دیا اور جس کی طرف چاہا اس کی طرف اس خیال کو منسوب کر دیا اگر اتفاقاً سچ ہو گیا تو مدعا حاصل

ورنہ باتیں بنانا کچھ مشکل نہیں ہیں اور ماننے والے ہر طرح مان ہی لیتے ہیں۔ عیاں راجہ بیان۔
مرزا قادیانی کے مرید اس کی کامل شہادت دیتے ہیں۔ اگر میں غلط کہتا ہوں تو تمام دنیا کے
مرزائی مل کر تلاش کریں اور بخاری کی اس روایت کو دکھائیں۔

اے مرزا یو! کچھ تو سوچو اور اگر اب تک غفلت میں تھے تو اب سوچو کہ ایسے
فحش کے منہ پر دعویٰ نبوت اور مسیحیت اور مہدویت و افضل الامۃ ہی نہیں بلکہ قمر الانبیاء
اور افضل من عیسیٰ روح اللہ ہونے کا زب دیتا ہے جو اس قدر دلیر جھوٹا ہو؟ بخاری شریف
مسلمانوں کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ تمام احمدی (قادیانی) مل کر اور جمع ہو کر بتائیں
کہ بخاری کے کس باب میں یہ حدیث ہے۔ اور اگر نہ بتا سکیں تو بس اب توبہ کرنے میں کیوں
دیر کرتے ہیں؟ یہ تو وہ جھوٹ ہیں جن میں نہ کوئی الہام کی غلط فہمی کام آسکتی ہے نہ کوئی شرط
لگ سکتی ہے۔ نہ یمح اللہ ما شاء اللہ و یثبت کایچ چل سکتا ہے نہ بعد ولایونی کام دے سکتا
ہے نہ چاند اور سورج کا گن اس کو سچا کر سکتا ہے۔ کیا اسی نبی کی نبوت کی آسمان اور زمین نے
شہادت دی تھی؟ اسی کی نبوت قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہو۔ آخر خدا نے انسان بنایا
ہے کچھ تو غور و فکر سے کام لو۔ کیا مرنا نہیں ہے۔ کیوں مخالفین اسلام کو ہنساتے ہو اور ان کی
تعداد کو بڑھاتے ہو؟۔

بار ہواں جھوٹ..... : مرزا قادیانی نے اپنی مدح میں ایک پیش گوئی گھڑی

ہے اور اسے حدیث رسول اللہ ﷺ ٹھہرایا ہے۔ لکھتا ہے کہ :

”واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت
میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جو عیسیٰ اور لن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا
جائے گا۔“ (حقیقت الوحی ص ۳۹۰ خزائن ص ۳۰۶ ج ۲۲)

یہ پیشین گوئی کسی حدیث میں نہیں آئی مرزا قادیانی نے جاہلوں کے بہکاوے کے
لئے جناب رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے۔ اگر ہم غلط کہتے ہیں تو کوئی مرزائی اس روایت کو
کسی معتبر کتاب سے ثابت کر دے۔ مگر نہیں کر سکتا۔ اس قول میں مرزا قادیانی اپنے لئے پیش

گوئی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو خوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص پیدا ہو گا جو عیسیٰ اور ابن مریم کھلائے گا اردو محاورے کے لحاظ سے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ درحقیقت تودہ عیسیٰ اور ابن مریم نہیں ہو گا مگر دوسروں سے کھلائے گا۔ یعنی لوگوں سے کہے گا کہ مجھے عیسیٰ اور ابن مریم کو اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں سے جھوٹ بلوائے گا اور عیسیٰ اور ابن مریم نے گا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ نام تو اس کا کچھ اور ہو گا مگر کسی وجہ سے لوگ اسے عیسیٰ اور ابن مریم کہنے لگیں گے وہ خود نہیں کھلائے گا۔ اب یہ قول پہلے معنی کے لحاظ سے توصاف طور سے ایک جھوٹے کی پیشین گوئی ہوئی جیسے دجال کی پیشین گوئی ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مرزا قادیانی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ لوگوں نے انہیں خود عیسیٰ اور ابن مریم نہیں کہا بلکہ انہوں نے بہت جھوٹی اور فریب آمیز باتیں بنا کر اپنے کو عیسیٰ اور ابن مریم بنایا ہے تاکہ مسیح موعود کے مصداق بنیں۔ بہر حال جو معنی ہوں۔ کسی حدیث میں یہ پیش گوئی نہیں ہے کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہو گا جو عیسیٰ اور ابن مریم کھلائے گا۔ ایک جملہ اس قول میں یہ ہے کہ نبی کے نام سے موسوم ہو گا۔ یہ جملہ مرزا قادیانی نے بڑی ہوشیاری اور عیاری سے لکھا ہے۔ اب مرزائی حضرات یہ فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر اُردو کے محاورے کے لحاظ سے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت تودہ نبی یعنی خدا کا رسول نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا نام نبی رکھا جائے گا۔ جس طرح اس وقت لکھنؤ میں ایک مشہور سیر سٹر ہیں ان کا نام ”نبی اللہ“ ہے جا کر دیکھ لیجئے۔ مگر یہ مطلب اس لئے غلط ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نبی نہیں رکھا گیا بلکہ غلام احمد ان کا نام ہے۔ غرضیکہ دئے نام بھی انہیں نبی کہنا غلط ہے مگر مرزا قادیانی نے یہ جملہ اس لئے تراشا ہے کہ خاص دعاء میں مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ ان کی تسکین کے لئے کہتے ہیں کہ وہ حقیقی نبی ہمیں ہو گا بلکہ نبی اس کا نام رکھا جائے گا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ہم پر یہ الزام لگایا جائے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے منکر ہیں بلکہ اسے مان کر ہم نبی کھلانے کے مستحق ہیں۔ ہمیں حدیث میں نبی کہا گیا ہے مگر یہ محض فریب ہے۔ حدیث میں جنہیں نبی کہا گیا ہے وہ واقعی نبی ہیں مگر انہیں رسول اللہ ﷺ

سے پہلے نبوت کا مرتبہ مل چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہیں نبوت نہیں ملی۔ جو حضور علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کے مخالف ہو۔ بہر حال یہ یقینی بات ہے کہ کسی حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ میری امت میں ایسا شخص پیدا ہو گا جس میں یہ تین باتیں ہوں گی یعنی یہ کہ وہ عیسیٰ کہلائے اور لکن مریم بھی اسے لوگ کہیں اور نبی کے نام سے بھی موسوم ہو۔ البتہ صحیح مسلم میں حضرت مسیح لکن مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے مگر اس میں ۲ باتوں سے زائد ایسی بیان ہوئی ہیں جن سے مرزا قادیانی جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۲۰۱ کا صفحہ ۵۱۴۲ تک ملاحظہ ہو۔ اس حدیث میں پہلے حضرت عیسیٰ کا آنالور کافروں کا مارا جانا بیان کر کے یا جوج ماجوج کا آنالور حضرت عیسیٰ کا پہاڑ پر محصور ہونا بیان ہوا ہے۔ پھر ارشاد ہے: ”فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ۔“ یعنی اس وقت خدا کے رسول جن کا نام عیسیٰ ہے اور ان کے اصحاب خدا کی طرف متوجہ ہوں گے اور دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ باجوج ماجوج کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کے بعد دنیا کی ایسی عمدہ حالت کی پیش گوئی ہے کہ اس کا ظہور اس وقت تک کبھی نہیں ہوگا۔ قادیانی مسیح کے وقت کی حالت تو ایسی خراب تھی اور ہے کہ کبھی ایسی نہیں ہوئی۔ اس حدیث میں کسی امتی کا نام نبی یا نبی اللہ ہر گز نہیں بتایا۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کی صفت ”نبی اللہ“ بیان ہوئی۔

تیر ہواں جھوٹ.....: لکھتا ہے کہ :

”جاننا چاہئے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر ایک صدی پر ایسا مجدد مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو نیا کرے گا لیکن چودھویں (صدی) کے لئے یعنی اس بھارت کے بارہ میں جو ایک عظیم الشان مہدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو گا اس قدر اشارات نبویہ پائے جاتے ہیں جو ان سے کوئی طالب فکر نہیں ہو سکتا۔“

(نشان آسمانی ص ۱۸، خزائن ص ۷۸، ج ۳ ص ۴)

مرزا قادیانی نے یہ عظیم الشان دعویٰ کیا اور اکثر عمر رسائل لکھنے میں گزاری مگر

کسی رسالہ میں ان اشاروں کا اجمالی ذکر بھی کہیں دکھایا نہیں گیا۔ اگر کوئی دکھاسکے تو دکھائیے مگر یہ بات قطعاً اور یقیناً جھوٹی ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے مخصوص اشارے کسی حدیث میں ہیں جو اور مجددوں کے لئے نہیں ہیں۔ اس مضمون کی ایک روایت صرف ابو داؤد میں ہے جس کے معنی کے اشکال سے اگر قطع نظر کی جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد کو پیدا کرے گا۔ جو دین کو بہت کچھ نفع پہنچائے گا۔ حدیث :

”ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجد دلها

دينها۔ ابو داؤد ص ۱۲۲ ج ۲“

ﷲ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسا مجدد بھیجے گا جو

دین کی تجدید کرے گا۔

اب قادیانی جماعت بتلائے کہ اس حدیث میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے معلوم ہو کہ چودھویں صدی کا مجدد ممتاز ہوگا۔ جو عبارت سمجھ سکتے ہیں وہ غوطی معلوم کر سکتے ہیں کہ :
(۱)..... اس حدیث میں صرف اس قدر بیان ہے کہ ہر صدی پر جو دین کو فائدہ پہنچائے گا اس کے سوا کوئی اشارہ اس میں نہیں ہے۔ اس حدیث کے بموجب مرزا قادیانی مجدد ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے دین اسلام کو کوئی نفع ایسا نہیں پہنچایا۔ جو دوسرے علماء نے نہ پہنچایا ہو بلکہ نہایت نقصان پہنچایا مثلاً یہ کہ :

(۱)..... چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر دنیا کو اسلام سے خالی کر دیا۔

(۲)..... خدا اور رسول ﷺ پر ایسے الزام لگائے جس سے منکرین اسلام کو

اس مقدس مذہب پر مضحکہ کا موقع دیا۔ اس وقت تو یہ چند جھوٹ مسیح قادیانی کے آگئے آئندہ اس سے زیادہ دکھائے جائیں گے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ قادیانیوں کے سردار جھوٹوں کے سر کردہ ہیں انہیں کو خواجہ کمال (مرزائی) مسیح موعود اور تمام صحابہ کرام اور آئمہ سے افضل کہتے ہیں اور درپردہ ہمارے مقدس بزرگوں کی سخت توہین کرتے ہیں۔

(خاکسار ابو احمد رحمانی ماہرب ۱۳۳۵ھ رحمانیہ پریس موئگیر)

فصل الثالث وستمائة تمت رسالة قائد القاديان حفظنا الله تعالى

و جميع اهل الايمان كان ومن كل زيغ وطفیان - آمین بحرمة سيد المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ انبیاء واهل بیتہم وصحابہم اجمعین .

ذنبہ الرسالۃ فی بعض الاشعار المناسبتہ للمقام
از اخبار ال سنت و جماعت امر تر جلد ۳۱ یکم جون ۱۹۱۸ء تحت عنوان
”مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت اور اس کا جواب“

ومرزا يدعى وصلا لليل

وليل لا تفرله بذاك

از نمائش ص ۲ رسالہ ”مسح کاذب“ تحت عنوان لسان الغیب از صاحب

نظرے گوہر خود را عیسیٰ

نتوان گشت بتصدیق خر چند

فارسی از نمائش ص ۱ رسالہ تنبیہ قادیانی

هوش داریدای مسلمان جہاں کز قادیان
فتنہ در دین محمد مصطفیٰ خواہد شدن

گاہ عیسیٰ گاہ موسیٰ گاہ فخر انبیاء

گاہ ابن اللہ گاہ خود خدا خواہد شدن

منقول از حاشیہ رسالہ تنبیہ قادیانی ص ۲۰ منقول از اشاعت السنۃ ۱۲ ج ۱۳

بعنوان: ”اہل البیت ادری بمافیہ“ اشعار تصنیف خسر مرزا غلام احمد قادیانی:

ہر گھڑی ہے مال داروں کی تلاش

تاکہ حاصل ہو کہیں وجہ معاش

ہو یتیموں کی یا راہوں کا ہو

رہیوں کا مال یا ہانڈوں کا ہو

کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض

بدمعاش اب نیک از حد بن گئے
بومیلہ آج احمد بن گئے

اس اخیر مضمون کی مناسبت سے ایک تحریر مرزا قادیانی کے بڑے بھائی کی یاد آگئی جو تبلیغِ رحمانی میں بھی چھپی ہے گو وہ نظم نہیں مگر اہلیت (مرزا قادیانی) کی دوسری شہادت ہونے کے سبب مکمل نصابِ شہادت تھی اس لئے نقل کی جاتی ہے۔ تحت عنوان ”درخواست چندہ خوردار مرزا قادیانی طال عمرہ“ بعد دعائے درازی عمر کے واضح ہو کہ میں تمہارے دعویٰ ہمیشہ سے سنتا ہوں اور دور دراز تک تمہاری خبر پہنچی ہوئی ہے اور لوگ جو درجہ آتے ہیں مگر افسوس میں تمہارا بڑا بھائی اور بزرگ ہوں میری طرف تم نے کوئی خاص توجہ نہ کی جو تمہاری نالائقی کا ثبوت ہے آخر میں بھرے دل سے از خود تم کو اطلاع کرتا ہوں کہ میں تمہارے ذاتی عیوب سے قطع نظر تمہاری پیش گوئیوں کو ایک گوز شتر سمجھتا ہوں۔ تم نے تو مولوی ثناء اللہ امرتسری کوئی پیش گوئی سو روپے دینا کیا تھا جو ان کے آنے پر تم گھر سے بھی نہ نکلے مگر میں تم کوئی پیش گوئی ہزار روپے دینے کا وعدہ کرتا ہوں اگر تم اپنی پیش کردہ پانچ پیش گوئیاں بھی مجھے سچی کر دو تو فی پیش گوئی ہزار روپے تم کو دوں گا اور اگر نہ ثابت کر سکو تو صرف تم کو مسلمان ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ پس ایک ہفتہ تک اس دعوت کا جواب بذریعہ اشتہار جلدی دینا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم فرمایا ہے: ”وَأْتِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ“ یعنی قریبوں کے حقوق ادا کرو۔ قریبوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے بھلا یہ کیا انصاف ہے کہ کشتی نوح کے آخر صفحہ پر تو ہم کو اپنا شریک اور قریبی بتاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہمارے شرکاء مکان دینے کو راضی ہیں دو ہزار روپے چندہ جمع کر لیا ہے حالانکہ ہمیں اس کی کوئی خبر ہی نہیں اور نہ ہم دینا چاہتے ہیں ایسے جھوٹ کا بھی کوئی علاج ہے خیر ان باتوں کے ذکر کو تو ایک دفتر چاہئے جو میں الگ سے کسی وقت تفصیل سے بیان

کروں گا سردست میں اس اشتہار کے جواب کا منتظر ہوں۔ رقیمہ مولائی مرزا امام الدین برادر
کلاں مرزا قادیانی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء مطبوعہ اہل حدیث پریس

لطیفہ شریفہ

اشعار بالا کی نقل کے بعد جی چاہا کہ مثنوی معنوی کی طرف بطور تائید کے 'نہ کہ
احتجاج کے: "لان الاحتجاج لم یبق الیہ احتجاج" رجوع کیا جائے ساتھ بار بسم اللہ
پڑھ کر بے ساختہ کتاب کھولی، اول ہی میں یہ اشعار نکلے (دفتر چہارم ص ۳۴۰) اور سچ تو یہ
ہے کہ موضوع بحث کا بالکل فوٹو ہی کھینچ دیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

نفس	بعہداست	زان	اوکشتنی	ست
اودنی	وقبلہ	گاہ	ادنی	ست

نفس	ہارا	لائق	ست	این	انجمن
مردہ	را	درخور	بود	گوروکفن	

نفس	اگرچہ	زیرک	ست	وخورده	دان
قبلہ	اش	دیناست	اورا	مردہ	دان

بانگ	وصیثے	چوکہ	آن	خائل	نشد
تاب	خورشیدی	کہ	آن	آفل	نشد

رونق	وتاب	وطرب	وسحر	شان
گرچہ	خلقان	راکشد	گردن	کشان

سحر ہائے ساحراں دان جملہ را
مرگ چوے دان کہ آن شد اثر دہا

جادو انیہا را ہمہ یک لقمہ کرد
یک جہاں پر شب بد آنرا صبح خورد

وهذا آخر الکلام . فی هذا المرام . وصلی اللہ تعالیٰ علی
خیر الانام وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام فقط .
یکم ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ یوم الاحد .

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆.....☆.....☆ کسی مرزائی کو دلامدینا ایسا ہے جیسے کسی ہندو 'سکھ'
چوہڑے کو دلامدینا لیا جائے۔

☆.....☆.....☆ جس شخص نے کہا کہ قادیانی مسلمانوں سے اچھے
ہیں وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہو گیا۔

☆.....☆.....☆ مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں بلکہ محارب
کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

☆.....☆.....☆

ضروری اعلان

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان سے شائع ہونے والا ﴿ماہنامہ لولاک﴾ جو قادیانیت کے خلاف گرانقدر جدید معلومات پر مکمل دستاویزی ثبوت ہر ماہ مہیا کرتا ہے۔ صفحات 64، کمپوٹر کتابت، عمدہ کاغذ و طباعت اور رنگین ٹائٹل، ان تمام تر خوبیوں کے باوجود زر سالانہ فقط یک صد روپیہ منی آرڈر بھیج کر گھر بیٹھے مطالعہ فرمائیے۔

رابطہ کے لئے

ناظم دفتر ماہنامہ لولاک ملتان

دفتر مرکزی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضور ی باغ روڈ ملتان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنُورِهِ نُبْهِى النَّاسَ
لِأَعْمَالِهِمْ وَأَسَرَّهُمُ الْخَوَافِ
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
الْجَنَّةُ خَالِدِينَ فِيهَا
الْأُولَى

الشهاب لرجم الخاطف المرتاب

مجمع ضمير

شيخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء۔ اما بعد!

مرزا قادیانی ملعون کے پانچ مریدوں (مرتدوں) کو افغانستان میں مختلف لوہات میں بجرم ارتدادلو سنگسار کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی شہن کو دیکھو اس وقت بھی افغانستان کی انہی روایات کے باعث آج افغانستان میں طالبان کی نام صرف خلافت اسلامی حکومت قائم ہے بلکہ ارتداد کی شرعی سزا بھی نافذ ہے۔ جہاں تک قادیانوں کو سنگسار کرنے کا تعلق ہے سب سے پہلے عبدالرحمن قادیانی کو ۱۹۰۱ء میں دہلی افغانستان جناب امیر عبدالرحمن نے سنگسار کر لیا۔ اس کے بعد عبداللطیف قادیانی کو ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء میں دہلی افغانستان جناب امیر حبیب اللہ کے زمانہ میں بجرم ارتدادلو سنگسار کیا گیا۔ (تاریخ احمدیت ج ۳ ص ۵۲۸) اس زمانہ میں مرزا قادیانی زندہ تھا۔ افغانستان کے امیر خان عبدالرحمن اور امیر حبیب اللہ کے خلاف اس نے بد زبانی کی اور تذکرہ الشہادتین نامی کتاب تحریر کی۔ اللہ رب العزت کے کرم کو دیکھو کہ مرزا قادیانی کی تحریری جو اسات کا اسلامی مملکت افغانستان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ خانہ امن اللہ خان دہلی افغانستان کے زمانہ میں قادیانوں نے پھر وہاں ارتدادی مہم چلانے کی کوشش کی تو ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کو نعمت اللہ قادیانی اور ۱۲ فروری ۱۹۲۵ء کو عبدالعلیم اور قاری نور علی قادیانی کو بجرم ارتداد قتل کیا گیا۔ (تذکرہ ص ۵۸۹ طبع سوم) نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری پر لاہوری گروپ کے چیف گرو دوات پادری محمد علی نے پیغام صلح میں ایک مضمون میں ارتداد کی سزا قتل کے خلاف سخن سازی کی۔ اللہ رب العزت کی کروڑوں رحمتیں ہوں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ پر آپ نے ”الشہاب لرحم الخافض المرتاب“ نامی رسالہ تحریر فرما کر قادیانوں دلاہوریوں کی سخن سازیوں پر علم کے قتل چھڑا دیئے۔ ڈیڑھ دو ماہ بعد لاہوری گروپ کے محمد علی کی باسی کڑی میں بلی آیا تو اس نے پھر ایک مضمون لکھا۔ آپ نے ”تذیب یعنی ضمیر الشہاب“ تحریر کر دیا۔ قادیانی کیا خاموش ہوئے گویا ان کو سانپ سونگھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے صدقہ میں اس رسالہ کو جمع ضمیر کے آپ ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامیان پاکستان نوٹ کریں کہ پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ کی یہ تحریر ہے۔ پاکستان کی نظریاتی کونسل نے ارتداد کی سزا قتل کی سفارش کر دی ہے۔ حکومت کب اسے قانون کا درجہ دیتی ہے؟ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب بھی پاکستان میں سرکاری سطح پر ارتداد کی سزا نافذ ہوئی وہ دن قادیانیت کے خاتمہ کا دن ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز!

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على خير خلقه

محمد وآله وصحبه اجمعين . !!!

کابل میں نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری کے واقعہ سے ہندوستان کے اخباروں میں قادیانیوں کے ارتداد کی بحث پھر تازہ ہو گئی۔ اور ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی زیر بحث آگیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے؟۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ”پیغام صلح“ کے ضمیمہ کے طور پر ایک پمفلٹ ”نعمت اللہ خاں کی سنگساری“ بھی اسی مضمون کے متعلق بڑی تعداد میں شائع کر لیا ہے۔ جس میں پورے زور خطابت سے حکومت افغانستان اور علمائے دیوبند کے خلاف (جو افغانستان کے اس فعل کی سب سے بڑھ کر تحسین کرنے والے ہیں) نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگرچہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان اب بہت کچھ قادیانیوں کی فتنہ پردازیوں اور اسلام کے خلاف ان کی دیسہ کاریوں سے واقف ہو گئے ہیں اور اسی لئے ان کا کوئی پروپیگنڈہ افغانی گورنمنٹ یا علماء دیوبند کے خلاف انشاء اللہ! موثر نہیں ہو سکتا۔ تاہم سلسلہ تحریرات جس حد تک پہنچ گیا ہے، اسے دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس باب میں توسع کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

اس ضمن میں پہلی بحث جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ قادیانی جماعت کے ارتداد کا مسئلہ ہے۔ اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ مرتد کی نسبت اسلام کیا فیصلہ کرتا ہے؟ تو ضروری ہوا کہ لوا ارتداد کے معنی سمجھ لئے جائیں۔

ارتداد کی تعریف

مرتد کے معنی لغت میں (راجع) یعنی کسی چیز سے لوٹنے اور پھر جانے والے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام کو اختیار کر کے اس سے پھر جائے۔

امام راغبؒ ارتداد کے معنی لکھتے ہیں :

”هو الرجوع من الاسلام الى الكفر.“

(اسلام سے کفر کی طرف پھر جانا۔) (مفردات ص ۱۹۲)

محمد علی مرزائی اپنے پمفلٹ میں لکھتے ہیں کہ :

”ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو قبول کر کے پھر اس سے انکار

کر دے اور کہہ دے کہ آپ رسول نہیں۔“ (نعت اللہ خان کی سنگدی ص ۵)

لیکن یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ امام راغبؒ کی تعریف میں کفر اور محمد علی

(مرزائی) کی تعریف میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا

رسالت کا انکار اسی وقت سمجھا جائے گا کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں آپ ﷺ کو رسول

نہیں جانتا۔ یا رسول اللہ ﷺ کی کسی یقینی خبر اور قطعی فرمان کا انکار کرنے سے بھی رسالت کا

منکر ٹھہرے گا؟

فرض کیجئے! ایک شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ جناب محمد ﷺ خدا کے رسول

ہیں۔ نماز بھی قبلہ کی طرف پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کا فتنہ بھی کھاتا ہے،

مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں سورہ احزاب یا سورہ نساء قرآن کی سورۃ نہیں۔

یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثلاً خدا کے پیغمبر نہیں (معاذ اللہ) باقی سارے قرآن اور سارے

انبیاء کی میں تصدیق کرتا ہوں تو کیا ایسی تصریحات کے باوجود بھی محمد علی (مرزائی) اسے

مسلمان سمجھتے رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے والا تصور کریں گے اور

ان بعض انبیاء یا ان بعض اجزائے قرآن کی تکذیب کو خود محمد رسول اللہ ﷺ بلکہ رب محمد کی

تکذیب قرار نہ دیں گے؟

اگر ایسے شخص کو باوجود زبانی اقرار رسالت کے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت بلکہ

خود خداوند رب العزت کا منکر ہی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ : ”إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ

وَرَسُولِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ نَحْنُ بِبَعْضِ

وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا . أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

حَقًّا. النساء آیت ۱۵۰ کے تحت میں انہوں نے لکھا ہے :

”اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسولوں کا انکار کر دیا۔ جیسے یہ ہو ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا۔ جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ کے کسی رسول کا انکار گویا اللہ کا ہی انکار ہے۔“
(ہدای القرآن ص ۳۹۲)

ان کے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) لکھتے ہیں کہ :

”کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو بلو جو د اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے..... اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۹۷ خزائن ص ۸۵ ج ۲۲)

لکھتے ہیں کہ :

”وہ جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۶۸ ج ۲۲)

تو اس قسم کے اقرار اور تسلیم سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اللہ اور اس کے رسول کے انکار کی صرف یہ ہی صورت نہیں کہ ایک شخص زبان سے صریح طور پر یوں کہے کہ میں خدا کو یا اس کے پیغمبر رسول عربی ﷺ کو نہیں مانتا بلکہ بسا اوقات بعض نہایت ہی قطعی اور ضروری چیزوں کا انکار کرنے والا بھی جن کی اطلاع خدا اور اس کے رسول نے دی ہو خدا اور اس کے رسول ہی کا انکار کرنے والا سمجھا جائے گا جو قرآن کی تصریح اور مرزا قادیانی کے اقرار کے موافق کفر ہے۔

پس جب کہ امام راغبؒ کی تصریح کے موافق اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے اور محمد علی (مرزائی) اور ان کے مسیح موعود کی تصریحات سے یہ ثابت ہو چکا کہ کفر صرف یہی نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا صریح طور پر زبان سے انکار کیا جائے بلکہ

بعض قطعیات اسلام کا انکار کرنا بھی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ارتداد یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)..... ایک یہ کہ کوئی مسلمان صریحاً اسلام سے کفر کر بیٹھے۔

(۲)..... دوسرے یہ کہ ایسا نہ ہو۔ مگر بعض ضروریات دیجیہ اور قطعیات

شرعیہ سے انکار کرے۔

دونوں صورتوں میں ایسا شخص مرتد یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا

ہے۔ (العیاذ باللہ)

کیا مرزا قادیانی اور اس کی امت مرتد ہیں؟

جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو مرتد کہتے ہیں ان کے نزدیک معیار ارتداد وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا قادیانی پہلے مسلمان تھے اور جمہور اہل اسلام کے سے عقائد رکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ہدایتِ الہیہ باتیں لکھیں اور شائع کیں جن کا ماننا کھلے طور پر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا نہ ماننا ہے وہ اگرچہ بار بار زبان سے یہ بھی اظہار کرتے رہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ قلم اور زبان سے نہایت اصرار کے ساتھ ایسی چیزیں بھی نکالتے رہے جو ان کے پہلے ادعاء کی مذبذب ہیں۔

وہ جب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ قرآن کی تصریح کے موافق خاتم النبیین ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے بعد نبی ہو کر آیا ہوں۔ پھر یہ نبوت جس کا انہیں دعویٰ ہے صرف وہ ولایت و محدثیت نہیں جسے صوفیہ نے (مثلاً شیخ اکبرؒ) نے اپنی اصطلاح میں نبوت کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ گروہ اولیاء میں موجود ہوتی ہے۔ گو اس کی وجہ سے وہ انبیاء نہیں کہلاتے اور نہ کبھی آج تک کسی ولی نے حتیٰ کہ اس محدث نے بھی جس کے محدث ہونے کی تصدیق زبان رسالت سے ہو چکی تھی (حضرت عمرؓ)۔ اپنی اس نبوت پر ایمان لانے کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے اور نہ مرزا قادیانی ایسی گھٹیا نبوت

کے مدعی ہیں جو ایک سچا خواب دیکھنے سے بھی کسی مومن صالح کو فی الجملہ حاصل ہو سکتی ہے۔
 ”فالاتصاف بکمالات النبوة لا يلز الاتصاف بالنبوة . عبقات
 ص ۱۵۹ ج ۱“

پس کمالات نبوت سے متصف ہونا تصاف بالنبوت کو مستلزم نہیں۔

”فاخبر رسول اللہ ﷺ ان الرؤيا جزء من اجزاء النبوة فقد
 بقى للناس من النبوة هذا وغيره ومع هذا لا يطلق اسم النبوة ولا النبى
 الا على المشرع خاصة فحجر هذا لاسم لخصوص وصف معين فى
 النبوة . فتوحات ص ۳۷۶ ج ۲“

﴿رسول اللہ ﷺ﴾ نے ہم کو بتلایا کہ خواب (سچا) اجزاء نبوت میں سے ایک جز ہے
 تو لوگوں کے واسطے نبوت میں سے یہ جز (رؤیا) وغیرہ باقی رہ گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی
 نبوت کا لفظ اور نبی کا نام جز مشرع (امرو نہی لانیوالے) کے اور کسی پر بولا نہیں جاسکتا۔ تو
 نبوت میں ایک خاص وصف معین کی موجودگی کی وجہ سے اس نام (نبی) کی ہمدش کر دی گئی
 ہے۔ ﴿

”کمن یوحى اليه فى المبشرات وهى جزء من اجزاء النبوة وان
 لم يكن صاحب المبشرة نبيا فتقطن لعموم رحمة الله فما تطلق النبوة الا
 لمن اتصف بالمجموع فذلك النبى وتلك النبوة التى حجزت علينا
 وانقطعت فان من جملتها التشريع بالوحى الملكى فى التشريع وذلك
 لا يكون الا لنبى خاصة . فتوحات ص ۵۶۸ ج ۳“

جیسے کسی کی طرف مبشرات کی وحی آئی اور وہ مبشرات اجزاء نبوت میں سے ہیں۔
 اگرچہ صاحب مبشرۃ نبی نہیں ہو جاتا۔ پس رحمۃ الہیہ کے عموم کو سمجھو تو نبوت کا اطلاق اسی پر
 ہو سکتا ہے جو تمام اجزاء نبوت سے متصف ہو۔ وہی نبی ہے اور وہی نبوت ہے جو منقطع ہو چکی
 اور ہم سے روک دی گئی کیونکہ نبوت کے اجزاء میں سے تشریع بھی ہے جو وحی ملکى سے ہوتی
 ہے اور یہ بات صرف نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت

بلکہ وہ محدثیت وغیرہ سے آگے بڑھ کر مدعی ہوئے ہیں ایسی نبوت کے جس پر نہ صرف قادیان کو نہ صرف پنجاب کو نہ صرف انڈیا کو بلکہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کی طرح تمام عالم کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر جو کوئی اس دعوت کے پہنچنے پر بھی ایمان نہ لائے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج اور جہنمی ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان نہ لانے والا بے ایمان اور جہنمی ہوتا ہے بلکہ ان (مرزا قادیانی) کا نہ ماننے والا بعینہ خدا اور رسول کو بھی نہ ماننے والا ہے۔

نہ صرف یہی کہ ان (مرزا قادیانی) کو معمولی نبی تسلیم کر لیا جائے۔ بلکہ اولوالعزم پیغمبر اور خاتم انبیاء بنی اسرائیل سیدنا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر بھی ان کی فضیلت کا اقرار کیا جائے۔ پھر فضیلت بھی کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ بلکہ کلی فضیلت اور ہر شان میں ان سے بڑھ کر مانا جائے اور اگر ہو سکے تو ان سب کے بعد ذرا دلی زبان سے تشریفی (صاحب شریعت) نبی بھی تسلیم کر لیا جائے۔

ملاحظہ ہوں مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات ذیل :

”اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“ (انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

”بہر حال جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔“

(نوح المصلی ج ۱ ص ۳۰۸ منقول از تشیخ الاذہان جلد ۶ نمبر ۳ ص ۱۳۵ تذکرہ ص ۶۰ طبع سوم)

”علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری

نسبت خدا اور رسول کی پیشین گوئی موجود ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۶۸ ج ۲۲)

”اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے۔ اور مجھ کو باوجود صد ہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔“
(حقیقت الوحی ص ۱۶۳ خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

”لوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹ خزائن ص ۱۵۳ ج ۲۲)

”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔“
(حقیقت الوحی ص ۱۴۸ خزائن ص ۱۵۲ ج ۲۲)

کافر کس طرح کے رسول کا نہ ماننے والا ہوتا ہے؟

اس کے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ :

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“
(تزیین القلوب ماشیہ ص ۱۳۰ خزائن ص ۴۳۲ ج ۱۵)

”ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی..... اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے

احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ان هذا لفي الصحف الاولى . صحف ابراهيم وموسى .“ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔“ (دربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۲۶، ۴۲۵ ج ۱۷)

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ :

”فما بقى لاولياء اليوم بعد ارتفاع النبوة الا التعرف وانسدت ابواب الاوامر الالهية والنواهي فمن ادعاها بعد محمد ﷺ فهو مدع شريعة اوحى بها اليه سواء وافق بها شرعنا او خالف . فتوحات مكيه ص ۳۹ ج ۲“

﴿نبوت اٹھ جانے کے بعد آج اولیاء کے لئے بجز تعریفات کے کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر و نواہی کے سب دروازے بند ہو چکے۔ اب جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد امر و نہی کا مدعی ہو (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی) وہ اپنی طرف وحی شریعت آنے کا مدعی ہے۔ خواہ وہ شریعت ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔﴾

شیخ عبد الوہابؒ شعرانی اس عبارت کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں :

”فان كان مكلفاً ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحاً . اليواقيت

والجواهر ص ۳۸ ج ۲“

﴿پھر اگر یہ مدعی وحی شریعت مکلف ہے (یعنی مجنوں وغیرہ نہیں ہے) تو ہم اس کی گردن ماریں گے اور اگر مکلف نہیں تو ہم اس سے کنارہ کشی کریں گے۔﴾

” قال الشيخ (الاكبر) فى الباب الحادى والعشرين من

الفتوحات من قال ان الله تعالى امره بشئى فليس ذلك بصحيح انما ذلك تلبيس“ لان من الامر قسم الكلام وصفته وذلك باب مسدود دون

الناس . اليواقيت والجواهر ص ۳۸ ج ۲“

﴿شیخ اکبر فتوحات کے اکیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی (بعد نبی کریم ﷺ کے) یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی چیز کا حکم کیا ہے (جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی) تو یہ دعویٰ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے۔ کیونکہ ”امر“ کلام کی قسم اور اس کی صفات میں سے ہے اور یہ (کلام کا دروازہ) لوگوں پر بند کیا جا چکا ہے۔﴾

کیا مسٹر محمد علی (مرزائی) اور بے خبری سے ان کی تائید کرنے والے یہ عبارتیں سن رہے ہیں؟ کیا یہی وہ صوفیوں کی اصطلاحی یا مجازی یا لغوی نبوت ہے؟ جس کا ثبوت روایاتی حدیث یا شیخ اکبر کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیا قادیانیوں کا یہی ظلی اور بروزی نبی ہے جو اصلی اور حقیقی نبیوں سے بڑھ گیا ہے؟ کیا امتی نبی نام رکھ دینے سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ سکتا ہے؟ اور کیا یہ سخت حیرت انگیز اور مضحکہ خیز منطق نہیں ہے کہ کسی پرانے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دوبارہ آنا تو یہ کیہ خاتم النبیین کے خلاف ہو۔ لیکن پچھلے نبیوں پر فضیلت کلی رکھنے والا ایک نیا نبی قادیان میں آ جائے۔ یہ خاتم النبیین کے خلاف نہ ہو؟ گویا آنحضرت ﷺ کے وجود باوجود نے مظلوم انبیاء کے آنے کا سلسلہ تو بند کر دیا لیکن ان سے اعلیٰ اور افضل انبیاء کی تشریف آوری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کاش کہ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی آیت کے ساتھ فاتح النبیین کی کوئی آیت ہوتی۔ اور جس صراحت اور ٹکرار کے ساتھ حضور ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس کا عشر عشر ہی پیچھے آنے والے نبی کے متعلق ہوتا کہ امت کو زیادہ کام ان ہی پچھلوں سے پڑنا تھا اور یہ ان پہلوں سے افضل بھی تھے۔

کیا مرزائیوں میں کوئی بھی خوف خدا رکھنے والا نہیں؟ کیا ان کے دلوں پر مہر ہو چکی ہے؟ کیا ان کے قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں؟ جو ایسی ایسی صریح عبارتوں کے بعد بھی ایک مفتری علی اللہ کو سچا پیغمبر بناتے چلے جاتے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اس مفتری نے اپنے تئیں سچا ثابت کرنے کے لئے آتھم کے قصہ میں اور محمدی ہجرت کے آسمانی نکانہ میں مود اللہ خدا اور اس کی تناسل مہر تک کو بھونٹا ٹھہ ادیا۔ مگر وہ محروم الخیر جماعت جو

آج علماء دیوبند پر خدا کو جھوٹا کہنے کا محض فرہنی الزام رکھ کر اپنے لئے اور نئی لعنت خرید رہی ہے۔ اس مفتری کا ہر کلمہ پڑھتی جاتی ہے جو اپنی سچائی کا ثبوت ہی جب پیش کر سکتا ہے جب پہلے خدا کو جھوٹا ثابت کر دے :

”كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ . كَيْفَ آيَتُ ه“

شاید محمد علی (مرزائی) کو علماء دیوبند کے آئینہ اعتقاد میں اپنا چہرہ نظر آگیا ہے جو معاذ اللہ خدا کے جھوٹ بولنے کی تصویر سامنے آگئی : ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ“ ق ۳۷

خوب سمجھ لو کہ جھوٹے حیلے اور یہودہ عذر تراش کر ختم نبوت جیسے قطعی اور اسلام کے بنیادی عقیدہ کی تکذیب کرنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صدق و راست بازی اور قرآن کریم کے وحی الہی ہونے سے انکار کرنا ہے :

”فَإِنَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بَايَتِ اللَّهُ يَجْحَدُونَ . الْإِنْعَام آيَت ۳۳“

﴿یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔﴾

اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں یہی ارتداد ہے کہ آدمی اسلام کا اقرار کرنے کے بعد پھر اس سے صریحاً انکار کرنے لگے یا ایسی قطعی اور صاف چیزوں کا انکار کر بیٹھے جو انکار رسالت کو مستلزم ہو۔

ارتداد کی اس قسم خفی کا نام یعنی یہ کہ آدمی زبان سے اسلام کا نام بھی لیتا رہے اور کلمہ بھی پڑھتا رہے مگر نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ سے قطعیات کے انکار پر بھی تلا ہو۔ سلف کی زبان میں ”زندقہ“ ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے زندقہ کا حکم بھی وہی عام مرتدین کا سا ہے۔

اس تمام تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا قادیانی جس کی ختم نبوت کو رد کرنے والی تصریحات ہم نقل کر چکے ہیں اسلام کے ایک قطعی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مرتد اور زندیق ہے اور جو جماعت ان تصریحات پر مطلع ہو کر ان کو صادق سمجھتی رہے اور اس کی

حمایت میں لڑتی رہے وہ بھی یقیناً مرتد اور زندیق ہے خواہ وہ قادیان میں سکونت رکھتی ہو یا لاہور میں۔ جب تک وہ ان تصریحات کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان نہ کرے گی خدا کے عذاب سے خلاص پانے کی اس کے لئے کوئی سبیل نہیں۔

یہاں تک ہم نے مرزا قادیانی اور ان کے اذتاب کے ارتداد کا صرف ایک سبب بیان کیا ہے کیونکہ محمد علی مرزائی نے اپنے پمفلٹ میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے موجبات ارتداد مثلاً توہین انبیاء علیہم السلام وغیرہ سے عداغماض کیا گیا ہے۔ شاید اس خدمت کو میرا کوئی دوسرا بھائی انجام دے گا اور بہت سے بزرگ مجھ سے پہلے بھی فی الجملہ انجام دے چکے ہیں۔

آپ یقین کیجئے کہ ہم کو مرزا قادیانی یا کسی ایک کلمہ گو کے کافر اور مرتد ثابت کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں نہ تمام شیعوں کو نہ سارے نیچریوں کو حتیٰ کہ ان بریلویوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتلاتے ہیں اور ہماری تمنا تھی کہ کوئی صورت ایسی نکل آتی کہ مرزائیوں کی تکفیر سے بھی ہم کو زبان اکودہ نہ کرنی پڑتی۔ لیکن ان کے ملحدانہ دعاوی نے جن سے بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہوتی ہے اور کسی طرح ختم نبوت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم کو مضطر کر دیا ہے کہ بادل نحواستہ ان کی گمراہی سے لوگوں کو چھائیں کہ جو زہر دودھ یا مٹھائی میں مخلوط ہو گیا ہو وہ سخت خطرناک ہے۔

جو عبارتیں مرزا قادیانی کی میں اوپر نقل کر چکا ہوں کیا ان کے مطالعہ کے بعد اس مسئلہ کا اعلان نہیں ہو جاتا کہ جو کوئی ان کو نبی اور مسیح موعود نہ مانے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج ہے۔ اب تم خود دنیا کی مردم شماری کر لو کہ تمہارے کافر بنائے ہوئے غیر مسلموں کے سوا کتنے آدمی مسلمان رہ جاتے ہیں؟ حالانکہ یہ کروڑوں غیر مسلم (فی زعمکم) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور سارے احکام مجالاتے ہیں۔

مسٹر محمد علی مرزائی اپنے اس فقرہ میں :

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اعتراف کرنے والے کو کافر کہنا بڑی

خطرناک غلطی ہے۔ خواہ مرزا محمود کہیں یا مولوی کفایت اللہ صاحب۔“

(نعت اللہ خان کی سنگاری ص ۴)

کیا دونوں ناموں سے پہلے مرزا قادیانی کا اور اضافہ کریں گے؟ اور ان کی قبر پر جا کر: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسُنْتَ مُؤْمِنًا۔ النساء آیت ۹۴“ کی تلاوت فرمائیں گے۔؟

ایک طرف تو آپ کے مسیح موعود (مرزا قادیانی) سارے جہان کے کلمہ پڑھنے والوں کو بجز چند لاکھ نفوس کے مسلمانی سے نکال رہے ہیں اور دوسری طرف آپ شاید ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کو سلام کر لے (خواہ وہ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی یا دہریہ) مومن تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے نبی قادیانی اور امتی دونوں کی شریعت فہمی اور قرآن دانی کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ قادیانی بڑے نمازی ہیں۔ قرآن بہت پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اگر اس پر بھی وہ مسلمان نہیں، تو بڑی حسرت اور حیرت کا مقام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی ہی بد بخت قوم کا تذکرہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحیحین کی احادیث میں فرمایا ہے کہ جو قرآن کی تلاوت بھی کرے گی، اور بظاہر سچے مسلمانوں سے بھی زیادہ نمازیں پڑھے گی، روزے رکھے گی، مگر ان کا قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہ بڑھے گا اور وہ اسلام میں سے ایسی ہی نکل چکی ہوگی جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے ان کو پایا تو عادی و ثمود کی طرح ان کو قتل کروں گا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی پناہ میں رکھے اور اس دنیا سے ایمان پر اٹھالے کہ یہ مقام بڑے خوف اور عبرت کا ہے۔

مرزا یوں کو بڑا فخر ہے اور بعض سادہ لوح آزاد منش مسلمان بھی ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں کہ وہ آج اسلام کی ایسی خدمت کر رہے ہیں جو کسی دوسری جماعت مسلمین سے سن نہیں پڑی۔ یعنی یورپ میں اسلام پھیلاتے ہیں۔ ملکوں کو شدھی

ہونے سے روکتے ہیں۔ آریوں وغیرہ کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
 ان کا یہ فخر اور منقبت اگرچہ سمجھدار مسلمان اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ جس چیز کی وہ اشاعت اور حمایت کرتے ہیں وہ صحیح اسلام نہیں ہے بلکہ یا تو وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی تبلیغ ہوتی ہے اور یا مرزا قادیانی کا ترمیم کیا ہوا اسلام جسے انہوں نے بہت سے اصول و فروع کاٹ کر نوجوانان یورپ یا یورپ کی وحی پر ایمان لانے والوں کے ابواء و ظنون کے سانچہ میں ڈھالا ہے۔ لیکن میں اس سے قطع نظر کر کے علی سبیل التزلزل کہتا ہوں کہ ان کا یہ سب امتیاز اور فخر اور خدمات اسلام کو تسلیم کرنے کے بعد بھی ان کا مومن اور ناجی ہونا ضروری نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے ابواب ایمان میں اس شخص کا واقعہ پڑھے جو رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ہر کام میں تھا اور اس نے وہ خدمت اور اعانت اسلام اور مسلمانوں کی کی تھی جس کا اعتراف صحابہؓ نے حضور ﷺ کی جناب میں ان الفاظ سے کیا ہے :

”ما اجزأ منا اليوم احدكما اجزأ فلان“

﴿آج کے دن ہم میں کوئی بھی ایسا کافی نہیں ہوا جیسا کہ فلاں آدمی ہوا ہے۔﴾ مگر لسان نبوت سے باوجود ان خدمات جلیلہ کے ارشاد ہوا :

”لما انه من اهل النار“ ﴿یاد رکھو وہ روز خبی ہے۔﴾

(مسلم ج ۱ ص ۲۶۷ باب تغلط تحريم قتل الانسان نفسه عن سهل بن سعد)

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ :

”ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر“

﴿بے شک حق تعالیٰ اس دین کو مدد پہنچا دیتا ہے بد معاش آدمی سے۔﴾

(مسلم ج ۱ ص ۲۶۷ باب تغلط تحريم قتل الانسان كتاب الايمان عن ابی ہریرة)

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ :

”سيشد د هذا الدين برجال ليس لهم عند الله خلق“ السراج

المنير شرح جامع الصغیر ص ۲۲۷ ج ۲

﴿قریب ہے کہ اس دین کی تائید اور تقویت ایسے لوگوں کے ذریعہ سے ہو جائے گی جن کے لئے خدا کے یہاں حصہ نہیں﴾۔

عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ایسی جماعت کے متعلق جو قرآن کو اور رسول اللہ ﷺ کو سب کو مانتی تھی صرف ”قدر“ کا انکار کرتی تھی۔ فرمایا:

”اذا لقيت اولئك فاخبرهم اني بري منهم و انهم برآؤ مني والذي يحلف به عبدالله بن عمر لو ان لاحدهم مثل احد ذهباً فانفقها ما قبل الله منه حتى يؤمن بالقدر.“

﴿جب تم ان سے ملو تو کہہ دو کہ میں (عبداللہ بن عمرؓ) ان سے علیحدہ ہوں اور وہ ہم سے بے تعلق ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی عبداللہ بن عمر قسم کھا سکتا ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس احد (پہاڑ) کے برابر سونا ہو پھر وہ اسے خرچ کر ڈالے تب بھی اللہ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے﴾

ابو طالب سے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت اور اعانت ایسی نازک ترین ساعت میں کس نے کی ہوگی؟۔ لیکن وہ ساری خدمات اور جانبازیاں بھی اس کو محصولِ نار سے نہ بچا سکیں۔

روایات بالا کو پڑھ کر کس کی ہمت ہے کہ قادیانیوں کی محض نام نہاد خدمات اسلامیہ کو دیکھ کر ان کے مومن یا ناجی ہونے کا فتویٰ دیدے اور ان کے عقائد کفریہ کی طرف کچھ التفات نہ کرے۔

عہد رسالت میں منافقین کا گروہ برابر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر قسمیں کھا کر گواہی دیتا تھا۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتا تھا۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتا تھا اور ان کا فیض بھی کھاتا تھا، لیکن اس پر بھی ان کو جھوٹا اور بے ایمان کہا گیا اور مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچتے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ کیونکہ ان کے دوسرے قرائن و احوال اور مخاطبات سریہ ان کے دعوائے ایمان کی تکذیب کرتے تھے: ”وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ“ محمد

آیت ۳۰ ”اور ان کا دل ایمان سے خالی تھا اور وہ لوگ بھی ہمارے یہاں کے پنجابی نبی کی امت کی طرح اندر ہی اندر اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہتے تھے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پنجابی نبی اور اس کی امت نے تنگ ظرفی سے اسلام کے خلاف بعض عقائد کا اعلان بھی کر دیا اور اس لئے وہ منافق کے بجائے مرتد کے حکم کے تحت میں آگئے اور امیر افغانستان ان کو منافقین کی سی مہلت نہ دے سکے۔ اگر قادیانی پارٹی منافقین میں شامل ہو کر افغانی حدود و تعزیر سے چننا چاہتی ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ جہارا (اعلانیہ) اپنے خمیٹ عقائد کا اقرار کرنا چھوڑ دے۔ پھر ان کے دلوں کا حال خدا کے اور یوم آخرت کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ غالباً مرزا محمود نے جو مشورہ نعمت اللہ کے واقعہ کے بعد اپنی پارٹی کو دیا ہے اس میں اسی نفاق کی تعلیم کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے۔

محمد علی (مرزائی) کو اس کی بڑی فکر ہے کہ :

”اگر علماء دیوبند قادیانیوں کو کافر بتلاتے ہیں سنیوں کو شیعہ اور شیعوں کو سنی۔ مقلدوں کو غیر مقلد اور غیر مقلدوں کو مقلد۔ علیٰ ہذا القیاس دیوبندیوں کو بریلوی اور بریلویوں کو دیوبندی کا فر قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں تو کوئی مسلمان نہ رہے گا اور ایک دوسرے کو مرتد سمجھ کر قتل کر دیں گے۔“

(نعت اللہ خان کی سنگدی ص ۶) (مختصر)

لیکن اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر اور مرتد اور واجب القتل سمجھتا ہے۔ دوسرے واقعات آپ کے اس خطرہ کی تردید کرتے ہیں کیا اس وقت تک افغانستان تین مرتد قتل نہیں کئے گئے؟۔ پھر بھی خدا کے فضل سے کوئی موقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ کوئی مسلمان محض فرضی جرم ارتداد پر کسی جگہ قتل کر دیا گیا ہو۔ اور اگر کسی جگہ آئندہ ایسا ہی کیا گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ اس کا خون حول اللہ و توبہ رنگ لائے بدون نہیں رہے گا۔

محمد علی (مرزائی) کو ایسا لکھتے وقت اسلام کے نام اور اپنی نام نہاد امامت کی شرم کرنی چاہئے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو اور وہ سب لوگ مسلمانوں کو کافر

کہتے ہیں۔ تو کیا اس اختلاف کے وقت یہود و نصاریٰ کے کافر کہنے سے آپ کو اپنے مزمع اسلام میں کچھ تردد ہو جاتا ہے۔ یا آپ کے ہاتھ میں کوئی معیار ایسا دیا گیا ہے جس پر آپ اپنے اسلام اور ان کے کفر کو پرکھ سکتے ہیں؟

اسی طرح کیا قرآن و سنت نے کوئی معیار صحیح و محکم ہمارے ہاتھ میں ایسا نہیں دیا کہ ہم مدعیان اسلام کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے کفر و ایمان کو اس پر کس کر دیکھ لیں؟ تو صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر و مرتد کہتا ہے یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں کوئی کافر و مرتد نہیں یا سارے کافر و مرتد ہی ہیں۔

(نعت اللہ کی سٹوڈی ص ۶ شخص)

خدا نے اگر تم سے نور ایمان چھین لیا ہے تو کیا عام انسانوں کو جو نور فہم عطا ہوتا ہے وہ بھی سلب کر لیا گیا ہے؟ تم کو بڑا غیظ ہے کہ جب مرزائی افغانستان میں قتل کئے جاتے ہیں تو بابتی اور بھائی شاہ ایران اور ترکوں کے حکم سے کیوں قتل نہیں کئے جاتے؟

یہ سوال یا تو آپ کو کب ہندو الے سید محفوظ الحق سے کیجئے۔ اور یا شاہ ایران اور ترکی پارلیمنٹ سے اور یا ان ملعونین مر جو میں سے جو کابل کے قلمرو میں اس علم کے بعد کہ وہاں خالص اسلامی حدود و تعزیر کی تلوار چمکتی رہتی ہے ارتداد کا جھنڈا اٹھا کر لے گئے۔ اور انجام کار آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو حق تعالیٰ کے غضب و انتقام کا مور و بچا پڑا۔

کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے؟

اب میں دوسرے مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے اور افغانستان کا فعل کس حد تک اصل قانون اسلام پر منطبق ہو سکتا ہے؟ اسلامی اصول کے موافق کسی مسئلہ شرعی کے اثرات کے لئے چاروں دلیلیں ہو سکتی ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع مجتہدین، قیاس و استنباط۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا ثبوت چاروں طریقوں سے ہو۔ اور نہ ہر ایک دلیل ہر مسئلہ میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ تاہم مسئلہ زیر بحث (قتل مرتد) میں اتفاق سے چاروں دلیلیں جمع ہو گئی ہیں۔

چونکہ بارہا کہا گیا ہے کہ قتل مرتد کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرو (حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت جس کے نہ ماننے سے مسلمان خارج از اسلام ہو جاتے ہیں۔ قرآن حدیث اجماع وغیرہ سب کو چھوڑ کر صرف ایک دو صوفیوں کی نامتام عبارتوں سے ہی ثابت ہو جاتی ہے)۔ اس لئے ہم نے بہمہ وجوہ اتمام حجت کے لئے مناسب سمجھا ہے کہ اولاً مرتد کے بارہ میں قرآن ہی کا فیصلہ سنایا جائے۔

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں۔ جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے حکم خدا، قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرا گنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق۔ نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تہار تہاد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بے دریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون کی غلامی سے نجات دی اور فرعونیوں کی دولت کا مالک بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ کے موافق حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذت مناجات میں گزاریں اور تورات شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا: ”وَاضْلَلَهُمُ الشَّامِرِيُّ“ طہ آیت ۸۵ یعنی سونے چاندی کا ایک ٹھہرا بنا کر کھڑا کر دیا۔ جس میں سے کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کئی صدی تک مصری بت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے۔ اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بے ہودہ درخواست کی تھی کہ :

”أَجْعَلْ لَّنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ آلِهَةٌۖ ۝ الْاَعْرَافُ آيَتِ ۱۳۷“

﴿ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود مقرر کیجئے۔ جیسے ان کے معبود ہیں۔﴾

وہ سامری کے اس ٹھہرے پر مفتون ہو گئے اور یہاں تک کہہ گزرے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر و ارتداد سے باز آجانے کی ہدایت کی :

”يَقُومُ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝ طه آیت ۹۰“

﴿اے لوگو! تم اس ٹھہرے کے سبب فتنہ میں ڈال دیئے گئے ہو حالانکہ تمہارا پروردگار (تمہارا حمان ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔﴾

لیکن وہ اپنی اسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ :

”لَنْ نُبْرَحَ عَلَيْهِ غَافِقِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى ۝ طه آیت ۹۱“

﴿ہم براہ اپنے اس فعل پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس آئیں۔﴾

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں ٹھہرے ہوئے آئے۔ اپنی قوم کو سخت ست کہا۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی باز پرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا اور ان کے ہٹائے ہوئے معبود کو جلا کر رکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔

یہ سب ہوا۔ لیکن ان مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا۔ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گو سالہ پرستی اختیار کر لی تھی؟ تو دنیا میں تو ان کے لئے خدا کا فیصلہ یہ تھا :

”إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا لَعِبْلًا سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝ الْاَعْرَافُ آيَتِ ۱۵۲“

﴿جنہوں نے ٹھہرے کو معبود بنایا ضرور ان کو دنیا میں ذلت اور خدا کا غضب پہنچ

کر رہے گا اور مفترین کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿

اور اس غضب و ذلت کے اظہار کی صورت عبادِ عجل کے حق میں یہ تجویز ہوئی جو

سورہ بقرہ میں ہے :

”إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ

فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ. البقرہ آیت ۵۴“

﴿اے قوم بنی اسرائیل! تم نے بھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ تو

اب خدا کی طرف رجوع کرو۔ پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔﴾

اور ”فاقتلوا انفسکم“ میں انفسکم کے معنی وہی ہیں جو ”ثم انتم هولاء

تقتلون انفسکم“ میں ہیں اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنی سے (جو ہر طرح کے قتل

کے خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں بلکہ غضب اور

ذلت فی الحیوة الدنیا کا لفظ اس کے نہایت ہی مناسب ہے اور یہی غضب کا لفظ دوسری

جگہ عام مرتدین کے حق میں بھی آیا ہے۔

جیسا کہ فرماتے ہیں: ”مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنُ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ

مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِن مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. النحل آیت ۱۰۶“

اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں خدا

کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کئے گئے۔ اور صورت یہ ہوئی کہ قوم میں سے

جن لوگوں نے بھڑے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے عزیز و قریب کو جس نے

گو سالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے قاتلین کا اپنے

عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ارتداد

سے روکنے میں کیوں تساہل کیا؟ :

”وَلَمَّا سَقَطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا

رَبُّنَا وَيَغْفِرَ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. الاعراف آیت ۱۴۹“

﴿جب وہ نادام ہوئے اور معلوم کر لیا کہ وہ راستہ سے بھٹک رہے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ فرمائے گا اور ہم کو نہ بخشے گا تو ہم ضرور خسار داٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔﴾

لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا۔ جیسا کہ اب بھی بعض اقسام مرتد کے متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ وہ توبہ کے بعد بھی حد اقل قتل کیا جائے گا۔ خواہ توبہ آخرت کے عذاب کو اس سے اٹھوے۔

اسی طرح گویا سالہ پرستوں سے بھی اگرچہ دنیا میں خدا کی تعزیر ساقط نہیں ہوئی۔ لیکن قتل کئے جانے کے بعد خدا نے احکام اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اور ان قاتلین کی بھی جنہوں نے اپنے اقرباء کے ارتداد کے معاملہ میں مددہانت کی تھی :

”ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“ البقرہ آیت ۵۴

﴿یہ تمہارے خالق کے یہاں تمہارے حق میں بہتر ہے پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔﴾

محمد علی (مرزائی) جن کی تفسیر پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے لکھتے ہیں کہ :

”سینا لهم غضب من ربهم وذلة في الحياة الدنيا وكذلك تجزي المفترين“ کے بعد : ”والذين عملوا السيئات ثم تابوا من بعدها وامنوا ان ربك من بعدها لغفور رحيم“ واقع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد جرم معاف ہو جاتا ہے۔

(بیان القرآن ص ۵۳۷)

لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو مرتد توبہ کے بعد بھی حد اقل تعزیر اقل قتل کیا جائے۔ جیسا کہ عبادِ عجل کئے گئے۔ اس کے حق میں یہ معافی کی آیت ایسی ہے جس طرح سارق کے بارہ میں : ”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءُ بِمَا كَسَبَتْ أَنْكَالاً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ المائدہ آیت ۲۸ کے بعد : ”فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ“ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ المائدہ آیت ۲۹ سے

اس کی معافی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ سرقہ کی سزا دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

الحاصل واقعہ عجل سے یہ بات غلطی واضح ہو گئی کہ مرتدین کی ایک جماعت کو جس کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی حق تعالیٰ نے محض ارتداد کے جرم میں نہایت اہانت اور ذلت کے ساتھ قتل کر لیا۔ اور ارتداد بھی اس درجہ کا قرار دیا گیا کہ توبہ بھی ان کو خدائی سزا سے محفوظ نہ کر سکی۔ بلکہ توبہ کی مقبولیت بھی اسی صابرانہ مقبولیت پر مرتب ہوئی۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے۔ وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں۔ اور ان کی اقتداء کرنے کا امر ہم کو بھی ہے جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر ہماری کتاب اس حکم سے ہم کو علیحدہ نہ کر دیں۔

چند انبیاء و مرسلین کے تذکرہ کے بعد جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں نبی کریم ﷺ کو خطاب ہوا ہے کہ :

”أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ أَقْتَدِ ۚ ۱۰ ۱۰ الانعام آیت ۹۰“

﴿یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی تو آپ بھی ان کی ہدایت پر چلئے﴾
یہ خطاب فی الحقیقت ہم کو سنانا ہے۔ خود محمد علی (مرزائی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

”قرآن شریف میں کسی انسان کا ذکر ہو یا کسی قوم کا سب مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ہے۔“
(بیان القرآن ص ۵۴)

پس اس قاعدہ سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کو ہوگی۔

مرتد کا فیصلہ سنت رسول اللہ ﷺ سے

خصوصاً جب کہ دوسری آیت کی معیت میں خود رسول اللہ ﷺ کا نام و تمام فیصلہ

بھی (جو: "لَيْبَتَيْنِ لِلنَّاسِ مَآثِرُ لَإِيْهِمُ . النحل آیت ۴۴" کے تحت میں داخل ہے) یہی ہوا کہ :

”من بدل دینہ فاقتلوه“ ﴿جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو﴾

(صحیح بخاری ص ۴۲۳ ج ۱ ص ۲۳: ۲۴)

محمد علی (مرزائی) نے بخاری کی اس حدیث کے ساتھ خوب ٹھٹھا کیا ہے۔ اور اس طرح اپنے دل کی گندگی کو اور بڑھایا۔ کہتے ہیں کہ :

”یہاں دین سے کیا مراد ہے۔ کیا ہر ایک دین کو بدلنے والا واجب القتل ہے تو یہودی سے کوئی نصرانی بنے یا ہندو سے عیسائی وہ بھی واجب القتل ہوگا۔“

(نعت اللہ کی سنگاری ص ۵ طغص)

کیا محمد علی (مرزائی) ایمان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ یہ لکھ رہے تھے خود ان کا ضمیر اندر سے ان پر لعنت نہیں کر رہا تھا؟ کیا واقعی طور پر وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک لفظ کا بھی کوئی ایسا مطلب لینا جائز سمجھتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہو کہ ہر شخص جو اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتا جائے اسے تم قتل کرتے جاؤ۔ یہاں تو آپ معنی ڈالنے پر سوامی دیانند سے بھی گئے سبقت لے گئے۔ جس وقت آپ کے دل میں یہ سوال آیا تھا کہ حدیث میں جو مسلمانوں کو خطاب ہے: ”من بدل دینہ فاقتلوه“ اس میں کونسا دین خدا کے رسول کی مراد ہے تو اس کے جواب میں قرآن کی آواز پر کان دہرا ہوتا۔ جو کہتا ہے کہ :

”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ . آل عمران آیت ۱۹“

﴿بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے﴾

”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ . آل عمران آیت ۱۹“

﴿جو کوئی اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا

جائے گا۔﴾

مگر آپ کے دل میں تو وہ خدا کا دین ہے ہی نہیں۔ اس لئے آپ مجبور ہیں کہ

کافروں کے دین کی طرف جائیں۔ (الاناء یتروشح بما فیہ)

بہر حال حدیث صحیح نے مرتد کے معاملہ میں خواہ وہ سر پیکار ہو یا نہ ہو فیصلہ کر دیا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ حضور نے کمال بلاغت سے من ارتد عن دینہ نہیں فرمایا کہ شاید کسی کو شبہ ہو تا کہ یہ صرف اس کے حق میں ہے جو مثلاً یہودیت وغیرہ کسی مذہب باطل کو چھوڑ کر اسلام میں آیا تھا پھر ادھر ہی لوٹ گیا بلکہ من بدل دینہ فرمایا کہ واجب القتل ہونے کے لئے خدائی دین کو تبدیل کرنا کافی ہے ضرورت نہیں کہ جس مذہب سے آیا تھا اس میں لوٹ کر جائے۔

خدائے عزوجل اور رسول خدا ﷺ دونوں کا فیصلہ مرتد کے متعلق

یہاں تک تو آپ نے مرتد کے بارہ میں خدا اور رسول ﷺ کا الگ الگ فیصلہ سنا۔ اب یک جائی بھی سن لیجئے :

حضرت ابو موسیٰ اشعرئ اور معاذ بن جبلؓ پر رسول اللہ ﷺ نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بغرض ملاقات آئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا۔ پھر یہودی بن گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت معاذؓ سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا : ”قضاء اللہ ورسولہ“ یعنی یہ اللہ کا اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۰ ج ۲)

زنادقہ کے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ

یہ تو آپ نے ان دو صحابیوں کا ذکر سنا جو غالباً آپ کے خیال میں علماء دیوبند — بھی زیادہ تک نظر نہ آئے۔ اب ان کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کو اللہ و جہ

کی (بھول آپ کے) تنگ نظری بھی ملاحظہ کیجئے :

”عن عكرمة قال اتى علىٰ بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس فقال لو كنت اذالم احرقهم لنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتعدوا بعذاب الله ولقتلهم لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم من بدل دينه فاقتلوه . صحيح بخارى ص ۲۳۰ ج ۲“

﴿حضرت علیؑ کے پاس چند زنادقہ لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلادیا۔ یہ خبر ابن عباسؓ کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو سزا مت دو۔ البتہ میں ان کو قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنا دین تبدیل کرے۔ اس کو قتل کر دو۔﴾
حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں روایات نقل کی ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ یہ زنادقہ مرتدین تھے۔ پھر بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

”ومن الزنادقة الباطنية وهم قوم زعموا ان الله خلق شيئاً ثم خلق منه شيئاً آخر فدير العالم باسره . وبسمونها العقل و النفس الى قوله ولهم مقلات سخيفة فى النبوات وتحريف الايات وفرائض العبادات . فتح البارى ص ۲۳۹ ج ۱۲“

﴿اور زنادقہ میں ہی سے باطنیہ فرقہ ہے (جن کے خیالات تخلیق عالم کی نسبت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبوت اور تحریف آیات و عبادات میں ان کے اقوال نہایت زکیل (یہودہ) ہیں۔﴾

اس سے ظاہر ہوا کہ جس کو فقہا زندقہ کہتے ہیں وہ مرتد ہی ہے۔ اور زنادقہ و مرتدین کا حکم آپ کو معلوم ہو چکا۔

قتل مرتد کا فیصلہ اجماع ائمۃ الاسلام ہے ؟

قرآن و سنت کے بعد تمام ائمۃ الاسلام کا متفقہ فیصلہ بھی قتل مرتد کے متعلق سن

لیجئے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں :

”وقد اتفق الاثمة على ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلى ان قتل الزنديق واجب وهو الذي يسر الكفر ويتظاهر بالاسلام“ ص ۱۶۵ ج ۲

﴿تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے یا زندق ہو اس کا قتل واجب ہے اور زندق وہ ہے جو اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے مظاہرہ کرتا رہے۔﴾

اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے :

”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا“ النساء آیت ۱۱۵

﴿جس کسی نے رسول کی مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مؤمنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلا تو ہم اس کو حوالے کریں گے اس چیز کے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں اور وہ ہراٹھکاتا ہے۔﴾

قتل مرتد کے متعلق قیاس شرعی اور عقل سلیم کا کیا حکم ہے

چونکہ مضمون اندازہ سے زیادہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے قرآن، سنت اجماع پیش کرنے کے بعد چند الفاظ حافظ ابن قیمؒ کے نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہو گا کہ کافر حرلی اور مرتد کا قتل کیا جانا عقل سلیم اور قیاس صحیح کا اقتضاء ہے۔ فرماتے ہیں :

”فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية على النفس فكانت عقوبة من جنسه وكالجناية على الذين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولى بالقتل وكف عدوان الجاني عليه من كل عقوبة اذ بقاءه بين اظهر عباده مفسدة لهم ولا خيرير جى فى بقاءه ولا مصلحة فاذا

حبس شرہ وامسک لسانہ وکف اذاه والتزم الذل والصغارو جریان احکام اللہ ورسوله عليه واداء الجزية لم یکن فی بقائه بین اظهر المسلمين ضرر عليهم والدنيا بلاغ ومتاع الی حین وجعله ایضا عقوبة الجنایة علی الفروج المحرمة لما فیها من المفساد العظیم واختلاط الانساب والفساد العام . اعلام الموقعین ص ۲۱۸ ج ۲

ﷻ خدا تعالیٰ نے کئی طرح کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ ان میں سے قتل سب سے بڑے جرم کی سزا ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی بے گناہ کو ہلاک کر دینا یا کسی عورت کی آمدوریزی کر کے منہ کالا کرنا یا دین حق پر طعن کرنا اور اسے پھر جانا۔ اور جب قتل عمد کی سزا قتل ہے تو دین برباد کرنے کی سزا بطریق اولیٰ قتل ہونی چاہئے کیونکہ ایک نفس کا ہلاک دین کی تباہی سے زیادہ قبیح نہیں ہے۔ پس اس شخص کا وجود جو دین حق پر طعن کرے یا اس سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت کے اندر بڑی خرابی کا باعث ہے جس کے باقی رکھنے میں کسی نیکی اور بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی ہاں اگر وہ طعن کرنے والا اپنی زبان کو روک لے اور اپنی شرارت سے باز رہے اور مسلمانوں کو دکھ نہ دے اور ذلیل و خوار اور خدا اور رسول کے احکام کے سامنے پست ہو کر رہنا پسند کرے۔ تو اس چند روزہ زندگی میں اس کے لئے گنجائش ہے۔

یہاں تک ہم نے ادلہ اربعہ سے قتل مرتد کا بقدر کفایت ثبوت پیش کر دیا ہے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔

یہ بات رہ گئی ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن کی وہ آیات پیش کی ہیں جن میں مرتد کے اعمال حبط ہونے یا ان پر لعنت برسنے یا آخرت میں غضب اور عذاب ہونے کا ذکر ہے ان آیات میں ساتھ کی ساتھ اس کے قتل کئے جانے کا حکم مذکور نہیں۔

لیکن اس میں تو غالباً مرتدوں کو بھی تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے پر حق تعالیٰ نے جس جگہ قرآن میں یہ فرمایا ہے :

”وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ

عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا . النساء ۹۳“

اور جو شخص کسی مسلمان کو عداً قتل کرے گا تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہوگی جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا اور اس پر اللہ غضب اور لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے خدا نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

تو اس کا بدلہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ اس کو دوزخ میں خلود ہوگا اور اللہ کا غصہ اور اس کی لعنت اس پر ہے اور خدا نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو کیا اس جگہ صرف اخروی سزا مذکور ہونے سے مرزائیوں کے مایہ ناز مفسر کے نزدیک قاتل کو بھی دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اگر یہی آپ کی قرآن فہمی اور نکتہ سنجی ہے تو اپنے نام نہاد اسلام اور اس کے فلسفہ کو آپ دنیا میں خوب نیک نام کریں گے۔

اگر آپ قاتل کی نسبت فیصلہ کرنے میں آیت مذکورہ کے ساتھ قرآن کی دوسری آیات کو بھی ملاتے ہیں تو مرتد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ایسا کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ کتنی ہی کوشش کیجئے اور احادیث و آثار سے بھاگ کر قرآن کی پناہ لیجئے۔ مگر قرآن آپ کو ضرور دھکے دے گا اور آپ کے حیل فاسدہ کے منہ پر طماچے مارے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھاگنے والے کے واسطے خداوند تعالیٰ کے یہاں کوئی پناہ نہیں ہے۔

مرتد کی نسبت اسلامی حکومت کا فیصلہ

قرآن، حدیث، اجماع، قیاس کے فیصلوں کے بعد ایک خالص اسلامی حکومت (افغانستان) کا فیصلہ بھی وہی ہونا تھا جو ہوا۔ لیکن جب سے دولت عالیہ افغانیہ کی سب سے بڑی شرعی عدالت نے نعمت اللہ قادیانی کو اس کے ارتداد کے جرم میں نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کر لیا ہے مرزائی امت نے اس خالص اسلامی قانون کی تنفیذ اور رسول اللہ ﷺ کی ایک محکم سنت کے احیاء کے خلاف سخت شور و ہنگامہ مپا کر رکھا ہے۔ کبھی وہ افغانستان کے مقابلہ پر امریکہ اور یورپ کو ابھارتے ہیں۔ کبھی ہندوؤں سے فریاد کرتے ہیں۔ کبھی آزاد منش لیڈروں کو اکسا نا چاہتے ہیں اور سب سے آخر میں رائے عامہ سے اپیل کی جاتی ہے۔ مگر ان کو بدرکھنا چاہئے کہ قتل مرتد کا قانون نہ تو یورپ و امریکہ کی حکومتوں کا

بنایا ہوا ہے اور نہ کانگریس یا کسی اور دنیوی انجمن کی منتظمہ کمیٹی سے اس کی منظوری میں رائے لی گئی ہے۔ اور نہ ہی پبلک کے غوغائے عام یا ووٹروں کی کثرت کو اس کے پاس کئے جانے میں کچھ دخل ہے۔ وہ تو ایک آسمانی فیصلہ ہے جو خدا کے ان وفادار بندوں کے ہاتھوں سے نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جن کی نسبت قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا ہے :

”فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ . يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ . ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ . مَائِدَہ آیت ۵۴“

﴿تو قریب ہے کہ خدا لائے گا ایک ایسی قوم کو جن کو وہ محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتی ہے کافروں کے مقابلہ میں غالب اور مؤمنین کے سامنے خاکسار جو جہاد کرے گی خدا کے راستہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے گی یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے۔﴾

وہ ایک فرمان رسالت ہے جس کا احتمال ان ہی سعید روحوں کا حصہ ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے باغیوں کی سرکوبی کے لئے سارے جہان میں سے چن لیا ہے اور جن کو اس نے محض اپنے افضال سے : ”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ . الْفَتْحِ آیت ۲۹“ کا تمغہ مرحمت فرمایا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دور فتن میں جب کہ الحاد اور لامذہبیت کی رو کے خلاف کوئی کام کرنے کی بہت ہی کم جرات ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امیر غازی ایدہ اللہ بعونہ ونصرہ نے اس سنت سیہ کو زندہ کر کے بارگاہ الہی اور قلوب مؤمنین میں وہ عزت پیدا کر لی ہے جو انسانوں کی دی ہوئی اور بادشاہوں کی تسلیم کی ہوئی عزتوں سے بالاتر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص جس گورنمنٹ کے قانون کو قبول کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے اس کی پشت پر اس گورنمنٹ کی ساری طاقت ہوتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جو بادشاہ خدائی قانون کی حمایت اور تنفیذ کرے خدائی طاقت اس کی حامی اور سرپرست ہو۔ اسی لئے ہم کو یقین رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ حضرت امیر غازی جس وقت تک قانون الہی کو بلا خوف ”لومۃ لائم“ اپنا دستور العمل بناتے رہیں

گے۔ خدائی طاقت ان کو ہر شیطانی طاقت کے مقابلہ میں مظفر و منصور کرے گی :

”فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ . وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ .“ تحریم آیت ۴

آج تاجدار افغانستان نے اقامت حدود الہیہ سے قرن صحابہؓ کی یاد تازہ کر دی اور رسول کریم ﷺ کی روح مبارک کو خوش کرنے میں اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کی کہ دنیا ان کو وحشی سمجھے گی یا جاہل۔

انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اسلام کے حقیقی حسن و جمال اور قدرتی سادگی و خوب صورتی سے پردہ اٹھادیا اور اس نے ہٹاؤٹی خوب صورتی اور مصنوعی رنگ و روپ سے اس کو بے نیاز ثابت کر دیا جس میں اسلام کے نادان دوست یا نادان دشمن اسے پیش کر رہے تھے۔

امیر کامل جیسے خالص خود مختار اسلامی فرمان روا سے اسلام کی یہ خدمت کچھ زیادہ عجیب نہیں۔ لیکن تعجب اور تعجب سے زیادہ مسرت ہم کو اس بات پر ہے کہ غلام ہندوستان کے اسلامی اخباروں کو (جن میں معزز زمیندار اور سیاست خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) حق تعالیٰ نے ایسی سیدھی سمجھ اور مؤمنانہ جرأت اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے بصیرت کی وہ روشنی عطا فرمائی ہے۔ جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اسلام کی اصلی ہیئت اور فتنہ عظیمہ مرزائیت کے کفریات اور بد نتائج کا مشاہدہ کرنے کے لئے غافلوں اور بے خبروں کی آنکھوں کے سامنے اجالا کر دیا ہے۔

مسلمان قوم کے حق میں یہ بڑی مبارک قال ہے کہ اس کے مؤقر اخبار تجارتی مقاصد اور لومۃ لاثمین کی پرواہ نہ کر کے ٹھیک ٹھیک اسلامی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی حمایت پر علیٰ وجہ البصیرۃ کمر بستہ ہوں۔

ان اخباروں کی روش افغانستان کے اس فعل کی تائید و تحمیل میں حق پرست مسلمانوں پر یہ ثبات کر رہی ہے کہ یہ اخبار محض کسب زر کا آلہ نہیں بلکہ اسلام کے بہترین خادم ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ حد سے بڑھے ہوئے آزاد مسلمانوں کے جذبات و محسوسات کی ٹرین کو کچھ پیچھے ہٹا کر اسی سیدھی لائن پر کھڑا کر دیں۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہؓ نے عرب کی زمین پر بچھائی تھی۔

لاہوری پارٹی کے امیر (محمد علی مرزائی) تو لکھتے ہیں کہ :

”افغانستان کے ایک فعل نے اسلام کی ترقی کو دس سال اور پیچھے ڈال دیا۔“

(نعت اللہ کی سنگاری ص ۱۰)

مگر میں انہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ دس سال نہیں۔ اس نے اولوالامر مسلمانوں کو نہایت ہی مملکت آزادی کی طرف ترقی کرنے سے تیرہ سو سال پیچھے ہٹا دیا ہے۔

مرزائیوں کو بڑی فکر ہے کہ افغانستان کا یہ فعل جب اسلام کی طرف منسوب ہوگا تو غیر مسلم قومیں اسلام سے نفرت کرنے لگیں گی اور یہ سمجھ جائیں گی کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے قائم رکھا جاسکتا ہے اور یہ ایک بڑی روک اشاعت اسلام کے راستہ میں ہوگی۔

لیکن قرون اولیٰ کا تجربہ ہم کو یہ بتاتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ اور دوسرے خلفاءؓ کے عہد میں ارتداد کا فیصلہ حضور ﷺ کے حکم کے موافق تلوار کی نوک سے کیا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض اوقات سر زمین عرب کا وسیع رقبہ مرتدین کے خون سے رنگین ہو گیا۔ اس وقت اشاعت اسلام کی رفتار ترقی اس قدر سریع اور حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ جسے حضور ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے میں ثابت کر چکا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے حکم: ”من بدل دینہ فاقتلوه“ کی تعمیل میں ایک لمحہ کا توقف بھی روانہ رکھتے تھے۔ لیکن مرزائیوں کے لئے یہ کس قدر تعجب اور غصہ کا مقام ہوگا کہ ان ہی صحابہؓ کے عہد میں ہشمار کفار اسلام کے حلقہ بگوش بنتے گئے۔ نہ تو وہ قتل مرتدین کو دیکھ کر اسلام سے بدگمان ہوئے اور نہ انہوں نے حاملین اسلام سے نفرت کی۔ بلکہ وہ یہ دیکھ کر کہ مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ جہاں تمام یہود و نصاریٰ اور دوسری غیر مسلم اقوام اس طرح آزادانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے مذہبی وظائف کو بلا روک ٹوک چلا لاتی ہیں۔ کسی مرتد کا مہر بے قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان صرف ایک ہی چیز کے خواہاں ہیں اور وہ یہ کہ ان کے دین میں زہریلے جراثیم کی تولید نہ ہونے پائے۔ اور کبھی ہو جائے تو اس کو ترقی اور تعدیہ کا

موقع نہ ملے۔ جراثیم ارتداد کا فائدہ کافی الحقیقت یہ ہے سچ ایمانداروں کی حفاظت کرتا ہے۔
مرتد کا جو ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات
میں تشویش اور ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عہد رسالت میں اپنے آدمیوں کو: ”اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی الذِّیْنِ
اٰمِنُوْا وَجْہَ النَّہَارِ وَاٰکْفُرُوْا اٰخِرَہٗ“ آل عمران آیت ۷۲ کا مشورہ دیتے تھے۔ ان
کی غرض بھی ”لعلہم یرجعون“ ہی تھی یعنی یہ کہ کچھ مصنوعی مسلمانوں کو اسلام سے
پھرتے ہوئے دیکھ کر سچے مؤمنین کو بھی جھوٹ اور باطل کی طرف آنے کی ترغیب ہوگی۔ یا
کم از کم یہ خیال کر کے کہ آخر کچھ تو وجہ ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے
منحرف ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں بھی ایک طرح کا تردد اور تذبذب پیدا ہو جائے گا۔
اسی لئے اسلام نے ارتداد کے مملک جراثیم کو تباہ کر ڈالنے کے لئے پوری قوت
استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

بہتر ہے کہ مرتد کو اولاً سمجھاؤ۔ اس کے شبہات کا ازالہ کرو۔ اگر وہ خدا کی کھلی کھلی
آیات دیکھنے اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی اپنی معاندانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔
اور اپنی ہواد ہوس یا اوہام باطلہ کی پیروی سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کی جماعت کو اس کے
زہریلے وجود سے پاک کر دو کہ: ”تَبٰیۡنَ رَشَدَمِنَ الْغٰی“ کے بعد دین میں کوئی اکراہ
نہیں ہے: ”لِیَہٰلَکَ مِّنْ ہٰلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَّیُحٰیۡیَی مِّنْ حَیٍّ عَنْ بَیِّنَۃٍ“ الانفال
آیت ۴۲

ایک شخص اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہڈی کے ریزے ادھر ادھر
گھس گئے۔ سولہ سر جن کا کام یہ ہے کہ ہڈی کو جوڑے، زخم صاف کرے، پٹی باندھے اور
مرہم لگائے۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے زخم مندمل نہ ہو سکے بلکہ اس کے سرایت کرنے اور باقی
ٹانگ کو بھی خراب اور مسموم کر ڈالنے کا اندیشہ ہو تو کیا اس وقت اس سولہ سر جن کا یہ ایک
مشفقانہ فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ ٹانگ کے مسموم حصہ کو کاٹ کر پھینک دے اور فاسد عضو
بدن پر یہ سمجھ کر کچھ رحم نہ کھائے کہ گھوڑے سے گرنا اور ٹانگ ٹوٹ جانا اور مریض کا زخم

مندمل نہ ہوتا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس وقت سول سر جن کا فرض یہ دیکھنا نہیں کہ آیا مریض نے اپنے اختیار سے مرض کو پیدا کیا ہے یا بے اختیاری طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ اپنے اختیار کو دیکھنا ہے جسے وہ مریض کے بقیہ اعضا بدن کو چھاننے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ ارتداد ایک سخت زہریلا مادہ ہے جو جسم مسلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ خدائی سول سر جن جب اس کی تحلیل یا اثر ارج کی تدبیر سے تھک جاتے ہیں تو: ”آخر الحیل السیف“ کے قاعدہ سے اس عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ اور وہ ایسا کرنے کے وقت خدا کی طرف سے: ”وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ . الْفَوْرُ آیت ۲“ اور: ”وَاعْلَظْ عَلَيْهِمْ . توبہ آیت ۷۳“ کے مخاطب ہوتے ہیں۔

کسی سخت آپریشن کا مشاہدہ کرنے سے بعض اوقات نازک دل عورتیں یا بعض ضعیف القلب مرد بھی غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کمزور دل ڈاکٹر اس سے متاثر ہو کر آپریشن چھوڑ بیٹھے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بزار حمل ہے بلکہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے منصب سے معزول کر دینے کے قابل ہے۔

ہم کو خدا کا بڑا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کہ اس نے موجودہ عہد انحطاط میں امیر غازی امان اللہ خان اور ان سے پہلے ان کے والد مرحوم کو وہ اختیارات بخشے اور ان اختیارات کے استعمال کی توفیق مرحمت فرمائی جو جسم مسلم کو نہایت ہی سخی آلائشوں سے پاک کرنے اور اصلاح پر لانے کے لئے ضروری تھے۔ اگر بغرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ امیر صاحب کے اس فعل سے اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت اسلام میں اس سے بڑی بھاری مدد ملے گی اور شاید قادیان کی کسی چوتھی بحری کو اب مدت تک یہ ہوس نہ ہوگی کہ اعلانیہ افغانیوں کے اسلام یا ان کی متحدہ قومیت میں سینگ مار کر کابل کے فتح خانہ سے شہادت کا فخر حاصل کرے۔

مرزا محمود (قادیانی) ہو یا محمد علی (لاہوری) ان کو چاہئے کہ وہ دول یورپ یا سوراچی ہندو مسلمانوں کو اتنا بے وقوف نہ سمجھیں کہ وہ سب کے سب امیر کابل کو آپ کے کہنے سے اتنا سفاک اور جاہل سمجھ لیں گے کہ وہ دول غیر کے تمام سفراء کو اس قدر ماموں و مصئون

رکھنے اور افغانی ہندوؤں کو ہندوستانی ہندوؤں سے زیادہ آزادی اور طمانیت عطا کرنے کے باوجود مشق تیغ آزمائی یا ہجر واکراہ اسلام پھیلانے کے لئے قادیان کی ایک بحری (نعمت اللہ) پر شمشیر چلا کر خوش ہوتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ کسی آدمی کو عداوت کر ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ مگر قرآن نے جس کو فتنہ کہا ہے وہ قتل سے بھی بڑھ کر سخت ہے: ”وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ . البقرہ آیت ۱۹۱“ ”وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ . البقرہ آیت ۲۱۷“

یہ فتنہ دین حق سے ہٹنے یا ہٹائے جانے کا فتنہ ہے۔ جس پر: ”وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يُفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ . مائدہ آیت ۴۹“ میں متنبہ کیا گیا ہے اور جس کو حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے مرتد گو سالہ پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے: ”يَقَوْمُ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ . طہ آیت ۹۰“ سے تعبیر فرمایا تھا اور جو ان کفار کا ہمیشہ مطمع نظر رہتا ہے۔

جن کی نسبت قرآن میں کہا گیا ہے:

”وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً . النساء آیت ۸۹“

﴿وہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ۔﴾

”وَدَّكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا .

حسد امین عند انفسہم . البقرہ آیت ۱۰۹“

﴿بہت سے اہل کتاب ازراہ حسد یہ آرزو رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد

پھر کافر بنا دیں۔﴾

”وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا .

البقرہ آیت ۲۱۷“

﴿وہ ہمیشہ تم سے اس لئے جنگ کرتے رہیں گے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو

تمہارے دین سے ہٹا دیں۔﴾

اسی فتنہ کے روکنے اور مٹانے کے لئے وہ جارحانہ اور مدافعتیہ جہاد باسیف مشروع

کیا گیا جس کا خیال مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کے لئے لاہوری پارٹی کا لغوی اور محمودی پارٹی کا بروزی نبی مبعوث ہوا ہے۔ پڑھو: ”وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۚ الْبَقْرَةُ آیت ۱۹۳“

﴿دشمنان اسلام سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ کا وجود نہ رہے اور خدا کا دین ہی غالب ہو کر رہے﴾ (جیسا کہ: ”لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ الْفَتْحُ آیت ۲۸“ سے مفہوم ہوتا ہے۔)

صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے اور سنن ابن ماجہ میں عمران بن حصینؓ سے منقول ہے کہ اس فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۰ ج ۱۳) اور اسی طرح اشارہ صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں موجود ہے۔

پس اسلام کا سارا جہاد و قتال خواہ ہجوم کی صورت میں ہو یا دفاع کی، صرف مرتد بننے یا ہانے والوں کے مقابلہ میں ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ فتنہ ارتداد یا اس کے خطرہ سے مومنین کی حفاظت کی جائے اور یہ جب بھی ہو سکتا ہے کہ مرتدین کا جو مجسم فتنہ ہیں استیصال ہو اور مرتد ہانے والوں کے حملوں اور تدبیروں اور ان کی شوکت و قوت کو جس سے وہ مسلمانوں کے ایمان کو موت کی دھمکی دے سکتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے روکا جائے یا توڑا جائے۔

چنانچہ کفار اگر جزیہ دے کر اسلامی رعایا بننے یا مسلمانوں کے امن میں آجانے یا یہی مصالحت اور معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو عملاً مطمئن کر دیں کہ وہ ان کے دین میں کوئی رخنہ اندازی نہ کریں گے اور ان کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد ہانے جانے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا تو ایسی اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔

”حَتَّى يُمِطُوا الْجُزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۚ التَّوْبَةُ آیت ۲۹“

﴿یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے ذلیل ہو کر﴾

”وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ التَّوْبَةُ آیت ۶“

﴿اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔﴾

”وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ . الْإِنْفَالِ آیت ۶۱“

﴿اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو۔﴾

”فَإِنْ اعْتَرَفُواكُمْ فَلَمْ يَغَابِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلْمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا . النِّسَاءِ آیت ۹۰“

﴿پھر اگر وہ تم سے علیحدہ رہیں اور نہ لڑیں اور صلح کی سلسلہ جنبائی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تم کو کوئی راستہ نہیں دیا۔﴾

”وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَابِلُوهَا أَيْمَةُ الْكُفْرِ . التَّوْبَةِ ۱۲“

﴿اگر عہد و پیمان کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر زبان درازی کریں تو لڑو تم کفر کے سرداروں سے۔﴾

پس جہاد بالسیف خواہ ہجوئی ہو (یعنی بطریق حفظ تقدّم) یا دفاعی (یعنی بطریق چارہ سازی) صرف مؤمنین کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور یہ ایک ایسا فطری حق ہے جس سے کوئی علقمد اور مذہب انسان مسلمانوں کو محروم نہیں کر سکتا۔ اس لئے احکام جہاد کی نسبت جو قرآن میں بھڑت موجود ہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ: ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ . الْبَقَرَةِ آیت ۲۵۶“ اور: ”أَقَانَتْ تُكْرِهَةُ النَّاسِ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ . يُونُسِ آیت ۹۹“ کے معارض ہیں۔ بلکہ کہا جائے گا کہ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ البتہ جو فتنے دین میں رخنے ڈالتے ہوں ان کے روکنے میں ضرور اکراہ ہے۔ یعنی جہاں تک مسلمانوں کی طاقت میں ہوگا فتنہ کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے سرٹکا لے یا نشوونما پائے۔

اگر اسلام کی اسی حفاظت خود اختیاری کے معنی اس کا بزور شمشیر پھیلا یا جانا ہے تو

میں اقرار کرتا ہوں کہ بیشک ایسی حفاظت کے لئے شمشیر استعمال ہوتی ہے اور برابر ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہیں خدا ایسی قوت اور توفیق بخشے گا استعمال ہوتی رہے گی: ”الجهاد ماض الى يوم القيامة۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۱ سنن ابی داؤد ج ۱ ص حاشیہ ۲۴۷ کتاب الجہاد“ خواہ قادیان کا متنبی اپنے قلم کی چوں چوں سے کتنا ہی اس تلوار کی جھنکار کو پست کرنا چاہے۔

ہم حمد اللہ! خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کے بہت سے دانا دشمنوں نے اس امر کی حمایت میں کہ اسلام ہر گز بدور شمشیر نہیں پھیلا موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں۔ اور کیسی خوب صورتی اور دانائی سے ایک سچی بات کہہ کر دوسری سچی بات (جہاد بالسیف) کی اہمیت اور ولولہ کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنا چاہا ہے اور اسلام کے بہت سے دانا دوست بھی ان کی اس منافقانہ ہمدردی کا شکار ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی اصلاح کی قیمتی سچی بات سے مسئلہ جہاد کے بازو کتر ڈالے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ قائمین بالحق کا گروہ نہ تو کسی کی تجہیل و تحمیق سے ڈرتا ہے۔ اور نہ کسی کی مکاری اور چرب لسانی سے پیچتا ہے۔ وہ بلا خوف تردد کہتا ہے کہ تم حقیقت جہاد سے جاہل ہو، اور خدائے قدوس کی انتہائی وفاداری اور اس کی راہ میں شجاعانہ سرفروشی کو اگر تم وحشیانہ حرکت اور مذہبی دیوانگی سے موسوم کرتے ہو تو ہم اپنی دیوانگی اور تمہاری فرزانگی کی نسبت مولانا راویؒ کی زبان میں صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں:

آز مودوم	عقل	دور	اندیش	را
بعد ازیں	دیوانہ	سازم	خویش	را
اوست	دیوانہ	کہ	دیوانہ	نہ شد
اوست	فرزانہ	کہ	فرزانہ	نہ شد

بہر حال قتل مرتد یا جہاد بالسیف کا حکم مسلمانوں کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے جس کا اول مخاطب امام صاحب اقتدار ہوتا ہے۔ جن ممالک میں مسلمانوں کا امام صاحب اقتدار نہ ہو وہاں عام مسلمان اس قسم کے احکام کے مکلف نہیں ہیں (جیسے ہندوستان ہے) بلکہ علیہ ہندوستان کے مرتد یا غیر مسلم اقوام کو نعت اللہ خان کے قتل سے خوف کھانے کی کوئی

وجہ نہیں۔ بلکہ خود افغانستان کی غیر مسلم رعایا یا مستانین کو بھی جیسا کہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے کوئی خطرہ نہیں۔ لاہوری پارٹی کے (مرزائی) امیر کی سمجھ میں ابھی تک یہ فلسفہ نہیں آیا کہ : ”ایک ہندو پیغمبر اسلام ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ کر حکومت افغانستان کے ماتحت آزاد ہے۔ ایک عیسائی یا یہودی آپ ﷺ کو نعوذ باللہ مفتری قرار دے کر حکومت افغانستان کے کسی عہدہ پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ کہہ کر کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں یہ نہیں۔ (یعنی خاتم النبیین کا تاویل باطل کے پردہ میں انکار کر کے) واجب القتل ہو جاتا ہے۔“ (نعت اللہ کی سنگاری ص ۸)

مجھے افسوس ہے کہ ایسی سیدھی اور موٹی سی بات امیر جماعت احمدیہ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ وہ کروڑوں انسان جو برٹش قلمرو سے باہر رہتے ہیں۔ اور انہوں نے آج تک انگریزوں کی حکومت اپنے اوپر قبول نہیں کی، آزاد ہیں۔ کہ جو چاہیں قانون اپنے لئے بنائیں اور جس طرز سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ انگریزی حکومت کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہ شخص جو برٹش حکومت اور برٹش قانون کو قبول کر کے انگریزی رعایا بن چکا ہے، وہ چاہے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دے اور سڈیشن یا انار کی پھیلائے اور حکومت کے قانون کو توڑے۔ ساتھ ہی زبان سے یہ بھی کہتا رہے کہ میں انگریزوں کی وفادار رعایا میں سے ہوں حکومت اس سے انغاض نہیں کر سکتی۔ حکومت اگر اس کے لئے پھانسی یا جس دوام کی سزا تجویز کرے تو یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ جب کروڑوں آدمی دنیا میں انگریزی حکومت سے باہر ایسے موجود ہیں جو انگریزی قانون اور اس کی حکومت کو قطعاً نہیں مانتے۔ اور حکومت ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی تو کیا وجہ ہے کہ رعیت ہونے کا اقرار کرنے والے شخص کو سڈیشن کے جرم میں اس قدر سخت اور سنگین سزا دی جا رہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو وہ اس کے حلقہ حکومت میں آگیا۔ اور اس نے اسلام کے پورے قانون کو اپنے حق میں قبول کر لیا۔ اب اگر وہ اسلام کا زبانی دعویٰ رکھتے ہوئے اسلام سے ٹکنا چاہتا ہے اور اس کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی رعیت بننے کے بعد کسی کذاب کو جدید نبی مان کر فی الحقیقت آپ ﷺ کے دعوائے خاتم

النبین کو جھٹلاتا ہے وہ اسلام کا باغی ہے۔ پس اسلام کی طرف سے وہ یقیناً ایسی سزا کا مورد ہوگا۔ جس کے مورد وہ غیر مسلم لوگ نہیں ہیں جو ابھی تک اسلام کے حلقہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور جو: ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“ کہف آیت ۲۹ کی تہدید آمیز آزادی سے ابھی تک متمتع ہو رہے ہیں۔ امیر جماعت احمدیہ سوال کرتے ہیں کہ:

”اگر مسلمان حکومتیں اپنے ملکوں میں یہ قانون بنائیں گی کہ کسی غیر مسلم کو ان کے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں تو اس کے بالقابل کیا عیسائی طاقتیں اسی قسم کا قانون اسلام کے خلاف بنانے میں حق بجانب نہ ہوگی کہ ان کی حکومت میں تبلیغ اسلام کی اجازت نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟۔ یہی کہ تبلیغ اسلام کا کام دنیا میں قطعی طور سے رک جائے گا۔“

(نعت اللہ کی سنگاری ص ۱۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے اختیار سے کسی شخص کو مرتد بنائے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہی قانون افغانستان میں بہت پہلے سے رائج ہے اب اگر اس کے جواب میں محمد علی (لاہوری) یا مرزا محمود (قادیانی) کے مشورہ سے غیر مسلم حکومتیں اپنی قلمرو میں تبلیغ اسلام کو روک دیں تو اگرچہ ہم مسلمان اپنے اس عقیدہ کے موافق کہ آج دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام ہی سچا اور مکمل اور عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے ان کی اس ہمدش کو حق بجانب نہیں کہہ سکتے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ وہ ایسا کر گذریں تو ہم ان کو روک بھی نہیں سکتے، نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف اگر نو مسلموں کا سلسلہ رک جائے گا تو دوسری جانب پرانے مسلمانوں کا اسلام سے ٹکنا بھی ہمد ہو جائے گا اور میں خیال کرتا ہوں کہ موجود دولت کی حفاظت غیر موجود دولت کی تحصیل سے اہم اور مقدم ہے۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی اور ضعیف سے ضعیف سلطنت کی غیرت بھی اس کی اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حاصل شدہ حقوق و فوائد کی حفاظت کیلئے فوج بھرتی کرنے اور بڑی سے بڑی طاقت کی ٹکراٹھانے سے پہلو تہی کرے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ اس تحفظ کے سلسلہ میں اس کے سپاہیوں کا نقصان غنیم کے سپاہیوں سے بہت زیادہ ہوگا۔

پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام اپنے پیروں کے ایمان کی حفاظت میں ایسی غیرت اور

مضبوطی نہ دکھلا دے۔ اس خوف سے کہ اس کو دوسری جگہ بھض غیر حاصل شدہ فوائد سے محروم ہونا پڑے گا اپنے حاصل شدہ حقوق کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے۔

مرزا محمود قادیانی اور محمد علی مرزائی مع اپنی ذریات کے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عیسائی طاقتوں سے ایسا قانون بنوا لیں اور تبلیغ اسلام کے قانوناً روک دیئے جانے کا گناہ اور قتل مرتد کے جواب میں قتل کئے جانے والے نو مسلموں کا خون اپنی گردن پر اٹھالیں۔ لیکن وہ یہ امید ہرگز نہ رکھیں کہ افغانی حکومت ان کی ان دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اپنا اسلامی قانون بدل ڈالے گی اور ان کو یہ موقعہ دیا جائے گا کہ افغانستان کے نہایت ہی پکے اور سچے مسلمانوں میں ایک جھوٹے نبی کا نام لے کر اور غیر مسلموں کے ایجنٹ بن کر تفرقہ اندازی کرتے پھریں۔ محمد علی (مرزائی) کہتے ہیں کہ :

”اسلام کی فتح اس میں نہیں کہ مسلمان ملکوں میں دوسرے مذہب کی تبلیغ رکی رہے۔ بلکہ اسلام کی فتح یہ ہے کہ اسلام کے مخالف اپنی ساری مادی طاقتوں کو خرچ کر لیں اور جس قدر اسلام سے لوگوں کو نکالنے کے لئے لگا سکتے ہیں لگالیں اور آخر دیکھ لیں کہ کس طرح پر وہ ناکام رہتے ہیں۔“ (لغت اللہ کی سنگاری ص ۱۱)

بیچک اس نتیجہ کا ہم کو بھی یقین ہے اور خدا کی مہربانی اور امداد سے ہم کو پورا وثوق ہے کہ اسلام کے خلاف سب و جالانہ کوششیں اندرونی ہوں یا بیرونی آخر کار ناکام ہو کر رہیں گی۔ لیکن اس یقین اور وثوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم برائی کی جس کوشش کو ظہور میں آنے سے پہلے روکنے پر قادر ہوں نہ روکیں اور جس بدی کو نمودار ہونے سے قبل ہی ہم بند کر سکتے ہیں بند نہ کریں۔

اسلام صرف بہادر ہی نہیں، حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی بہادری کے جوش میں اور آخری فتح کے یقین پر احتیاطی تدابیر اور حفاظتی وسائل کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ بطور انجام بینی جہاں تک ممکن ہو فتنہ کے آنے سے پہلے ہی بند لگاتا ہے، اگر اس پر بھی فتنہ کسی جگہ نہ رک سکے تو پھر بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ اور یہ صورت میں انجام دینی ہو تب ہی کہ حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین پر چڑھائی کی۔ لیکن جب انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے (حکم زکوٰۃ نہ ماننے کی وجہ سے) قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ مانع آئے کہ تم کلمہ پڑھنے والوں کے ساتھ قتال کیسے کرو گے؟ آپ نے فرمایا کہ :

”وَاللّٰهُ لَا قَاتِلُنَ مِنْ فِرْقٍ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ“

خدا کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق

(حدیث ص ۲۳۱۰۲۳ ج ۲)

کرے گا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے معترضین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور حق تعالیٰ نے ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ سے فتنہ ارتداد کا استیصال کر دیا۔ اور حق کو وہ فتح و نصرت نصیب ہوئی کہ بعد میں صحابہؓ ابو بکرؓ کے اس کارنامہ پر رشک کرتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ مانعین زکوٰۃ اگر خلیفہ کے مقابلہ میں چڑھ کر آئے تھے تو کیا حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اس کی ممانعت سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو روکتے تھے۔ کیا انہوں نے: ”فَقَاتِلُوا الْبَغِيَّ تَبَغِيَّ حَتَّى تَقْبَلَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ. الْحَجَرَاتِ آيَتِ ۹“ قرآن میں نہیں پڑھا تھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ یہ لوگ باغی ہیں اور خلافت کے مقابلہ پر انہوں نے چڑھائی کی ہے۔ اس لئے ان سے لڑنا ضرور ہے۔ جو جواب دیا وہ صاف ملتا تھا کہ اگر کوئی جماعت مسلمان ہونے کے بعد نماز یا زکوٰۃ یا اسلام کے کسی قطعی حکم کے ماننے سے انکار کرے گی تو اس سے ضرور قتال کیا جائے گا۔ تا وقتیکہ وہ راہ راست پر نہ آجائے۔

ہاں! حنفیہ نے قتل مرتد کے حکم سے عورت کو مستثنیٰ کہا ہے۔ اگرچہ جس دوام کا حکم وہ بھی دیتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ جرم ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی جرم کی دو سزائیں مجرمین کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہیں۔ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ارتداد اسلام سے بغاوت کا نام ہے۔ تو کیا حکمت و انصاف کی بڑی بڑی مدعی گورنمنٹوں کے یہاں بھی بغاوت کے جرم کی سزا ہر ایک مجرم کے حق میں یکساں ہے؟

پس اگر امام ابو حنیفہؒ نے بعض نصوص کے اشارہ سے دو مجرموں کے لئے ایک ہی

جرم کی دوسرائیں تجویز کی ہیں تو اس پر کیا اعتراض ہے؟ کیا شریعت میں آمہ (لوٹڈی) اور حرہ کی حد میں فرق نہیں ہے۔ حالانکہ جرم ایک ہی ہوتا ہے۔ کیا ایک ہی فعل زنا زانی کے محصن اور غیر محصن ہونے کے فرق سے الگ الگ سزاؤں کا موجب نہیں ہے؟ اسی پر مرتد اور مرتدہ کے جرم ارتداد اور اس کے مدارج کو قیاس کر لو۔ یعنی مرتد اور مرتدہ کی سزاؤں کے تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سزا جرم ارتداد کی نہیں ہے۔ زیادہ توضیح چاہو تو بر اور محترم مولانا سراج احمد صاحب اور مولانا میرک شاہ صاحب کے مضامین کا مطالعہ کرو۔

اب میں مضمون ختم کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کے جواب میں مجھے بہت سی گالیاں دی جائیں گی۔ لیکن میری پھر بھی یہی دعا ہوگی کہ خدائے قادر و توانا مرزائیوں کو ارتداد کی دلدل سے نکال کر دنیا و آخرت کی سزا سے چمٹے۔ اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اور بادشاہ اسلام امیر افغانستان کو اجراء حدود اسلامیہ اور محافظ حقوق مسلمین کی پیش از پیش توفیق مرحمت فرمائے :

”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَا لَا تَكُنْ أَخْذَنَا إِنْ نُسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا. رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَلَا طَافَةً لَنَا بِهِ. وَاعْفُ عَنَّا. وَاعْفِرْ لَنَا. وَارْحَمْنَا. أَنْتَ مَوْلَانَا. فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ.“

شبیر احمد عثمانی عفاء اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

تذنیب یعنی

ضمیمہ الشہاب

”حامداً ومصلیاً۔“

خدا کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں جس نے میرے ناچیز رسالہ ”الشہاب“ کو عام و خاص میں وہ حسن قبول عطا فرمایا جس کا مجھے لکھتے وقت کچھ بھی اندازہ نہ تھا۔ الشہاب کی اشاعت شروع ہوئی اور چاروں طرف سے اس کی مانگ ہونے لگی۔ شکریہ اور تحسین کے بہت سے خطوط آئے۔ مسلمانوں کو توقع سے بڑھ کر فائدہ پہنچا۔ اور حق تعالیٰ نے باطل پرستوں کے دلوں میں ایسی ہتھیت ڈال دی کہ آج ڈیڑھ ماہ سے زائد اس کی اشاعت کو ہوا۔ لیکن مرزا یوں کی کوئی پارٹی بھی جواب سے عہدہ آہنہ ہو سکی۔ رسالہ کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر مرزائی دانت پیس رہے ہیں۔ اور ان کے سینوں پر آرے چل رہے ہیں۔ لیکن جس طرح انہیں قبول حق کی توفیق نہیں ہوئی جواب دینے کی ہمت بھی نہیں ہو سکی۔

البتہ آج ۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک رسالہ مسٹر محمد علی مرزائی امیر جماعت احمدیہ لاہور کا اتفاقاً ہمارے ہاتھ آیا جو مزائے ارتداد کے متعلق ان کے پہلے رسالہ کی صدائے باز گشت سے زیادہ نہ تھا۔ اس رسالہ پر ۲۲ دسمبر کی تاریخ پڑی ہے۔ اور دیوبند سے ۱۹ نومبر کو الشہاب ”خود ان کے نام روانہ ہو چکا تھا لیکن آپ اپنے رسالہ کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں کہ : ”مضمون یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ رسالہ الشہاب ملا۔ گویا دیوبند سے لاہور ایک ماہ سے زائد میں رسالہ پہنچا۔“

بہر حال آپ (محمد علی مرزائی) کے جدید رسالہ کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں ہو سکتا

ہے کہ: ”کسی شرعی مسئلہ کے اثبات کے لئے تین چیزیں ہیں۔ قرآن، حدیث، اجتہاد ائمہ۔“
 اجتہاد ائمہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ حدیث بھی غلط روایتوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ
 نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن رہ گیا جو محفوظ ہے۔ پس اس کے
 خلاف جو چیز آئے گی رد کر دی جائے گی۔ اور خلاف کا مطلب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے
 مزعوم معنی اور تفسیر کی رو سے جس مسئلہ میں قرآن خاموش بھی ہو اس کے متعلق صحیح سے
 صحیح اور ناطق سے ناطق حدیثیں بھی یہ کہہ کر نظر انداز کر دی جائیں گی کہ ان کا ذکر قرآن
 میں ان کی بتلائی ہوئی تفسیر کے موافق نہیں ہے۔

اس طرح تمام مسائل اور مباحث کا فیصلہ اس ایک اصول سے ہو جاتا ہے اور کسی
 قسم کی کدو کاوش کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس تمہید کے بعد آپ نے وہ آیات قرآنیہ پیش کی
 ہیں جن میں مرتد کے قتل کئے جانے کا حکم نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کے قتل نہ کرنے کا ذکر
 ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص: ”وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
 فَجَزَاءُ لَهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا
 عَظِيمًا۔ النساء آیت ۹۳“ کو پیش کر کے یہ کہنے لگے کہ قتل عمد کی سزا بھی قتل نہیں
 ہے۔ کیونکہ اس آیت میں باوجودیکہ قتل عمد کا ذکر کیا گیا۔ مگر ساتھ کے ساتھ قاتل کی سزا
 قتل نہیں بتلائی گئی۔

اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سزا دینا اور نہ دینا دونوں سے سکوت
 ہے۔ اور دوسری جگہ قرآن میں: ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ۔ البقرہ
 آیت ۱۷۸“ فرما کر قاتل کی سزا بتلا دی گئی۔

ٹھیک اسی طرح ان کو سمجھنا چاہئے کہ: ”فَاَقْتُلُواْ اَنْفُسَكُمْ۔“ بھی جو مرتدین
 ہی کے متعلق قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے اس میں ہم کو تعلیم دے دی گئی کہ ارتداد کی سزا
 اللہ کے نزدیک قتل ہے۔

آپ نے میرے استدلال قرآنی پر بیچ و تاب تو بہت کھائے اور علماء کو گالیاں بھی
 دیں جو اس نبی (مرزا قادیانی) کے امتی کے لئے نہایت زیبا ہیں۔ جو ذاتاً اخلاق، سب و شتم اور

لعن و طعن کی تکمیل ہی کے لئے شاید مبعوث ہوا تھا۔ لیکن آیت قرآنی: ”فاقتلو انفسکم“ کا کوئی مطلب پھر بھی نہ بتلا سکے۔ آپ نے میرے استدلال پر جو سوالات کئے ہیں ان کا نمبر وار جواب سنئے :

سوال نمبر ۱: کیا گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد تھے؟۔ اگر یہ صحیح ہے تو کسی قوم کا عقیدہ خواہ کچھ ہو کیا عملی طور پر کسی تعلیم سے انحراف پر ارتداد کا فتویٰ صادر ہو سکتا ہے۔ اور کیا آج لاکھوں مسلمان جو قبر پرستی اور کئی قسم کی: ”من دون اللہ“ پرستش میں مبتلا ہیں۔ ان پر ارتداد اور سنگساری کا حکم صادر ہو سکتا ہے؟۔

جواب نمبر ۱: کیا ایمان لانے کے بعد گوسالہ پرستی جس کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو کہ: ”هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُؤَسَّسٌ فَتَسْبِيهِ“ طہ آیت ۸۸ اس کے ارتداد ہونے میں بھی آپ کو کچھ تردد ہیں؟۔ پھر تو کھلی سے کھلی امت پرستی بھی آپ کے نزدیک کفر نہیں ہوگی۔ کیا قبر پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ قبر یا صاحب قبر ہی مسلمانوں کا اور حضرت محمد ﷺ کا معبود ہے۔ (معاذ اللہ)

سوال نمبر ۲: قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ سامری کو جو اس ساری شرارت کا بانی تھا قتل نہیں کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ حکم شریعت کو سب سے بڑے مرتد پر کیوں نہ صادر کیا گیا؟۔ کیا وہ اس قوم کا مولوی تھا اور اس لئے حکم شریعت سے مستثنیٰ تھا۔

جواب نمبر ۲: سامری اس شرارت کا ایسا ہی بانی تھا جیسا آنحضرت ﷺ

کے عہد میں عبد اللہ بن ابی: ”رئيس المنافقين قصه افك.“ کا بانی اور: ”وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ“ النور آیت ۱۱ کا مصداق اعظم تھا۔ مگر آپ کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ حسب روایات صحیحہ اس پر حد قذف جاری نہ کی گئی۔ حالانکہ حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہ مؤمنین پر حد قذف جاری ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفاق کی وجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے کو بچاتے رہتے ہیں۔ جھوٹ بولنے اور بات مٹا دینے میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا ساری کارروائی کر کے بھی قانونی زد سے اپنے کو بچا لیتے ہیں۔ جیسا کہ لاہوری پارٹی باوجود یکہ مرزا قادیانی کی ان کتابوں کے حرف

بحرف صحیح و صادق ہونے پر ایمان رکھتی ہے، جو دعاوی نبوت پر مشتمل ہیں۔ مگر ازراہ خداوند فریب زبان سے یہی کہتی ہے کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے۔ سامری کا نفاق ان سے بھی زیادہ عریق تھا۔ وہ شروع ہی سے مومن نہ تھا۔ بلکہ ایک پکا منافق تھا جو ملت موسوی کی گھات میں رہتا تھا گویا وہ اس عہد کا عبداللہ بن ابی تھا۔ علامہ سید محمود الوسی بغدادیؒ روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں :

”وبالجملة كان عند الجهور منافقا يظهر الايمان وبطنه

لكفر۔ روح المعانی ص ۸۹ ج ۵“ پس جیسا کہ میں رسالہ ”الشہاب“ میں بتلا چکا ہوں منافق کے احکام کھلے ہوئے مرتد سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے سامری ان مرتدین کے ذیل میں نہیں آیا۔ ہاں اس کے فتنہ سے محفوظ کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی: ”فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ“۔ سورۃ طہ آیت ۹۷“

سوال نمبر ۳:..... اگر: ”فاقتلوا انفسکم“ کے یہ معنی درست ہیں کہ

شرک کرنے والے لوگوں کو قتل کر دو تو اس شرک میں ساری قوم مبتلا ہے۔ اس کے بعد جس قوم بنی اسرائیل کا ذکر ہے وہ کہاں سے آئی تھی۔

جواب نمبر ۳:..... یہ آپ ثابت کیجئے کہ گو سالہ پرستی میں ساری کی ساری

قوم مبتلا تھی۔ لفظ قوم تو بارہا قرآن میں ایسے واقعات کے ذیل میں استعمال ہوا ہے جن کا تعلق مخصوص جماعت یا افراد سے تھا۔

سوال نمبر ۴:..... قرآن شریف میں ان کی توبہ قبول کرنے کا بھی ذکر ہے۔

اور اسی واقعہ کا ذکر کر کے یہ بھی فرمایا ہے: ”ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ“۔ البقرہ آیت ۵۲ ﴿﴾ ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿﴾ اگر قتل کر دیئے گئے تو وہ معافی جس پر شکر گزاری کا حکم ہوتا ہے اور جو اسی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے کیا تھی؟۔

جواب نمبر ۴:..... اگر اس آیت میں ان ہی مقتولین کی معافی کا ذکر ہے تو

پیشک نجات اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہو چکی اور جب اس کی مقبولیت کی اطلاع باقی قوم کو دی گئی توبہ ہی تعلقات کی بنا پر ان کو بھی شکر گزار ہونا چاہئے۔

اگر کسی کے ماں، باپ، بھائی، بہن کا جرم حق تعالیٰ معاف کر دے اور اس سے اپنا عذاب اٹھالے تو کیا یہ ایک طرح کا احسان اس شخص پر نہیں ہے؟۔ دیکھو: ”يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓئِيْلُ اٰذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلٰیكُمْۙ ۝۱۰ البقرہ آیت ۴۰“ میں ان بنی اسرائیل کو خطاب ہو رہا ہے جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھے۔ اور جس انعام کا ان پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانا، دریا سے پار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ ان بنی اسرائیل سے متعلق نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے متعلق تھا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔ اور اگر آپ کے نزدیک دنیا میں ہی ان کا جرم معاف ہو چکا تھا تو: ”اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيٰنَا لَهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَذٰلَةُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝۱۰۲ الاعراف آیت ۱۵۲“ کس طرح صحیح ہو گا کیا خدا تعالیٰ ایک جرم معاف کر کے پھر اسی پر سزا بھی دیتا ہے۔

سوال نمبر ۵: کیا یہ صحیح ہے کہ راغب جیسے امام لغت نے: ”فاقتلوا انفسکم۔“ کے معنی یہ بھی لکھے ہیں: ”قیل عنی بقتل انفس اماطة الشهوات۔“ یعنی قتل نفس سے مراد شہوت کا دور کرنا ہے تو وہ تصریح اور ایضاح کہاں رہی جس کا مولوی صاحب کو دعویٰ تھا۔

جواب نمبر ۵: راغب نے یہ معنی خود اختیار نہیں کئے کسی اور کا قول نقل کیا ہے۔ وہ بھی بصیغہ تحریر اور یہ پتہ نہیں کہ اس کا قائل کون ہے۔ اور کس رتبہ اور درجہ کا ہے۔ ایک ایسے مجہول قائل کے غیر معروف قول کے مقابلہ میں کیا۔

”اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيٰنَا لَهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَذٰلَةُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝۱۰۲ الاعراف آیت ۱۵۲“ سے آپ دست بردار ہو جائیں گے؟۔ کیا ”اماطة الشهوات۔“ اور نفس کشی بھی خدا کا غضب اور ذلت ہے ایسے غیر ناشی عند الدلیل احتمالات کسی مضمون کی صراحت اور وضوح کو باطل نہیں کر سکتے۔

یہ تو امیر جماعت احمدیہ لاہور کی قرآن دانی کا حال تھا۔ اب حدیث نبویؐ کا نمونہ

دیکھئے میں نے سنت رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں چند احادیث قولیہ صحیحہ پیش کی تھیں۔ آپ (محمد علی مرزائی) فرماتے ہیں کہ یہ تو نبی کریم ﷺ کے اقوال و ارشادات ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ تو آپ کا عمل ہوتا ہے۔ عمل دکھاؤ۔

بلاشبہ جو لوگ احادیث رسول اللہ ﷺ سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں خدا کی لعنت سے کچھ ایسے خطبی ہو جاتے ہیں کہ موٹی موٹی چیزوں کے سمجھنے کا مادہ بھی ان میں نہیں رہتا اور دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سب کو بھول جاتے ہیں۔ کسی لونی طالب علم سے پوچھ لیا ہوتا کہ علمائے حدیث و اصول صرف فعل رسول اللہ ﷺ ہی کو سنت کہتے ہیں یا حضور ﷺ کے قول کو بھی؟ بلکہ اگر قول و فعل میں معارضہ ہو تو قول کو فعل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امیر جماعت احمدیہ کا اجمال اور قول و فعل میں امتیاز اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحیح حدیث ”قضاء اللہ و رسوله“ کو قرآن کے مقابل صحابی کا ایک فعل قرار دیتے ہیں۔ اور پھر کھیانے ہو کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ مذکور نہیں۔ ہمیں کیا علم ہے کہ اس مرتد نے اور کیا کچھ کیا تھا۔ گویا آپ کا جہل (نہ جاننا) بھی بخاری کی صحیح حدیث کو رد کر سکتا ہے؟

یہ امتی تو اپنے نبی سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی تو کسی حدیث کو رد کرنے کے لئے اپنی وحی کی آڑ پکڑتے تھے۔ لیکن آپ (محمد علی مرزائی) کے یہاں ایک چیز کا نہ معلوم ہونا بھی اس کے رد کرنے کے لئے کفایت کرتا ہے۔

اجماع ائمہ جو میں نے امام شعرانیؒ کی کتاب سے نقل کیا تھا اس کا جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو فرماتے ہیں کہ: ”یستتاب ابدأ“ اور: ”لا قتل الا بحراب“۔ اس کے معارض ہے۔

مگر یہ نہ بتلایا کہ یہ جملے اجماع کے مخالف کس طرح ہیں۔ جن بعض لوگوں کی رائے یتاب لہذا کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرتد قتل سے پہلے ارتداد سے توبہ کر لے پھر ارتداد کیا پھر توبہ کر لی اور اسی طرح کرتا رہا تو توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ اجماع اس پر ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اور ان حضرات کے نزدیک جب توبہ قبول ہو جاتی ہے تو وہ

بعد توبہ مرتد ہی نہیں رہتا پھر کیوں قتل کیا جائے۔ فی الحقیقت یہ جملہ ان علماء کے مقابلہ میں ہے جو فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ مرتد ہونے والے کی توبہ بھی قبول نہیں۔

اور: ”لا قتل الا بالحراب۔“ جس جگہ لکھا ہے وہیں اس کی تفصیل بھی موجود ہے کہ حراب سے بالفعل جنگ کرنا مراد نہیں اور آپ خود بھی: ”إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَوْدَةُ الْمَائِدَةِ آیت ۳۳“ کی تفسیر میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر جگہ حراب کے معنی جنگ کرنے کے نہیں ہوتے اور اس کے شواہد قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں۔ (دیکھیں القرآن ص ۶۱۵)

قیاس شرعی جو میں نے حافظ لن قیّم سے نقل کیا تھا اس کا آپ نے کچھ ذکر نہ کیا بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری عبارت جو میں نے اس سیاق میں نہیں لکھی تھی نقل کر دی اور افسوس کہ اس کا بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔

میرے مضمون میں ایک جگہ ”آخر الحیل السیف“ عربی کا یہ جملہ آگیا تھا جسے کاتب نے نسخ میں لکھ دیا آپ اسے آیت قرآنی سمجھ کر قرآن میں تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بہتر ہوتا کہ آپ اسے کابل کے اسلحہ خانہ میں تلاش کرتے۔ آپ کہتے ہیں کہ جس طرح خلیفہ المسلمین کو یورپین طاقتوں کے دباؤ سے قتل مرتد کا قانون بدلتا پڑا ان علماء کو بھی ذلیل ہو کر ایک دن ایسا کرنا پڑے گا۔

مگر آپ کو یہیں سے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ علماء ربانین کو حق تعالیٰ نے کیا جرات اور قوت قلبی بخشی ہے کہ جو چیز آپ کے اوعاء کے موافق یورپین طاقتوں کے دباؤ سے خلیفہ المسلمین تک کو ممانی پڑی ہے اسے آج تک ہندوستان کے محکوم مولویوں نے نہ مانا تم تمام علماء کو مرزا قادیانی کی طرح بد دل اور ڈرپوک نہ سمجھو۔ چوں اللہ وقوت ایسے علماء قلیل کثیر برہمہ موجود ہیں گے جو تلواروں کی چمک اور مدد قوتوں کی کڑک کے نیچے بھی حق کا اظہار کریں گے۔

اور خدا نہ کردہ اگر افغانستان بھی ایک قانون اسلامی کو تبدیل کر دے گا وہ (علماء) جب بھی تبدیل نہ کریں گے۔ آپ نے تو آخر میں چند سوالات جو پمفلٹ میں کئے تھے پھر

اعادہ کیا ہے لیکن ان سب کا جواب یہ ہے کہ باظہرین کرام ایک مرتبہ ازراہ مہربانی پھر رسالہ ”الشہاب“ کو پڑھ لیں۔

انشاء اللہ تمام وساوس شیطانیہ کے لئے لاحول کا کام دے گا۔ اور کوئی ضروری سوال ایسا نہ ملے گا جس کا جواب اس میں موجود نہ ہو۔ میں تطویل کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ آپ نے عملاً میرے رسالہ کے سارے مضامین کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور جن ایک دو امور کی نسبت یہ دو ایک ورق سیاہ کئے ہیں اس کی ثنائی اور مبسوط بحث ہمارے رسالہ میں پہلے سے موجود ہے: ”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ“

تم ہر برابر اکو لیکن جو کاری ضرب ”الشہاب“ نے تمہاری اصل جیاد پر لگائی ہے وہ خدا کے فضل سے بے اثر نہیں گئی۔ جن کروڑوں مسلمانوں کو آپ کے مرزا قادیانی نے دائرہ اسلام سے نکالا تھا وہ اس رسالہ سے اطمینان پا رہے۔ اور دنیا میں جو چند نفوس مرزا قادیانی نے مسلمان چھوڑے تھے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے ایسا رب ڈال دیا ہے کہ وہ اب ”الشہاب“ کے کسی مطالعہ کرنے والے سے اپنے ارتداد کو نہیں چھپا سکتے۔

ایک طرف اگر مرزائی اور آریہ اور عیسائی چند جالوں کو مرتد بنا رہے ہیں تو دوسری طرف خدا تعالیٰ حق کا نور پھیلا رہا ہے۔ بہت سے غافلوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کی فطری کشش سے اسلام کی طرف جذب ہوتے جاتے ہیں۔

”كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ. وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ

مَحْظُورًا. بنی اسرائیل آیت ۲۰“

تم جلتے رہو اور غیظ کھاتے رہو۔ ہماری طرف سے یہ جواب ہے۔

”قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“

آل عمران آیت ۱۱۹“

الراقم شبیر احمد عثمانی دیوبند

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ

سالانہ رو قادیانیت کورس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ہر سال ۵ شعبان سے ۲۸ شعبان تک مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر ضلع جھنگ میں ”رو قادیانیت و عیسائیت کورس“ ہوتا ہے۔ جس میں ملک بھر کے نامور علماء کرام و مناظرین لیکچرز دیتے ہیں۔ علماء، خطباء اور تمام طبقہ حیات سے تعلق رکھنے والے اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ تعلیم کم از کم درجہ رابعہ یا میٹرک پاس ہونا ضروری ہے..... رہائش، خوراک، کتب و دیگر ضروریات کا اہتمام مجلس کرتی ہے۔

رابطہ کے لئے

(مولانا) عزیز الرحمن جالندھری

ناظم اعلیٰ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضور باغ روڈ ملتان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مجلد دوم
پیش رو، مسیحیت، ہندو، گویا دنیا میں
اور آخری

صدائے ایمان

شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
قادیانیوں کے ایک مضمون کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے کچھ
کے ایک شیر اور پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی
صاحبؒ نے یہ مضمون تحریر کیا۔ جس کا نام ”صدائے ایمان“ تجویز ہوا۔
یہ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ کی تحریر ہے اور جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ میں ٹھیک
بہتر سال بعد دوبارہ شائع کرنے کی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سعادت
حاصل کر رہی ہے۔

فالحمد لله اولاً و آخراً

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد! رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک کچھ ایسی کفر توڑ ہے کہ ہر شخص جس کے دل میں کفر کی کوئی رگ ہو آپ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے اور آپ ﷺ کی مقدس ذات پر حملہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی ترقی میں اس کا زوال اور آپ ﷺ کی زندگی میں اس کی موت ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو اسلام سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم پر اپنا یقین ظاہر کرتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں اور سلام بھیجتے ہیں باوجود اس کے رسول کریم ﷺ کی ذات پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے اور ایسے عقائد و خیالات پھیلاتے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک کی سخت تنقیص ہوتی ہے اور اس طرح عوام الناس کے دلوں سے آپ ﷺ کی محبت کم کر کے اپنی محبت و تعظیم کا مسکہ ٹھکانا چاہتے ہیں۔

دیکھو قادیان کا مقنبی سردار کائنات جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی کل تعداد تین ہزار بتلاتا ہے۔ (تحدہ گولڈیہ ص ۲۰ خزائن ص ۵۳ ج ۱۷)

لیکن خود اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ بیان کی ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ خزائن ص ۷۲ ج ۲۱)

گویا سید الانبیاء ﷺ اپنی عظمت و شان میں اس مفتری سے تین سو تینتیس درجہ کم ہوئے۔ (العیاذ باللہ)

قرآن کریم میں خداوند قدوس نے ہمارے حضور ﷺ کی نسبت فرمایا ہے :

”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا. الْفَتْحُ آيَةُ ۱“

یہ مفتری اس کو بھی برداشت نہ کر سکا اور صاف لکھ دیا کہ :

”فتح مبین .“ کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود (یعنی خود اس مفتری) کا وقت ہو۔“ (خطبہ الہامیہ ص ۲۸۸ خزائن ص ۱۶ ج ۱۶)

گویا حضور ﷺ کی فتح اگر مبین تھی تو اس مفتری کی فتح تین ہے اور وہ ظاہر تھی تو یہ اظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کی نسبت فرمایا :

”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ . الْفَتْحُ آيَةُ ۲۸“

وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ سب ادیان پر اس کو غالب کر دے۔ ﴿

یہ مفتری کہتا ہے کہ : ”اس آیت کا مصداق تو میں ہوں اور قرآن میں یہ میری خبر دی گئی ہے۔“

غرض اس نے قسم کھائی ہے کہ جو بزرگی اور سیادت ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت ہوگی اس کو کسی نہ کسی طرح کم کر کے یا جھوٹ اور غلط ثابت کر کے رہونگا۔ حق تعالیٰ نے تمام انبیاء اور بذریعہ انبیاء کے ان کی امتوں سے عہد لیا تھا کہ جو کوئی ان میں سے خاتم الانبیاء کا زمانہ پائے ان پر ایمان لائے اور ان کی تائید و حمایت کے لئے کمر بستہ رہے۔

اسی لئے سرور کائنات خاتم الانبیاء حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ :

”اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔“

لیکن یہ سب باتیں صرف قرآن و حدیث کے ماننے والوں کی عقیدت و بصیرت میں اضافہ کرنے والی تھیں۔ خداوند کریم کا ارادہ یہ ہوا کہ امام الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی سیادت و امامت کے عقیدہ کو محض کاغذی دستاویزوں یا زبانی شہادتوں اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے حلقوں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس پر ایک باخارج عادت مظاہرہ کیا

﴿تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب لکن مریم علیہ السلام تمہارے اندر نزول فرمائیں گے۔﴾

شیخ اکبرؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ آخرت میں بھی مسیح علیہ السلام کا حشر دو مرتبہ ہوگا۔ ایک دفعہ انبیاء و رسل کے زمرہ میں اور ایک مرتبہ امت محمدیہ ﷺ کے ذیل میں۔ (واللہ اعلم) خیال کرو کہ اس صورت میں ہمارے دین اور ہمارے پیغمبر ﷺ (فداہ اہل وادی) کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے اور وہ وقت نئے اور پرانے عیسائیوں کے لئے کس قدر ذلت اور رسوائی کا ہونا چاہئے۔

قادیان والوں کو یہ بھی ناگوار ہوا کہ کسی وقت ان کے سفید قام عیسائی آقاؤں کو خود حضرت مسیح آسمان سے اتر کر اس طرح خفیف و رسوا کریں۔ انہوں نے فوراً قادیان سے ایک جھوٹا مسیح کھڑا کر دیا تاکہ آسمان سے اس سچے مسیح کو اترنے نہ دیں۔ ٹھیک اسی طرح جو تم نے سنا ہو گا کہ ایک ”پرنڈہ“ رات کو اس غرض سے پاؤں لوپر کر کے سوتا تھا اگر کہیں آسمان گرنے لگے تو اس کو اپنے پاؤں پر روک سکے: ”يُرِيدُونَ اَنْ يُبَدِّلُوْا كَلِمَ اللّٰهِ الْفَتْحَ آيَتِ ۱۵“ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہر گز سرور کائنات ﷺ کی اس نمایاں شان امامت و سیادت کا جلوہ دنیا کو دیکھنے نہ دیں گے کہ حضرت مسیح آسمان سے آئیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اعلیٰ ترین نائب اور وفادار جرنیل کی حیثیت سے امت محمدیہ میں شامل ہوں اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل الگ کر کے اعلان کریں کہ:

”میں سارے جہاں کو محمدی پرچم کے نیچے جمع کرنے اور ان کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔“

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے نبی کو آسمان پر نہ اٹھلایا تو حضرت مسیح کی عزت ان سے بڑھ کر کیوں کی جائے کہ وہ جائے قبر میں دفن کئے جانے کے آسمان پر ہیں اور اتنے زمانہ تک نہ مرنے؟ لیکن ان کو رباظنوں کو یہ معلوم نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایک آسمان پر نہیں، تمام آسمانوں سے بھی اوپر لے گیا۔ اور حضرت مسیح کو آسمان پر لے جا کر صحیح و سالم رکھنا بھی ان ہی محمد ﷺ کے طفیل میں ہوا تاکہ

وقت موعود پر ان کی نیلت کا فرض ادا کرنے کے لئے اسی عزت کے ساتھ اتارے جائیں جس عزت کے ساتھ چڑھائے گئے تھے۔

پس فی الحقیقت ان کا آسمان پر لے جایا جانا دوبارہ زمین پر لانے کے لئے تھا اگر دنیا پر محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و سیادت اور اس امت کے خیر الامم ہونے کا مظاہرہ مد نظر نہ ہوتا تو نہ حضرت مسیح کو آسمان پر (جو موطن کون و فساد نہیں ہے) سے جانے کی ضرورت تھی اور نہ اتنے طویل زمانہ تک زندہ رکھنے کی!

مسلمان جانتے ہیں کہ تمام آسمان فرشتوں سے آباد ہیں اور کتنی طویل مدت سے فرشتے ایک حالت پر الان کماکان موجود ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات سے انبیاء و رسل پر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوئی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ چاند 'سورج' ستارے آج تک یکساں حالت پر زمین سے کس قدر بلند مقام پر ہیں۔ کیا ان ستاروں کو انبیاء علیہم السلام سے جو اسی زمین پر پیدا ہوئے، جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کیں اور آخر اسی زمین کے نیچے دفن کئے گئے، افضل کہا جائے گا؟۔ اس پر بھی اگر کوئی جاہل عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے: "رفع الی السماء" سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اٹھانے دو! اس کی حماقتوں اور ہماری مصلحت بینیوں سے حقائق و افعیہ بدلی نہیں جاسکتیں اور نہ کسی کو اس بات کا موقعہ دیا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی موت سے فائدہ اٹھا کر خود مسیح بن بیٹھے۔

مرزا محمود نے بہت رو رو کر بیان کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے مکہ میں ایسی ایسی سختیاں اٹھائیں اور صحابہ نے ایسی ایسی قربانیاں کیں جن کا عشر عشر بھی حضرت مسیح اور ان کے حواریوں سے ظاہر نہیں ہوا۔ (گو قادیانی مسیح جو تمام شانوں میں اپنے کو اصل مسیح سے بڑھ کر بتلاتا ہے اس کا عشر عشر بھی نہ دکھلا سکا۔) پھر کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ تو آسمان پر نہ اٹھائے جائیں اور حضرت مسیح اٹھا لیے جائیں۔ خدا کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہودیوں سے ڈر کر اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیتا وہ اسی زمین میں ہی ان کی حفاظت کر سکتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تباہ کر سکتا تھا۔

بلاشبہ ہمارے آقا و سید محمد رسول اللہ ﷺ نے نہایت طویل مدت تک جو سختیاں

اٹھائیں ان سے آپ کا مرتبہ کم نہیں ہو تا بلکہ بڑھتا ہے :

”کما قال ﷺ فی الحدیث نحن معشر الانبیاء اشد بلا ثم الا مثل فا لا مثل.“ اور جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور حضور کے اسی علوم مرتبت کے آثار و ثمرات میں سے یہ ایک اثر اور ثمرہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دوبارہ آپ ﷺ کی امت کے زمرہ میں شریک کرنے کے لیے آسمان پر محفوظ رکھا گیا پس مسیح کا آسمان پر اٹھانا اگر کوئی عزت و فضیلت کی چیز ہے اور بے شک ہے تو وہ عزت و فضیلت بھی نتیجہ اور غرض و غایت کے اعتبار سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہوئی۔

رہا یہ کہنا کہ آسمان پر لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی کیا زمین پر خدا حفاظت نہ کر سکتا تھا؟ تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ محمد ﷺ کو مکہ سے مدینہ ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ اس پر قادر نہیں تھا کہ ان کو وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور اس سر زمین سے جس کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سب شہروں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے، الگ نہ کرتا اور سب دشمنوں کو وہیں رہتے ہوئے زیر کر دیتا اور دوستوں کو وہیں کھینچ لاتا؟۔ اس طرح کے سوال ہزاروں ہو سکتے ہیں جن سب کا جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے کہ :

حدیث از مطرب ومی گودراز ہر کمتر جو

کہ کس نکشو دو نکشاید بحکمت این معمه

پس تمام سچے ایمان داروں کو لازم ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور ان عظیم الشان فتنوں کی شب و بجور میں قرآن مجید و سنت کی روشنی سے علیحدہ نہ ہوں بہت سے لٹیرے، ڈاکو، چور، اچکے گھات میں لگے ہیں تم سے دولت ایمان چھین لیں اور بظاہر نبی کریم ﷺ کی محبت و عظمت کا دم بھرتے ہوئے بہت ہوشیاری سے اندر ہی اندر تمہارے دلوں سے ان چیزوں کو نکالنے اور اپنی عظمت و محبت کا سکہ ٹھانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اولاً اللہ کی توفیق اور ثانیاً مومنین کی فراست سے امید ہے کہ وہر بہر و ہزن میں فرق کریں گے اور ان میاروں کو اپنے ملعون مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

مسلمانو! ہوشیار ویدار رہو۔ ان دجالوں کے مغالطات میں مت آؤ۔ قرآن و سنت کی جبل متین کو مضبوط تھامے رکھو اور اپنے سید و آقا سرور کائنات ﷺ کے نائب اعظم حضرت مسیح کو آسمان سے آنے دو کہ ان کا آنا عیسائیت یہودیت اور ہر قسم کے کفر کا جانا ہے۔ ان کی زندگی دجالوں کے لیے پیام موت ہے۔ اس لیے یہ دجال صفت ہمیشہ ان کی آمد کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹاتے رہے ہیں۔ تم ان کی آمد پر یقین رکھو۔ کیونکہ یہ چیز قرآن کریم و احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہو چکی ہے۔

ہاں! ان کی آمد سے پہلے اپنی سر توڑ کوششوں اور مجاہدانہ قربانیوں سے ثابت کرو کہ ہم: ”وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ۔ الْجُمُعَةِ آيَتِ ۳“ بھی اسی سچے مسیح کے ہر لول ہیں جو سارے جہاں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک جرنیل اعظم کی حیثیت سے دنیا کو علم اسلام کے نیچے جمع کرنے والا ہے۔

والله الموفق والمعین وصلى الله تعالى على خير خلقه

سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین !!!

جمادی الاخریٰ ۱۴۵۰ھ



شینزان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

شینزان کی مشروبات ایک قادیانی طائفہ کی ملکیت ہیں۔ افسوس کہ ہزار ہا مسلمان اس کے خریدار ہیں۔ اسی طرح شینزان ریسٹوران جولاہور، راولپنڈی اور کراچی میں بڑے زور سے چلائے جا رہے ہیں۔ اسی طائفے کے سربراہ شاہ نواز قادیانی کی ملکیت ہیں۔ قادیانی شینزان کی سرپرستی کرنا اپنے عقیدہ کا جزو سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی کا سولہ فیصد حصہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد ان ریسٹوران کی مستقل گاہک ہے۔ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ایک مرتد ادارہ کی گاہک ہے اور جو چیز کسی مرتد کے ہاں پکتی ہے وہ حلال نہیں ہوتی۔ شینزان کے مسلمان گاہکوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے بھول پن پر نظر ثانی کریں۔ جس ادارے کا مالک ختم نبوت سے متعلق قادیانی چوچلوں کا معتقد ہو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے اور سواد اعظم اس کے نزدیک کافر ہو اور جہاں ننانوے فیصد ملازم قادیانی ہوں ایک روایت کے مطابق شینزان کی مصنوعات میں چناب نگر کے بہشتی مقبرہ کی مٹی ملائی جاتی ہے۔

اے فرزند ان اسلام!

آج فیصلہ کر لو کہ شینزان اور اسی طرح کی دوسری قادیانی مصنوعات کے مشروبات نہیں پیو گے اور شینزان کے کھانے نہیں کھاؤ گے۔ اگر تم نے اس سے اعراض کیا اور خورد و نوش کے ان اداروں سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیا جواب دو گے؟ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم اس طرح مرتدوں کی پشت پناہی کر رہے ہو۔ (آغا شورش کاشمیری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام
میں آخری باب ہے، جس میں مسیح موعود کی زندگی کی تفصیل ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی صاحب مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدیع عالم میرٹھی صاحب مدنیؒ کی شہرہ
آفاق تصنیف ترجمان الہیہ جلد سوم ص ۵۲۱ سے ۵۹۳ تک کا حصہ
”حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ کی شخصیت، حیات، رفع و نزول کے
مباحث پر مشتمل ہے۔ علیحدہ کتابی شکل میں ”نزول عیسیٰ علیہ السلام“ کے
نام پر بھی سورت ضلع گجرات انڈیا سے شائع ہوا۔ اس کو کتاب ہذا کا حصہ
بنایا جا رہا ہے۔

قرآن و سنت اور عقل کی روشنی میں اس کے مباحث ایمان پرور ہیں۔
مطالعہ فرمائیں گے تو قلب و جگر ایمان و ایقان کو جلاء نصیب ہوگی۔

فقیر اللہ سایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگزشت کے متعلق چند جدید علمی اور منصفانہ نکات قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی بڑی علامت ہے اس لئے اس کو عالم کے تعمیری نظم و نسق کی جائے تخریب عالم کے نظم و نسق پر قیاس کرنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات طیبہ میں رفع و نزول کی سرگزشت بے شک عجیب تر ہے لیکن اس پر غور کرنے سے قبل سب سے پہلے یہ سوال سامنے رکھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ کس دور اور کس شخصیت کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ دنیا کے روزمرہ معمولی واقعات بھی زمانہ اور شخصیتوں کے اختلاف سے بہت مختلف ہو جاتے ہیں اور ان کی تصدیق و تکذیب میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی زمین پر ایک خطہ زمین ایسا بھی ہے جہاں مہینوں کی رات اور مہینوں کا دن ہوتا ہے اور ان ہی سمندروں میں ایک سمندر ایسا بھی ہے جس پر مسافر موسم سرما میں خشکی کی طرح سواریوں پر چلتے ہیں اسی طرح انسانوں کا اختلاف بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ شجاعت و طاقت اور وائائی و فرزانگی کے وہ بعید سے بعید کارنامے جو رستم و اسفندیار، انور بے اور ہٹلر، اسٹالن اور لینن وغیرہ کے حق میں بے قائل قابل تصدیق سمجھے جاتے ہیں وہ عام انسانوں کے حق میں بڑے قائل کے بعد بھی مشکل قابل تصدیق ہو سکتے ہیں۔ پس صرف عام

انسانوں کے حالات کے لحاظ سے یا صرف اپنے دور اور اپنے زمانہ کے حالات پر قیاس کر کے کسی صحیح واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔

لہذا مسئلہ نزول پر بحث کرنے کے وقت بھی سب سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ کس دور اور کس زمانہ سے پھر کس شخصیت سے متعلق ہے۔ جب آپ ان دو سوالوں پر محققانہ نظر ڈالیں گے تو پوری وضاحت سے ثابت ہو گا کہ یہ واقعہ تخریب عالم یعنی قیامت کے واقعات کی ایک کڑی ہے اور تخریب عالم کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو عالم کے تعمیری دور کے واقعات سے ملتا جلتا ہو۔ پس اگر تخریب عالم کے وہ سب واقعات جو تعمیری دنیا کے بعد کے واقعات سے مختلف ہونے کے باوجود قابل تصدیق ہیں تو پھر اس ایک واقعہ کی تصدیق میں آپ کو کمال کیوں ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں واقعات اتنے عجائبات پر مشتمل ہیں کہ جو انسان ان دونوں جانبوں سے غائب ہے وہ بچارہ اپنے موجودہ حالات کی دنیا دیکھ کر ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ عالم کی تخلیق کے واقعات پر ذرا نظر ڈالیں زمین کس طرح بنائی گئی پھر کس طرح پھھائی گئی۔ آسمان کس طرح بنائے گئے۔ آدم کس طرح پیدا ہوئے۔ ان کا جوڑا کس طرح پیدا ہوا۔ پھر کس طرح خلافت ارضی قائم ہوئی۔ اسی طرح بہت سے واقعات ہیں جو ایک سے ایک عجیب تر ہیں اور ان سب ہی کے میان کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اپنے سر رکھی ہے۔ اگر آپ ان میں سے ایک واقعہ بھی عالم کے تعمیری دور کے نظم و نسق سے ملا کر دیکھیں تو آپ کو ان میں سے ایک واقعہ کے فہم میں بھی سخت الجھن پیش آئے گی اور اسی بناء پر ایک جماعت نے دوسرے سے تخلیق عالم ہی کا انکار کر کے قدم عالم کا راستہ لے لیا ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کیا اس کا یہ طریقہ کار صحیح ہے؟

اسی طرح جب آپ تخریب عالم کے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو وہ بھی عجیب و عجیب ہی نظر آتے ہیں۔ یعنی کبھی نہ پھٹنے والے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آفتاب و ماہتاب اور یہ تمام روشن ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور کبھی جنبش نہ کرنے والے یہ بڑے بڑے پہاڑ روٹی کے گالوں کی طرح اڑتے نظر آئیں گے اور یہ سارا کاسار عالم ہستی عدم

محض اور صرف نیستی کے تحت آجائے گا۔ یہ اور ان جیسے اور بہت سے عقل سے بالاتر واقعات کے بیان کی ذمہ داری بھی خود قرآن کریم ہی نے اٹھائی ہے۔ اب اگر آپ ان کی تصدیق کا فیصلہ موجودہ عالم کے واقعات کے پیش نظر کرنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ لیکن ہاں! جب آپ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں سرے ملا کر دیکھیں گے تو دونوں آپ کو بالکل یکساں صورت میں نظر آئیں گے۔

پس چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ بھی عالم کے درمیانی واقعات کا مسئلہ نہیں بلکہ تخریب عالم کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس لئے اپنی جگہ وہ بھی معقول ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تمام مردوں کے زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہونے کا زمانہ قریب آ رہا ہو تو اس سے ذرا قبل صرف ایک زندہ انسان کا آسمانوں سے زمین پر آنا کون سی بڑی بات ہے؟۔ بلکہ اس طویل گمشدگی کے بعد یہ جسمانی نزول مجموعہ عالم انسانی کے جسمانی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک بدیہی اور محکمہ رہا ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے: ”وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ“ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں۔ درمختور میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے کہ اس آیت کا مصداق قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

اس کے بعد جب آپ اس پر غور کریں گے کہ یہ پیشگوئی ہے کسی شخصیت کے متعلق وہ شخصیت کسی عام بھڑی سنت کے تحت کوئی بھرے یا ان سے کچھ الگ ہے تو آپ کو یہی ثابت ہو گا کہ وہ صرف عام انسانوں ہی سے نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بھی سب سے الگ اور سب سے ممتاز خلقت کا بھر ہے۔ جتنے انسان ہیں وہ سب مذکورہ مومنوں کی دو صنفوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے انسان ہیں جن کی تخلیق صرف ایک صنف انسانی سے وجود میں آئی ہے۔ پھر اس میں تمثیل جبریلی اور نفخۃ ملکی اور تکلم فی الہد کے واقعات اور بھی عجیب تر ہیں۔ ان کے معجزات دیکھئے تو وہ بھی کچھ زالی شان رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر معجزہ ایسا ہے جس میں ”بازن اللہ“ کی قید لگانی پڑتی ہے۔ ان کے گزشتہ دور حیات میں ملکیت کا اتنا غلبہ ہے کہ کھانے پینے رہنے سہنے شادی و

نکاح کا کوئی نظم و نسق ہی نہیں ملتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ ان سب ضروریات سے منزہ و
مبرا راجع کے ایک فرشتہ ہیں۔ پھر جب ان کی ہجرت کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو یہاں بھی ان
کی شان سب سے زوالی نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی ہجرت کسی خطہ ارضی کی بجائے اس عالم کی
طرف ہوتی ہے جو ملکوت اور ارواح کا مستقر ہے۔ غرض ان کی حیات کے جس گوشہ پر
نظر ڈالئے وہ ملکوتیت کا ایک مرقعہ نظر آتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو لقب ان کو عطا فرمایا
ہے۔ وہ بھی سب سے ممتاز ہے اور اس نوع کا لقب ہے جس سے ان کی زندگی کی یہ سب
خصوصیات اجمالی طور پر بیک نظر سامنے آجاتی ہیں یعنی ”روح اللہ“ اور ”کلمۃ اللہ“ گویا بنی
آدم جتنے بھی ہیں ان سب کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اسی کے حکم ”کن“ سے آئی ہیں
مگر یہاں اس روح کی آمد میں کوئی ظاہری واسطہ بھی نہ تھا اور جو واسطہ تھا وہ ایسا ہی تھا جس کے
موجود ہونے سے عالم قدس کی طرف ان کی نسبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمام کا تمام وہ
تذکرہ حیات ہے جو ان کے آسمانوں پر جانے سے قبل سے متعلق ہے۔ اب آپ نازل ہونے
کے بعد ان کے حالات پر نظر ڈالیں تو وہ پہلی زندگی کے بالکل برعکس ہیں۔ یہاں ان کے تمام
معاملات میں دنیا کا مرتب نظم و نسق ملتا ہے حتیٰ کہ نکاح و ولادت کا بھی اور اس سے بھی بڑھ کر
ان کی حیثیت ایک امام و امیر کی ثابت ہوتی ہے۔ گویا وہ انسانوں میں بھی کوئی معمولی طبقہ کے
انسان نہیں بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان ہیں جن کی قیادت میں اسفل طبقہ کے انسان ترقی
کر کے اعلیٰ طبقہ کے انسان بن سکتے ہیں۔ غرض ان کی حیات کے یہ دو دور تمام تر قدرت کے
ان تجاہات سے مشابہ ہیں جو عالم میں دست قدرت کے براہ راست پیدا کردہ ہیں وہ بیک
وقت بن باپ پیدا ہو کر آغاز عالم کے واقعات میں حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں :
”إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۚ آلَ عِمْرَانَ آیت ۵۹“ اور اتنی طویل غیبت کے
بعد عالم کے خاتمہ پر جسمانی نزول فرما کر علامات قیامت میں بھی شمار ہیں : ”وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ
لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُونَ بِهَا ۚ الرخرف آیت ۶۱“ اگر ایک طرف اپنی پہلی حیات میں
آسمانوں پر جا کر وہ فرشتوں سے مشابہ ہیں تو دوسری طرف نزول کے بعد موت اور پھر
آنحضرت ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر عام انسانوں کی صف میں بھی داخل ہیں۔ اگر پہلی

زندگی میں ان کا معجزہ احیاء ہوتی ہے تو نزول کے بعد دوسرے دور حیات میں امامت و جال یعنی قتل و جال ہے۔ ان کی یہ تمام سوانح حیات قرآن کی بیان کردہ ہے۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۱۵۹: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ..... الخ.“ آئندہ ان کی وفات ان کے نزول کی شاہد ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تشریح آئے گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم غصری کے ساتھ اتر آنا۔ نہ عام انسانوں کی سنت ہے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے۔ لیکن اگر آپ یہ دو باتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور ہے بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر ان کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیاس کر کے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ مادی عقول کے نزدیک کچھ ہی ایک مسئلہ نہیں ہے جو زیر انکار آ رہا ہو بلکہ عالم غیب کے تمام حقائق ہی زیر انکار ہیں۔ اور درحقیقت یہ عقل و نقل کی اصولی جنگ کا ثمرہ ہے ارباب عقل یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سب خلاف عقل ہوتے ہیں اور اصحاب نقل یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات بھی عقلی ہو وہ سب شریعت کے خلاف ہوتی ہے یہ نزاع و جدل درحقیقت عقل و شرع کا صحیح مفہوم متعین نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

”کون نہیں جانتا کہ قرآن و سنت نے جا جاعقل کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اپنی دعوت کا مخاطب ہی صرف اہل فہم اور اہل عقل کو قرار دیا ہے۔ مجنون اور بچے اس کی دعوت کے احاطہ سے ہی باہر ہیں لیکن جب بعض اہل بدعت نے بعض کلامی مسائل کو جو دراصل قرآن و سنت کے بھی خلاف تھے اصول دین میں داخل کر دیا اور اس کا نام عقلیات رکھا تو اب اہل شرع کو عقلیات کے نام ہی سے ایسی نفرت پیدا ہو گئی جو شخص بھی عقلی استدلال کرتا نظر

آتا ان کے نزدیک بدعتی اور باطل پرست سمجھا جاتا اور دوسری طرف جب عقلا نے اہل شرع سے وہ مسائل سنے جو صریح عقل اور یقینی تاریخ کے خلاف تھے۔ اس پر ان کا یہ دعویٰ سنا کہ وہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ ہیں تو ان کے دلوں میں نفس قرآن و سنت ہی کے متعلق خلاف عقل ہونے کی بدگمانی بیٹھ گئی۔ حتیٰ کہ اب جو قرآن و سنت سے استدلال کرتا ان کے نزدیک قانون فطرت اور تقاضائے عقل کا مخالف ہوتا۔ یہاں غلطی دونوں فریق کی ہے عقلا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کئے بغیر ہر خلاف عقل بات کا نام شرع کیوں رکھ دیا؟۔ اور علماء کی کوتاہی یہ ہے کہ انہوں نے جو عقل صحیح کا تقاضہ نہ تھا۔ اس کو شرع کے مفہوم میں کیسے داخل کر دیا؟۔ حالانکہ شریعت کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو عقل سلیم کے نزدیک قابل انکار ہو یا محالات کی تعریف میں آتا ہو لیکن جب کسی ابدائی غلطی پر کچھ مدت گزر جاتی ہے تو وہ غلطی راسخ ہوتے ہوتے عقائد کا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور جو کسی صحیح حقیقت پر نتائج و آثار مرتب ہوتے ہیں وہی اس غلطی پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اگر مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل عقل و شرع کا صحیح صحیح مفہوم متعین کر لیا جائے تو عقلاء اور علماء کے درمیان بحث و جدل کا یہ وسیع میدان بہت تنگ ہو سکتا ہے۔ علماء ہر خلاف عقل بات کو شرع کے مفہوم میں داخل کرنے کی سعی کرنا ترک کر دیں اور عقلا شرع کی ہر بات پر خلاف عقل ہونے کی بدگمانی دل سے نکال ڈالیں اور عقل و فکر کا کوئی صحیح معیار مقرر کر لیں۔“ (کتاب النبوت ۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ کو بھی ایک فیصلہ کرنا ہو گا کہ عالم کے تخلیق و تخریب کے دوسرے تمام واقعات بھی قابل تسلیم نہیں ہیں اور اگر وہ سب قابل تصدیق ہیں تو پھر یہ مسئلہ بھی قابل تصدیق ماننا ہو گا۔ صرف اس لئے آغاز عالم کے تعمیری واقعات سے آپ کی زندگی کا اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا یہ مستقبل بعید کے تخریبی واقعات کے موجودہ دور کے انسانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان سب سے صرف نظر کر کے بحث کا رخ صرف مسئلہ نزول میں منحصر کر دیا اپنے نفس کو بھی مغالطہ میں رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی معاملات کی اہمیت

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اس لحاظ سے بھی سب میں ممتاز ہے کہ ان کے جزئی جزئی واقعات کو بھی قرآن کریم نے اصولی معاملات کی سی اہمیت دی ہے۔ مثلاً ان کی ولادت کا معاملہ یہ ایک جزئی معاملہ ہے مگر ان کی ولادت کو بھی قرآن کریم نے بڑی اہمیت سے ذکر کیا ہے۔ یعنی فرشتہ کا بصورت بٹری آنا اور اپنی آمد کی غرض و غایت بتانا۔ اس پر حضرت مریم کا نکتہ آئی کی حالت میں تعجب فرمانا پھر فرشتہ کا جواب اور اس کے بعد ان کے گریبان میں پھونک مارنا یہ سب تفصیلی ذکر ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی والدہ کا دروزہ بھی پھر ولادت اور اس پر لوگوں کی چہ میگوئیاں بھی ظاہر ہے کہ ان سب معاملات میں سے کس معاملہ کو اصولی اور بنیادی کہا جاسکتا ہے؟۔ مگر کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کو آپ صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر ٹال سکتے ہوں اور جس پر عقیدہ رکھنا کوئی ضروری بات نہ ہو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے اہم واقعہ کو صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر آپ کیونکر عقائد کی فہرست سے خارج کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نزول کی حیثیت کتب عقائد میں

یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر آج تک کتب عقائد میں اس مسئلہ کو بھی دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ ایک عقیدہ ہی شمار کیا ہے۔ حتیٰ کہ محدثین نے جو مؤلفات ترتیب دی ہیں گو ان کو عقائد کی شکل پر مرتب نہیں فرمایا ان کے مقاصد دوسرے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے جن کی کتاب کو لحاظ ترتیب بخاری شریف پر بھی فوقیت دی گئی ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ابواب ایمان کا ایک جز قرار دیا ہے پھر یہ کہنا کتنی کوتاہ نظری ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ چونکہ ایک جزئی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کو عقائد اور ایمانیات کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ معجزات کی بحث میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ! اس پر اور مبسوط بحث کریں گے کہ رسولوں کی اخبار پر ایمان رکھنا یہ جزئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ رہا خاص نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس کو اس حیثیت کے علاوہ رسالت اور قیامت کے

مسئلہ سے بھی براہ راست تعلق ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذات و صفات، قضا و قدر، حشر و نشر اور رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ جن مسائل کو بے چون و چرا عقائد میں داخل سمجھا گیا ہے۔ ان میں تو کافی اختلافات بھی ملتے ہیں چنانچہ معتزلہ ان سب مسائل میں اہل سنت والجماعت سے اپنا علیحدہ خیال رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اشاعرہ و ماترید یہ کے مابین بھی بعض مسائل میں ضرب المثل اختلاف موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو کسی نے عقائد کی فہرست سے خارج نہیں کیا۔ اس کے برخلاف نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ہے جس میں سلف سے لے کر آج تک ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف ثابت نہیں پھر اس کو عقائد کی فہرست سے کس طرح خارج کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ معتزلہ جو مذکورہ بالا مسائل میں اہل سنت سے کچھ اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ متفق ہیں جیسا کہ زنجیری نے کشاف میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ: ”تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت میں جہنم غصری پھر تشریف لانے والے ہیں۔ جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔“ (دیکھو بحر محیط ص ۷۳ ج ۲)

مسئلہ نزول کی حیثیت احادیث میں

اس بارے میں اگر حدیثوں پر نظر ڈالیں تو تیس صحابہؓ سے تقریباً سو حدیثوں میں باسالیب مختلفہ اس مسئلہ کو بہتوار قسمیں کھا کھا کر دہرایا گیا ہے۔ (ان صحابہؓ کے اسماء مبارکہ یہ ہیں جن کی تفصیل روایات دیکھنی ہوں تو رسالہ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ مؤلفہ محترم جناب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔

- (۱)..... ابو ہریرہ (۲)..... جابر بن عبد اللہ (۳)..... نواس بن سمعان (۴).....
- ابن عمر (۵)..... حذیفہ بن اسید (۶)..... ثوبان (۷)..... مجمع (۸)..... ابو امامہ (۹)..... ابن مسعود (۱۰)..... ابو نضرہ (۱۱)..... سرہ (۱۲)..... عبد الرحمن بن جبر (۱۳)..... ابو الطفیل (۱۴)..... انس (۱۵)..... واہلہ (۱۶)..... عبد اللہ بن سلام (۱۷).....

ابن عباس (۱۸)..... اوس (۱۹)..... عمران بن حصین (۲۰)..... عائشہ
 (۲۱)..... سفینہ (۲۲)..... حذیفہ (۲۳)..... عبد اللہ بن مفضل (۲۴)..... عبد الرحمن بن
 سمرہ (۲۵)..... ابوسعید الخدری (۲۶)..... عمار (۲۷)..... ربیع (۲۸).....
 الحسن (۲۹)..... عروہ بن رویم (۳۰)..... کعب (۳۱) الامام جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین

اس بڑے ذخیرہ میں سے چالیس حدیثیں تو ایسی ہیں جن کی تصحیح و تحسین محدثین
 نے صراحت کے ساتھ ثبت فرمادی ہے اور بقیہ کے متعلق گو صراحتہ ان سے تحسین منقول
 نہ ہو لیکن کوئی صاف جرح بھی ثابت نہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا رتبہ
 کیا ہے؟ دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ متواتر حدیث کی جو بڑی سے بڑی مثال پیش کی گئی ہے۔
 اس پیشگوئی کا پلہ کسی طرح بھی اس سے ہلکا نہیں ہے۔ پھر جب کتب سابقہ پر نظر ڈالی جائے
 تو یہاں انجیل بھی احادیث نبویہ کے ساتھ اس درجہ مطابقت ملتی ہے کہ اس کو دیکھ کر حیرت
 ہوتی ہے اور یہ یقین بدیہی بن جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صرف اسی شریعت کا مسئلہ
 نہیں بلکہ جملہ ادیان سماویہ کا ایک ایسا متفقہ عقیدہ ہے جس میں اصول دین کی طرح کبھی کوئی
 اختلاف نہیں رہا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں

پھر اس مسئلہ کی حقیقت ایک عام اور مجمل پیشگوئی کے سمجھ لینے میں کتنی بڑی فرو
 گذاشت ہوگی۔ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳ میں ہے: ”اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا
 اس کے شاگردوں نے خلوت میں اس کے پاس آکر کہا، ہم سے یہ کہہ کہ یہ کب ہو گا اور تیرے
 آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا نشان کیا ہے؟۔ تب یسوع نے جواب میں ان سے کہا خبردار
 کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بھتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح
 ہوں اور بہتوں کو گمراہ کہیں گے۔ اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہوں کی خبر سنو گے۔
 خبردار مت گھبراؤ! کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک آخر نہیں ہے کہ قوم
 قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آئے گی اور کال اور مرینی پڑے گی اور جگہ جگہ یہ بھونچال

آئیں گے یہ سب کچھ مصیبتوں کا شروع ہے۔“

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۱ تا ۳۴: ”اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو ہرگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں۔ دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے۔ پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیلیان میں ہے تو باہر نہ جانا۔ دیکھو وہ کوٹھڑیوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے جلی پورب سے کوند کر چکھم تک دکھائی دیتی ہے۔ ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔ جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت لکن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی ساری قوتیں چھاتی پٹیں گی اور لکن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔“

انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۲۶ میں اتنی زیادتی اور ہے: ”لورڈ کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی..... لور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اٹھانا۔ اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہوگی۔“ انجیل مرقس ولو قاتیں۔

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۲، ۳۳

”اب انجیر کے درخت کی ایک تمثیل سیکھو جو نئی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے لور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گری نزدیک ہے۔ اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے۔“

اعمال باب ۱ آیت ۹

”اور وہ یہ کہہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف تک رہے تھے۔ دیکھو دوسرے سفید

پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے۔ اے جلیل مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا ہے پھر آئے گا۔“

مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں

خدا تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ جب اس پر نظر ڈالیں تو اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی یہی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ رہا ان کے رفع جسمانی کا مسئلہ تو اس کو تو قرآن کریم نے اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنی جانب سے ایک فیصلہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آتی ہے: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْأَلْيُومُنِّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا۔ النساء آیت ۱۵۹“ یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہو گا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ نیز یہ کہ آئندہ زمانہ میں کسی شبہ کے بغیر اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے یہی وجہ ہے کہ بعد ہریرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صحیح حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو آیت بالا کو پڑھ لو۔ اس کی مزید تشریح آئندہ آئے گی اور اس مغالطہ کو بھی دور کر دیا جائے گا کہ نزول کا لفظ قرآن کریم میں کیوں نہیں آیا۔ پس اگر یہ مسئلہ جو کتب سابقہ سے لے کر احادیث نبویہ اور خود کتاب اللہ میں اس تواتر کے ساتھ ثابت ہے عقائد کی فرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہے تو پھر اور کس مسئلہ کو عقائد میں شمار کیا جاسکتا ہے؟۔ تعجب ہے کہ یہاں کتب سابقہ کو اس پر جتنا اصرار ہے ہماری ہادی عقول کو اس سے اتنا ہی انکار ہے۔ فاللہ المشتکی

مسئلہ نزول کی اہمیت اور اصول دین سے اس کا تعلق

موجودہ دور کے مبصرین کی نظر یہاں ایک اور واضح حقیقت سے بھی چوک گئی ہے وہ صرف اس بحث میں الجھ کر رہ گئی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر صرف ایک پیشگوئی

ہے اور جس طرح دیگر پیشگوئیاں نہ صرف صداقت رسول کا ایک معیار ہوتی ہیں یہ بھی اسی نوع کی ایک پیشگوئی ہے۔ لہذا جو امت اس رسول کی تصدیق پہلے سے کر چکی ہے اس کے حق میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی غلط فہمی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصل دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو یہ علم ہی نہیں کہ اس پیشگوئی کو ایک اصولی اہمیت بھی حاصل ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو مرکزی جماعتوں کا نقطہ ضلالت یہی پیشگوئی ہے۔

حافظ ابن تہمیہؒ لکھتے ہیں کہ :

”کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی، جس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی، جس کا مصداق دجال ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہود بے بہبود نے ان کو تو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرا لیا اور اس لئے ان کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہے اور جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا۔ یعنی دجال تو اس کو مسیح ہدایت کا مصداق ٹھہرائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یہود دجال کی اتباع کر لیں گے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گو مسیح ہدایت کا مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقا نیم مٹاشہ کا ایک جزئیہ لیا۔ اب یہاں ان دونوں بڑی بڑی جماعتوں کو جو بسیط ارض پر پھیلی پڑی ہیں ایک مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا ہے یہود کو تو اس لئے کہ ان کے نزدیک مسیح ہدایت کی جو پیشگوئی کی گئی تھی اس کا ظہور ابھی باقی ہے۔ لہذا مسیح ہدایت کو آنا چاہئے اور نصاریٰ کو اس لئے کہ ان کے زعم میں وہی مسیح دوبارہ آکر مخلوق کا حساب لیں گے اور یہی دن قیامت کا دن ہوگا۔“

(الجواب الصحیح ص ۳۴۱، ۱۸۱ ج ۱)

اس مسئلہ پر بحث کے وقت اگر اس اہم تاریخ کو بھی سامنے رکھ لیا جاتا تو یہ واضح ہو جاتا کہ اس پیشگوئی کی حقیقت نہ صرف ایک پیشگوئی کی ہے اور نہ ایک جزئی واقعہ کی بلکہ اس کا تمام تر تعلق اصول دین کے ساتھ ہے کیونکہ رسالت اور قیامت کے دونوں مسئلے اصولی مسئلے ہیں اور اس مسئلہ کو ان دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہودیوں کی یہ گمراہی کتنی اصولی گمراہی تھی کہ انہوں نے مسیح ہدایت یعنی خدا تعالیٰ کے ایک سچے رسول کو مسیح ضلالت یعنی

دجال ٹھہر لیا تھا۔ اور نصاریٰ کی یہ گمراہی بھی کتنی اصولی تھی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کی آمد کو خدائی آمد اور اس کی آمد کے دن کو قیامت کا دن سمجھ رکھا تھا۔ ان دو اصولی غلطیوں کی اصلاح پر دنیا کی ان دو بڑی بڑی امتوں کے ایمان کا دار و مدار ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی آمد کی پیشگوئی کی وہی اہمیت محسوس فرمائی ہے جو کسی اصولی معاملہ کی کی جاسکتی ہے اور مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کی تفصیلات بیان فرمادی ہیں کہ پھر آئندہ ان دونوں کے ظہور کے وقت ان کی شناخت میں دونوں قوموں کو کوئی مغالطہ نہیں لگ سکتا یہود آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو انہوں نے ”مسیح ضلالت“ سمجھا تھا (والعیاذ باللہ!) درحقیقت وہ مسیح ہدایت تھے اور نصاریٰ کو یہ خوب ثابت ہو جائے گا کہ جس کو انہوں نے خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہر لیا تھا۔ درحقیقت وہ اس کا ایک مددہ اور اس کی مخلوق تھا اور ان کی آمد قیامت کا دن نہیں بلکہ اس کی ایک بڑی علامت تھی اور ساری غلطیاں خود عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان سے دور کر دی جائیں گی تاکہ اختتام عالم سے قبل اتحاد ملل کے راستہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب دور کر دی جائیں اور ملل سادہ کی وحدت کا وعدہ پوری صفائی اور صداقت سے پورا ہو جائے۔ ”وَقَمْتُ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت تاریخی نظر میں

یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے نہیں ہیں۔ جن کا تذکرہ تاریخ نے محو کر ڈالا ہو بلکہ ان اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہر دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ ہو تا رہا ہے۔ اہل کتاب کے وہ بڑے بڑے گروہ ان کی ایک ایک علیحدہ تاریخ رکھتے ہیں اور خود اہل اسلام کے پاس بھی ان کی ایک منقح تاریخ موجود ہے۔ یہود کی تاریخ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کر ڈالا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک تو ان کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ ان کی دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں مگر وہ اس دن کو قیامت کا دن سمجھتے ہیں اور مجمل طور پر ان کے سولی چڑھائے جانے اور زندہ ہو کر آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بھی قائل ہیں۔

اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ اسی جسم غصری کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت سے پہلے پھر اسی جسم غصری کیساتھ تشریف لائیں گے اور مدینہ طیبہ میں جوار آنحضرت ﷺ میں وفات کے بعد مدفون ہوں گے۔ اب ایسے اولوالعزم رسول کے متعلق یہ حق کس کو پہنچنا ہے کہ وہ کوئی ایسی جدید تاریخ بنا لے جو دنیا میں کسی جماعت کو بھی مسلم نہ ہو۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ وہ سولی پر چڑھائے گئے پھر نیم مردنی کی حالت میں اتار لئے گئے تھے پھر کہیں جا کر اپنی طبعی موت سے مر گئے اور آخر کشمیر یا کسی اور شہر میں جا کر ایسی گمنامی کی حالت میں مدفون ہو گئے جس کی اطلاع کسی کو نہیں ہو سکی۔ اس جلیل القدر رسول کی اس جدید تاریخ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا آج کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے متعلق بیان کرے کہ آپ ﷺ کی وفات اور دفن کا سبب افسانہ غلط ہے بلکہ جب کفار نے آپ ﷺ کو زیادہ ستلایا تو آپ ﷺ اپنے جسم غصری کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آئندہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی عاقل ایسا ہے جو اس رسول اعظم کی اس جدید تاریخ پر غور کرے اور اس کے دلائل سننے کے لئے تیار ہو۔ ہمارے نزدیک ایک مسلم فوت شدہ رسول کے زندہ آسمانوں پر جانے کی تاریخ میں اور ایک مسلم زندہ آسمانوں پر موجود رسول کے متعلق ان کی موت اور دفن کی جدید تاریخ میں کوئی فرق نہیں نہ وہ عقلاً کے نزدیک قابل توجہ ہے نہ یہ قابل التفات ہو سکتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی اہمیت تاریخ کی نظر میں

یہ بات کتنی عجیب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود نبی اولوالعزم ہیں۔ ان کی امت بھی تسلسل کے ساتھ کسی انقطاع کے بغیر اب تک چلی آرہی ہے پھر ان کی موت اور ان کی قبر کا صحیح صحیح حال آج تک ان سب پر کیسے مخفی رہ گیا۔ بالخصوص یہود جو ان کے قتل کے مدعی تھے وہ اس اہم واقعہ سے کیسے غفلت اختیار کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ہونے کے لئے ان کی قبر کی نشاندہی ان کے لئے سب سے کھلا ہوا ثبوت تھی۔ مگر یہاں نہ تو یہود ان کی قبر کا پتہ نشان بتا سکتے ہیں اور نہ اس بارے میں نصاریٰ کے پاس ہی کوئی صحیح علم ہے اذہر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کے درمیان جو مدت ہے وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت ہے۔ یہ اتنی طویل مدت نہیں کہ اس میں کسی ایسی اولوالعزم تاریخی شخصیت کی قبر اتنی لاپتہ ہو جائے کہ نہ اس کے ماننے والوں بلکہ پوجنے والوں کو معلوم ہو اور نہ اس کے دشمنوں کو۔ اس امت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گزر چکے ہیں جن کی وفات پر اس سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی ہے مگر ان کی قبریں آج تک تازہ یادگاریں معلوم ہوتی ہیں پھر عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کی قبر کی ایسی گمنامی یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے حق میں کبھی موت کا ایک حرف نہیں فرمایا اور نہ ان کی قبر کا کہیں نشان بتایا۔ در آنحالیکہ یہ مسائل آپ کی آنکھوں کے سامنے زیر بحث چل رہے تھے۔ اس کے برعکس فرمایا تو یہ کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی اور قبر بتائی تو مستقبل بعید میں اپنے پہلو کے قریب مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے تردید الوہیت کے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معمولی سے معمولی حالات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً ان کا کھانا کھانا ”کَانَا یَا کُلُّنِ الطَّعَامَ . المائدہ آیت ۷۵“ مگر ان کی الوہیت کے خلاف جو سب سے واضح ثبوت تھا یعنی یہ کہ وہ مر چکے ہیں اس کو ایک جگہ بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ذکر نہیں فرمایا اور نہ کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ بارہا عیسائیوں کے ساتھ آپ کے مکالمات ہوئے ہیں۔ پھر اس تحقیقاتی دور میں جہاں جبل ایورسٹ (Evarest) پر رسائی ہو چکی ہو فرعون کی لاش دستیاب ہو چکی ہو اور سفینہ نوح علیہ السلام کے نشانات معلوم کئے جا چکے ہوں وہاں کیا اس مقدس رسول کی قبر مخفی رہ سکتی تھی؟۔ ان حالات میں بھی اگر اپنی جانب سے ہم ان کی موت اور قبر کی نشاندہی کے مدعی بنتے ہیں تو تاریخی دنیا میں اس کی کیا قدر و منزلت سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی تو نصاریٰ اور اہل

اسلام خاص طور پر ان ہی کی حیات کے قائل کیوں ہیں؟

یہاں تھوڑا سا غور اس پر بھی کر لینا چاہئے کہ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ان ہی کی خصوصیت کیا تھی کہ ان ہی کے معاملہ میں نصاریٰ سے لے کر اہل اسلام تک ان کی حیات اور ان کے نزول کے تسلسل کے ساتھ قائل چلے آ رہے ہیں۔ چلئے نصاریٰ اگر اپنی فرط عقیدت سے کسی بے اصل بات کا دعویٰ کر ڈالیں تو جائے تعجب نہیں مگر یہاں ان علماء اسلام کے لئے اس کا کیا محل ہو سکتا تھا۔ جو ہمیشہ تردید الوہیت میں سرگرم رہے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں کسی کے قلم سے ایسے کلمات بھی نکل گئے ہیں کہ اگر کہیں اتنی بڑی تہمت ان کے سر نہ رکھی جاتی تو وہ کلمات ہر گز ان کے زیر قلم نہ آ سکتے تھے پھر کسی غلطی کا اگر امکان تھا تو چلئے یہ کسی خاص فرد میں ہو سکتا تھا۔ لیکن جمہور امت اور صحابہ و تابعین پھر ائمہ دین اور مفسرین و شارحین سب ہی کا ایک بدیہی البطلان غلطی پر متفق ہو جانا کیونکر قرین قیاس مانا جاسکتا ہے۔ چلئے اگر یہ مسئلہ الہیات کے دقیق مسائل یا حیات برزخی کے بالاتر از فہم کیفیات کی طرح کوئی باریک مسئلہ ہوتا تو بھی کسی غلط فہمی کا امکان تھا۔ مگر ایک شخص کی موت و حیات کا مسئلہ تو کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہ تھا جس کے فہم میں کوئی دشواری تھی یا اس میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش تھی یہ تو عام انسانوں سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی جماعت تک کی ایک عام سنت بٹری تھی پھر انبیاء علیہم السلام کی تمام جماعت میں سے ان ہی کی موت میں غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی اور حیرت در حیرت یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی صاف نہ ہو سکی بلکہ اور مستحکم ہوتی رہی۔ پس اگر حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے تو پھر کسی تاریخ سے یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو گا کہ کم از کم مسلمانوں میں اس کے خلاف ان کی حیات کے عقیدہ کی بنیاد کب سے پڑی۔ لیکن یہاں تو ہم جتنا صحابہ و تابعین اور ان سے اوپر احادیث مرفوعہ کی طرف نظر کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہم کورفع و نزول کا ثبوت اور بہم پہنچتا چلا جاتا ہے اور

اس کے برعکس آخر میں موت کے عقیدہ کی بدعت سیہ جس کسی فرد نے ایجاد کی ہے تاریخ انگلی رکھ کر اس کا نام و نشان بتاتی ہے اور ہمیشہ اس کو مسلمانوں کے خلاف عقیدہ کا شخص شمار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مدت میں جو مدعی مسیحیت گزرے ہیں وہ بھی اپنے دعویٰ سے قبل تمام عمر اس بارے میں عام امت کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ جب زمین ہموار ہو گئی اور انہوں نے خود مسیح ہونے کا دعویٰ شروع کیا تو پھر جس عقیدہ پر ان کی ساری عمر گزری تھی اسی کو انہوں نے مشرکاتہ عقیدہ ٹھہرا دیا بلکہ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی صحیح سے صحیح حدیثوں کے متعلق زردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے مکروہ ترین الفاظ بھی لکھ مارے ہوں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ . اِنْ يَقُولُونَ اِلَّا كَذِبًا!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر وفات پا چکے ہیں تو ان کے متعلق

حدیث و قرآن میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں

اس مقام پر یہ دقیقہ بھی قابلِ فرو گذاشت نہیں ہے کہ ایک انسان کی موت کا واقعہ کون سا پیچیدہ واقعہ ہے جس کے بیان کرنے میں ایک معمولی سے معمولی انسان کو بھی کوئی دشواری ہو سکتی ہے۔ اگر قرآن کریم کسی ایک جگہ بھی صراحت کے ساتھ یہ لفظ فرمادیتا کہ : ”ان عیسیٰ مات“ یعنی عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں تو بس اسی ایک لفظ سے ساری بحثیں ختم ہو جاتیں اور بے وجہ لفظ توفیٰ پر دفتر کے دفتر خرچ کر کے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ توفیٰ لغت عرب میں موت کے ہم معنی ہے۔ افسوس ہے کہ لفظ توفیٰ کے موت کے معنی میں ثابت کرنے کے لئے تو عمریں صرف کی گئیں مگر اس پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا گیا جب عربی زبان میں موت کے لئے دوسرا صاف لفظ موجود تھا تو پھر یہاں موضع اختلاف میں اس صاف اور سیدھے لفظ کو چھوڑ کر ایسے مشتبہ لفظ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے جو بڑی کاوشوں کے بعد بھی موت میں منحصر نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ عیسائی یہ ڈنکے جمار ہے ہوں کہ وہ اللہ تھے۔ والعیاذ باللہ! تو کیا یہ بات سیدھی اور صاف نہ تھی کہ اللہ کا سب سے پہلا نام : ”الْحَیّ“ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔ سورہ آل عمران میں جو

نصاری ہی کی تردید کے لئے اتری اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو: ”الحیی القیوم“ کہہ کر ان کی تردید کی گئی مگر ساری سورت میں ایک بار بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کا لفظ نہ بولا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت پر قیاس کر کے طے نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے قومی تاریخ یا مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں طویل گمشدگی کو بھی موت کا قرینہ نہ لیا جاتا ہے لیکن ایک ایسے اولوالعزم نبی کی وفات کا مسئلہ جس کی حیات و موت کی بحث دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سے چل رہی ہو پھر جس کی حیات کے واضح اور مستحکم دلائل بھی موجود ہوں اس کو صرف عام انسانوں پر قیاس کر کے کیسے طے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بالکل اتنا ہی غیر معقول ہے جتنا کہ کسی ایسے زندہ شخص کی طویل گمشدگی سے اس کی موت کا حکم لگا دینا جس کی حیات کی شہادت معتد اخبارات کے ذریعے بھی اور خود اس کے بیانات سے بھی مسلسل موصول ہو رہی ہو۔ یہاں کوئی عاقل ایسا نہیں ہو گا جو ان حالات میں صرف اس کی مدت سفر کے غیر معمولی طوالت کی وجہ سے اس کے ترکہ تقسیم کا دعویٰ کسی عدالت میں دائر کر سکے اور نہ کوئی عدالت یہاں اس کی وراثت کی تقسیم کا حکم دے سکتی ہے۔

خوب یاد رکھو جہاں کوئی معاملہ خاص دلائل کی روشنی میں پایہ ثبوت کو پہنچ جائے۔ وہاں صرف عام قیاسات سے کوئی حکم لگانا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ مثلاً آج جبکہ فرعون کی لاش پختہ ثبوت کے ساتھ دریافت ہو چکی ہے تو اب محض اس بناء پر اس کا انکار کرنا کہ ایک غرق شدہ لاش کا وہ بھی سینکڑوں سال کے بعد صحیح و سالم برآمد ہونا چونکہ عام دستور کے خلاف ہے۔ اس لئے فرعون کی لاش کا برآمد ہونا بھی قابل تسلیم نہیں یا قابل یقین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قیاس کی عقل و تاریخ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ بھی ہے یہاں صرف عام قیاسات اور عام دلائل پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کا معاملہ قرآن و حدیث کے واضح سے واضح اور مستقل طور پر علیحدہ بیان میں آچکا ہے۔

حیات و موت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے

پھر قرآن و حدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے؟

اس امر پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ حیات و موت دنیا کے عام واقعات میں شامل ہیں بہت سے انبیاء علیہم السلام فوت ہوئے اور بہت سے تامل امتوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ اسی طرح مستقبل میں بہت سے مبارک اور نامبارک افراد و اشخاص کے ظہور کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ مگر آخر ان سب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی حیات کے مسئلہ کی اہمیت کیا تھی کہ کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم تک نے اس کے بیان و ایضاح کا اہتمام کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار ان کے متعلق نزول کی پیشگوئی فرمائی اور اس کی اتنی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جتنی کہ کسی اور دوسرے شخص کے متعلق نہیں فرمائیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ابھی باقی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح فوت ہو چکے ہوتے تو جس طرح ان کی موت اور سوانح موت کی تفصیلات سے سکوت اختیار کر لیا گیا تھا۔ یہاں بھی سکوت اختیار کر لیا جاتا مگر چونکہ ان کا ابھی دوبارہ تشریف لانا باقی تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی آمد کی تفصیلات کا خاص اہتمام فرمایا ہے تاکہ جن کے متعلق پہلی بار دو بڑی قومیں گمراہ ہو چکی تھیں دوسری بار اب وہ اپنی اپنی غلطیوں کو صاف طور پر سمجھ جائیں اور اجتماعی حیثیت سے جس طرح وہ پہلی بار کفر پر جمع ہو گئی تھیں۔ اس مرتبہ ایمان پر جمع ہو سکیں اور: ”وَأَن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ“ کی پیشگوئی پوری آب و تاب سے پوری ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ واضح اور شافی بیان جس طرح کہ اس امت پر ایک احسان عظیم ہے اسی طرح دوسری امتوں پر بھی ہے کہ ان کو صرف آپ ﷺ کے طفیل میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی صحیح معرفت اور ان پر صحیح ایمان کا سامان میسر آگیا۔ اسی سے آنحضرت ﷺ کے فضل و برتری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مسائل جو آج تک الجھے ہوئے چلے آ رہے تھے وہ آپ ﷺ کے دور میں کس طرح سلجھتے چلے جا رہے ہیں۔

نافم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن کی پہلی آمد امتوں کے فتنے کا موجب بنی ان کی دوسری آمد سے ہدایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی ذمہ داری اگر تمام ترامتوں پر عائد ہوتی ہے تو ان کی دوبارہ آمد میں خطرہ کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود ان ہی پر عائد ہے۔ والعیاذ باللہ! تو یہ براہ راست خدا کے ایک معصوم رسول پر حملہ ہے اور صحیح معنی میں یہود کی اتباع ہے۔ ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کی دوبارہ تشریف آوری درحقیقت اس عمیق حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات عالم آشکارا کر دی جائے کہ جن کو جماعتوں نے مرکز ضلالت ٹھہرایا تھا یہ ان کی شقوت تھی درحقیقت وہ مرکز ہدایت تھے اور اس طرح جہاں ایک طرف ان کی بزرگی ثلث ہو دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی عظمت شان بھی ظاہر ہو۔ کہ اب جو جہان بھر کے نافم تھے وہ آپ کے دور میں کتنے بافہم بن چکے ہیں۔

خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت

یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے تو حدیثوں میں نزول کی پیشگوئی خاص اسی نام و نسبت کے شخص کے متعلق کیوں کی گئی ہے اور کیوں صاف طور پر دنیا کے دستور کے موافق اس کا وہی نام ذکر نہیں کیا گیا جو اس کا اصل نام تھا؟۔ نیز یہ سوال بھی اہم ہے کہ کسی ایک حدیث میں ان کے متعلق ولادت کا سیدھا لفظ کیوں نہیں فرمادیا گیا تاکہ یہ بات صاف ہو جاتی کہ جو شخص آئندہ آنے والا ہے وہ عام انسانوں کی طرح کسی وقت پیدا ہو گا اور وہ مسیح اسرائیل نہیں بلکہ کوئی اور دوسرا انسان ہے۔ بالخصوص جبکہ امام مہدی اور دجال جو بھی مبارک و نامبارک انسان آئندہ ظاہر ہونے والے تھے ان کے حق میں ولادت ہی کا صاف لفظ

بولا گیا ہے اور ان کی وہی نام و نسبتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جو ان کی اصل نام و نسبتیں تھیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسیح ابن مریم در حقیقت فوت ہو چکے تھے اور ان کی جائے کوئی اور شخص ان کا ہرنگ اس امت میں پیدا ہونے والا تھا تو اس کے حق میں کہیں ولادت کا لفظ بولانہ جاتا اور کسی ایک حدیث میں اس کے اصل نام و نسبت کی تصریح نہ کی جاتی اور کہیں اس کے اصل شہر اور محل پیدائش کا پتہ بتایا نہ جاتا بلکہ ہر ہر مقام پر وہی نام و نسبت وہی شہر وہی تمام صفات اور وہی حلیہ ذکر کیا جاتا جو در حقیقت مسیح اسرائیل کا تھا۔ کیا جس نام و نسبت والے شخص کے متعلق عیسائی قوم دوبارہ آمد کا انتظار کر رہی تھی اسی نام و نسبت والے شخص کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کر کے عیسائیوں کی کھلے طور پر تائید کرنی نہیں ہے؟ اس انداز بیان کا مطلب ایک سیدھی بات کو اور الجھا دینا اور ہدایت کی جائے اور گمراہی میں مبتلا کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ!

پس اگر صرف اسی ایک بات پر غور کر لیا جاتا کہ حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار کیوں نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کیوں ایک مرتبہ بھی ولادت کا لفظ نہیں بولا گیا اور کیوں تمام مقامات پر اسی اسرائیلی رسول بزرگ کے نام نسبت اور شکل و شمائل کو ذکر کیا گیا ہے اور کیوں اس کا اصل نام و نسبت ذکر نہیں کیا گیا تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی کہ یقیناً وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں جو ایک بار پہلے آچکے ہیں اور وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں ان کو نازل ہونا ہے۔ حدیثوں کے اس واضح بیان کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حدیثوں کی تاویل کرنا اور ان کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک پیدا ہونے والا انسان شمار کرنا ٹھیک اسی طرح تحریف ہو گا جیسا امام مہدی علیہ السلام یا دجال کے بارے میں ولادت کے صاف لفظ مذکور ہو جانے کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ امام مہدی علیہ السلام اور دجال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے نازل ہوں گے۔ پس جس طرح امام مہدی علیہ السلام کے حق میں ان کے نزول کی جائے امت کو ان کی ولادت ہی کا انتظار ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کی پیدائش کی جائے ان کے اترنے ہی کا انتظار ہونا چاہئے۔ ہم کو اس کا کوئی حق نہیں کہ حدیثوں میں جہاں صاف طور پر نزول کا صاف لفظ آچکا ہے۔ وہاں اس کے معنی ولادت کے

اور جہاں ولادت کا صاف لفظ وارد ہے۔ اس کے معنی نزول کے کر ڈالیں۔

غیر موقت پیشگوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں

جو پیشگوئیاں موقت نہیں ہیں ان کے متعلق قبل از وقت تھک کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مسیح و مہدی جب آج بھی نہ آیا تو آخر کب آئے گا؟ بالکل کفار کے اس قول کے مشابہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں قیامت کے بارے میں کہا تھا:

”وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ ۚ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۚ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ آيَتِ ۝“

حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے۔ اس لئے اس کی پیشگوئی کا دامن بھی قیامت تک وسیع رہنا چاہئے۔ بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہو چکیں پھر کچھ حصہ ہے جو صحابہ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ اس کے بعد اسی طرح ہر دور میں ان کا ایک ایک حصہ پورا ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پورے دثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ کا کوئی دور خالی نہیں گزرا جس میں آپ کی پیشگوئی کا کوئی نہ کوئی حصہ آنکھوں کے سامنے نہ آتا رہا ہو۔ ۷۴ء میں ہنگاموں کی سرگذشت بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اگر آپ کو پڑھنی ہو تو آپ ان الفاظ میں پڑھ لیجئے۔ جو صحیح مسلم میں موجود ہیں ”ایک زمانہ آئے گا جس میں ایسی جنگ ہوگی کہ قاتل کو یہ حس نہ ہوگی کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ علم نہ ہوگا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان ہنگاموں میں قتل کا یہی نقشہ تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک جماعت دوسری جماعت کے قتل کے درپے تھی اور کسی کو اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ اس کا موافق ہے یا مخالف، قتل کرنے والا کس گناہ میں دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور مقتول کیوں مفت مارا جا رہا ہے؟“

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی پیشگوئیوں کو صرف گزشتہ زمانہ میں ختم کر دینا اور مستقبل میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کا قبل از وقت انتظار کر کے تھک جانا اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جانا درحقیقت یہ آپ ﷺ کی عموم بعثت کا انکار ہے کیونکہ اگر آپ ﷺ کی

بعثت قیامت تک کے لئے ہے تو پھر اس کی صداقت کے نشانات بھی دنیا کے ہر دور کے انسان کے سامنے آنے چاہئیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کی پیشگوئیاں آپ ہی کی حیات طیبہ میں پوری ہوں گی۔ بلکہ بعض یعنی کچھ کا لفظ فرمایا ہے :

”وَمَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَقِفَنَّكَ فَإِنَّا مَرْجِعُهُمْ“

یونس آیت ۴۶

”وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ“ . وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي

يَعِدْكُمْ . المؤمن آیت ۲۸

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی آپ قبل از وقت انتظار کر کے خود خود تھک جائیں اور پھر صریح حدیثوں کی ایسی ایسی تاویلیں کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں جو دنیائے عالم میں قابل معجزہ اور سارے دین میں شبہ کا باعث بن جائیں کیونکہ جب دین کے ان واضح الفاظ کی یہ حقیقت ثابت ہو تو پھر کیا اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ ذات و صفات اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے واضح الفاظ کی صحیح حقیقتیں کیا ہوں گی اور اس طرح پورے کے پورے دین پر کیا اطمینان باقی رہ سکتا ہے؟

قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح :

صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور مقتول نہ ہونے کا تذکرہ صرف یہود کے اسباب لعنت کے بیان کے ضمن میں آگیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن شریف نے یہ نقل کیا ہے کہ یہود واقع کے خلاف ان کے قتل کرنے کے مدعی ہیں اور نصاریٰ گو بہت سی بے تحقیق باتیں مانتے ہیں مگر اجمالاً ان کے رفع کے قائل ہیں۔ اس لئے یہاں قابل توجہ صرف یہی مسئلہ تھا کہ وہ مقتول ہوئے یا نہیں اور اگر مقتول نہیں ہوئے تو آسمان پر اٹھائے گئے یا نہیں۔ رہا ان کے نزول کا مسئلہ تو وہ کسی مقام پر بھی زیر بحث نہیں آیا۔ پھر ہم کو کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نزول یا عدم نزول کا

مسئلہ کبھی اہل کتاب نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لہذا جب یہ مسئلہ کہیں آپ کے سامنے زیر بحث ہی نہیں آیا اور نہ قرآن کریم ہی کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اب صراحت کے ساتھ نزول کا لفظ ذکر ہوتا تو کیسے ہوتا۔ ہاں! اگر نزول کا مسئلہ بھی اس وقت کہیں زیر بحث آجاتا تو جس طرح یہاں رفع کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہوا تھا۔ نزول کا لفظ بھی یقیناً اسی طرح صراحت کے ساتھ ذکر ہو جاتا لیکن جب یہ مسئلہ کہیں زیر بحث آیا ہی نہیں تو اب قرآن کریم میں صراحتاً لفظ نزول کا مطالبہ کرنا کتنی بڑی بے انصافی ہے اور اگر بالفرض یہ لفظ مذکور ہو بھی جاتا جب بھی حیلہ جو طبیعتوں کو فائدہ کیا تھا؟۔ آخر صحیح سے صحیح حدیثوں میں یہ لفظ بار بار آیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے قسموں کے ساتھ آیا مگر پھر ان کو کیا فائدہ ہوا؟۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی آمد ثانی کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر اس وقت وہ زیر بحث ہی نہ تھا ہاں قومی تاریخ کے لحاظ سے جو فرقہ ان کے رفع جسمانی کا قائل تھا وہ ان کی آمد ثانی کا بھی منتظر تھا اور اب تک ہے اور جو ان کے قتل کا مدعی تھا ان کے نزدیک ان کی آمد ثانی محل بحث ہی کیا ہو سکتی تھی۔ پس اگر یہاں قرآنی فیصلہ ان کے رفع کا ہو جاتا ہے تو ان کے نزول کا مسئلہ خود خود ثابت ہو جاتا ہے اور اگر تحقیق یہ ہو کہ وہ مقتول ہو گئے (والعیاذ باللہ) تو پھر ایک شخص کے دوبارہ آمد کی بحث ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر قرآن کریم کی کسی آیت میں رفع کے صاف لفظ کی طرح نزول کا لفظ مذکور نہیں تو اس سے مسئلہ نزول کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا پھر خاص نزول کا لفظ مذکور ہونا ہی کیوں ضروری ہے؟۔ جبکہ قرآن کریم یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور ابھی تک اس کو موت نہیں آئی ضرور ہے کہ وہ زمین پر نازل ہو۔ تاکہ اہل کتاب ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور وہ اپنی مقررہ مدت عمر پوری کر کے دنیا کی آنکھوں کے سامنے وفات پا کر مدفون ہوں۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث روایت کر کے فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کے الفاظ میں دیکھنا چاہو تو سورہ نساء کی یہ آیت پڑھ لو: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِۦ۔“

آیت بالا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لئے جو سب سے زیادہ صاف اور واضح لفظ ہو سکتا تھا وہ قبل موتہ کا لفظ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ جس زندہ شخص کی اب تک وفات ثابت نہیں ہوئی۔ اس کی حیات کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت کیا ہے۔ یہاں جو شخص ان کی موت کا مدعی ہو یہ فرض اس کا ہے کہ وہ ان کی موت ثابت کرے۔ پھر آیت بالا میں خاص اہل کتاب کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو ان پر اس وقت بھی صحیح ایمان حاصل ہے۔ لہذا جن کا ایمان لانا قابل ذکر ہو سکتا تھا وہ صرف اہل کتاب کا ایمان ہے۔ اب اگر فرض کر لو کہ اہل اسلام بھی نصاریٰ کی طرح ان کے سولی پر چڑھنے کو تسلیم کرتے ہوں یا یہودی طرح ان کے مردہ ہونے کے قائل ہوں تو پھر اہل اسلام کا ایمان بھی ان پر صحیح ایمان نہیں رہتا۔ اہل کتاب اگر اس بارے میں ایک غلطی پر ہیں تو اہل اسلام بھی دوسرے اعتبار سے غلطی میں مبتلا ہیں پھر اس تخصیص کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ قرآن کریم نے جہاں ان کی موت کی صاف نفی فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابھی آئندہ زمانہ میں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اسی طرح دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان پر شہادت دینا باقی ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے ان کی تشریف آوری لازم ہے کیونکہ شہادت شہود سے مشتق ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام جب تک کہ پھر تشریف لا کر ان میں موجود نہ ہوں ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ۔ المائدہ آیت ۱۱۷“ یعنی میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود رہا اور جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو زمانے گزرے ہیں ان میں سے آپ کی شہادت کا زمانہ صرف وہ ہے جس میں کہ آپ ان کے اندر موجود تھے اور دوسرا زمانہ جس میں کہ آپ ان میں موجود نہ تھے۔ وہ آپ کی شہادت سے خارج ہے۔ پس آئندہ اہل کتاب پر آپ کی شہادت کے لئے دوبارہ آپ کی تشریف آوری ضروری ٹھہری۔

اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل فرماتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ صحابی جلیل القدر تو نزول کی پیشگوئی کو قرآنی پیشگوئی کہتا ہے ایک بد نصیب جماعت وہ ہے جو اس کو حدیثی پیشگوئی بھی کہنے کو تیار نہیں: ”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَأَلَهُ مِنَ النُّورِ“

قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزول جسمانی

کے اہتمام فرمانے کی حکمت

حجیت حدیث کے مضمون میں ہم یہ بات پوری وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ حدیث و قرآن کے مابین متن و شرح کی سی نسبت ہے۔ آیات قرآنیہ اور تشریحات حدیثیہ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ کو اتنی ہی روشن ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں قرآن کریم کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مسئلہ کا ایک پہلو اپنے میان میں لے لیتا ہے تو فوراً اس کا دوسرا پہلو حدیث لے لیتی ہے اور اس طرح مسئلہ کے دونوں پہلو صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت حدیث کے بیان کلمانے کا منشاء بھی یہی ہے۔ مثلاً جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے صف رجال میں ایک تباہ کن فاحشہ کی بیجا ڈالی تو قرآن کریم نے اس عمل کی حرمت کا تذکرہ بھی صرف رجال یعنی مردوں ہی میں فرمایا اور صنف نساء میں بے وجہ اس عمل کی حرمت پر زور دینا اپنے انداز بلاغت کے خلاف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جب اس ماجول میں اس نوع کا وجود ہی نہ ہو تو پھر اس کا تذکرہ کر کے خواہ مخواہ ذہنوں کو اس طرف متوجہ کیوں کیا جائے لیکن چونکہ شرعی نظر میں ان دونوں عملوں کی حرمت یکساں تھی۔ اس لئے حدیث نے صنف نساء میں اس کی حرمت کا اسی شد و مد سے اعلان کیا جس طرح کہ قرآن کریم نے صنف رجال میں اس کی حرمت کا اعلان کیا تھا اور اس طرح دونوں صنفوں کے احکام وضاحت سے ہمارے سامنے آ گئے۔ ہمارے اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ اس عمل کے حرمت کی قرآن کریم میں صنف رجال کی تخصیص اور حدیث میں صنف نساء کی تخصیص کا سبب کیا ہے؟۔ اسی طرح

سماوی عذر کے ليام میں صنف نساء کے ساتھ حدود اعترال اور اختلاط کا مسئلہ ہے۔ یعنی اس زمانہ میں عورتوں سے کسی حد تک الگ رہنا چاہئے اور کہاں تک ان سے اختلاف رکھا جاسکتا ہے۔ یہاں یہود نے تو اجتناب نجاسات کے باب میں اتنا مبالغہ کر رکھا تھا کہ ان ليام میں وہ اپنے گھروں میں بھی داخل نہ ہوتے تھے اور نصاریٰ نے اتنی لا پرواہی اختیار کر لی تھی کہ نجاسات سے اجتناب کرنے کا ان کے ہاں باب ہی نہ وارد تھا۔ (الجواب الصحيح ج ۱ ص ۲۳۲)

جب اس مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا تو چونکہ یہاں قرآن کریم نے اپنے بیان میں اعترال کا پہلو لے لیا تھا اور یہی ضعف بھری کے مناسب بھی تھا اور صاف فرمادیا تھا کہ: ”فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ“ البقرہ آیت ۲۲۲۔ ان ليام میں عورتوں سے الگ رہو تو اس کے جواب میں آپ نے اپنے قول و عمل سے فوراً حدود اختلاط میان فرمائیے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۳ میں ہے کہ جب آیت: ”فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ“ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اصنعوا كل شئ الا لنكاح“۔ یعنی ان ليام میں ہم بستری کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ اب اندازہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے تو لفظ اعترال کا فرمایا تھا پھر آپ ﷺ نے اس کی تشریح میں حدود اختلاط کیوں میان فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدود اعترال اس وقت تک معین ہی نہیں ہو سکتی تھیں جب تک کہ حدود اختلاط میان میں نہ آجائیں: ”وبعضد هاتيين الاشياء“ لہذا یہاں وہ حدیثیں جو ان ليام میں امہات المؤمنین کے ساتھ آپ کے اختلاط کے متعلق روایت کی گئی ہیں۔ اسی روشنی میں پڑھنی چاہئیں تاکہ یہ بات پورے طور پر حل ہو جائے کہ ان میں آپ نے اس تاکید کے ساتھ اس کی عملی وضاحت کی کیا ضرورت سمجھی تھی۔ غرض جہاں بھی قرآن کریم نے مسئلہ کے عموم کے باوجود کسی وقتی مصلحت سے اس کا ایک پہلو بیان میں لے لیا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو فوراً حدیث نے لے لیا ہے اور درحقیقت حدیث کے بیان ہونے کا یہی منشاء بھی ہے۔ اسی مقام سے حدیث کی اہمیت اور اس کی ضرورت کا اندازہ کر لیتا چاہئے۔

اس مقدمہ کے ذہن نشین کر لینے کے بعد جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جب قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے رفع کا مسئلہ وضاحت سے آچکا تھا تو یہاں حدیث کا فرض بھی ہونا چاہئے کہ وہ اسی ضابطہ کے ماتحت رفع کے بعد نزول کا مسئلہ جو اس کا دوسرا پہلو ہے پورے طور پر روشن کر دے۔ اسی لئے نزول کا دوسرا پہلو حدیثوں میں اتنی تفصیل و تاکید سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا اور اس کو مختلف صحابہؓ اور مختلف مجلسوں میں پیرایہ بہ پیرایہ اتنا واضح فرما دیا کہ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں کسی شبہ کا محل باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف قرآن کریم کے لفظ رفع کی ایسی تشریح ہو گئی کہ اب اس میں ادنیٰ سا ایہام بھی باقی نہ رہا۔ اب آپ قرآنی لفظ رفع اور حدیث کے لفظ نزول کو جتنا ملا کر پڑھیں گے اتنا ہی ان کے رفع جسمانی اور نزول جسمانی کا مسئلہ آپ کے سامنے کھلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جسم کے ساتھ اترے گا وہ یقیناً جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس کو یقیناً دوبارہ اپنے جسم ہی کے ساتھ اترنا چاہئے۔

اب یہ عقیدہ بھی حل ہو گیا کہ حدیثوں میں جس کثرت کے ساتھ نزول کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کثرت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا اور اسی طرح قرآن کریم میں جس صراحت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس صراحت کے ساتھ نزول کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن کریم ان کے رفع کی تصریح فرما چکا تھا تو اب حدیث کی نظر میں یہ مسئلہ تو ایک طے شدہ مسئلہ تھا۔ اس کے تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ اس لئے حدیثوں میں اٹل کے دوسرے پہلو پر یعنی نزول پر زور دیا گیا اور اسی پہلو پر زور دینا مناسب بھی تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہو چکی ہیں کیا اس کے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے؟ !!!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہر ممکن تشریح کے ساتھ معرض بیان میں آچکا ہے۔ یعنی آپ کا اسم مبارک آپ کا نام و نسب اور اس خاص نسب نامہ کی خصوصیت یعنی صرف ماں سے آپ کی پیدائش آپ کا حلیہ مبارک۔ اس شر کا نام جہاں آپ کا نزول ہو گا

اور پھر خاص اس جگہ کا نام بھی جہاں آپ کا نزول ہو گا۔ نزول کا وقت اور اس وقت آپ کا مکمل نقشہ۔ نزول کے بعد پہلی نماز میں آپ کا امام یا مقتدی ہونا۔ آپ کا منصب۔ آپ کی خدمات مفوضہ۔ آپ کی مدت قیام۔ آپ کے دور کی محیر العقول فراوانی اور عدل و انصاف۔ آپ کی زندگی کے اہم کارنامے، آپ کی شادی کرنا اور اولاد ہونا حتیٰ کہ آپ کا وفات پانا اور آپ کے مدفن کی مکمل تحقیق۔ اب انصاف سے فرمائیے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے آپ کو اور کن تفصیلات کا انتظار ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی واقعہ کی تعیین و تشریح کے لئے اس سے زیادہ آخر اور کیا طریق اختیار کیا جائے۔ آج دنیوی مقدمات میں صرف مدعی اور مدعی علیہ اور ان کے باپ دادوں کے نام ان کی تعیین کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں اور آئندہ مقدمہ کی تمام کارروائی اسی معین شدہ شخص سے متعلق سمجھی جاتی ہے اسی طرح خطوط، بیٹے۔ منی آرڈر اور رجسٹریاں وغیرہ صرف شہر اور اس شخص کے نام لکھ دینے سے اس کو تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ حیرت ہے کہ جب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں معمولی درجہ کی تعیین کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اتنی مفصل تاریخ کیوں ناکافی ہے؟۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ آپ خود اپنی عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو آخر آپ وہ اور کس طرح ادا کریں گے کہ اس کے بعد اس میں کوئی ایہام باقی نہ رہے۔ اگر ذر حقیقت اس پیشگوئی کا مصداق رسول اسرائیل کی جائے خود اسی امت کا کوئی فرد ہو جو اسی امت میں پیدا ہونے والا ہو جس کا نہ یہ نام ہو نہ یہ نسب نامہ نہ یہ حلیہ نہ یہ جائے نزول نہ یہ منصب اور نہ یہ کارنامے تو کیا اس بیان کو ایسے شخص کے حق میں ایک گمراہ کن بیان نہ کہا جائے گا۔ کیا آج کسی شخص کی پیدائش کا معمولی مسئلہ کوئی ادنیٰ زبان داں شخص بیان کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسی طرح اس کو مجاز و استعارہ کی بھول بھلیاں میں ادا کرے گا۔ چہ جائیکہ ایک رسول اور رسول بھی جو افسح العرب والعجم ہو۔ پس اگر دنیوی معاملات میں بادشاہوں سے لے کر فقراء اور اولیاء سے لے کر رسولوں تک کی پیدائش کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاتے تو پھر مجاز و استعارہ کی یہ ساری رام کہانی خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیوں گائی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے تو فی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سورہ آل عمران میں تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ تو فی رفع الی اللہ اور تطہیر اور سورہ نساء میں جہاں ان کے مقدمہ پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے۔ وہاں صرف رفع الی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ان تینوں الفاظ میں تطہیر کا لفظ تو فی رفع کے تابع ہے کیونکہ کفار سے ان کی تطہیر کا مقصد ان سے ان کی علیحدگی تھی اب وہ خواہ کسی صورت سے بھی ہو اس لئے قابلِ بحث دو ہی لفظ ہیں۔ تو فی رفع الی اللہ ان دو میں سے جس لفظ کو ان کے مقدمہ میں بصیغہ ماضی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف لفظ رفع کا ہے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ تو فی اور رفع کے دو وعدوں میں سے رفع کا وعدہ تو آنحضرت ﷺ کے دور سے پہلے پہلے پورا ہو چکا تھا اور اسی لئے اس کو بصیغہ ماضی ادا فرمایا گیا ہے اور کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تو فی معنی موت کا وعدہ بھی اس وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ہاں! سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان سے تو فی کا لفظ کو بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن کریم وہ ان کے مقدمہ کے ذیل میں نہیں ہے بلکہ اس سوال کے جواب میں ہے جو محشر میں ان سے ہو گا اور ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل ان کی موت واقع ہونا سب کو مسلم ہے لیکن جہاں قرآن کریم نے ان کے مقدمہ پر بحث کی ہے اور ان کے معاملہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ وہاں صرف لفظ رفع ہی استعمال فرمایا ہے اور تو فی کا لفظ ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ سورہ نساء میں ہے: ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ“ آیت ۱۵۷ یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر تو فی کے معنی موت ہوتے اور ان کی موت واقع ہو چکی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں: ”بَلْ تَوَفَّاهُ إِلَيْهِ ۚ“ فرمایا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن لفظ رفع کا ہے اسی لئے مقدمہ کے

فیصلہ میں خاص طور پر اسی لفظ پر زور دیا گیا ہے اور تونی کے لفظ کو اہمیت نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں جنہوں نے لفظ تونی کی لغوی تحقیق پر اپنا وقت خرچ کیا ہے وہ بالکل ضائع کیا ہے کیونکہ تونی خواہ کسی معنی میں بھی مستعمل ہو مگر قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی کیا یہ امر قابل غور نہیں ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آخر ہر مقام پر اس حقیقت کا اظہار کیوں کیا گیا ہے اور کیوں صاف الفاظ میں یہ نہیں فرما دیا گیا: ”وما قتلوه یقیناً بل مات۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات کے ساتھ
زیر بحث آچکا ہے یہاں ان کے معاملہ میں ایک ایک لفظ پر
علیحدہ بحث کرنا معقول نہیں

یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معاملہ قدرے مشترک طور پر ایک قوی تواتر رکھتا ہے کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم اور احادیث نبویہ تک اس کے جزئی جزئی واقعات کی تفصیل آچکی ہے۔ یہاں کتب لغت اٹھا کر صرف نزول یا صرف لفظ رفع یا صرف تونی کے الفاظ پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنی صرف ایک بے معنی بحث ہے بلکہ ایک حقیقت کے مسح کرنے کے مترادف ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں جتنے تفصیلی واقعات معرض بیان میں آچکے ہیں ان کی روشنی میں ان الفاظ کے معنی متعین کئے جائیں کیونکہ الفاظ صورت واقعہ کے بغیر ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہاں واقعہ سے قطع نظر کر کے الفاظ میں مجاز و استعارہ کی بے وجہ بحث کھڑی کر دینی حد درجہ غیر معقول ہے۔ پس کسی لفظ کے معنی حقیقی یا مجازی متعین کرنے کے لئے صرف لغت کی عام بحث شروع کر دینی صحیح طریقہ نہیں بلکہ پہلے اس کے استعمال کا محل اور دوسرے قرآن اور خارجی حالات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔ مثلاً لفظ اسد عربی زبان میں اس کے معنی ”شیر“ ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ عربی اردو محاورات میں ایک بہادر شخص کو بھی

مجازا شیر کہہ دیتے ہیں۔ اب کسی سے صرف ”ہذا اسد“ کا جملہ سن کر یہی رٹ لگائے جانا کہ اس جملہ کا مقصد صرف کسی بہادر شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس محاورہ کے لئے دو اویں عرب اور شعراء کے کلام سے استدلال کرتے چلے جانا کتنی بڑی غلطی ہے۔ مساوات اس کے متکلم کے لئے باعث ہلاکت بھی بن سکتی ہے۔ یہاں اس بحث سے پہلے یہ تحقیق کرنی ضروری ہوگی کہ یہ جملہ کس مقام پر کہا گیا ہے۔ بستی میں یا جنگل میں کسی عام مجمع میں یا کسی ہیلان میں سیاق کلام کسی کی مدح و ثناء کا ہے یا خوف و ہراس کا اب اگر یہ جملہ جنگل میں کسی شخص کی زبان سے نکلتا ہے جس کے سامنے شیر کھڑا ہے۔ اس کی آواز کانپ رہی ہے اور جسم لرز رہا ہے تو اس وقت انصاف فرمائیے کہ لفظ ”اسد“ کے مجازی معنی یعنی بہادر انسان مراد لینا اور اس کے لئے ہزاروں اشعار پڑھ ڈالنا اور یہی کہے چلے جانا کہ اس شخص کی مراد شیر نہیں بلکہ ایک بہادر انسان کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیا ایک صحیح العقل انسان کا کام ہو سکتا ہے؟۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر بحث معاملہ میں بھی ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازم ہے جو صحیح طریقوں سے ثابت ہیں پھر جب اس طرف بھی نظر کی جائے گی کہ قرآن وحدیث میں جو جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ الفاظ کسی دوسرے شخص کے حق میں ایک وقت آج تک استعمال نہیں کئے گئے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا معاملہ ہی سب سے جداگانہ معاملہ ہے۔ چنانچہ لفظ توفی اور رفع کا علیحدہ علیحدہ استعمال قرآن کریم میں آپ کو بہت جگہ نظر آئے گا لیکن ایک ہی شخصیت کے بارے میں یہ دونوں لفظ ایک ہی سیاق میں کسی دوسری شخصیت کے متعلق آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ ہر دو لفظ اس طرح سے فرمادیئے گئے ہیں: ”يَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ قُلْ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ ۖ فَارْتَدُّوا عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ يَوْمَ يَكُونُ لَكُم مِّنْ عَذَابٍ لِّئَلَّا تُكَذَّبُوا ۚ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ يَوْمَ يَكُونُ لَكُم مِّنْ عَذَابٍ لِّئَلَّا تُكَذَّبُوا ۚ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ يَوْمَ يَكُونُ لَكُم مِّنْ عَذَابٍ لِّئَلَّا تُكَذَّبُوا ۚ“ ان کے علاوہ کسی کے حق میں ان دونوں لفظوں کو جمع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح نزول کا لفظ بھی محاورات میں بہت جگہ آپ کی نظروں سے گزرے گا لیکن نزول کے ساتھ رفع اور رفع کے ساتھ نزول پھر نزول کی اتنی تفصیلات کسی ایک مقام پر بھی کسی کے حق میں آپ کی نظروں سے نہیں گزریں گی نہ کسی لغت میں نہ شعراء کے کلام میں نہ کسی آیت میں اور نہ کسی حدیث میں۔ پس جب آپ ان جملہ امور

پر غور کریں گے کہ حدیث و قرآن میں جو الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک جگہ جمع کروئے گئے ہیں۔ وہ کسی بصر کے لئے ایک وقت ایک جگہ جمع نہیں کئے گئے تو پھر صرف ایک یہی نتیجہ بدیہی ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا کہ ان کا معاملہ بھی یقیناً سب سے الگ معاملہ ہے۔ یہاں ایک ایک لفظ کو علیحدہ علیحدہ لے کر بحث کرنا یا اس میں مجاز و استعارہ کی آڑ لینا کتنا بجا ہے؟ سوال سیدھا یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں قرآن و حدیث میں ایک وقت یہ سب الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کے یہ تفصیلی سوانح حیات بھی موجود ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ان میں لغوی موٹگافیوں اور مجاز و استعارہ کی تاویلات کی گنجائش نکل سکتی ہے؟

اسلام صرف علمی مذہب نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت بھی منقول چلی آتی ہے۔ لہذا محض کتب لغت کی حدود سے اس کی کوئی اور شکل بنالینا درست نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام صرف ایک علمی مذہب نہیں ہے جس کو صرف دماغی کاوشوں نے پیدا کیا ہو بلکہ وہ ایک مجموعی شکل و صورت کے ساتھ عملاً بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ ہمارے دین کا تمام تر تعلق اوپر سے ہے ہم نیچے سے کسی نئے دین تراشنے کے مجاز نہیں۔ اس کے بانی آنحضرت ﷺ تھے آپ سے صحابہؓ نے اس کے شعبہ اعمال اور اس کے جیادی عقائد بھی سیکھے۔ آپ ﷺ نے ان پر خود بھی ایمان رکھا اور ان ہی پر بعد کی امت کو ایمان رکھنے کی وصیت فرمائی اور پھر کسی درمیانی قطعاع کے بغیر اسی طرح دین سپرد ہوتا رہا ہے۔ ادھر حفاظت الہیہ کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ بحث و تحقیق کا جو مرحلہ تھا وہ سب تیج تابعین کے ماحول ہی میں ختم ہو چکا تھا۔ یہ وہ قرن ہے جس کے متعلق خیریت کی شہادت خود لسان نبوت سے نکل چکی ہے۔ اس لئے جب کسی دین کے مسئلہ پر بحث کی جائے تو اس کو محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے از سر نو شروع کر دینا ایک جیادی غلطی

ہے۔ یہاں ریرج کے اصول کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کام خود انبیاء علیہم السلام کا بھی نہیں اس کو قدرت نے براہ راست خود اپنے ہی دست قدرت میں رکھا ہے۔ ان کی بھی مجال نہیں کہ حکم ایزدی کے بغیر وہ ایک نقطہ کا اضافہ یا ایک نقطہ کی ترمیم کر سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :

”وَإِذَا تَنَاطَلُوا عَلَيْهِمْ أَنَا قُلْنَا بَيِّنَتٌ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَقَاءُ بَقْرَانَ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تَلَقَّائِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ يُونُسَ آيَتِ ۙ ۱۵“

جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ تم سے یہ فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لا دیا کم از کم اسی میں کچھ رد و بدل کر دو ان سے کہہ دو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر سکوں میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

اس ترمیم و تبدیل کا انحصار کچھ الفاظ ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے معانی کو بھی شامل ہے اور وہ لفظی ترمیم سے زیادہ شدید ہے۔ یہود بے بیبود نے دونوں قسموں کی تحریفیں کی تھیں۔ تورات کے الفاظ میں بھی اور ان کے معانی میں بھی۔ قرآن کریم چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے وہ دونوں قسموں کی تحریفوں سے محفوظ ہے۔ لفظی ترمیم کا تو یہاں کوئی امکان ہی نہیں۔ رہی معنوی ترمیم و تحریف تو امت کے بعض طہ فرقوں نے گو اس میں یہود کو بھی مات دے دی ہے مگر اس کی معنوی حفاظت کی وجہ سے وہ اصل دین پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکی اور ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کیا جاتا رہا ہے۔ پس اگر کوئی شخص آج یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں صرف دو ہیں اور اسی کے لئے دماغی تہاشیدہ دلائل کا ڈھیر لگا دے تو بالکل بے سود سعی ہے۔ اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہو گا کہ امت لوہے سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہو گا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی۔ اسی طرح مسئلہ جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات وغیرہ کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی تئی بنا کر پیش کر نیں بھی غلط ہیں کیونکہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات پر غور کرنے سے قبل

یہاں ان کے مقدمہ کی پوری وہ روئیداد جو قرآن کریم نے نقل

فرمائی ہے اور فریقین کے بیانات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں

قرآن کریم پر غور کرنے سے قبل یہاں یہ غور کر لینا بھی ضروری ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جو مسئلہ زیر بحث آیا ہے وہ کیا مسئلہ ہے اور وہ کیوں زیر بحث آیا ہے۔ جب آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سورہ نساء میں جس امر کی اہمیت محسوس کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم کل تک خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا گوارہ بنی ہوئی تھی آخر کیوں ایک لعنت وہ ان تمام نعمتوں سے محروم کر دی گئی اور کیوں نعمتوں کی بجائے لعنت کا مورد بن گئی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ان کے ان پے در پے جرائم کا ذکر کیا ہے جو ایک سے ایک بدتر تھے اور جس کی کہ یہ قوم عادی بن چکی تھی جو جرائم ان کے یہاں شمار کئے گئے ہیں۔ ان میں کچھ تو ان کے حیثیت کے اقوال ہیں اور کچھ زشت افعال ان کے زشت افعال میں خد تعالیٰ کے مقدس انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا ہے اور ان کے حیثیت کے اقوال میں معصومہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان طرازی اور ان کے ملکی صفت فرزند مطہر کے متعلق قتل کرنے کا دعویٰ کاذب ہے۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہود ملعون کا بیان کیا ہے اور پھر ان بیانات ہی کی روشنی میں قرآنی فیصلہ پر غور کرنا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی حیثیت چونکہ ایک حکم اور فیصلہ کی ہے اس لئے ہم کو یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جس معاملہ کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں فریقین کے بیانات کیا نقل کئے ہیں۔ یہاں کسی ایک حرف کا اپنی جانب سے اضافہ کرنا جو مقدمہ کی جان ہو قرآن پر خیانت یا عجز کا بڑا اہتمام ہے یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عدالت کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ وہ فریقین کے بیانات نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کرے اور بالخصوص جو اجزاء کسی فریق کے مقدمہ کی اصلی روح ہوں۔ ان کو پورے طور

یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ان کے معانی بھی اوپر ہی سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام کے الفاظ کا حال ہے۔ یہ بھی امت میں ہمیشہ سے مستعمل ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر دور میں اس کے صرف یہی ایک معنی سمجھے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں بنے گا اور اسی کے ساتھ یہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آنے والے ہیں اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ ایک طرف نبی کی آمد کی ممانعت بھی منقول ہے اور اسی کے ساتھ اسرائیلی رسول کی آمد بھی منقول ہے۔ اب اگر کوئی صرف اپنی دماغی کاوش سے یہ کہنے بیٹھ جائے کہ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں یا اگر عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اور نبی بھی آئیں گے تو اس کا حاصل صرف اپنی دماغ کاوش ہے ایک علمی دین ماننا ہو گا اس کو منقول شدہ دین نہیں کہا جاسکتا اور اگر فرض کر لو کہ ہمارا کہنا صحیح نہیں تو پھر آپ کو کسی تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ فلاں تاریخ سے اس غلط عقیدہ کی بنیاد قائم ہوئی ہے مگر یہاں اسلامی تاریخ تو درکنار اگر اس بارے میں دوسرے اہل مذاہب سے آپ اس امت کا عقیدہ پوچھیں تو وہ بھی کسی تردد کے بغیر آپ کو یہی بتائیں گے کہ ان کے نزدیک کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ ہاں! وہی عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی رسول آئیں گے۔ اس وقت یہ بحث نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قیاس ہے یا نہیں اور نزول کے اور خاتم کے لغت میں معنی کیا ہیں اور ختم نبوت اور نزول میں حروف تطبیق کیا ہے۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ امت میں ان الفاظ کے معنی کیا سمجھے جاتے رہے ہیں تو آپ صرف اسی ایک مذکورہ بالا نتیجہ پر پہنچیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں اور شروح حدیث میں کتب عقائد میں اور دین کے تمام معتبر لٹریچر میں اسی حقیقت کو دہرایا گیا ہے اور اسی حقیقت کے ماتحت ہر مدعی نبوت اور ہر مدعی مسیحیت کی تکفیر و تردید کی گئی ہے۔ لہذا یہاں صرف مجاز و استعارہ یا تمام نقول یا مبہم یا محرف الفاظ سے کوئی ایسی حقیقت تراش لینی جو آج تک امت کے میان کردہ حقیقت کے برعکس ہو دین محمدی کلمائے کے قابل نہیں اس کو نیا دین کہنا چاہیے۔

پر واضح کر دے آج بھی اگر کوئی عدالت فریقین کے بیانات قلم بند کرنے میں ایسی تقصیر کر جائے تو اس کے حق میں یہ کتا بوا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ پس ہمارے نزدیک جو بات یہاں صورت واقعہ کو آسانی سے حل کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم فریقین کے بیانات کو حاشیہ آرائی کے بغیر دیکھیں۔ اس کے بعد کسی تاویل کے بغیر قرآنی فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس قاعدہ کے موافق جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں تو جو بیان ہم کو یہاں یہود کا ملتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے۔ رہا یہ کہ کس غرض سے ان کا قتل کیا ہے اور کس آلہ سے قتل کیا ہے۔ اس کو انہوں نے نہ یہاں بیان کیا ہے اور نہ یہ باتیں ان کے نزدیک کچھ اہم معلوم ہوتی ہیں جس بات پر انہوں نے اپنے بیان دعویٰ میں زور دیا ہے وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی تشخیص و تعیین ہے۔ دوم ان کے قتل کرنے کا پورا جزم و یقین ہے اسی لئے مقتول کے صرف نام یا لقب ہی پر انہوں نے کفایت نہیں کی بلکہ خاص طور پر ان کی خاص مادری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے، یعنی والد کے بغیر پیدائش اور اس سے بھی زیادہ یہ کہا ہے کہ یہ شخص وہی ہے جو ”رسول اللہ“ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی جس جرأت کا بیباکانہ ذکر کیا ہے وہ قتل کا جرم ہے۔ چنانچہ اس کو بھی انہوں نے لفظ ”آئی“ سے ذکر کیا ہے جو عربی زبان میں جزم و یقین کے لئے مستعمل ہے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کو نہ تو اپنے فعل قتل میں کوئی شبہ ہے اور نہ اس مقتول کی ذات میں کوئی شبہ ہے جس کے قتل کا ان کو دعویٰ تھا اس سے زیادہ کوئی اور بات یہاں نقل نہیں کی گئی۔ اس لئے قرآنی فیصلہ بھی ہم کو صرف اسی بیان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔

نصاری کے متعلق یہاں قرآن کریم نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ یقینی طور پر کوئی بات نہیں کہتے مختلف باتیں مانتے ہیں اور چند وجوہات کی بناء پر حقیقت کا ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے اس لئے صرف اٹکل کے تیر چلانے کے سوا ان کے لئے چارہ کار ہی کیا ہے۔ ہاں! اجمالی طور پر ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنے جسم ناسوتی یا لاحوتی کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اب ظاہر بات ہے کہ قرآنی الفاظ کے مطابق جو بات یہاں متنازع فیہ نظر آتی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف زندہ شخصیت ہے یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا

ہے اور نصاریٰ اس خیال میں تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی روح کے متعلق نہ یہاں کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کا تذکرہ معرض بحث میں لایا جاسکتا ہے کیونکہ روح کا معاملہ ایک غیبی معاملہ ہے وہ انسان کے ادراک سے بالاتر بات ہے۔ اس پر نہ یہود کوئی حجت قائم کر سکتے ہیں اور نہ قرآنی بیان کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے حسب تصریح قرآن کریم ان کے دعویٰ ہی میں روح زیر بحث نہ تھی تو فیصلہ میں اس کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے روح پر وارد نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کے مقابلہ میں جب قرآنی فیصلہ یہ ہو کہ وہ مقتول نہیں ہوئے بلکہ مرفوع ہوئے ہیں تو یہاں رفع سے جسم ہی کا رفع مراد ہوگا نہ کہ روح کا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور ان کے عزت سے مر جانے کی جدید داستان

یہاں ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی رکھا، منہ پر تھوکا بھی اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ بھی کر لیا تھا۔ (والعیاذ باللہ) حتیٰ کہ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ انہوں نے ان کو درحقیقت مار ڈالا ہے تو ان کو سولی سے اتارا مگر ان میں زندگی کی کوئی رقم بقا تھی آخر وہ چھپ کر کشمیر یا دنیا کے کسی اور غیر معروف شہر میں آکر اپنی موت سے مر گئے تھے۔ اس جماعت کے نزدیک یہود کا یہ گمان تھا کہ جو شخص بھی صلیب کے ذریعہ مارا جاتا ہے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی بجائے ان کا ملعون ہونا ثابت کریں۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ از بس ضروری تھا کہ ان کی موت صلیبی موت ہو تاکہ وہ ان کے لعنتی ہونے کا ثبوت بن سکے۔ اس جماعت کو یہود کے یہ سب جرائم مسلم ہیں یعنی ان کا سولی دینا اور تمام اہانت کے اسباب کا ارتکاب کرنا حتیٰ کہ ان کو اس نوبت میں پہنچا دینا ان کے حق میں زندگی کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے اور یہاں قرآنی تردید کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں گو اسباب موت

سب پورے ہو چکے تھے مگر ان میں کچھ جان باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ کہیں جا کر خود اپنی موت سے مرے ہیں۔ اس لئے ان کی موت لعنتی موت نہیں ہوئی بلکہ ان کو بڑی عزت کی موت نصیب ہوئی ہے۔ اور ان کے بڑے درجے بلند ہوئے ان کے نزدیک: ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر واقعہ درحقیقت یہی تھا جو اس جماعت کا خیال ہے تو یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(الف)..... اگر درحقیقت یہود کا دعویٰ یہاں ان کی صلیبی موت کا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے ان کے میان میں صلیب کا دعویٰ نقل نہیں کیا اور کیوں قتل کا ایک عام لفظ نقل کیا ہے۔

(ب)..... اور کیا وجہ ہے کہ جبکہ ان کا تمام زور صلیبی موت کے متعلق تھا تو تردید میں صرف نفی قتل پر زور دیا گیا ہے اور کیوں ایک ایسے غیر متعلق جرم کی نفی پر زور دیا گیا ہے جس کی نفی سے ان کے دعویٰ کی تردید کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یعنی فعل قتل ظاہر ہے کہ یہ ایک عام جرم ہے جو صلیب اور غیر صلیب ہر آلہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قتل کی نفی پر تو زور نہ دینا اور ایک عام جرم کی نفی پر زور دینا یہ کہاں تک مناسب ہے۔

(ج)..... پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اگر ایک بار صلیب کا انکار بھی کیا تو وہ بھی ایسے محل پر کیا ہے جو اس کا صحیح محل نہ تھا۔ یعنی جب قرآن کریم ان کی لعنتی موت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی جائے ان کی موت کو عزت کی موت قرار دیتا ہے تو پھر بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو مقابلہ بنا کر ذکر کرنا چاہئے تھا اور یوں کہنا تھا کہ: ”وَمَا صَلْبُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہاں بھی قرآن کریم نے خاص صلیب کی جائے صرف ایک عام فعل قتل کی نفی فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ: ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“

(د)..... اس تفسیر کی بناء پر یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جو چیز موقعہ واردات پر واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ کشمیر یا اور کسی طرف چلے گئے تھے۔ رہا ان کی موت کا مسئلہ

تو اگر ان کی موت کہیں جا کر واقع ہوئی تو یہ سالوں یا مدتوں بعد کا معاملہ ہے۔ پس جو بات یہاں صورت حال بتانے کے لئے ضروری تھی اس کو کیوں حذف کر دیا گیا ہے اور صاف طور پر یہ کیوں نہیں فرما دیا گیا کہ یہود نے ان کو سولی نہیں دی بلکہ وہ زندہ کشمیر وغیرہ کہیں چلے گئے تھے تاکہ یہ بات واضح ہو جاتی کہ صلیبی موت سے بچنے کی ان کی شکل کیا ہوئی۔ پس اصل حقیقت کا تو انہماک کرنا اور موت کی ایک عام سنت کا بیان کرنا یہ کس درجہ بے محل اور غیر متعلق بات ہے۔

(۵)..... اس سے بڑھ کر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل بات ان کی طبعی موت تھی تو یہاں: ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ کی بجائے: ”بَلْ تَوَفَّاهُ اللَّهُ“ کتنا زیادہ مناسب تھا تاکہ ثابت ہو جاتا کہ وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ طبعی موت سے مرے ہیں اور جب اپنی طبعی موت سے مرے ہیں تو رفع درجات کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ پس اگر صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اسی صورت سے ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طبعی موت کا ذکر کیا جائے۔

لیکن آیت بالا میں یہاں ان تینوں الفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے:

(۱)..... نہ..... یہ: ”وَمَا صَلَّبُوهُ يَقِينَا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“

(۲)..... نہ..... یہ: ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينَا بَلْ أَرْسَلَهُ اللَّهُ إِلَى الْكُثْمِيرِ“

(۳)..... نہ..... یہ: ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينَا بَلْ تَوَفَّاهُ اللَّهُ“

اب اگر ہم اس جماعت کے خیالات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ہم کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہود کا اصل دعویٰ ہی یہاں مذکور نہیں یعنی خاص صلیب دینا۔ کیونکہ ان کے بیان کے مطابق ان کی لعنتی موت ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کی موت صلیب کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں ان کے دعوے میں قتل کے عام جرم کا نقل کرنا مدعیین کے دعویٰ کے بھی اور ان کے مقاصد کے بھی بالکل خلاف ہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے فیصلہ پر نظر کرتے ہیں تو یہاں بھی واقعہ کی اصل صورت بالکل مبہم نظر آتی اور صورت حال کا کچھ انکشاف نہیں ہوتا کیونکہ نہ یہاں ان

کے کشمیر جانے کا ذکر ہے نہ ان کے طبعی وفات پانے کا کوئی تذکرہ ہے۔ اس لئے اس کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا کہ ملزمین جس کے قتل کے اس شد و مد کے ساتھ مدعی تھے۔ اگر وہ شخص مقتول نہیں ہوا تو آخر پھر کدھر گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے متعلق جو نہ صرف ان کے زیر حراست آچکا تھا بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مر بھی چکا تھا صرف یہ کہہ دینا کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا بلکہ عزت کی موت مرا تھا کیا تشفی بخش تھا۔

ہاں! اگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کو فلاں مقام پر بھیج دیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ مدعین کے لئے اس مغالطہ لگنے کا باعث کیا تھا تو بے شک صورت حال پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ ان کی عزت کی موت واقع ہوئی ہے بے معنی فیصلہ ہے اور بالکل بعید از قیاس بھی ہے کیونکہ جو لوگ ان کے قتل کے مدعی تھے وہ یہود تھے اور اس بارے میں ان کو اتنا یقین تھا کہ اپنے بیان میں اس کے متعلق تاکید اور یقین کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتے تھے سب استعمال کر چکے تھے۔ اب اگر قرآن کریم یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ تم نے ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر جب وہ سولی سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تھے تو وہ پورے طور سے نہیں مرے تھے۔ اگرچہ تم کو مردہ معلوم ہوتے تھے پھر بعد میں ان کو کسی غیر جگہ لے جا کر خود ہم نے ان کو موت دی تھی یہ بیان جتنا خلاف قیاس ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے خاص کر جب کہ ان کی موت تسلیم کر لی جائے جو لوگ یقینی اسباب قتل کا ارتکاب کر چکے تھے ان سے یہ کہنا کہ وہ ان اسباب سے نہیں مرے بالکل اتنی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی جیسے کوئی قاتل اپنی صفائی کے بیان میں یہ کہے کہ مقتول کے پیٹ میں چھراتو میں نے ہی گھونپا تھا مگر مقتول اس کی وجہ سے نہیں مر بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ قاتل کے یقینی آلہ قتل کے استعمال کرنے کے بعد ان حالات میں جبکہ موت کا ظاہری سبب وہی ہو۔ کوئی عدالت اس کے اس عذر کو مقول نہیں سمجھے گی بلکہ اس کی سماعت مقتول کے حق میں ایک ظلم تصور کرے گی پھر یہاں سولی کا جرم تسلیم کر لینے کے بعد اور وہ بھی اس حد تک کہ ملزمین کے نزدیک اس کی موت یقینی ہو چکی ہو خالق کائنات کا یہ فیصلہ دینا کہ وہ تمہارے مارنے سے نہیں مرے بلکہ ہمارے مارنے سے مرے ہیں ان کے مقابلہ میں کیا اثر

انداز ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بعید از قیاس دعوے کے لئے کوئی قرینہ بھی یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اگر اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا کہ اپنے دشمن کی ہلاکت جو ہر شخص کا مقصد ہوتا ہے یہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر دیا تھا دشمنوں کے مقابلہ میں اب یہ حث کھڑی کرنی کہ ان کی یہ موت بڑی عزت کی موت تھی ہمارے نزدیک زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حسب بیان قرآن کریم یہود کے جرم کی جو نوعیت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں تھی وہی نوعیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی تھی۔ یعنی قتل، دونوں مقامات پر قرآن کریم نے ایک ہی لفظ قتل کو استعمال فرمایا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کو اس نے تسلیم نہیں کیا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں تسلیم کر لیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں مدعیین بھی ایک ہی قوم تھی اور دعویٰ بھی ایک تھا تو پھر صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کیا تھی کہ ان کے حق میں ان کے رفع روحانی یا عزت کی موت کی تصریح ضروری سمجھی گئی ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کی موت کے متعلق ایک کلمہ تک نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ یہود کا مقصد ان کے قتل کرنے سے بھی اس کے سوا اور کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ سب مقدس گروہ بھی لعنتی تھا۔ والعیاذ باللہ!

کیا اس سکوت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ ان کے معاملہ میں رفع روحانی یا رفع درجات تسلیم نہیں کیا گیا۔ والعیاذ باللہ! حقیقت یہ ہے کہ روح کے رفع یا عدم رفع کا مسئلہ نہ پہاں زیر بحث تھا اور نہ یہ مسئلہ کسی کے حق میں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء علیہم السلام زیر بحث آنے کے قابل ہے۔

پھر اگر یہاں رفع سے رفع روحانی مراد ہوتا تو کیا اس کے لئے صرف ”بل رفعہ اللہ“ کا لفظ کافی نہ تھا۔ یہاں لفظ الیہ کا بے ضرورت کیوں اضافہ کیا گیا ہے؟۔

صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اس کے مقابلہ میں عزت کی موت کا

افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ غیر معقول ہے

رفع روحانی اور عزت کی موت کا یہ سارا افسانہ اس پر مبنی ہے کہ صلیبی موت کے لعنتی موت ہونے کی شریعت کی نظر میں کوئی اصلیت بھی ہو لیکن اگر یہ تخیل ہی بے بیاد ہے تو پھر نہ قرآن کریم کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کسی غلط بیاد پر وہ اپنے صحیح فیصلہ کو مبنی کر سکتا ہے۔ جب اس پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لعنتی موت کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہاں کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب ملعون ہیں۔ خواہ زندہ ہوں یا مردہ۔ سولی پا کر مریں یا گولی کھا کر۔ آخر جب ملعون قرار دیئے گئے تو کیا یہ لعنت ان کے دم کے ساتھ ساتھ نہ رہی۔ یقیناً حیات سے لے کر موت اور موت سے لے کر قیامت اور قیامت سے جہنم تک ان کے دم کے ساتھ لگی رہے گی۔ جملہ ادیان سوا یہ میں موت کے اچھے اور برے ہونے کا تعلق انسانوں کے اعمال پر رکھا گیا ہے نہ کہ کسی خاص آلہ قتل پر اور یہی بات معقول بھی ہے یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ ایک پاکباز انسان اگر سولی پر مارا جائے تو وہ صرف اس خاص آلہ قتل کی وجہ سے لعنتی بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہود کے جرم قتل کا اعتراف کر لینے کے باوجود ان کی عزت کی موت ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ اس بدیہی بات کی طرف توجہ کی ضرورت تھی بلکہ جس بات کی اہمیت محسوس فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کے قتل کا وبال یہ ہے کہ جو جماعت کل تک نعمت کا گوارہ بنی ہوئی تھی۔ اب وہ مورد لعنت بن گئی ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں سیاق کلام تو یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کرنے کا تھا اور اس میں بے بیاد اور الٹا عیسیٰ علیہ السلام کے ملعون ہونے نہ ہونے کی بحث کھڑی کر دی گئی۔

رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی لعنتی موت کی تردید کے لئے مستعمل نہیں

حادث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لفظ رفع کے معنے پر بھی غور کر لینا چاہئے کیا یہ لفظ عرف قرآنی میں کہیں عزت کی موت کے لئے استعمال ہوا ہے؟۔ جہاں تک ہم نے قرآن کریم اور کتب لغت پر نظر کی ہے ہم کو اس لفظ کے معنی کہیں لعنتی موت کے بالمقابل عزت کی موت دینے کے ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس لفظ کا استعمال غیر ذی روح میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں موت کا احتمال ہی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ”رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔“

رفع کے معنی قرآن و لغت میں

یہاں لفظ ”رفع“ آسمانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال زندوں اور مردوں میں یکساں نظر آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیات ذیل پر نظر فرمائیے!

(۱): ”وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔ الزخرف

آیت ۳۲“

(۲): ”يَرَفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

دَرَجَاتٍ۔ المجادلہ آیت ۱۱“

(۳): ”وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ۔

الاعراف آیت ۱۷۶“

(۴): ”وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ مریم آیت ۵۷“

(۵): ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ الانشراح آیت ۴“

(۶): ”وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ۔ يوسف آیت ۱۰۰“

ان تمام آیتوں میں رفع کا لفظ انسانوں ہی میں استعمال ہوا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی

اس کے معنی عزت کی موت کے مراد نہیں ہیں بلکہ مردوں میں اس کا استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا مسئلہ گویا صرف لفظ رفع سے پیدا ہو گیا ہے اور اس لئے ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ رفع کا لفظ رفع جسمانی کے لئے کہیں آیا ہے یا نہیں۔ درحقیقت یہ بحث کا رخ پلٹنے کے لئے صرف ایک چال ہے۔ اصل سوال یہ تھا کہ یہ لفظ عزت کی موت کے لئے کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں اور چونکہ یہ معنی کہیں ثابت نہیں۔ اس لئے بحث کا رخ بدلنے کے لئے ذہنوں کو ایک دوسرے سوال کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے تاکہ اصل سوال کی طرف کسی کا ذہن متوجہ ہی نہ ہو سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ رفع کا لفظ صرف بلند کرنے اور اٹھانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے نہ روح کی بلکہ وہ غیر ذی روح میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جسم کا رفع اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ یہاں زیر بحث جسم ہی کا معاملہ تھا۔ یہود اس کے قتل کے مدعی تھے اور نصاریٰ اس کے رفع کے۔ پس جب یہاں روح زیر بحث ہی نہ تھی تو رفع سے روح کا رفع مراد ہو کیسے سکتا تھا۔ اس مقام کے علاوہ قرآن کریم میں کسی جگہ اور کسی شخص کے متعلق یہ بحث نہیں ملتی کہ وہ قتل کیا گیا ہے یا اپنے جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے کسی اور جگہ خاص جسم کے رفع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پس انسانوں میں جن کے جسم مشاہدہ میں ہوتے ہیں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو چونکہ وہاں ان کے جسم کے رفع کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہاں معنوی رفع یعنی درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کا استعمال ہر قسم کی بلندی کے لئے ہوتا ہے جسم کی ہو یا معنوی، جیسا موقع اور محل ہو گا اس کے مطابق اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ یہی حال لفظ توفی کا ہے وہ بھی زندوں اور مردوں دونوں میں یکساں مستعمل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں لفظ توفی رفع نزول اور اس کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ یہاں قومی تاریخیں بھی موجود ہیں۔ پس یہ مسئلہ قومی تاریخ اور آیات و احادیث کی روشنی سے ثابت ہوا ہے۔ یہ سمجھنا بڑی نا فہمی ہے کہ یہ مسئلہ صرف لفظ رفع کی پیداوار ہے جیسا کہ آیت نمبر ۶ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کے

جسمانی رفع کا معاملہ صرف لفظ رفع سے پیدا نہیں ہو بلکہ اس کے لئے دوسرے خارجی قرائن بھی تھے اور یہاں تو قرائن نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں اور وہ بھی واضح سے واضح اور مستحکم سے مستحکم۔ خلاصہ یہ کہ جب ایک طرف لغتی موت کا افسانہ بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف رفع کا استعمال بھی عزت کی موت یعنی لغتی موت کی تردید کے لئے نہیں ملتا تو پھر آیت بالا کی یہ تفسیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے

اور اس کی تردید

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے چلے کہ خاص عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا سولی دیا جانا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا۔ ان کے منہ پر تھوکا جانا اور طرح طرح سے ان کی توہین و تذلیل کرنا کیا یہ تاریخ قرآن کریم کو مسلم ہے؟

یہاں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جب یہود کے ملعون ہونے کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے تو خاص عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں کسی سبب کا ذکر کیا ہے۔ آیت: ”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ..... الخ. النساء آیت ۱۵۷“ معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں صرف ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے ان کے لعنت در لعنت کا سبب بن گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ان کی جانب سے وہ تمام بدترین اور توہین و تذلیل کی حرکات ناخاستہ سرزد ہو چکی تھیں جو ابھی ذکر ہو چکیں تو ان تمام مکروہ افعال کا ذکر نہ کرنا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو نقل کرنا کیا یہ معقول ہو سکتا ہے۔ عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ اگر اس سلسلہ میں ان مکروہ افعال کا ان سے صدور ہوا تھا اور ان تمام مظالم اور جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو ان کے اسباب لعنت میں ذکر کیا جاتا اور اس سے کہیں بڑھ کر اسباب لعنت کے ذکر سے سکوت کر لیا جاتا۔ ہمارے نزدیک دشمنوں اور مجرموں کے حق میں اس سے بڑھ کر فیاضی کی مثال ملنا ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ سورہ مائدہ میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تو ان میں ایک بڑا انعام یہ بھی شمار کیا ہے: ”وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ عَنْكَ“۔ اور یہ انعام بھی قابل یاد ہے جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تم سے دور روکے رکھا۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا تھا اور سب ناروا سلوک ان کے ساتھ کر لئے تھے تو کیا بنی اسرائیل کی اس دسترس کے بعد عربی ادب و لغت کے لحاظ سے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرنا صحیح ہے۔ دوم پھر کیا یہ دردناک مظالم اور تذلیل و توہین کا سلوک اس قابل ہے کہ ان کے عجیب در عجیب معجزات اور نزول مائدہ جیسے انعامات کے پہلو بہ پہلو ایک انعام ہٹا کر لٹس کو ذکر کیا جائے۔

تیسرے سورہ آل عمران میں یہ ارشاد ہے:

”وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ“۔ آل عمران آیت ۷۵

یہود نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے ان کے مقابلہ میں خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر و برتر ہے۔

آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہود بے بہبود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیریں کیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جب قدرت خود ضعیف انسان کی تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو پھر کسی کی ضعیف یا قوی تدبیر کیا چل سکتی ہے؟۔ یہ بات الگ ہے کہ جب قدرت تدریج و امہال کے قانون کے ماتحت کسی گرفت کا ارادہ ہی نہ فرمائے تو کچھ مدت کے لئے انسان اپنی سب تدبیروں میں کامیاب نظر آئے لیکن اگر قدرت الہیہ ان تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو کیا پھر اس رسوائی و ذلت کی کوئی مثال مل سکتی ہے جو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں نا فہموں نے اپنی جانب سے تراش لی ہے اور کیا اب دشمنوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا یہ دعویٰ کرنا کہ: ”وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ“۔ اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا ہے۔ قابل مضحکہ نہیں ہے۔ (معاذ اللہ!)

لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں

یہ خوب واضح رہنا چاہئے کہ یہاں قرآن کریم نے یہود کے مقابلہ میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ مکر ہے جس کے معنی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں۔ پس اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہئے جس کا دشمنوں کو علم بھی نہ ہو سکے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ اس درجہ ناکام بھی رہیں کہ پھر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا: ”خَيْرُ الْمَاكِرِينَ“ ہو باروز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے واقعہ میں لفظ مکر کا استعمال بھی ہوا ہے ہر دو مقامات پر تدبیر الہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرت ﷺ کی شان برتری کا اس میں ظہور

اس قسم کا ایک جملہ قرآن کریم میں ہم کو آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے متعلق بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ”وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ. وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ. الانفال ۳۰“ ادھر تو وہ خفیہ سازش کر رہے تھے اور ادھر خدا خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

یہاں بھی قریش کی سازش کا ذکر ہے پھر اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے خفیہ تدبیر فرمانے کا تذکرہ ہے اور آخر میں پھر وہی کلمہ دہرایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا گیا تھا یعنی: ”وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ“

عجیب بات ہے کہ ہجرت کے لئے جب آنحضرت ﷺ گھر سے نکلے تو یہاں بھی کفار محاصرہ کر چکے تھے اور یہاں بھی آپ ﷺ حضرت علیؓ کو اپنی جائے چھوڑ گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں پر ہجرت کرنے لگے تو یہاں بھی دشمن گھیر اڑال چکے تھے اور یہاں بھی ایک شخص ان کی جائے دشمنوں کے ہاتھوں میں موجود تھا قرآن کریم نے دونوں مقامات پر اپنی تدبیر اور کفار کی غلط فہمی کو اسی لفظ ”مکر“ سے ادا فرمایا ہے۔ ان دونوں

ہجرتوں میں جب خدائی تدبیر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تدبیر آنحضرت ﷺ کے حق میں ظاہر ہوئی وہ دشمنوں پر ایک بڑی کاری ضرب تھی۔ ان دونوں مقامات پر خدا تعالیٰ کے یہ دونوں رسول گود دشمنوں کے زرعے میں سے صاف نکل گئے اور کسی کابل مکان نہ ہو سکا مگر غور فرمائیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے دشمنوں کے علم میں اسی سر زمین پر صحیح و سالم موجود رہنا اور ہر معرکہ میں ان کو شکست دیتے رہنا آخر ۸ھ میں اپنے آبائی وطن کو فتح کر لینا جتنا قریش کے لئے سوہان روح ہو سکتا تھا۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر چلے جانا یہود پر شاق نہیں ہو سکتا؟۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ایک مقتول لاش بھی موجود تھی مگر اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے نہ ہونے میں بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آگیا تھا کہ مقتول وہی حضرت مسیح علیہ السلام ہیں یا کوئی دوسرا شخص، مگر یہاں حضرت علیؑ سب کے جانے پہچانے شخص تھے۔ یہاں قریش کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کسی شبہ کے بغیر ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان سے ذرا فاصلہ پر ان کا سر کچلنے کے لئے موجود بھی ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام با ایں ہمہ رافت و رحمت جب دوبارہ اپنے وطن لوٹ کر تشریف لائیں گے تو یہاں ان کے دشمنوں کے حق میں قتل مقدر ہوا۔ حتیٰ کہ یہودی ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور آنحضرت ﷺ جب لوٹ کر اپنے وطن مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے دشمنوں کے حق میں یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور پھر وہی آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو نہ ہو کر آپ پر اپنی جانیں قربان کریں۔ ذرا اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کی دائمی فتح و نصرت کے لئے ایک بار آپ کی ہجرت اور ہجرت کے بعد پھر اسی مقام پر فاتحانہ واپسی مقدر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بھی اگر پہلے ان کی ہجرت پھر اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی مقدر ہو تو اس میں تعجب کیا ہے۔ یہاں اگر فرق ہے تو صرف دارالہجرت ہی کا تو ہے۔ یعنی وہاں دارالہجرت آسمان مقرر ہوا اور یہاں مدینہ طیبہ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مقامات برابر تھے۔ ہاں اگر فرق تھا تو خود روح اللہ اور عبد اللہ کی جانب سے تھا روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی طبعی کشش

آسمانوں کی طرف تھی آخر جو نفخہ جبرئیل سے ظاہر ہوئے وہ جاتے تو اور کہاں جاتے
 عبد اللہ کی طبعی کشش زمین کی جانب تھی۔ اس لئے اگر وہ کسی خطہ ارض کی طرف نہ جاتے تو
 اور کہاں جاتے؟ بے شک خدا تعالیٰ قادر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی آسمانوں پر اٹھالیتا لیکن
 کیا یہ اس آخری رسول کی شان کے مناسب ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمانوں پر
 تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرا رسول اعظم دنیا کو نصیب ہو گیا لیکن آپ ﷺ تشریف
 لے جاتے تو امت کا نگہبان کون ہوتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر دوبارہ تشریف لائیں
 گئے تو ان کو اس امت میں شامل ہونے کا دوسرا وہ شرف حاصل ہو گا جس کی الوالعزم انبیاء
 علیہم السلام تمنائیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لاتے تو آپ کو کون
 سا دوسرا شرف حاصل ہوتا پھر روح اللہ اگر آسمانوں پر گئے تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے
 بلائے گئے اور آنحضرت ﷺ جب آسمانوں پر بلائے گئے تو صرف تشریف و تکریم کے لئے
 بلائے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر گئے تو چوتھے آسمان تک گئے اور آنحضرت ﷺ
 تشریف لے گئے تو ساتوں آسمان طے کر کے وہاں تک پہنچ گئے جہاں جاتے جبرائیل علیہ
 السلام کے بھی پر جلتے تھے۔ ان دونوں ہجرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر امام رازی
 کے قلم سے کیا اچھا جملہ نکل گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر
 ہوا وہ عروج تھا اور جس شرف سے آنحضرت ﷺ نوازے گئے اس کا نام معراج ہے۔ میں
 کہتا ہوں جی ہاں! وہ روح اللہ تھے اور یہ عبد اللہ ہیں۔

”الھم صل وسلم و بارک علی عبدک ورسولک سیدنا محمد
 صاحب المعراج والبراق والقلم وعلیٰ الہ واصحابہ تسلیما کثیرا کثیرا۔“
 گو ان دونوں ہجرتوں میں اللہ تعالیٰ کی شان: ”خَيْرُ الْمَکَرِیْنِ“ دونوں جگہ
 عیاں تھی اور دونوں مقامات میں اس کا جو ظہور ہوا وہ کامل ہی تھا مگر کیا جو تدبیر حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کے لئے جلوہ گر ہوئی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے مناسب تھی۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ
 السلام کا مصلوب ہونا اور آخر کار کشمیر وغیرہ میں جا کر کہیں اپنی طبعی موت سے مر جانا تسلیم کر

لیں تو اس کے لئے نہ تو قرآنی الفاظ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی تاریخ اس کی شہادت دے سکتی ہے اور نہ اس میں خدائی تدبیر کا کچھ ظہور ہوتا ہے اور نہ اس تقدیر پر یہود کے دعویٰ کی کوئی معقول تردید ہو سکتی ہے کیونکہ جب سولی کے ساتھ جملہ موت کے مقدمات تسلیم کر لئے جائیں اور گفتگو صرف اتنی رہ جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے مار لیا کیس گناہ مقام میں لے جا کر خود ہم نے مارا تو اب یہ گفتگو ایک عبث گفتگو ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ جو بات دشمن چاہتے تھے وہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے خود پوری فرمادی۔ والعیاذ باللہ!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و رفع کی تحقیق

قرآن کی روشنی میں

اسی طرح صلیب کے تسلیم کر لینے کے بعد یہاں نصاریٰ کی بھی کوئی تردید نہیں نکلتی کیونکہ جب اصولی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا سولی چڑھنا تسلیم کر لیا جائے اور رفع جسمانی کا قرآن کریم خود اعلان فرمادے تو اب ان کے ساتھ بھی جو اختلاف رہے گا وہ صرف نظریات ہی کا رہے گا اور صلیب پرستی کی یہ ایک بیاہ قائم ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے۔ اور جو مطلب کسی تاویل کے بغیر اس سے ظاہر ہوتا ہو اس کا اعتقاد رکھا جائے۔ پہلے ایک بار پوری آیت پڑھ لیجئے :

”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا . بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا . النساء آیت ۱۵۷“

اور ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کیا۔ ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینہ باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

آیت بالا کے مطالعہ کے بعد جو بات پہلی بار سمجھ میں آ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے اور اس بارے میں وہ اپنے پورے جزم و یقین کا اظہار کرتے تھے لیکن نصاریٰ چونکہ باہم خود مختلف تھے۔ اس لئے مختلف باتیں کہتے تھے ان ہر دو فریق کے مقابلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے دونوں غلطی پر ہیں۔ یہود کا دعویٰ قتل تو سراسر غلط ہے۔ اس لئے اس کو دوبار رد کیا گیا ہے تاکہ جتنا زور انہوں نے اپنے قول قتل کرنے پر صرف کیا تھا اتنا ہی اس کے انکار پر صرف کیا جائے۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ قدرے مشترک طور پر ان کے مصلوب ہونے کے آج تک قائل ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ گو وہ کسی بات کے مدعی نہ ہوں مگر ان کے اس غلط خیال کی تردید بھی کر دی جائے۔ اس لئے یہود کے دعویٰ قتل کے ساتھ ساتھ صلیب کی بھی نفی کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کو اور کچھ علم نہیں ہے وہ صرف اٹکل کے تیر چلاتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے یقین کا دعویٰ رکھتی ہو صرف اس کی تردید کر دینا اس کے لئے کچھ تشفی غش نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کی غلط فہمی کے اسباب بھی بیان نہ کر دیئے جائیں۔ اس کو: ”وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَّهُمْ“ سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے تھے جس کی رو سے حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی تھی۔ ایک طرف چونکہ سبت کا دن آرہا تھا اس لئے اس ارادہ بد کی تکمیل میں ان کو خود عجلت تھی دوسری طرف اس قسم کے ہنگاموں میں جو ایک طبعی وحشت ہو ا کرتی ہے وہ بھی ان پر سوار تھی اس لئے اپنی دانست میں گواہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے قتل کا قصد کیا تھا مگر ان مشتبہ کن حالات کی وجہ سے وہ اس ارادہ بد میں ناکام رہے پھر ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہ سکی کہ وہ کس کو قتل کر رہے ہیں اور اس کی کھلی شہادت یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حالات ضرور کچھ ایسی پیچیدہ بن گئی تھی کہ حس و مشاہدہ کا یہ صاف واقعہ بھی مبہم ہو کر رہ گیا تھا اور پیچیدگی کی وجہ سے قرآن نے واقعہ کے انکشاف کی

طرف توجہ فرمائی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی یہود اسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کرتے تھے لیکن چونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں وہ اپنے دعوے میں صادق تھے اس لئے قرآن کریم نے نہ ان کی کوئی تردید کی ہے اور نہ ان کے معاملہ میں کسی شبہ و اشتباہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنا قرآن کریم نے پسند نہیں فرمایا۔ اور نہ یہ احکم الحاکمین کی شان کے مناسب تھا اور غالباً لفظ مکر اللہ کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خفیہ تدبیر کو کچھ خفیہ ہی رہنے دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت مقتول کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ کوئی دوسرا ان کا شبیبہ شخص تھا جو غلطی میں غلطی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ تو یہ بتانا چاہئے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً ان کی زیر حراست آچکے تھے آخر وہ کدھر نکل گئے اگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو ماننا پڑتا ہے کہ پھر مقتول کی جو لاش موجود تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں قتل کی نفی کے بعد یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا تھا اس لئے زمین پر ان کی تلاش کرنا عبث ہے لیکن ایک ضعیف انسان چونکہ نہ اس قدرت کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اس عظیم حکمت کو پا سکتا ہے۔ اس لئے یہاں خاص طور پر اپنی ایسی دو صفوں کا تذکرہ فرما کر بحث کو ختم کر دیا ہے جن کے اقرار کے بعد کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا۔ یعنی: ”وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“

یعنی اللہ کی ذات بڑی توانا اور بڑی حکمت والی ہے۔ اس کے سامنے یہ سب باتیں آسان ہیں۔ اس واضح فیصلہ سے جس طرح یہود کی کھلی ہوئی تردید ہو گئی اسی طرح نصاریٰ کے مذہب کی تمام بنیاد بھی منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ جب صلیب کا سارا افسانہ ہی بے سرو پا ثابت ہوا تو اب کفارہ کا اصولی عقیدہ بھی خود بخود باطل ہو گیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اسی حد پر ختم ہو چکا تھا اور مستقبل زمانہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق باقی نہ رہا تھا تو آئندہ آیت میں اس کی دوسری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن چونکہ یہاں ایک اور مشکل تر سوال سامنے آگیا تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں تو پھر کیا وہ آسمانوں ہی پر وفات پائیں گے۔ اس لئے اس کی بھی وضاحت کر دی گئی اور پوری قوت

کے ساتھ اس کا اعلان کر دیا گیا کہ ابھی ان کو طبعی موت نہیں آئی بلکہ موت سے قبل اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے یقیناً وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور اب خدا تعالیٰ کی وہ خفیہ تدبیر بھی عالم آشکارا ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے جسم کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو یقیناً جسم کے ساتھ ہی اٹھائے گئے تھے :

”وَإِنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ النِّسَاء آیت ۱۵۹“

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ہوں گے ان پر گواہ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث میان فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ یہ پیشگوئی صرف حدیثی نہیں قرآنی ہے اور یہی آیات بالا پڑھ کر سنا دیتے۔ اب یہ مسئلہ بالکل سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ حدیثوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بار بار بیان فرمانے کی اہمیت کیوں محسوس کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی چونکہ عام انسانوں کی سنت نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تفہیم کے لئے اس حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی بڑی اہمیت تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی اور ابھی ان کو آسمان سے اترنا ہے اور بہت سی خدمات مفوضہ ادا کرنی ہیں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے اور دجال جیسے ایمان کے غارت گر کو قتل کرنا ہے اور بلاآخر خدا تعالیٰ کی زمین کو شر و فساد سے پاک کر کے عام انسانوں کی سنت کے مطابق وفات پانا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے پہلو میں دفن ہونا ہے۔ یہ ہے قرآنی میان اور قرآنی بے لاگ فیصلہ۔ اب یہاں ان کی موت کا دعویٰ کرنا ٹھیک ٹھیک یہودیوں کی اتباع ہے اور ان کو مصلوب مان لینا یہ نصاریٰ کی کھلی موافقت ہے۔ کیونکہ اگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کسی غیر معلوم مقام پر جا کر ان کی موت مان لیتے ہیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہو گا کہ یہود و نصاریٰ کی وہ غلط باتیں جن کی قرآن کریم نے پوری تردید فرمائی تھی۔ ہم نے دونوں کو مان لیا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمارا

اختلاف صرف نظریات کا اختلاف رہ جاتا ہے یہود کے ساتھ تو اس لئے کہ ان کی موت کے وہ بھی قائل تھے فرق صرف یہ رہے گا کہ یہ موت لعنتی تھی یا عزت کی اور نصاریٰ کے ساتھ اس لئے کہ جب وہ سولی دیدئے گئے تو اب اس کی حقیقت امت کی تطہیر اور کفارہ تھی یا کچھ اور ظاہر ہے کہ ان امور کے اصولاً تسلیم کر لینے کے بعد یہ نظریاتی اختلافات بالکل بے نتیجہ ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا تفسیر کی بناء پر دونوں قوموں کے عقائد کی سچ و بیاد ہی اکھڑ جاتی ہے اور قرآن کریم پر اپنی جانب سے کسی حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف ان کی گزشتہ موت ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اہل اسلام جہاں ان کے رفع کے قائل ہیں اسی کے ساتھ نزول کے بعد ان کی موت کے بھی قائل ہیں۔ اس بارے میں ہمارے علم میں ایک متنفس کا اختلاف بھی نہیں یوں تو ان کی ولادت بلکہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ان کی تردید الوہیت پر برہان قاطع ہے لیکن صرف ان کی موت کا عقیدہ مستقل اس کی ایک ایسی واضح دلیل ہے جس کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ لہذا ان کی ولادت اور موت تسلیم کرنے کے بعد اگر ایک ہزار بار بھی ان کے رفع الی السماء کا اقرار کر لیا جائے تو اس میں عیسائیوں کے مسئلہ الوہیت کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر بالفرض یہاں ابن عباسؓ یا کسی اور شخص سے ان کی موت منقول ہوتی ہے تو اس کو اجماع امت کے خلاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق

پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابن عباسؓ سے انی متوفیک کی تفسیر انی میتک مروی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آنی ہے مگر اس کا انکار کس کو ہے۔ زیر بحث تو یہ ہے کہ وہ موت ان کو آچکی اور کیا وہ فی الحال مردوں میں شامل

ہیں۔ اور اب دوبارہ نہیں آئیں گے۔ دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ نہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی اور معتمد عالم سے بلکہ ابن عباسؓ سے باسناد قوی یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور نزول کے بعد پھر وفات پائیں گے اور ٹھیک یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

امام بخاریؒ کی کتاب التفسیر میں حل لغات کا حصہ خود ان کا

تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابو عبیدہ کا ترتیب دادہ ہے

یہاں بے علموں کو ایک مغالطہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا تفسیر چونکہ امام بخاریؒ کی کتاب میں موجود ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاریؒ کا مختار بھی یہی ہے عجیب بات ہے کہ جب امام بخاریؒ ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بھی موجود ہے تو پھر کس دلیل سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس موت سے گزشتہ موت مراد ہے بلکہ جب خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ موت نزول کے بعد والی موت ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی اس موت سے وہی مراد ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اقرار بھی موجود ہے۔

پھر ان مسکینوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں جو لغات اور تراکیب نحو یہ نقل فرمائی ہیں یہ خود ان کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ ان کی جانب سے صرف وہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت فرمایا ہے اصل بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس ابو عبیدہ کی کتاب التفسیر موجود تھی۔ امام موصوف نے اس پوری کتاب التفسیر کو کسی تنقید و انتخاب کے بغیر جملہ اٹھا کر اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ لہذا جتنے اقوال مرجوحہ اصل کتاب میں موجود تھے وہ بھی سب کے سب یہاں نقل ہو گئے ہیں۔ لہذا یہ سمجھنا بالکل بے اصل ہے کہ امام بخاریؒ نے خاص طور پر ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابو عبیدہ کی کتاب التفسیر میں چونکہ ابن عباسؓ کا یہ قول مروی تھا اور جب امام بخاریؒ نے ان کی پوری کتاب التفسیر ہی کو اپنی کتاب میں کسی انتخاب

کے بغیر نقل کر دیا تھا تو یہ جزء بھی چونکہ ابو عبید کی کتاب میں موجود تھا اس لئے وہ بھی یہاں نقل ہو گیا ہے۔ اہل علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کتاب التفسیر میں بہت سے مقامات پر حل لغات میں تسامع بھی ہوا ہے اقوال مر جوحہ بھی نقل ہو گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی اچھا خاصہ اختصار واقع ہو گیا ہے لیکن امام بخاریؒ خود ان جملہ نقائص سے بری ہیں۔ اس کی ذمہ داری اگر عائد ہوتی ہے تو ابو عبید پر عائد ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ کی کتاب کی علوصحت کے متعلق جو دعویٰ ہے وہ ان احادیث مرفوعہ کے متعلق ہے جو اس میں اسناد کے ساتھ امام نے از خود روایت فرمائی ہیں نہ کہ ان اقوال کے متعلق جو اسناد کے بغیر کسی جانب سے کتاب میں نقل ہوئے ہیں۔ لہذا اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے وہ موت مراد ہے جو آخر زمانہ میں تشریف لانے کے بعد ہوگی اور اس موت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اسی طرح ابن حزم کی طرف بھی موت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگرچہ کسی شاذ فرد کے اختلاف سے جمہور امت کی رائے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ بھی ابن حزم جیسے شخص کے اختلاف سے جس کے تفردات امت میں ضرب المثل ہیں لیکن وہ بھی متعدد مقامات پر اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری دور میں تشریف لائیں گے۔ لہذا زیر اختلاف مسئلہ پر ان شاذ نقول کا بھی کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی ص ۳۹۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو امت کا عقیدہ شمار کیا ہے۔ دیکھو ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الفصل میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ اور متعدد مقامات میں بھی اسی عقیدہ کو امت کا عقیدہ لکھا ہے :

”وقد صح عن رسول اللہ ﷺ بنقل الكواف التي نقلت نبوته و اعلامه و كتابه انه اخبره انه لاني بعد الاما جائت الاخبار الصحاح من نزول عيسى عليه السلام الذي بعث الى بني اسرائيل و ادعى اليهود قتله و صلبه فوجب الاقرار بهذه الجملة و صح ان وجود النبوة بعده عليه السلام لا يكون البته ص ۷۷ ج ۱ الفصل ج ۲ ص ۲۳ ص ۵۵ ۷۳ ۸۷ کتاب مذکور۔“

”جس جمہور امت نے آپ کی نبوت اور اس کی علامات اور قرآن شریف کو نقل کیا ہے اسی امت نے صحیح طریقوں سے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ہنے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے نزول کی خبر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یہ وہی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جن کے قتل و صلب کا یہود نے دعویٰ کیا تھا۔ لہذا ان باتوں کا اقرار کرنا ہم پر لازم ہے اور یہ بطریق صحیح ثابت ہے کہ نبوت کا وجود آپ ﷺ کے بعد ہرگز نہیں ہوگا۔“

قرآن کریم میں مشرکانہ عقائد کی تردید کا جتنا اہتمام کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے لیکن جب اس نسبت کی نامعقولیت ان کے سامنے ظاہر کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ولایت اور ابنیت سے ان کی مراد حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ اتحاد کی وہ خاص نسبت ہے جو مابین خالق اور عیسیٰ علیہ السلام موجود ہے اور اسی کو مجازاً اس لفظ سے ادا کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کے استعمال سے چونکہ عیسائیت کی لفظی تائید ہوتی تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں مجاز و استعارہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اس عنوان ہی کو خواہ وہ کسی معنی سے ہو اپنے سخت غیظ و غضب کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے :

”تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَشْشَقُ الْأَرْضُ وَتَخْرُ الْجِبَالُ هَذَا .

”أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَذًا . مريم آیت ۹۰“

ابھی اس افترائے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ٹھکے کر گر پڑیں اس پر کہ پکارتے ہیں رحمان کے نام پر اولاد۔

پس اگر قرآن کریم لفظ لکن اور ولد کا مجازی استعمال بھی حرام قرار دیتا ہے کیونکہ اس میں عیسائیت کی تقویت اور اس کی ترویج ہوتی ہے تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی صرف عیسائیوں کا عقیدہ تھا اور اس میں مشرکانہ عقیدہ کی ذرا بھی غلط تائید ہوتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ٹھیک اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں خود استعمال فرماتا جو عیسائی استعمال کرتے تھے۔ یہ کیسی عجیب در

عجیب منطق ہے کہ یہود نے جب: ”إِنَّا قَتَلْنَا“ کہا تو ان کی تردید میں تو قرآن کریم نے دو بار: ”وَمَا قَتَلُوهُ“ فرمایا مگر جب عیسائیوں نے ”رفع“ کہا تو قرآن کریم نے ایک بار بھی ”وما رفع“ نہیں فرمایا بلکہ ”رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ میں لفظ ”الیہ“ کا اور اضافہ فرما کر رفع کے عقیدہ کو اور مضبوط بنادیا۔ کیا اس سے یہی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل درست تھا۔ البتہ ان کے مصلوب ہونے کا خیال چونکہ بالکل بے اصل تھا اس لئے جس طرح کہ یہود کی تردید میں: ”وَمَا قَتَلُوهُ“ فرمایا گیا تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کی تردید میں: ”وَمَا صَلَبُوهُ“ کا لفظ فرمادیا گیا اور اس طرح الہی کتاب کی ہر دو جماعتوں کی تردید علیحدہ علیحدہ دو لفظوں سے صراحۃً کر دی گئی اور اسی کے ساتھ عیسائیوں کے بیادی عقیدہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا کیونکہ ان کے مذہب میں کفارہ کا عقیدہ بیادی حیثیت رکھتا ہے اور کفارہ کا عقیدہ تمام تر صلیب پر مبنی ہے۔ لہذا جب قرآن کریم نے صراحۃً ”وَمَا صَلَبُوهُ“ فرما کر صلیب کی صاف تردید فرمادی تو پھر اس پر جتنی بے اصل تعمیر قائم کی گئی وہ خود بخود سب منہدم ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں صلیب شکنی کا نکتہ

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صلیب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے نام سے پوچی گئی تھی اس لئے ضروری ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ تشریف لا کر خود اس کے توڑنے کا حکم دیں تاکہ جن کے نام پر یہ شرک ایجاد ہوا تھا۔ ان ہی کے حکم سے اس کا استیصال بھی ہو جیسا کہ عرب نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سرمۃ پرستی کی جھوٹی تہمت لگائی تو خود آپ کے سب سے عظیم اور جلیل القدر فرزند یعنی آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر اس کی تردید فرمائی اور فتح مکہ میں اپنے دست مبارک سے ان تمام بتوں کی تصاویر محو کر دیں جو ملت ابراہیمی کے نام پر خانہ کعبہ کے اندر بنائی گئی تھیں یہ خیال کتنا احقانہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر صلیب توڑ دیں گے تو عیسائی اور بہت سی صلیبیں بنالیں گے۔ اگر یہی اعتراض آنحضرت ﷺ کی مت شکنی پر کیا جائے تو کیا یہ قابل مضحکہ نہ ہو گا۔ اصل بات

یہ ہے کہ فاتح کی بت شکنی اور صلیب شکنی کا اندازہ غلامانہ ذہنیت کا محکوم ہو کر ہو ہی نہیں سکتا جو صلیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے توڑی جائے گی وہ پھر کبھی مٹائی نہیں جاسکتی جیسا کہ جو مت آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے توڑے گئے وہ جزیرہ عرب میں آج تیرہ سو سال کے بعد بھی دوبارہ معبود نہیں بن سکے۔

قرآن کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے خوف سے حقائق بیان کرنے میں ادنیٰ پس و پیش بھی اختیار کرے قرآن کریم کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے سیاق تردید میں صرف دشمنوں کے خوف سے کسی حقیقت پر بھی پانی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اگر ”رفع“ کے لفظ سے ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی بے سبب اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے کئی درجہ زیادہ اشتباہ لفظ ”روح اللہ“ اور کلمۃ اللہ سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ آج تک عیسائی ان ہی الفاظ کو لے کر اہل اسلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے معجزات کا حال بھی ہے مگر کیا ایک ایسے بصر پر جس میں جملہ بھری خواص کھلے ہوئے نظر آرہے ہوں بے دلیل الوہیت کی تمت رکھ دینے والوں کی قرآن کریم نے کوئی رعایت کی ہے۔ کیا اس نے ”روح اللہ“ اور ”کلمۃ اللہ“ کا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ہی نہیں دیا۔ کیا بے عقولوں کے خوف سے ان سے احیاء موتی کا معجزہ عطا کرنے میں کوئی پس و پیش کیا گیا ہے۔ اگر نامعقول جماعت نے دلائل بھرتی ہی کو برعکس دلائل رہو بیت بنا ڈالا ہو تو اس میں سر تا سر جرم ان ہی کا ہے۔ لہذا یہاں قرآن کریم پر یہ زور ڈالنا کہ اس نے ”رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ اس نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا؟۔ خوب یاد رکھو اگر ہم اپنی مزعوم خیر خواہی میں قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تاویل کریں گے تو اس کا نتیجہ صرف قرآن کریم کے الفاظ کی تحریف نہیں ہو گا بلکہ بہت سے حقائق کا انکار بھی ہو گا اگر رب العزت کے ان کے بن باپ پیدا فرمانے میں نامتو لوگوں کی رعایت کا حق کسی کو نہیں ہے تو اس سے ان کے زندہ آسمانوں پر

اٹھانے میں نامعقولوں کی رعایت کے مقابلہ کا حق کس کو ہے قدرت و حکمت والا ہمیشہ اپنی قدرت و حکمت کے مظاہر کرتا رہے گا: ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“

شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی تخریب ہے کسی صحیح حقیقت کی تعمیر نہیں۔ پس صرف شبہات سے عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے

خود ان کا جواب دینا چاہئے

یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ دین کا کوئی مسئلہ جب اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم و یقین کر لینا چاہئے۔ اب اگر اس میں کچھ شبہات اور اعتراضات دل میں گزرتے ہوں تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہئے اور ان کو حل کر لینا چاہئے نہ یہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدہم تو کر سکتے ہیں مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جا گرے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے۔ درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت پہنا دیتا ہے پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ حتیٰ کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کے وجود سے مجروح ہو چکا تھا اب ان وہی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ میں کن ادنیٰ شبہ کا گزر ہونے نہیں دیتا۔ اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نوساختہ عقیدہ کے خلاف انسان واضح سے واضح دلائل کی تاویل بلکہ

تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اس طرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے ایمان بالغیب کی ساری دنیامباد کر ڈالتا ہے۔ اسی کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہے یہاں بھی صرف شبہات پیدا کر کے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسیوں حدیثوں کی تادیل بلکہ انکار پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ وصال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے۔ پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں ان کو خوب مبرہن کرنا چلا جاتا ہے لیکن ایک مؤمن ان شبہات کی بناء پر قرآن و حدیث کی تادیل کرنے کی بجائے خود ان شبہات ہی کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف دسواں دواہم سے اپنے قیمتی ایمان کو زخمی نہیں کرتا۔ اگر یہاں کتب ساہبہ اور اہل کتاب کی تاریخ پر ذرا نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ کتب ساہبہ میں دو مسیح کے آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت اور دوسرا مسیح ضلالت چونکہ یہود نے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کا مصداق قرار دیدیا تھا اور مسیح ضلالت کو اس کے برعکس مسیح ہدایت ٹھہرایا گیا۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ مسیح ضلالت کے ظہور کے وقت خود مسیح ہدایت ہی تشریف لا کر اس کے مقابلہ پر یہ ثابت کر دیں کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون تاکہ ایک طرف جو پہلے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت ٹھہرانے والے تھے وہ جھوٹے ثابت ہوں اور دوسری طرف مسیح ضلالت کی اتباع کرنے والے بھی نامراد ہو جائیں اور اس طرح جو مغالطے پہلے لگ چکے تھے اب وہ خود ان ہی کی زبان سے دور ہو جائیں۔ صلیب ان کے نام سے پوجی گئی تھی وہی آکر اس کو توڑیں اور سور بھی ان ہی کے نام سے حلال کیا گیا تھا اب وہی آکر اس کے قتل کا حکم دیں اور اس طرح قرب قیامت میں یہود و نصاریٰ پر خدا کی جنت پوری ہو اور اتحاد و ملل کے سلسلہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب اٹھ جائیں اور آخر میں پھر دین اسی طرح ایک ہی باقی رہ جائے جیسا کہ آغاز عالم میں ایک ہی دین تھا ”وَقَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ الانعام آیت ۱۱۵“

نیز چونکہ دجال آخر میں مدعی الوہیت ہوگا اور احیاء موتی کا مدعی ہوگا اس لئے کیا یہ

مناسب نہ تھا کہ اس کے قتل کے لئے ایک ایسا ہی رسول آتا جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی ہو تاکہ ایک طرف تو قتل ہو کر جھوٹے مدعی الوہیت کا جھوٹ ثابت ہو جائے دوسری طرف اس قوم کا جھوٹ بھی ثابت ہو جائے جنہوں نے خدا کے مقدس رسول پر دعویٰ الوہیت کی بے بنیاد تہمت لگائی تھی اور روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جائے کہ جو مدعی الوہیت کا قائل ہو وہ خود مدعی الوہیت کیسے ہو سکتا ہے۔ ان امور کے علاوہ جب یہود کے دعویٰ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قتل کا دعویٰ رکھتے تھے مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اٹھالے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ توانا و حکیم کی بڑی حکمت مضمر تھی کیا اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کچھ اور تھا کہ جس کو مقتول ٹھہرایا گیا تھا وہی آکر پہلے خود ان کے سر غنہ کو قتل کرے۔ یعنی دجال کو پھر ان کے قتل کا حکم دے اور گویا اس طرح خود ایک نبی پہلے اپنی قوم انبیاء علیہ السلام کے قاتلین سے ان کا قصاص لے اور دوسری طرف اپنے متعلق دعویٰ قتل کا مزہ بھی چکھا دے۔

پھر جب ختم نبوت پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ضرورت کے وقت امت میں کسی نبی کی پیدائش کی جائے کوئی گزشتہ نبی آئے کیونکہ دجال اکبر کے آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لئے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔ اب اگر اس کے مقابلہ میں کسی امتی کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ اس کا صحیح مقابل ہی نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں بھی کشتی میں پہلوانوں کا جوڑ دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح حکومتوں کے مقابلہ کے وقت بھی ان کی طاقتوں کا توازن ضروری ہوتا ہے جس کو آج کل Ballance of Power کہا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ لن صیاد کے متعلق جب حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! حکم دیجئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ”ان یکن ہو فلن تسلط علیہ“ اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو

تم اس کے قتل پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ پس جب امت میں حضرت عمرؓ جیسا بھی اس کو قتل نہ کر سکے تو اب دوسرا کون اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ٹھہرا کہ اس کا قاتل کوئی نبی ہو۔ پس جب نبی کی ضرورت کے وقت بھی اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا بلکہ ان ہی گزشتہ انبیاء علیہم السلام ہی میں سے ایک نبی کو لا کر کھڑا کیا گیا تو فرمائیے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اب کتنا واضح ہو گیا۔ گویا آج تک ختم نبوت کا ثبوت صرف علمی تھا اور اس وقت تاریخ اور مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ہو گیا کیونکہ جب ضرورت کے وقت پھر انبیاء سابقین ہی میں سے ایک رسول آیا تو یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے کہ درحقیقت رسولوں میں سے کوئی فرد بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے یقیناً آنحضرت ﷺ ہی سب سے آخری رسول تھے۔ لہذا اب یہ شبہ نہیں رہا کہ جب آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کیسے آئیں گے بلکہ ان کا نزول ہی ختم نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہو گا۔ اگر وہ دوبارہ تشریف نہ لائیں تو مشاہدہ میں یہ کیسے ثابت ہوتا کہ سب رسول آپ کے ہیں اور آپ ہی سب سے آخری رسول ہیں۔

جلد اول (ترجمان السنۃ) میں ختم نبوت کی پہلی حدیث میں ہم یہ بھی بتفصیل لکھ چکے ہیں کہ حسب تصریح قرآن کریم آنحضرت ﷺ کے حق میں جملہ انبیاء علیہم السلام سے ایمان اور بوقت ضرورت نصرت کا عہد بھی لیا جا چکا ہے۔ اس لئے یوں مقدر ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وکالت اس عہد کو پورا فرمائیں۔ کیا ان چند وجوہات سے جو فوری طور پر زیر قلم آگئے ہیں گزشتہ شبہات کا جواب نہیں ہو جاتا۔

کتاب اللہ میں اور حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کے مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا ایک طرہ امتیاز بھی ہے

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم کو یہی ثابت ہوا ہے کہ دیگر کتب سماویہ کی نسبت

ہماری شریعت میں استعارات و مجازات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ کتب سابقہ کی موجودہ صورت پر گو کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا تاہم ہمارے موازنہ کے لئے ان کے موجودہ نسخوں کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی اور سامان بھی نہیں ہے۔ جب ہم حدیث و قرآن کریم کی پیشگوئیوں اور اس کے دیگر بیانات کی کتب سابقہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو آفتاب درخشاں کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ ہماری شریعت نے اس بارے میں استعارات و مجازات کا دائرہ جز ان مجازات کے جو حقیقت سے زیادہ متعارف ہوں بہت تنگ رکھا ہے اور عقائد کے باب سے تو اس کا کوئی تعلق ہی نہ رکھا۔ اس کے برخلاف موجودہ انجیل کا حال یہ ہے کہ اس میں الوہیت و رسالت کے بنیادی مسائل بھی مجازات و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ منصف عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کے مذہب میں توحید کا مسئلہ بھی تقدیر کے مسئلہ کی طرح مذہب کا ایک راز اور ناقابل فہم مسئلہ ہے اس کے برعکس قرآن کریم کا بیان ہے یہاں عقائد و احکام کا تو ذکر ہی کیا ہے پیشگوئیوں کا عام باب بھی اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صحیح فہم والے شخص کے لئے ان میں کوئی تردد نہیں رہتا فارس و روم کی جنگ میں فتح کی پیشگوئی، فتح مکہ کی پیشگوئی، اعضاء انسانی کا کلام کرنا، دجال کی پیدائش اس کا اور اس کے والدین کا نقشہ، سر کے بل انسانوں کا محشر میں چلنا، ہنہ قبور سے نکلا اور مردوں اور عورتوں کا ایک میدان میں اسی طرح جمع ہونا۔ غرض حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی وہ تفصیلات جو مادی عقلوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کہیں بعید تر ہیں۔ ان سب کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ہم پر بھی زور دیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب حقیقت ہی حقیقت ہیں اور کسی تاویل کے بغیر ہمیں ان کو حقیقت ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر جنت کے تذکرہ میں حسب الاتفاق اس کا ذکر آگیا ہے کہ وہاں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی تو سامعین نے کبھی اس کو مبالغہ پر حمل نہیں کیا بلکہ اپنے ذوق کے مطابق وہی سوالات کئے ہیں جو ان الفاظ کے حقیقی معنی میں پیدا ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا جنت میں کاشت اور کھیتی بھی ہوگی اور جب کبھی جنت میں صنفی تعلقات کا ذکر آگیا ہے تو سامعین میں سے اس پر کسی نے ولادت کے مسئلہ کا حل بھی دریافت کیا ہے۔

اسی طرح بقیہ مسائل کے متعلق بھی ایسے سوالات کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے مخاطب صحابہؓ ہمیشہ آپ ﷺ کے کلام کو حقیقت ہی پر محمول کرنے کے عادی تھے۔ پھر ان کے جو جوابات آپ ﷺ سے منقول ہیں وہ بھی اسی کی دلیل ہیں کہ خود آپ ﷺ نے بھی ان الفاظ سے حقیقی معنوں ہی کا ارادہ فرمایا ہے۔ مثلاً پہلے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی زراعت منش آدمی کے دل میں وہاں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا تو زراعت اس کی بالیدگی و پختگی سب آن کی آن میں ہو جائے گی اور ذرا سی دیر نہ ہوگی کہ کھیتی کٹ کٹا کر اس کے گھر میں آجائے گی اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ لکن آدم! لے تو یہ بھی لے تیری ہوس آخر کسی طرح پوری بھی ہوگی۔ اگر یہاں مجازی معنی استعمال ہوتے تو جواب صاف تھا کہ جنت میں کھیتی کہاں؟۔ اس کا مطلب تو صرف ایک معنی مجازی اور مبالغہ تھا اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں بھی آپ ﷺ یہی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی شخص ولادت کی تمنا کرے گا تو فوراً حمل و ولادت اور وضع حمل کا سلسلہ آنا فانا پورا ہو کر کھیلنا ہو اچھ اس کو مل جائے گا مگر جو دنیا میں میزان مستوفی ملانے کے لئے نہیں آئے بلکہ حقیقت ہی حقیقت بتانے آئے تھے انہوں نے یہاں بھی وہی جواب نہیں دیا جو صرف قیاس سے دیا جاسکتا تھا۔ بلکہ وہ جواب عنایت فرمایا جو حقیقت میں اس کا جواب تھا۔ ارشاد ہے کہ اگر جنت میں کسی کے دل میں یہ تمنا ہوتی تو ایسا ہی ہوتا مگر وہاں کسی کے دل میں یہ تمنا ہی نہ ہوگی۔

غرض شریعت اسلام کی تاریخ میں مشکلم و مخاطب دونوں کے حالات سے ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے شرعی الفاظ کے ہمیشہ حقیقی معنی ہی مراد لئے گئے ہیں۔ جز اس کے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وہاں استعارہ و مجاز لانا واضح ہو کہ حقیقی معنی کی طرف عام طور پر ذہن کا انتقال ہی مشکل ہو۔ مثلاً صبح کے لئے الخیط الابيض کا لفظ اور شب کی تاریکی کے لئے الخیط الاسود کا لفظ فصیح لغت میں ایک ایسا مجاز ہے کہ اس مجاز کو چھوڑ کر یہاں حقیقت کا استعمال کرنا گویا انداز بلاغت ہی کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے باوجود جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: ”حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ“ البقرہ آیت ۱۸۷ تو کسی دماغ نے اس کھلے ہوئے مجاز کو بھی حقیقت ہی پر

محمول کیا اور سیاہ و سفید رنگ کے دودھا گے لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لئے اور رات کو اس وقت تک کھاتا پیتا رہا جب تک کہ یہ دودھا گے علیحدہ علیحدہ صاف صاف نظر نہ آنے لگے۔

جب صبح کو اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ نے بلیغانہ انداز میں فرمایا تمہارا تکیہ بھی کتنا لمبا چڑا ہے جس کے نیچے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں سا گئیں۔ یعنی ان الفاظ سے مراد معنی مجازی تھے اور یہاں مجاز ایسا متعین ہے کہ حقیقت کی طرف ذہن جانا ہی مشکل ہے۔ تم نے اس کو حقیقت پر کیسے محمول کر لیا لیکن اس انفرادی غلطی کے باوجود اس کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ کلمہ: ”من الفجر“ اور نازل ہو گیا تاکہ پھر یہ مجاز متعارف بھی حقیقت کے اتنا قریب آجائے کہ یہاں کسی ایک فرد کو بھی احکام کے باب میں اس غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ یہاں ایسے مجازات کا تو بھلا کیا امکان ہو گا جن کی طرف کسی اللہ زبان کا ذہن ہی منتقل نہ ہو سکے حتیٰ کہ ان کے زبردستی منوانے کے لئے جدید وحی کی ضرورت محسوس ہو اور کسی نبی مزموم کو آکر پہلے خود بھی سالوں کا مغالطہ لگا ہے اور وہ بھی ان کو حقیقی معنی پر ہی حمل کرتا رہے پھر جب وہ مدعی مسیحیت بنے تو ان کے مجازی معنی مراد لے اور اس کے سمجھانے میں اس کو امت کے ساتھ مدتوں جنگ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی عیسیٰ بن مریم سے مجاز افلاں شخص جس کا باپ بھی موجود ہے اور ماں کا نام بھی مریم نہیں ہے مراد ہے اور نزول سے مجاز اولادت اور حاکم سے مجاز محکوم اور دمشق سے فلاں شہر اور دوزر و چادروں سے مجاز اود مرض مراد ہیں۔ غرض کہ اس پیشگوئی کے جملہ الفاظ میں مجازی معنی مراد لے لئے بجز ایک منارہ کے کہ اس کے معنی حقیقی مراد لے اور یہ حقیقی معنی بھی وہ خود اپنے نزول یعنی ولادت بلکہ دعویٰ مسیحیت کے بعد اپنے چندہ سے منارہ بنا کر پیدا کرے بے شک مجاز و استعارہ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم باب ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر کیا ایسے استعارہ و مجاز کی مثال بھی کسی زبان میں ملتی ہے۔ اگر اس قسم کے استعارہ و مجاز کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ اور کذب کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ہر جھوٹ استعارہ و مجاز کے پردے میں چل سکتا ہے۔ ﴿

خلاصہ یہ کہ دیگر کتب سادہ کے مقابلہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کا یہ بھی ایک طغرائی امتیاز ہے کہ یہاں جملہ بیانات اتنے واضح ہیں جتنا کہ وہ ہو سکتے ہیں پھر اگر ان میں کوئی ایہام رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی حد تک ہے جو ناگزیر ہے بلکہ وہاں یہ ایہام ہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ مصداق کے ظہور سے قبل وہ ایہام اس لئے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے لئے عقل انسانی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جیسے مدزخی کیفیات ظاہر ہے کہ عالم مدزخ جب عالم مادیات سے جدا عالم ہے تو جب تک ایک انسان اسی عالم مادہ میں موجود ہے وہ عالم مدزخ کے دوسرے عالم کی پوری تفصیلات کا پورا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اور درحقیقت آخری شریعت کی یہی صفت ہونی بھی چاہئے کیونکہ پہلی کتب میں اگر کوئی ایہام رہ گیا تو آئندہ نبی نے اگر اس کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن اگر ضروری امور میں اس شریعت میں بھی ایہام رہ جائے تو اب یہاں کون ہے جو آئندہ اگر اس کی ذمہ دارانہ تشریح کر سکے مجتہدین کا بیان اس جگہ ناکافی ہے۔ ان کو یہاں دو طرفہ عمل کے لئے وسعت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ان کے بیان کی وہ حیثیت نہیں جو رسول کے سرکاری بیان کی ہو سکتی ہے۔

صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ

صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا آمد نہیں ہوا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی میں تاویل کی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہو گا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی اتباع کریں گے۔ اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ کی صاف صاف پیشگوئیوں کی تاویلات کیں۔ آخر اس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت ﷺ کا انکار کیا۔ لہذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ غلط مسیح، مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے۔ اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنے

واضح اور صریح الفاظ میں بھی تاویلات یا مجازات واستعارات جاری کر دینا صحیح ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کو بھی قصور وار ٹھہرانا غلط ہوگا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا۔ والعیاذ باللہ من الذیغ والاحاد!

سیدنا روح اللہ عیسیٰ بن مریم وقطعة میمة

من حیاته الطیبة علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی حیات طیبہ

کی ایک اہم سرگزشت

نزول عیسیٰ علیہ السلام حق جزم بہ

النبی ﷺ حتیٰ حلف علیہ

(۱)..... "عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي بُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ إِنْ مَرِمَ حَكَمًا عَدْلًا
فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخَنَزِيرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى
لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ثُمَّ
يَقُولُ أَبُو بُرَيْرَةَ وَأَقْرَأُ وَإِنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ
مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا. رواه البخاری ص ۴۹۰ ج ۱ باب

نزول عیسیٰ بن مریم و مسلم ص ۸۷ ج ۱ باب نزول ابن مریم

”وفی لفظ من رواية عطاء ولتذهبن الشحناء والتباغض

والتحاسد. رواه ابوداؤد وابن ماجه واحمد فی مستندہ ص ۴۹۳

۴۹۶ ج ۲ و بطریق اخر فی ص ۴۱۱ ج ۲

”ولفظه يوشك من عاش منكم ان يلقي عيسى بن مریم وعزاه

السیوطی فی الدر المنثور ص ۲۴۲ ج ۲ لابن ابی شیبہ و عبد بن حمید
واخرجه ابن مردويه وفي لفظه وتكون السجدة واحدة لله رب العالمين
واقروا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته موت عيسى
بن مريم ثم يعيدها ابوهريرة ثلث مرات.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے۔ حتیٰ کہ
آنحضرت ﷺ نے اس کو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس
کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ لکن مریم تمہارے درمیان اتریں
گے وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور
سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم کر دیں گے اور ان کے دور میں مال اس طرح بہا پڑے گا
کہ کوئی شخص اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر و
قیمت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ یہ مضمون روایت فرما کر ابو ہریرہ کہتے تھے کہ اگر
تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ النساء کی یہ آیت پڑھ لو: ”وَإِنْ مِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ“ بخاری شریف و مسلم شریف میں عطاء کی
روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ ان کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہو گا کہ لوگوں میں کینہ
بغض اور حسد کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں
تو آنحضرت ﷺ اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں عیسیٰ علیہ
السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات
نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو۔ پھر اس پیش گوئی کی اہمیت رلوی حدیث کی نظر میں
اتنی ہے کہ وہ اس کو قرآنی پیش گوئی کہتا ہے۔ اب اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جو پیش
گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو بلکہ قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم و یقین

کے کس درجہ میں ہوگی۔ حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند ایسی برکات کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہوگی۔ وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے۔ جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی صلیب اسکو نیست و نابود کر دیں گے۔ اٹھویں برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہوں گے اور یہ سب برکات اتنی ظاہر و باہر ہوں گی کہ اس وقت کے انسانوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہی اسرائیلی رسول ہونے کا یہی ثبوت دیں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور امت محمدیہ ﷺ دونوں کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اس پوچھن گوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی امت میں پیدا ہو تو اس کو حکم نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہوگا۔ یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحد بن جانا ضروری ہے اور اس کے لئے اہل کتاب اور اہل قرآن کا باہم اختلاف ختم ہو جانا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے و لائل و براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو تاکہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقدر ہوا: ”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا“

(۲)..... ”وَأَخْرَجَ أَبُو يَغْلَى مَرْفُوعًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُنْزِلَنَّ

عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلَى قَبْرِى وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَأَجِيبَنَّكَ كَذَابِى رُوحِ الْمَعَانِى مِنْ الْأَحْزَابِ ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت خاتم النبیین، مجمع الزوائد

ص ۲۱۴ ج ۸ بحوالہ مسند ابی یعلیٰ

﴿آنحضرت ﷺ نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور اتر کر رہیں گے اور اگر وہ میری قبر پر آکر کھڑے ہوں گے اور مجھ کو یا محمد ﷺ کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔﴾

(۳)..... ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ. كَذَا فِي الدَّرِمِثِيِّ ص ۲۴۵ ج ۲
وقد رواه أحمد ص ۲۹۸ ج ۲ فی مسنده عن ابی ہریرۃ مرفوعاً بسند رجالہ رجال البخاری مستدرک حاکم ج ۵ ص ۷۵۵ حدیث نمبر ۸۶۷۹“

﴿انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے ضرور سلام کہہ دے۔﴾

(۴)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ إِذْ لَارْجُوَ أَنْ طَالَتْ بِي حَيَوةٌ أَنْ أَدْرِكَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَإِنْ عَجَّلَ بِي مَوْتُ فَقَدْ أَدْرَكَهُ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ (مسند أحمد ص ۲۹۸ ج ۲) و رجالہ رجال البخاری وقد اخرج

البخاری بهذا الاسناد احادیث فراجع ص ۱۰۰۷ ج ۲ و ص ۹۹۹ ج ۲“
﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی دراز ہو گئی تو مجھ کو امید ہے کہ عیسیٰ بن مریم سے خود میری ملاقات ہو جائے گی اور اگر اس سے پہلے میری موت آجائے تو جو شخص ان کا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دے۔﴾

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا یقینی ہے کہ اس پیش گوئی کے راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار لگ رہا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے امت کا فرض ہے کہ وہ پیش گوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آجائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا سلام پہنچا کر آپ ﷺ کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

ان عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یمت الی
 الان وانه راجع الینائم یتٰی علیہ الفناء
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی ان کو تشریف
 لانا ہے اس کے بعد ان کی وفات ہونی ہے

(۵).....”عَنِ الْحُسَيْنِ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا قَالَ قَالَ رَسُولُ
 اللّٰهِ ﷺ لِلْيَهُودِ اِنَّ عِيسٰى لَمْ يَمُتْ وَاِنَّهُ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
 اُخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ مَرْفُوعًا عَنْهُ ج ۳ ص ۲۸۹ وَاُخْرَجَ ابْنُ كَثِيرٍ ج ۱ ص ۳۶۶
 مِنْ اَلْ عَمْرَانِ وَذَكَرَهُ فِي النِّسَاءِ مِنْ طَرِيقٍ اُخْرٍ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَاُخْرَجَ ابْنُ
 اَبِي حَاتِمٍ مَرْفُوعًا وَدُرِّمَنْثُورٍ ج ۲ ص ۳۶ زِيْر آيَتِ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ“
 ﴿﴾ حضرت حسنؑ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ارشاد فرمایا!
 عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا
 ہے۔ ﴿﴾

عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ
 میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ تصور
 کرتے ہیں اور ان کی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لئے جب آپ نے خاص یہود کو خطاب فرمایا
 تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے
 ساتھ ان کی موت کی نفی فرمادی ہے جس سے غلط ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی
 نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید
 کے لئے جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا لفظ ”رجوع“ یعنی لوٹنے کا
 استعمال فرمایا ہے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں وہ ان کو خدا مانتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک وہ فنا
 کے تحت آبی نہیں سکتے۔ لہذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہہ کر قائل

کیا ہے کہ خدا وہ ہے جس کو کبھی فتنہ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اترنے کے بعد موت آتی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۶)..... ”عَنِ الرَّبِيعِ مُرْسَلًا قَالَ إِنَّ النَّصَارَى أَتَوْا رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ فَخَاصَمُوهُ فِي عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ وَقَالُوا لَهُ مَنْ أَبُوهُ وَقَالُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَالْبُهْتَانُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ وَلَدٌ إِلَّا وَهُوَ يَشْتَبِهُ أَبَاهُ قَالُوا بَلَى قَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَبَّنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَأَنَّ عِيسَى يَأْتِي عَلَى الْفَنَاءِ قَالُوا بَلَى . الْحَدِيثُ كَذَا فِي الدَّر الْمَشْهُورِ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ص ۲ ج ۲“

’ربیع مرسل بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں حضور ﷺ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے تو بتائیے ان کا والد کون تھا اور حق تعالیٰ شانہ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے۔ اس کو موت کبھی نہ آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام کو موت آتی ہے۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بے شک ان کو موت آتی ہے تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے۔

اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آپکی تھی تو کیا اس حقیقت کے انکشاف کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور موقع تھا کہ آپ ﷺ یہاں صاف فرمادیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن و حدیث میں عیسائیوں کے سامنے ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۷)..... ”عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ حَذِيفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ قَالَ

إِطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ فَقَالَ مَا تَذَكَّرُونَ قَالُوا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالْجَالَ

وَالذَّابَّةُ وَطُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولُ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَا جُوجُ وَمَا جُوجُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ خَسَفٌ بِالشَّمْرِقِ وَخَسَفٌ بِالشَّمْرِقِ وَخَسَفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْقَمَرِ طَرَدَ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ . اخرجہ مسلم ص ۳۹۲ ج ۲ فصل فی ظهور عشر آیات وعن واثلة نحوه

اخرجہ الطبرانی ج ۳ ص ۱۷۱ حدیث نمبر ۲۰۲۸ والحاکم ج ۵ ص ۶۱۱ حدیث نمبر ۸۳۶۶ وافقه الذہبی علی تصحیحه

ابو الطفیل حزیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے۔ اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آسکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو۔ (۱) دھواں۔ (۲) دجال۔ (۳) دابۃ الارض۔ (۴) مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع۔ (۵) عیسیٰ بن مریم کا اترنا۔ (۶) یاجوج و ماجوج کا ظہور۔ (۷) تین خسف ایک مشرق میں۔ (۸) ایک مغرب میں۔ (۹) اور تیسرا جزیرہ عرب میں۔ (۱۰) اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے ظاہر ہوگی اور سب کو دھکا دے کر محشر تک لے جائے گی۔

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے۔ نیز حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور ظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسے ہی عجیب و غریب ہونی چاہئیں۔ ان کو تاویلیں کر کے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے نادانی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے۔ پس اگر یہ علامات مادی عقول کے نزدیک خلاف عقل ہونے کی بناء پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ

اولی قابل تاویل ہونا چاہئے۔ والعیاذ باللہ! اہل عقل و انصاف کو ذرا اٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب تر متعلقات میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر اگر اس کو قیاس کرنا ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہئے عالم کے عام نظم و نسق میں اس کو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے برہانہ علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اس طرح انتظار کرنا چاہئے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مالک چہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخر کی حدیثوں میں عنقریب آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۸)..... "عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَيَنْزِلَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. مسند احمد ص ۲۹ ج ۴ ورجاله کلہم ثقات"

﴿عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں۔﴾

حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے۔ اس لئے جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔

(۹)..... "عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَرْفُوعًا قَالَ إِنَّ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ خَارِجٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَسْتَعْفِنُ بِهِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاهُ. كنز العمال ج ۱۴ ص ۶۲۰ حدیث نمبر ۳۹۷۳۱"

﴿لکن مسعودؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) یقیناً تشریف لا کر رہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سوا سب سے بے نیاز ہو جائیں گے۔﴾

(۱۰)..... ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِيْ أَوَّلِهَا وَعِيسَى فِيْ آخِرِهَا . كُنْزُ الْعَمَالِ ج ۱۴ ص ۲۶۹ حدیث نمبر ۲۸۶۸۲ وصحہ فی الدر المنثور فی ضمن اثر کعب وحسنہ فی الفتح من فضائل اصحاب النبی ﷺ وذكرہ فی المشکوٰۃ ص ۵۸۲ فی ثواب هذه الامة عن رزین بسلسلة الذهب قال فی التیسیر ص ۲۰۲ رواہ النسائی وغیرہ“

﴿لکن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں بھلا وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴾

(۱۱)..... ”عَنْ جَبْرِئِلَ بْنِ نُفَيْرٍ الْحَضْرَ مِیْ مَرْفُوعًا مُرْسَلًا لَنْ يُخْزِيَ اللَّهَ أُمَّةٌ أَنَا فِيْ أَوَّلِهَا وَعِيسَى فِيْ آخِرِهَا كَذَا فِيْ الدَّرَالْمَنْثُورِ ص ۲۴۵ ج ۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۹۹ کتاب الجہاد وقال الذہبی رفی التلخیص هو خبر منکر ولم يذكر له وجها وجيها بل الصحيح انه ان لم يكن صحيحا فلا ينحط عن درجة الحسن كما صرح به الحافظ في الفتح ص ۵ ج ۷ وعن عروة بن رويم مثله كما في الكنز ج ۱۴ ص ۳۳۵ حدیث نمبر ۳۸۸۵۳ وعن کعب مثله مرفوعاً فی ضمن اثره الموقوف علیہ کذا فی الدر المنثور وعن جعفر الصادق عن ابیه عن جدہ مرفوعاً فی حدیث نحوه رواہ رزین كما فی المشکوٰۃ ص ۵۸۲ من باب ثواب هذه الامة“

﴿جبیر بن نفیرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴾

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہے۔ یوں تو

ہر گزشتہ امت دور رسولوں کے درمیان بنی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ پہلے ہر رسول کی امت مستقل ہوتی تھی اس لئے اس کو پہلی امت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی۔ وہاں ہر رسول کا اصل مقام اپنی امت کے اول ہی میں تھا جیسا آنحضرت ﷺ کو نصاریٰ کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ کی امت علیحدہ امت تھی اس لئے آپ کو امت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے۔ اس کے اول میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں آنحضرت ﷺ بالکل بے معنی بات ہے لیکن اس امت کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ یہاں اس امت کے رسول تو صرف آنحضرت ﷺ ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس امت میں بحیثیت رسالت نہ ہوگی اس لئے ان کی امت بھی کوئی جدید امت نہ ہوگی اس لئے ان کو اس امت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس امت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس امت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس امت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو امت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں۔ پس یہاں جس طرح امت کے اول میں آنے والے رسول کو اس امت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس امت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہیے جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ امت نہ ہو تاکہ اس کو اس امت کے آخر میں کہنا صحیح اور بامعنی بات ہو یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد میں آئے گا۔ اس لئے دورہ نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی امت میں بھی شمار کرنا درست رہے تو پھر اس میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کی نبوت کے تحت ہیں اور اس لئے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہوگی۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے خاص ان کے

اندریہ رشتہ زیادہ نمایاں رہے گا۔ اس لئے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں اس خصوصیت کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا۔ عجب نہیں کہ: ”انا اولیٰ الناس بابن مریم“ کی صحیح حدیث میں اس طرف بھی کچھ اشارہ ہو۔

ان عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ينزل من السماء ولا یولد فی الارض

(۱۲)..... ”عَنِ الْحَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْمُقَوْسِ مَلِكِ الْاَسْكَنْدَرِيَّةِ قَالَ فَجِئْتُهُ بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَنْزَلَنِي فِي مَنْزِلِهِ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ ثُمَّ بَعَثَ إِلَيَّ وَقَدْ جَمَعَ بَطَارِقَهُ وَقَالَ إِنِّي سَأَكَلَمُكَ بِكَلَامٍ وَأُحِبُّ أَنْ تَفْهَمَهُ مِنِّي قَالَ قُلْتُ هَلُمَّ قَالَ أَخْبِرْنِي عَنْ صَاحِبِكَ أَلَيْسَ هُمْ نَبِيًّا قُلْتُ بَلَى هُوَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ فَمَا لَهُ حَيْثُ كَانَ هَكَذَا لَمْ يَدْعُ عَلَى قَوْمِهِ حَيْثُ أَخْرَجُوهُ مِنْ بَلَدِهِ إِلَى غَيْرِهَا قَالَ فَقُلْتُ عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ أَلَيْسَ تَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ فَمَا لَهُ حَيْثُ أَخَذَهُ قَوْمُهُ فَأَرَادُوا أَنْ يَصَلِبُوهُ أَنْ لَا يَكُونَ دَعَا عَلَيْهِمْ بِأَنْ يُهْلِكَهُمُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ حَتَّى رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ أَنْتَ الْحَكِيمُ الَّذِي جَاءَ مِنْ عِنْدِ الْحَكِيمِ . اخرجہ البیہقی کما فی الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۹ باب ما وقع عند کتابہ الی المقوقس قلت ولم يذكره الشيخ قدس سره فی رسالۃ فی نزول المسیح علیہ السلام۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے

کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوں گے

حاطب بن ابی بلتعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لے کر

ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنے مذہبی بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو خوب سمجھ لو یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمائیے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بھلا کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کی یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا تو پھر ان کی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں ان پر بددعا نہ کی؟ یہ کہتے ہی میں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر جب ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں یہ بددعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے؟۔ یہاں تک کہ اللہ نے دنیا کے اس آسمان پر ان کو اٹھالیا۔ یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیض یافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔ ﴿

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی حاطبؓ اور شاہ مقوقس کے درمیان ایک مربوط گفتگو کا تذکرہ ہے جس کو پڑھ کر بساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو میں صحابی کو مقوقس کے جواب میں گو صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بددعا کیوں نہیں کی مگر انہوں نے شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لئے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا مگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب۔ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ایسی جگہ ہجرت فرمائی جہاں نہ وطن کی خبر رہی نہ اہل وطن کی۔ پس بددعا کا سوال وہاں زیادہ چسپاں ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو۔ اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول بات کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے ان کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے بلکہ وہ لا جواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود ان کی بھی اور آنحضرت ﷺ کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی۔ معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس

کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اس لئے آسمان ہی سے اتریں گے ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے نہ اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماء اسلام۔

(۱۳)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ. ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ ص ۲۰۱ وَلِلْبَخَارِيِّ ج ۱ ص ۴۹۰ بَابُ نَزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ وَمُسْلِمٌ ج ۱ ص ۸۷ بَابُ نَزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى عَادَةِ الْمُحَدِّثِينَ فِي كَوْنِ مُرَادِهِمْ بِهِ أَصْلُ الْحَدِيثِ.“

”وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى أَنْ تَعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ إِيَّاهُ مِنْ تَرْكِهِ مِنْهُمْ وَمَدْفَى عَمْرِهِ حَتَّى أَهْبَطَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ يَقْتُلُ الدَّجَالَ فَتَزَلُّوا عَنْ مَقَالَتِهِمْ وَوَحْدُوكَ وَاقْرَأُوا إِذَا عَبِيدَ. درمنثور ج ۲ ص ۳۵۰“

”وَعَنْهُ قَالَ لَمَّا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَ عِيسَى إِلَى السَّمَاءِ خَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ وَفِي الْبَيْتِ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْخَوَارِجِ بَيْنَ فُخْرٍ عَلَيْهِمُ مِنَ غَيْرِ الْبَيْتِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً. درمنثور ص ۲۲۸ ج ۲“

﴿ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھلا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں کا ہوگا۔ (الاسماء والصفات) ابن عباسؓ آیت: ”وَإِنْ تَعَذِّبَهُمُ..... الخ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے مددے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے یعنی ان لوگوں کو جن کو توبائی رکھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر دراز کر دی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں اور دجال کو قتل کر دیں تو جو باقی ماندہ اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آکر تیری وحدانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ میں تیرا

ایک مدہ ہی ہوں تو تو قادر اور حکمت والا ہے۔ نزلن عباسؑ ”بل رفعہ اللہ الیہ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کی جائے روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے..... ﴿

حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے ہر چند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں میان میں آچکی تھیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چونکہ وہ ایک حقیقت تھی۔ اس لئے اگر بھروسہ نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی اس کا جاجا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قاتل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ کیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مرنا ہے کلام صرف اس میں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہو چکی ہے یا آئندہ واقع ہونے والی ہے کتنی ناہمی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو فوراً بے تحقیق گزشتہ موت پر حل کر لیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کر رہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور آئندہ تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔

(۱۴)..... ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا قَالَ الدَّجَّالُ أَوَّلُ مَنْ يَتَّبِعُهُ

سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْيَهُودِ عَلَيْهَا السَّيِّجَانُ (الی قوله) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَعِنْدَ ذَلِكَ يَنْزِلُ أَحْيَىٰ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَىٰ جَبَلٍ أَفِيقٍ إِمَامًا هَادِيًا وَحَكَمًا عَادِلًا عَلَيْهِ بُرُسٌ لَهُ مَرْبُوعُ الْخَلْقِ اصْلَتْ سَبْطُ الشَّعْرِ بِيَدِهِ حَرَبَةٌ يَقْتُلُ الدَّجَّالَ فَإِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ تَصْنَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا فَكَانَ السِّلْمُ فَيَلْقَى الرَّجُلُ الْأَسَدَ فَلَا يَهِيْجُهُ وَيَأْخُذُ الْحَيَّةَ فَلَا

تَضْرُهُ وَتَنْبُتُ الْأَرْضُ كَنْبَاتِهَا عَلَى عَهْدِ آدَمَ وَيُؤْمِنُ بِهِ أَهْلُ الْأَرْضِ وَيَكُونُ
النَّاسُ أَهْلُ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ . اسحق بن بشیر کنز العمال ج ۱۴ ص ۶۱۸، ۶۱۹
حدیث نمبر ۳۹۷۶۶

لیکن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سب سے پہلے
جو لوگ دجال کی ابتلع کریں گے وہ ستر ہزار یہود ہوں گے۔ ان کے سروں پر طیلان ہوں
گے۔ اس سلسلہ میں ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ
اس وقت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ اقیق پر آسمان سے اتریں گے اور وہ امام ہادی
اور منصف حاکم ہوں گے۔ برنس (باران کوٹ کی طرح ہوتا ہے) پئے ہوئے ہوں گے۔ وہ
میانہ جسم کے ستے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں والے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ ہو گا۔
دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی
اور امن و سلامتی کلیہ عالم ہو گا کہ آدمی اور شیر کا آمناسا منا ہو گا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے
دل میں ذرا خیال نہ آئے گا۔ آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ
پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہو گی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور
زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو
جائے گی۔ ﴿

اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور ان کے دور کے
امن و امان اور اصلاح و امان عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بد اہت ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ
کوئی غیر معمولی انسان ہوں گے۔ اب اگر کسی کے دل میں ہر حقیقت کو مجاز ماننا کہ اس پیش
گوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے۔
ہاں! جو شخص کسی کی ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت ﷺ کے ان بصیرت افروز
ارشادات کی بجائے بیانات پر یقین لانے کو ترجیح دے وہ اپنا ٹھکانا خود سوچ لے :

”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ“

جزم النبي ﷺ بان النازل هو عيسى
 بن مريم الذى ولد من غير اب وشيده
 بما لا مزيد عليه من ذكر اسمه ونسبه
 وحليته والا اعمال المهمة التى ينزل
 لها ومنصبه الذى ينزل به وكيفية الا
 من الشامل وسعة الرزق وفيضان المال
 وغير ها فى عهده عليه الصلوة والسلام

(١٥)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْانبياءُ إِخْوَةٌ
 الْعَلَاتِ آبُوهُمْ دِينُهُمْ وَاحِدٌ وَأُمَّهُاءُ تُهُمْ شَتَّى وَأَنَا أَوَّلَى النَّاسِ بِعِيسَى بْنِ
 مَرْيَمَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَأَنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَعْرِفُوهُ فَإِنَّهُ
 رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْخُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطٌ كَانَ رَأْسُهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصْبِهِ
 بَلَلٌ بَيْنَ مُمْصَرَّتَيْنِ فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَزِيرَ وَيَضَعُ الْجَزِيَّةَ
 وَيُعْطِلُ الْمِلَّالَ حَتَّى يَهْلِكَ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَّالَ كُلَّهَا غَيْرَ الْإِسْلَامِ وَيَهْلِكَ اللَّهُ
 فِي زَمَانِهِ الْمَسِيحُ الدَّجَالُ الْكَذَّابُ وَتَقَعُ الْأَمْنَةُ فِي الْأَرْضِ حَتَّى تَرْتَعَ الْإِبِلُ
 مَعَ الْأَسَدِ جَمِيعًا وَالنَّمُورُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَيَلْعَبُ الصَّبِيَّانُ
 وَالْعُلَمَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا يُضِيرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَيَمُوتُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَمُوتَ ثُمَّ
 يَتَوَفَّى فَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَذْفُونَهُ . مسند احمد ج ٢ ص ٤٣٧، ٤٠٦
 البدائيه والنهائيه ج ٢ ص ٩٩ باب صفة عيسى عليه السلام تفسير ابن
 جرير ج ٦ ص ٢٢، ٢٣"

آنحضرت ﷺ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسیٰ ہوں گے جن کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے ان کے نام ان کے نسب اور ان کی شکل و صورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی خدمات مفوضہ ان کا منصب ان کے زمانہ امن عام کی کیفیت رزق کی فراوانی اور دیگر امور کی تفصیلات بھی بیان فرمادی ہیں

﴿ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں۔ والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک میں ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیونکہ ان کا قدمیانہ ہوگا۔ رنگ سرخ و سفید۔ کنگھی کئے ہوئے سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہوگا کہ سر سے پانی ٹپکنے والا ہے۔ اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام نہ ہوگا۔ دو گیر و کے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوں گے۔ وہ اتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ سور کو قتل کرویں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح و جال کو ہلاک کرے گا اور زمین پر امن و امان کا وہ نقشہ قائم ہوگا کہ لونٹ میروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کیساتھ اور بھڑیے بچیوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے پٹے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا۔ اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے اور ان کو دفن کر دیں گے۔﴾

اس حدیث پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اسی مسیح (اسرائیلی علیہ السلام) کا تذکرہ ہے جو ایک بار یہ حیثیت نبوت کے پہلے آچکے ہیں اور وہی اس امت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیونکہ زمانے کے لحاظ سے آپ ﷺ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس لئے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی امت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ نیز آپ نے اس کی مزید توضیح کے لئے ان کا وہی نام و نسب ان کی اسی ملکی نظافت و طہارت اور ان کے اسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے بعد کسی مجنون کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی پھر آپ ﷺ نے صرف ان کے ماضی کے سوانح کے میان پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں یہ آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات پر ایمان لانا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حق میں یہی راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ کتب ساویہ صاف سے صاف انداز میں آپ کے نام و نسب آپ کی شکل و شمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بد نصیب ان سب کی تاویلیں کر کر کے آپ کا انکار کرتے رہے: ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ“

البلد الذی یُنزل فیہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام وموضع النزول منه بعینہ ہیاتہ
عند نزولہ والبرکۃ العامۃ فی الاشیاء فی
عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۱۶)..... ”عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

الدَّجَالِ ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِيهِ وَرَفَعَ حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ فَلَمَّا رُحْنَا إِلَيْهِ عَرَفَ ذَلِكَ فِينَا فَقَالَ مَا شَأْنُكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَكَرْتَ الدَّجَالَ غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيهِ وَرَفَعْتَ حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ فَقَالَ غَيْرُ الدَّجَالِ أَخَوْفَنِي عَلَيْكُمْ إِنْ يُخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا جَحِيحَةٌ دُونَكُمْ وَإِنْ يُخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَأَمْرُهُ جَحِيحٌ نَفْسِهِ وَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مَسْلَمٍ إِنَّهُ شَابٌ قَطَطٌ عَيْنُهُ طَافَةٌ كَانِي أَشْبَهُهُ بِعَبْدِ الْعَزَى بْنِ قَطَنِ فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ إِنَّهُ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِينًا وَعَاثَ شِمَالًا يَا عِبَادَ اللَّهِ فَاتَّبِعُوا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا لَبَنُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٌ وَيَوْمٌ كَشْهَرٌ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَتْ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا أَقْدِرُوا لَهُ قَدْرُهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا أَسْرَعُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ كَالْغَيْتِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ فَيَذُ عُوهُمْ فَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ فَيَأْمُرُ السَّمَاءُ فَيُمْطَرُ وَالْأَرْضُ فَتَنْبُتُ فَتَرْوَحُ عَلَيْهِمْ سَارٍ حَتَّهُمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ تُرَى وَأَسْبَغَهُ ضُرُوعًا وَأَمَدَّهُ خَوَاصِرُ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَذُ عُوهُمْ فَيَرْثُونَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيَصْنَبُونَ مَمْلُحِينَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِيبَةِ فَيَقُولُ لَهَا أَخْرِجِي كُنُوزَكَ فَتَتَّبِعُهُ كُنُوزُهَا كَيْعًا سَيْبَ النَحْلِ ثُمَّ يَذُ عُوهُمْ رَجُلًا مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزَلَتَيْنِ رَمِيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيَقْبَلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ وَيَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقَى دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرٍ وَذَتَيْنِ وَاضْبِعًا كَفِيهِ عَلَى أَجْنَحَةٍ مَلَكَتَيْنِ إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطْرٌ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّ رَمْنُهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ لَوْ فَلَاحِلٌ لِكَا فَرِيحِدُ رِيحِ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ وَنَفْسُهُ يَنْتَهِي إِلَى حَيْثُ يَنْتَهِي طَرَفُهُ فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بَبَابٍ لَدَى فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَأْتِي عِبْسَى قَوْمًا قَدْ عَصَمَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ

وَجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَيَبَيِّنُنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيْ قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادَ إِلَى لَا يَدُ أَنْ لِأَحَدٍ بِقَتَا لَهُمْ فَحَزِرُ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَاجُوجَ مَاجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَمُرُّوْنَ وَائِلُهُمْ عَلَى بَحِيرَةٍ طَبْرِيقَةٍ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ بِهَذِهِ مَرَّةً وَيُخَصِّرُهُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمْ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمُ التَّغْفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْحَبُونَ فَرَسِي كَمُوتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي مِثْلِي الْأَرْضَ مَوْضِعَ شَيْءٍ إِلَّا مَلَأَتْهُ زَهْمُهُمْ وَتَنَنْتُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللَّهِ فَيُرْسِلُ اللَّهُ طَيْرًا كَأَغْنَاكِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ مَدْرُولًا وَبِرْفَغِ السَّلَامِ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرَكَهَا كَالزَّلْفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَنْبِئِي ثَمَرَكَ وَرَدِّي بَرَكَتِكَ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعَصَابَةُ مِنَ الرُّمَانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقُحْفِهَا وَيُبَارِكُ فِي الرُّسُلِ حَتَّى أَنْ اللَّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِيَ الْفَخْدَ مِنَ النَّاسِ فَيَبَيِّنُنَا هُمْ كَذَلِكَ إِذَا بَعَثَ اللَّهُ رَحَاطِيَّةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ أَبْطَانِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلُّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَا رَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحَمْرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ . رواه مسلم ج ٢ ص ٤٠٠، ٤٠١ باب ذكر الدجال وابوداؤد ج ٢ ص ١٣٤، ١٣٥ باب خروج الدجال ولفظه ثم ينزل عيسى بن مريم عند المنارة البيضاء شرقي دمشق الحديث والترمذي ص ٤٨ ج ٢ باب ما جاء في فتنه الدجال وغراه في الكنز ج ١ ص ٢٨٥ تا ٢٨٨ حديث نمبر ٢٨٧٤٠ الابن عساكر وفي لفظه انهبط عيسى ابن مريم واحمد في مسنده ص ١٨١، ١٨٢ ج ٤ وابن ماجه ص ٢٩٦، ٢٩٧ باب فتنه الدجال وخروج عيسى بن مريم .

عیسیٰ علیہ السلام کے شہر کا نام اور اس شہر میں خاص محل نزول کا نام
اور نزول کے وقت ان کا مکمل نقشہ اور ان کے زمانہ کی برکات

﴿نواس بن سمعان﴾ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ نے اتنی
اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ مارے دہشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ ہمیں
کسی باغ میں موجود ہے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اس د
ہشت و خوف کو محسوس کر لیا اور پوچھا تم ایسے پریشان کیوں نظر آتے ہو۔ ہم نے عرض کی یا
رسول اللہ ﷺ آپ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم
ہونے لگا گویا وہ ہمیں کسی باغ میں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری
باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے۔ دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو تمہارے بجائے میں
خود اس سے نمٹ لوں گا۔ ورنہ تو ہر شخص خود اس کا مقابلہ کرے اور میں نے تم سب کو خدا
کے سپرد کیا۔ دیکھو وہ جوان ہو گا۔ اس کے بال سخت گھونگر والے اور اس کی آنکھ انگوڑی طرح
باہر کو ابھری ہوئی ہو گی۔ بالکل اس شبہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے۔ تو
تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ سورہ کہف کی اول کی آیتیں پڑھ لے۔
وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہو گا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت بڑا دھم
مچائے گا۔ تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی یا رسول
اللہ ﷺ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا۔ فرمایا چالیس دن لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر
ہو گا اور پھر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک جمعہ کے برابر ہو گا۔ اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام
دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے پوچھا جو دن ایک سال کے برابر ہو گا کیا اس دن میں ہم کو
ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں بلکہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ
کر کر کے نمازیں ادا کرتے رہنا۔ ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا۔ فرمایا اس تیز
رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اڑائے لارہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس آکر ان کو اپنی
خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ خوش ہو کر آسمان کو

بارش کا حکم دے گا۔ فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب ان کے حیوانات چراگا ہوں سے چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹنوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے لمبے ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے لبریز اور ان کی کونکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہوں گی۔ اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے۔ جب وہ ان کے پاس سے واپس ہو گا تو یہ بچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہے گا۔ سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا پھر وہ ایک شور زمین سے گزرے گا اور اس کو یہ حکم دے گا اپنے تمام خزانے باہر اگل دے۔ وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہو لیں گے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب کھیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہو گا اور تلواریں اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیر انداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھل کھلتا چلا جائے گا۔

ادھر وہ یہ شعبہ بازیاں دکھلا رہا ہو گا اور اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور دوزردز عرفانی رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو بالوں میں چاندی کے سے موتی گرتے محسوس ہوں گے۔ جس کافر کو ان کے سانس لگ جائیں گے وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور ان کے سانس کا اثر اتنے فاصلہ تک پڑے گا جہاں تک کہ ان کی نظر جائے گی وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد (بیت المقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل کر دیں گے۔ اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جو اس کے فتنہ سے بچ رہے ہوں گے اور ان کو تسلی و تشفی دیں گے اور جنت میں ان کے مراتب کا حال بیان فرمائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی مخلوق نکلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ لہذا میرے بندوں کو کوہ طور کی

طرف لے جا کر جمع کر دو۔ پھر یا جوج و ما جوج ہر پست زمین سے نکل پڑیں گے پہلے ان کا گزر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہو گا وہ اس کو پی کر اس طرح ختم کر دیں گے کہ جب ان کا آخری گروہ ادھر سے گزرے گا تو یوں کہے گا کبھی یہاں پانی تھا پھر بیت المقدس کے نمر پھاڑ پر پہنچیں گے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم کر چکے لو آداب آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ قدرت ان کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کر دے گی۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کوہ طور میں محصور ہو گی۔ یہاں تک کہ ہبل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسا آج تمہارے نزدیک سودینار ہیں۔ اس جنگی کی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گی۔ ان کی دعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے سب ایک دم میں اس طرح پھول پھٹ کر مر جائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اتر کر آئیں گے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہو گی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چرٹی کا اثر نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کرے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بخشی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مقام ہبل میں پھینک دیں گے۔ پھر مسلمان ان کے تیر و کمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برے گی کہ کوئی ہستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو۔ یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی ٹالیوں کی طرح پانی ہی پانی ہو گا۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کر دے تو وہ برکت ظاہر ہو گی کہ ایک اٹار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہو گا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لئے کافی ہو گی اور ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بھری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہو گی۔

مخلوق خدا اسی فراغت و عیش کی حالت میں ہوگی کہ ایک اچھی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور ان سب کو موت آجائے گی اور صرف بدترین قسم کے کافر چر رہیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر زنا کرتے پھریں گے۔ ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم شریف) ﴿

اس روایت میں جو حصہ مقام مہبل کے بعد سے سات سال تک تیر و کمان چلانے کا ہے وہ امام ترمذی کا روایت کردہ ہے۔

اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے۔ اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے۔ ان میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کی برابر ہوگا۔ حتیٰ کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہو گی؟ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ تو عالم کے موجودہ نظم و نسق کے تحت ان واقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی درد مری ہے۔ تاہم حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے رسالہ ”علامات قیامت“ میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے نقل کیا ہے کہ مصائب و آلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گرد و غبار اور غلیظ ہوا کی وجہ سے رات و دن متمیز نہ ہو سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب و عشاء کی نمازوں میں تقدیم و تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔ ذرا زیادہ گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہو گا اسی طرح عالم عنصریات بھی گرد و غبار اور ابر و باران کی وجہ سے اتنا کمزور اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضاء عالم یکساں نظر آنے لگے۔ ان حالات میں اس کے سوا اور کیا صورت ہوگی کہ اوقات نماز کا صرف ایک اندازہ رکھا جائے۔ رہا گھریوں کا سوال تو گھریاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص کر

عرب میں نمازوں کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع و غروب ہی کے ساتھ ہے۔ یعنی غروب آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں میں ۱۲ اجادے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام سال میں یہاں مغرب و عشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا۔ یعنی مغرب ہمیشہ بارہ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اس لئے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی نصف شب کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کون سا نظام معقول اور بہتر ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے مادی ہر مشکل مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح سے صحیح حدیثوں کا انکار یا تاویل کوئی مشکل نہیں اس لئے دماغوں میں یہ سوال گزر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات میں اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

(اس تفصیل میں اس وقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانے میں ان مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہ ہو۔ اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا۔ غالباً اسی مصلحت سے یاجوج و ماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آئے ہوں پھر یہ کس کو خبر ہے کہ ایٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجے میں آئندہ قوانین جنگ میں آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہ جائے گی۔ بہر حال جب تک مستقبل حوادث کے متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال و جواب سے ان ثابت شدہ تفصیلات کا انکار کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقوں سے معرض بیان میں آچکی ہیں۔)

اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بھی کچھ تفصیلات مذکور ہیں۔ ان کو آپ خالی الذہن ہو کر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعارہ کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ہم کو مجاز استعارہ سے انکار نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہئے۔ اگر سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ

یہاں مشکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو پھر بے وجہ کھینچ کھینچ کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا حاصل ہے۔

ابھی آپ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی یونہی نظر آئے گا کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ گویا وہ غسل کر کے ایک دروازہ سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو پرندوں کی زندگی کا سبب بنا دے۔ اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل قرار دیدے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ دجال جیسی قوت کو وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کر دے اور دوسری طرف یا جوج و ماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر طور کی گوشہ نشینی پر مجبور کر دے تاکہ ایک طرف دنیا کو یہ واضح ہو جائے کہ جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس نے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے وہ خود خدا نہیں بلکہ وہ تو ایک سچا رہ بڑ ہے اور اس طرح طاقت و ضعف کے ان دونوں مظاہروں میں اصل خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و طغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دے دی ہے بلکہ استدراج و امثال کا قانون برآمد ان کے ساتھ جاری رہا ہے۔ فرعون و نمرود شداد و ہامان کی داستانیں پڑھ لو تم کو ثابت ہو گا کہ جب کفر و طغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد پاداشِ عمل کے قانون نے ان کو پکڑا ہے۔ پھر وہی سنت یہاں یا جوج و ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہو گی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے

ہو گا تاکہ عالم علوی کی شکست کا جواب سب غلط ہو کر رہ جائے۔ پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک وین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان وزمین کی وہی برکتیں ظاہر ہوں گی جو ان کے دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس طرح سے: ”ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم“۔ ”کا دوسرا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے کن حکمتوں سے عالم کو بچھایا، کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا، پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے۔ ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لئے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں۔

دریا محیط خویش موجے دارد
خس پندارد کہ این کشاکش بادیست

ذکر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی محاورتہ

مع النبی ﷺ لیلۃ المعراج انه نازل قبل

قیام الساعة وانه قاتل الدجال ولم یذکر

فیہ انه ینزل لاصلاح هذا الامة خاصة

وانما یكون هذا من وظائف امامها

(۱۷)..... ”عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَقِيتُ لَيْلَةَ

اسرى بى ابراهيم وموسى وعيسى قال فتذاكروا امر الساعة فردوا امرهم الى ابراهيم فقال لا علم لى بها فردوا الامر الى موسى فقال لا علم لى بها فردوا الامر الى عيسى فقال اما وجبت بها فلا يعلم بها احد الا الله تعالى ذاك وفيما عهد الى ربى عز وجل ان الدجال خارج قال ومعى قضيبان فاذا رانى ذاب كما يدوب الرصاص قال فيهلكهم الله تعالى حتى ان الحجر والشجر ليقولن يا مسلم ان تحبى كافرا فتعال فاقتله قال فيهلكهم الله تعالى ثم يرجع الناس الى بلادهم واوطافهم قال فعند ذاك

يَخْرُجُ يَاجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَبَبٍ يَنْسُلُونَ فَيَطُوتُونَ بِلَادَهُمْ لَا يَأْتُونَ عَلَى شَيْءٍ إِلَّا أَهْلِكَوَهُ وَلَا يَمُرُونَ عَلَى مَاءٍ إِلَّا شَرِبُوهُ ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلَى فَيْشَنُكُونَهُمْ فَأَدْعُوا عَلَيْهِمْ فَيَهْلِكُهُمُ اللَّهُ تَعَالَى وَيُمِيتُهُمْ حَتَّى تَجُوى الْأَرْضُ مِنْ نَتْنِ رِيحِهِمْ قَالَ فَيَنْزِلُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَطَرُ فَتَجْرِفُ أَجْسَادَهُمْ حَتَّى يَقْدِرَ فَهُمْ فِي الْبَحْرِ قَالَ أَبِي ذَهَبَ عَلَى هَهُنَا شَيْءٌ لَمْ أَفْهَمْهُ كَادِيمٌ وَقَالَ يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ وَتَمَدُّ الْأَرْضُ مَدَّ الْيَوْمِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ هُشَيْمٍ قَالَ فَفِيْمَا عَهْدَ إِلَى رَبِّي عَزَّوَجَلَّ إِنَّ ذَٰلِكَ إِذَا كَانَ كَذَٰلِكَ فَإِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِي لَا يَذَرِي أَهْلُهَا مَتَى تَفْجُوهُمْ بِوِلَادِهَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا. رواه احمد في مسنده ص ۳۷۵ ج ۱ والحاكم في المستدرک وقال صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وواقفه الذهبی على ذالك في التلخیص وافر الحافظ في الفتح من نزول عيسى عليه السلام واخرجه ابن ماجه ص ۲۹۹ باب خروج الدجال وعيسى بن مريم وخروج ياجوج ماجوج وابن ابی شيبه وابن جرير ابن المنذر روا بن مردويه والبيهقي كذا في الدر المنثور ج ۴ ص ۳۳۶

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت ان کو بھی معلوم نہیں مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے ان کو دجال کو قتل کرنا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح کا ایک حرف بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ خدمت دراصل خود اس امت ہی کے ایک شخص کے متعلق ہوگی اس کے بعد پھر

عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہو جائے گی!

ہاں مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا۔ آخر فیصلہ کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ کو تو صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں۔ پھر معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا۔ انہوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہاں! صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پکھل جائے گا جیسے سیسہ (آگ میں) پکھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا پھر یہ فوت آجائے گی کہ درخت اور پتھر آواز میں دے دے کر کہیں گے او مسلمان! دیکھ یہ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے۔ لپک کر آؤ اور اس کو بھی قتل کر۔ آخر کافر سب ہلاک ہو جائیں گے پھر لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یا جوج و ماجوج کی قوم کا حملہ ہو گا اور وہ ہر پست زمین سے نکل نکل کر بکھر پڑیں گے۔ بسستیوں میں گھس پڑیں گے جس چیز پر بھی ان کا گزر ہو گا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گزریں گے وہ سب پی کر ختم کر دیں گے۔ آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے۔ میں ان پر بد دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ میری بد دعا سے ان سب کو ہلاک کر دے گا اور وہ سب مر جائیں گے۔ تمام زمین ان کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ان کی نعشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ راوی کہتا ہے کہ اس مقام پر میرے والد نے کچھ فرمایا تھا وہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا صرف کادیم کا لفظ سننے میں آیا۔ یزید بن ہارون راوی کہتا ہے پوری بات یہ تھی کہ پھر پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین جانور کے چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی۔ اس کے بعد پھر اصل حدیث

بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہئے جیسا وہ گاہن جانور جس کے چہ کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب چہ پیدا ہو جائے۔ ﴿

دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی تو انہوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے۔ یعنی انکا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا۔ احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس امت کی اصلاح ہوگی تاکہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس امت کی اصلاح کے لئے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس امت کی کسر شان ہے۔ حالانکہ یہ سوال ہی جاہلانہ ہے۔ ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آکر ہماری اصلاح کرتا ہے تو ہمارے لئے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے۔ ہاں! اگر کسی رسول کی آمد سے ہمارے رشتہ امت پر زد پڑتی ہے اور وہ ہم کو دوسری امت بنانا چاہتا ہے تو اس میں صرف ہماری کسر شان نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی کسر شان بھی ہے۔ والعیاذ باللہ!

من اہم وظائف عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

من قتل الدجال

(۱۸)....."عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ مِنْ ذِكْرِ

الدَّجَالِ فَقَالَتْ أُمُّ شَرِيكَ بِنْتُ أَبِي يَارَسُوُلِ اللَّهِ فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَالَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَلِيلٌ وَجُلَّهُمْ بَيْنَتِ الْمَقْدُسِ وَإِمَامُهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ قَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذَاكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي قَهْقَرَى لِيَقْدَمَ عِيسَى لِيُصَلِّيَ فَيُضَعُ

عِيسَى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ لَهُ "تَقَدَّمْ فَيَصِلَ فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ فَيُصَلِّي بِهِمْ
 إِمَامُهُمْ فَإِذَا انصَرَفَ قَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ افْتَحُوا الْبَابَ فَيُفْتَحُ وَرَأَاهُ
 الدَّجَالُ وَمَعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ يَهُودِيٍّ كُلُّهُ دُوسِيفٌ مَحْلَى وَتَاجٍ فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ
 الدَّجَالُ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ وَيَنْطَلِقُ هَا رَبَّائِي يَقُولُ عِيسَى أَنْ لِي
 فِيكَ ضَرْبَةٌ لَنْ تَسْبِقَنِي بِهَا فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ الدُّرِّ لِلشَّرْقِيِّ فَيَقْتُلُهُ فَيَهْرِمُ اللَّهُ
 الْيَهُودَ (الى قوله) وَيَتْرَكَ الصَّدَقَةَ فَلَا يَسْغَى عَلَى شَاةٍ وَلَا عَلَى بَعِيرٍ
 وَتُرْفَعُ الشُّخْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَتَنْزَعُ حِمَّةُ كُلِّ ذَاتِ حِمَّةٍ حَتَّى يُدْخِلَ الْوَلِيدَةُ
 يَدَهُ فِي الْحَيَةِ فَلَا تَضُرُّهُ وَتَقْرُ الْوَلِيدَةُ الْأَسَدَ فَلَا يَضُرُّهَا وَيَكُونُ الذَّنْبُ فِي
 الْغَنَمِ كَأَنَّهُ كَلْبُهَا وَتَمْلَأُ الْأَرْضُ مِنَ الْمُسْلِمِ كَمَا يَمْلَأُ الْأَنَاءُ مِنَ الْمَاءِ
 وَتَكُونُ الْكَلِمَةُ وَاحِدَةً فَلَا يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى . الحديث اخرجه ابوداؤد ج ۲
 ص ۱۳۵ باب خروج الدجال وابن ماجه ص ۲۹۷، ۲۹۸ واللفظه له ورواه
 ابن هبان وابن خزيمة في صحيحهما وألصقا في المختاره فقله كذلك
 في شرح المواهب للزرقاني ص ۵۳ من ذكر المعراج

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں سب سے نمایاں

تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

﴿ہو لا۔ بائیں دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ ام شریک نے
 کہا یا رسول اللہ! اس دن یعنی دجال کے زمانہ میں عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں
 کا یہ بہتر حال ہو جائے گا) فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ جائیں گے اور اکثر وہ بیت مقدس
 میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا۔ اس اثناء میں کہ یہ امام صبح کی نماز
 پڑھانے آگے بڑھ چکا ہو گا کہ دفعتاً عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ یہ ان کو دیکھ کر مصلیٰ سے
 پچھلے پیروں الٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھائیں
 تو عیسیٰ علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے۔

آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے کہی گئی ہے۔ چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا جائے گا اور دجال نکل چکا ہو گا۔ اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سر پر طیلسان ہو گا۔ جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح پکھل جائے گا اور بھاگنے لگے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے۔ آخر اس کو باب ”لد“ پر پکڑ لیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دے دے گا۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہ ملے گا۔ لہذا بیت المال کی طرف سے کوئی شخص نہ بحری وصول کرنے والا رہے گا اور نہ لونٹ وصول کرنے والا اور بغض و کینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام زہریلے جانوروں کے ڈنک بیکار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالے گی تو وہ اس کو نہ کاٹے گا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اس کو کچھ نہ کہے گا اور جریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھریں گے جیسے ریوڑ کا کتا۔ اور زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہ جائے گی اور ایک اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ ہوگی۔ ﴿

سبحان اللہ! جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا۔ ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوس نبی ہونا چاہئے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہئے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہر چکے ہوں اور جس کے جھوٹے قتل کے گھمنڈ میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں۔ دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عدوت اور بغاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس بد خصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دیئے گئے تھے اور آخر میں صفی ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ بے شک جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ جیسے رافت و رحمت والے رسول کے ساتھ بھی اپنا طریق کار نہ بدلے۔ ان

کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح ہے: ”إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاَجِرًا كَلْبَارًا“

شاید موجودہ زمانہ میں اطراف عالم سے سٹ سٹ کر انکا ایک جگہ جمع ہونا اسی قومی استیصال کے لئے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ اسی لئے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی امت کو ڈر لیا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لئے خدا تعالیٰ کے رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے قبل بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کہ خاتم الدجالہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدائی افعال کے شعبہ بازیوں ظاہر کرے گا۔ اس کے قتل کے لئے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی۔ اس صورت میں اس امت کے لئے یہ کتنی بڑی کرامت اور شرافت ہوگی کہ جب اس پر کوئی خارجی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لئے خدا تعالیٰ کے رسول پیش قدمی فرمائیں اور وہ بھی بڑی تمناؤں اور بڑے فخر کے ساتھ۔ کیسے تعجب کی بات ہے جس بات میں اس امت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے: ”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَالَهُ مِنْ نُوْرِ“

نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وظہور کرامۃ

ہذہ الامۃ وشرفہا فی ذالک

(۱۹)..... ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

يَقُوْلُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ﷺ فَيَقُوْلُ اُمِيْرُ هُمْ تَعَالَى فَصَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ اَمْرًا تَكْرِمَةً اللّٰهُ عَلَى هَذِهِ الْاُمَّةِ . مسلم ج ۱

ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم و مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۵، ۳۸۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور اس میں

آنحضرت ﷺ کی امت کی ظہور برتری

جامع بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہے گی اور وہ تاقیامت اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا آخر عیسیٰ بن مریم اتریں گے (نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس امت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اکرام و اعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے امام و امیر ہو۔

اس امت کی شرافت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کے رسول کی وفات پر اتنی طویل مدت گزر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود رہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امامت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتداء کر لے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت و شرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو۔ سوچئے اور ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس طرح اس امت کے پیچھے اقتداء نہ فرماتے تو کیا یہ ثابت ہو سکتا تھا کہ جو امت کل تک خیر امت کہی جاتی تھی آج بھی وہ اپنی اسی شرافت پر باقی ہے۔ یوں تو پہلے نبیوں کے دور میں بھی امت کے افراد لائق سے لائق تر گزرے ہیں مگر آخر کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کیا کچھ نہیں ہو گیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں۔ لیکن ایک یہ امت بھی ہے جس کی شرافت میں اتنی طویل مدت گزرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ ﷺ نے منصب امامت کو سب سے بزرگ صدیق اکبر کے سپرد کر دیا تھا۔ اس درمیان

میں ایک ایسا وقت آیا کہ ان کی امامت میں خود آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور درحقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ امت اب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہو سکتی ہے۔ لہذا اب سمجھ لینا چاہئے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔ اس لئے رسولوں کے دستور کے مطابق اس کی وفات کا وقت بھی آجائے تو تعجب کی بات نہیں۔ ایک طرف امامت و اقتداء کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اس کے ہزار سال سے کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت و اقتداء کا یہ دوسرا نقشہ بھی رکھیں جو یہاں حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہتہ ثابت ہو جائے گا کہ جس مدت میں پہلی امتیں ہلاک ہو ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ یہ امت اس سے زیادہ مدت گزرنے پر بھی اپنی اسی شرافت و کرامت پر باقی ہے جو کبھی اس کو اپنے عہد کمال میں حاصل تھی۔ اس سے جہاں ایک طرف اس امت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی روحانیت عظمیٰ اور آپ کے کمالات کا ثبوت ملتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپ کی امت میں اس صفت کے لوگ موجود رہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے آکر نماز ادا کر لے تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اصل و خائف رسالت و نبوت خدائی دین کی تائیس و اشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل و خائف رسالت میں داخل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول وہ ہیں جو قتل کرنے کی بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے ہیں مگر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کی ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا۔ والعیاذ باللہ!

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت سے تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدمت کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد ہوئے مگر ان عجائبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ چنانچہ آج تک امت میں اختلاف ہے

کہ وہ رسول تھے یا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے لئے صاحب شریعت رسول ہونا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر امت کو ایمان لانا یہ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ شریعت صرف آپ کی شریعت ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اگر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات بھی آجائیں تو ان کے لئے بھی شریعت یہی شریعت ہوگی۔ اگر کوئی کامل سے کامل رسول کسی بڑی شریعت کا اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں جن کی اپنی کوئی شریعت ہی نہ تھی لیکن پھر وہ خدا تعالیٰ کے نبی کہلائے پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو۔ اگر کوئی رسول آکر اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت کے خلاف بات کیا ہے؟ لہذا یہ سوال کتنا معقول ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت ان سے سلب کر لی جائے گی۔ جی نہیں۔ وہ رسول ہی ہوں گے اور جس طرح اس وقت ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس طرح اس وقت بھی ایمان رکھیں گے۔ صرف اتباع شریعت کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں فتح و منسوخ ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آجائے تو اس سے بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے کمالات وہی ہیں۔ اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کی اتباع ہر وقت لازم ہے۔ پس پہلے زمانے میں ان کی شریعت انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لئے قرآن کریم شریعت ہو گا پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اس وقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہوگی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہوگی۔ لہذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے۔ کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آکر آپ کی شریعت کی اتباع کریں تو کیا اپنی

رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ!

(۲۰)..... "عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ يَقُولُ (فذكر الحديث وفيه) وَيَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ صَلَوةِ الْفَجْرِ فَيَقُولُ لَهُ أَمِيرُهُمْ يَا رُوحُ اللَّهِ تَقَدَّمْ صَلِّ فَيَقُولُ هَذِهِ الْأُمَّةُ لَأَمْرَاءَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَيَقْدُمُ أَمِيرُهُمْ فَيُصَلِّي فَإِذَا قَضَى صَلَوةً أَخَذَ عِيسَى حَرْبَتَهُ فَيَذْهَبُ نَحْوَ الدَّجَالِ فَإِذَا يَرَاهُ الدَّجَالُ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الرِّصَاصُ فَيَصْنَعُ حَرْبَةً بَيْنَ قُنْدُوتِهِ فَيَقْتُلُهُ وَيَنْهَزِمُ أَصْحَابُهُ لَيْسَ يَوْمُئِذٍ شَيْءٌ يَوَارِي مِنْهُمْ أَحَدًا حَتَّى أَنْ الشَّجَرَةَ لَقُولُ يَأْمُومِينَ هَذَا كَافِرُونَ يَقُولُ الْجَبْرِيَّاءُ مُؤْمِنٌ هَذَا كَافِرٌ" . اخرجہ احمد فی مسنده ص ۲۱۶، ۲۱۷ ج ۴ بطريقين واخرجه ابن ابى شيبه والطبرانى والحاكم ج ۵ ص ۶۷۴، ۶۷۵ حديث نمبر ۸۵۲۰ باب نزول عيسى عليه السلام من السماء وصحيحه كذا فى الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۳ وعن جابر نحوه وهكذا عند ابى يعلى عنه وفيه انت احق ببعضكم امراء على بعض اكرم الله به هذه الامة كذا فى الحاوى للسيوطى ج ۲ ص ۱۶۷ وليست هذه الرواية فى رسالة الشيخ قدس سره وفى رواية فيقول له عيسى انما اقيمت الصلوة لك فيصلى خلفه كذا فى البدايه والنهايه ج ۲ ص ۹۹ باب صفته عيسى عليه السلام شمائله فضائله

﴿عثمان بن ابی العاص﴾ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا جو امیر ہو گا وہ ان سے عرض کرے گا اے روح اللہ! آگے تشریف لا کر نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے یہ امت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے۔ اس پر وہ امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے۔ جب نماز ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف جائیں گے۔ وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پھل

جاتا ہے۔ وہ اپنا نیزہ اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اس کو ختم کر دیں گے اور اس کا سب گردہ منتشر ہو جائے گا اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دے گی۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی یہ کہے گا اے مومن! میری آڑ میں یہ کافر موجود ہے۔ اس کو بھی قتل کر دے۔ ﴿

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے؟۔

**انما ينزل عيسى عليه الصلوة والسلام من بين
سائر الانبياء عليه الصلوة والسلام خاصة لانه**

اولى الناس بالنبي ﷺ

(۲۱)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ

نَبِيٌّ يَغْنِي عَيْسَى وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَعْرِفُوهُ رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُصْطَرَّيْنِ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصِْبْهُ بَلَلٌ فَيَقَابِلُ النَّاسَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَيَذُقُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَزِرَاءَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمَلَّ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ فَيَمُكُّ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَتَوَفَّى فَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ . رواه ابو داود ص ۱۳۵ ج ۲ باب خروج الدجال واخرجه ابن ابى شيبه واحمد فى مسنده ج ۲ ص ۴۰۶ وابن حبان فى صحيحه وابن جرير ج ۶ ص ۲۲ كذا فى الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲ البدائيه والنهايه ج ۲ ص ۹۹ باب صفة عيسى عليه السلام وصحه الحافظ فى الفتح من نزول عيسى عليه السلام

﴿ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ ضرور اتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دوز عفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر وہ

کھٹکتی و تازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے۔ اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے۔ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد) ﴿

حجہ واتیانہ علی قبر النبی ﷺ و سلامہ وردہ علیہ علیہما الصلوٰۃ والسلام

(۲۲)..... ”وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِيَهْلُنَّ عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ بِفَجْرِ الرَّوْحَاءِ بِالحَجِّ أَوْ بِالْعُمْرَةِ أَوْ يُكْتَنِيَهُمَا جَمِيعًا. رواه مسلم ج ۱ ص ۴۰۸ باب جواز التمتع في الحج والقران واخرجه مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۲ ولفظه ينزل عيسى بن مريم فيقتل الخنزير ويمحوا الصليب وتجمع له الصلوة ويعطى المال حتى لا يقبل ويضع الخراج وينزل الروحاء فيحج منها أو يعتمر أو يجتمعهما وتلا أبو هريرة وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهن شهيدا فزعم حنظلة أن أبا هريرة قال يؤمن به قبل موت عيسى فلا أدري هذا كله حديث النبي ﷺ أم شيء قاله أبو هريرة تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۵۷۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰ واخرجه ابن جرير مثله والحاكم وصححه والفظه ليهبطن ابن مريم حكما عدلا واماما مقسطا وليسكن فجا حاجا او معتمرا ولتا تين قبري حتى يسلم على ولا ردن عليه يقول ابو هريرة اي بني اخي ان رأيتموه فقولوا ابو هريرة يقرئك السلام درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵“

﴿ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور مقام فحروج یا عمرہ یادوونوں کا احرام باندھیں گے۔ (مسلم شریف) مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے سور کو قتل کریں گے۔ صلیب کا نام و نشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ وخراج اٹھادیں گے اور مقام فحروج یا عمرہ یادوونوں کا احرام باندھیں گے۔ اس کی شہادت میں ابو ہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَأَنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْأَلْيَوْمِئِنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا“ یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے۔ حنظلہ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہؓ نے کہا: ”قَبْلَ مَوْتِهِ“ سے مراد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پیشتر ہے۔ اب یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر بھی آنحضرت ﷺ کی جانب سے ہے یا یہ خود ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے۔ ﴿

یتزوج علیہ الصلوٰۃ والسلام ویولد له ثم یتوفی ویدفن ویبان موضع دفنہ

(۲۳)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ مَرْثُومٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ”يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ الْحَدِيثُ وَغَرَاهُ الْكِتَابُ الْوَفَاءُ وَآخَرُجَهُ ابْنُ الْمَرَاغِي فِي الْمَدِينَةِ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمُنْتَظَمِ وَهَكَذَا فِي الْمَشْكُوتِ ص ۴۸۰ بَابُ نَزُولِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كِتَابُ الْفَتَنِ“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر ولادت ہونی
اس کے بعد آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر

﴿عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ

السلام زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ ﴿

(۲۴)..... "عن ابی ہریرۃ مرفوعاً طویلی لعیش بعد المسیح

یوزن للسماء فی القطر..... ویوزن الا رض فی النبات حتی لو تذر
حَبَّكَ فی الصَّفَّالنبت وحتی یمر الرجل علی الا سد فلا یضره ویطاء علی
الحیة فلا تضره وَلَا تَشَاخُن وَلَا تَبَاغُضَ اخرجہ ابوسعید النقاش فی
فوائد العراقین کذا فی الکنز ج ۱۴ ص ۳۳۳ حدیث نمبر ۳۸۸۴ باب نزول
عیسیٰ علیہ السلام ابوسعید عنہ"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے
نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی کے کیا کہنے، آسمان کو بارش کا حکم مل جائے گا اور زمین کو
پیدائش کا، حتیٰ کہ اگر تم پتھر پر دانہ ڈال دو گے تو بھی وہ جم جائے گا اور اتنا امن ہو گا کہ آدمی شیر
کے قریب سے گزرے گا اور وہ اس کو ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا اور بغض و کینہ کا کہیں نام و
نشان نہ رہے گا۔﴾

(۲۵)..... "عن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ

عن جدہ قال مکتوب فی التوراة صفة محمد رسول اللہ ﷺ وعیسیٰ
بن مریم یدفن معہ اخرجہ الترمذی ج ۲ ص ۲۰۲ باب ماجاء فی فضل
النبی ﷺ وحسنہ کذا فی الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۲ قلت وقد تکلم فی
اسنادہ الحافظ ابن کثیر فی البدایہ والنہایہ ص ۹۹ ج ۲ وقال فی اسناد
روایۃ الترمذی ہذہ عثمان بن ضحاک والصواب الضحاک بن عثمان
المدنی خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۴۴ مشکوٰۃ ص ۵۱۵ باب فضائل
سید المرسلین"

﴿عبداللہ بن سلامؓ کہتے تھے کہ تورات میں محمد ﷺ کی صفات میں سے ایک
صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پاس دفن ہوں گے۔﴾
عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں "اولیٰ

الناس“ کا لفظ فرمایا تھا اس کا ظہور یوں ہوا کہ اول تو آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں گزرا۔ گویا دونوں کے زمانے متصل متصل رہے۔ پھر اسی مناسبت کی وجہ سے وہی آپ ﷺ کی امت میں تشریف لائیں گے اور یوں بھی ہوا کہ دفن بھی آپ ﷺ کے پاس ہی آکر ہوں گے۔ زمانی اور مکانی اور موت کی یہ خصوصیات ان کے سوا کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔

(۲۶)..... ”عن عبد الله بن سلام قال يدفن عيسى مع رسول

الله ﷺ وصاحبيه فيكون قبره رابعا اخرجه البخاري في تاريخه والطبراني . درمنثور ص ۲۴۵ ج ۲“

﴿عبد اللہ بن سلامؓ میان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے دو جاں نثار یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کے پاس دفن ہوں گے اور اس لحاظ سے ان کی قبر چوتھی ہوگی۔﴾

(۲۷)..... ”عن عائشة قالت قلت يا رسول الله ائني اري اني

اعيش من بعدك فتأذن لي ان ادفن الى جنبك فقال واني لك بذلك من موضع ما فيه الا موضع قبري وقبر ابي بكر وعمر وعيسى بن مريم اخرجه ابن عساكر كذا في الكنز ص ۶۲۰ ج ۱۴ حديث نمبر ۳۹۷۲۸ باب نزول عيسى عليه السلام وفي فصل الخطاب باسناد المستغفرى فى دلائل نبوت اله“

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ ﷺ کے بعد تک زندہ رہوں گی تو آپ ﷺ مجھ کو اس کی اجازت دیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں۔ آپ نے فرمایا میں اس کی بھلا کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ یہاں تو صرف میری قبر اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبریں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مقدر ہے۔﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَدَنی آنسو کی سنسپی مکتوب، مسیحی ہمد کول بنی زینوں

ختم نبوت

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
 محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی تصنیف
 لطیف ترجمان السنۃ جلد اول کے ص ۳۷۹ سے ۴۲۶ تک رحمت
 عالم ﷺ کی وصف خاص و امتیازی شان ”ختم نبوت“ کو اچھوتے انداز میں
 میان کیا گیا ہے۔ قرآن و سنت کے حوالے سے ایسا مدلل و مبرہن کیا ہے
 کہ منکرین ختم نبوت کے سارے لوہام باطلہ و خیالات رکیکہ ہباء
 منشور ہو گئے ہیں۔ پڑھئے نور ایمان سے دل جگمگا اٹھے گا۔

فقیر اللہ و سایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کان النبی ﷺ نبیا وادم بین الروح والجسد

(۱)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجِبَتْ لَكَ

النَّبُوءَةُ قَالَ وَادَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ . رواه الترمذی ص ۲۰۲ ج ۲ باب

ما جاء فی فضل النبی ﷺ وقال هذا حدیث حسن“

آنحضرت ﷺ نبوت سے اس وقت سرفراز ہو چکے تھے

جبکہ حضرت آدم میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا

﴿لو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو

نبوت کی ملی فرمایا اس وقت جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے

(یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا

ہے۔ ﴿

حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مشہور الفاظ: ”كنت نبيا وادم بين

الماء والطين“ ہمیں کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکے۔ حافظ سیوطیؒ نے ان کا صاف

طور پر انکار کر دیا ہے البتہ اس کا مضمون قابل تسلیم سمجھا ہے۔ خواجه شرف شفاءؒ میں تحریر

فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱)..... آپ کا عالم ارواح میں نبوت سے حقیقتاً سرفراز ہونا۔

(۲)..... جس طرح صفت وجود میں آپ کی ذات سب سے مقدم تھی اسی طرح

صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا۔

اس مضمون کی پوری توضیح کے لئے اس تفصیل کا نقل کرنا ضروری ہے جو حافظ تقی الدین سبکی نے آیت میثاق کی تفسیر میں لکھی ہے :

”وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ

كُمُ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ آل عمران آیت ۸۱“

اور وہ وقت یاد دلائیے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب و حکمت دیں پھر خدا کا کوئی رسول تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے ساتھ ہو اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

حافظ موصوف نے اس آیت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کا

نام ”التعظیم والمنة فی معنی قوله لتؤمنن به ولتنصرنه“ رکھا ہے۔ یوسف

بن اسماعیل بھمانی نے جواہر البحار میں اس رسالہ کو مجلسہ نقل کیا ہے۔ خفاجی نے صرف اس

کے منتشر ٹکڑے لئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء

علیم السلام سے آنحضرت ﷺ کے لئے اسی نمونہ کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں

کے لئے یا رعایا سے خلفاء کے لئے اطاعت و نصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ

انبیاء علیم السلام کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ تھا جو امتوں میں انبیاء علیم السلام کا

منصب ہوتا ہے۔ اس لئے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور آنحضرت ﷺ نبی الانبیاء ہیں یہ

حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے

ماوراء عالم میں جہاں بھی دیگر انبیاء علیم السلام کے ساتھ آپ کا اجتماع ہو گیا ہے ظاہر ہو گئی

ہے پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جبکہ نماز کے لئے امام کی تلاش ہو رہی تھی اس

وقت تمام انبیاء علیم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق آپ ہی کی ذات گرامی ٹھہری۔ گویا

امت میں امامت کا جو حق کہ نبی کا ہوتا ہے۔ وہی حق انبیاء علیم السلام میں آنحضرت ﷺ کا

قرار پایا دوسرا اجتماع محشر میں ہو گا۔ وہاں بھی سب انبیاء آپ ہی کے زیر لواء اور آپ ہی کے

جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہو گی۔ تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے یہاں بھی سب کی خطیب و امام آپ ہی کی ذات مبارک ہو گی بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ کو اس امت کے لئے حاصل ہے وہی منصب آپ کو لحاظ انبیاء بھی حاصل ہے۔

البتہ اس کا ظہور ان کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ملت ہوتا ہے اور تینوں جگہ آپ کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے مگر اس عالم میں بھی انبیاء علیہم السلام کا آپ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکارا ہو جاتی چنانچہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہو گا جو تمام امت کا ہے اور اسی لئے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا اتباع ہی فرماتے اور اس اتباع کی وجہ سے ان کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں اور امتوں کے لحاظ سے حضور ﷺ کی شریعتیں ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی شریعت تورات و انجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ کی شریعت قرآن شریف ہے اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکور بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی :

(۱) ”بعثت الی الناس كافة“ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں عام

طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ آپ قیامت تک سب انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی و مستقبل دونوں سے ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک سب رسول آپ کی نبوت کے ماتحت ہیں اگرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہو۔

(۲)..... ”حدیث کنت نبیا وادم بین الماء والطين“ اس حدیث کی

مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم حاصل تھا مگر اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا۔

اس تحقیق کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام میں نفع روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی کمال کے افاضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا افاضہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے نوازدیتی ہے جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے ہالہ مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لئے ایمان و نصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے۔ اس لئے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے۔

بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لئے کسی کو دکیل مانتا ہے تو بلاشبہ یہ وکالت صحیح ہے۔ اور اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے

کہیں اسے کفو ملے تو وہ شادی کرے بعض مرتبہ مدتوں کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھنا چاہئے یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لئے ہے بنفس منصب نبوت کے لئے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے کبھی فاعل متصرف کے اعتبار سے، کبھی محل قابل کے لحاظ سے، یہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لئے جسم عنصری کی شرط فاعل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لئے تھی کہ مبعوث الہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی تصرفات نبوة یعنی احکام الہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپ جسم عنصری میں تشریف لا کر ان سے خطاب کریں۔ کلام الہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں۔

اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمال نبوت کا اس سے قبل بھی اور اک کر لیتے اس لئے قالب انسانی کی شرط یہاں نفس نبوت کے لئے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی۔ سبکی متونی ۵۶ء سے پہلے حافظ ابو نعیم اصبہانیؒ نے متونی (۴۳۰) اور شیخ محی الدین بن عربیؒ (متونی ۶۳۸) نے فتوحات مکیہ کے باب ۱۰ ص ۱۷۴ و باب ۱۱ ص ۱۸۵ و باب ۱۴ ص ۹۴ و باب ۷۳ ص ۷۷ و ۸۲ و باب ۳۱۳ ص ۶۴ میں اور امام رازیؒ نے (متونی ۶۰۶) اپنی تفسیر میں پھر بعد میں لکن حجر ہقیمیؒ (متونی ۹۷۳) اور زر قانیؒ (۱۱۲۲) کو غیر ہم نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

خواجهؒ کو تلقی سبکیؒ کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں آپ کا یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ صرف تعظیم و توقیر عظمت و نصرت کے عہد سے اتنا اہم علاقہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک اس کے خلاف پر جو وجوہات انہوں نے قائم کیے ہیں اس کا جواب ممکن ہے۔ مگر احتیاط یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بحث سے سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ تو اس کا دعویٰ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے انکار کرنے

کی حاجت۔ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے صرف آپ کی سیادت و قیادت کا اعتقاد کافی ہے اب یہ بحث کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی یہ سیادت اسی درجہ کی تھی جس درجہ کی اس امت کے لیے غیر ضروری بحث ہے۔ علامہ خفاجیؒ کو سبکی کی دوسری بحث بلا کسی اختلاف کے تسلیم ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت سب سے پہلے عالم ارواح ہی میں مرحمت ہو چکا تھا اور اس حدیث کا فضاء صرف یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم تھا یہ ایک بدیہی اور غیر مفید سی بات ہے۔

(دیکھو نسیم الیاض ج ۱ ص ۳۰۳ تا ۳۰۴)

شیخ اکبرؒ نے اس مضمون کو بڑی رنگینی سے ادا کیا ہے۔ اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے یہاں صرف چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

(.....)

الا بانی من کان ملکا وسیدا

و ادم بین الما ء والطين واقف

﴿سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو اس وقت بادشاہ اور سردار بن چکا تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل کے درمیان ہی پڑے ہوئے تھے۔﴾

(.....)

فذاك الرسول الا بطحی محمد

له فی العلی مجد تلید وطارف

﴿یہ وہی مکی رسول ہیں جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے اور جن کو ہر قسم کی نئی پرانی بزرگیاں حاصل ہیں۔﴾

(.....)

اتی بزمان السعد فی اخرالمدی

وکانت له فی کل عصر مواقف

﴿آپ کی آمد توں بعد ایک خوش نخت زمانہ میں ہوئی مگر آپ کی شہرت ہر دور میں رہی ہے۔﴾

(۰).....

اتی لانکسار الدهر يجبر صدعه
فاثنت عليه السن وعوارف
﴿آئے اور ایک شکستہ حال زمانہ کی اصلاح کرنے کے لیے آئے۔ اس لیے زبان
خلق اور بخششیں آپ کی ثناء خواں ہے۔﴾

(۰).....

اذا رام امرا لا يكون خلافة
وليس لذاك الا مرفى الكون صارف
﴿جب آپ کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر اس کا خلاف نہیں ہوتا اور نہ عالم
میں اس سے کوئی مانع نظر آتا ہے۔﴾

جعل النبي ﷺ خاتم النبيين

و آدم بين الماء والطين

(۲)..... ”عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّهُ قَالَ إِنِّي

عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ ”خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ أَدَمَ لَمُنْجَدِلٌ“ فِي طَيْبَتِهِ . رواه في شرح

السنة واحمد في مسنده (ج ۴ ص ۱۲۷، ۱۲۸) كما في المشكوة (ص ۵۱۳،

باب فضائل سيد المرسلين ﷺ) والبيهقي والحاكم ص ۱۹۴ ج ۳ حديث

۲۶۱۹ كتاب التفسير كما في المواهب وقال الحاكم صحيح الاسناد وفي

شرحه رواه ابن حبان في صحيحه ايضا وفي الكنز ص ۱۸ ج ۱۱ حديث

۳۱۹۶ ص ۴۴۹ ج ۱۱ حديث (۳۲۱۱۴) في لفظ لهذا الحديث عند ابن سعد

في ام الكتاب خاتم النبيين الحديث“

آنحضرت ﷺ اس وقت خاتم النبیین بنادئے گئے تھے
جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب و گل ہی میں تھے

﴿عریاض بن ساریہؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں خدا کے
نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا۔ جب کہ آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی
میں پڑے ہوئے تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو شرح السنۃ میں
اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ کنز العمال میں حوالہ لکن سعد اس حدیث کے لفظ
میں بجائے عند اللہ کے ام الکتاب کا لفظ ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ میں لوح محفوظ
میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ گویا لکن سعد کے لفظ کو مسند امام احمد کی شرح سمجھنا چاہیے۔﴾

مواہب میں ہے کہ: ”واخرج مسلم ج ۲ ص ۲۳۵ من حدیث عبد
الله بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ انه قال ان عزوجل كتب مقاوید
الخلق قبل ان يخلق السموات والا رض بخمسين الف سنة وكتب في
الذكر ان محمداً خاتم النبیین“

﴿عبد اللہ بن عمرو بن العاص صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے
ہیں۔ آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اپنی ہر
مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔﴾
یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی تو جن کے وجود پر عالم
تکوین کی آبادی کا یہ ار تھا۔ ان کا خاتم النبیین ہونا بھی اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔

اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ صحیح مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا مگر
جب مصنف مواہب نے اس کو حوالہ مسلم نقل کیا ہے تو ضرور ان کے نسخہ میں موجود ہو گا۔
 واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر و کتبت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت
ختم نبوت آپ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا۔ جبکہ ابو البشر نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا اسی
طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

”عن ابن عباسؓ فی حدیث الشفاعة فیاتون عیسیٰ فیقولون اشفع النالی ربنا فیقضی بیننا فیقول انی لست هنا کم انی اتخذت وامی الهین من دون الله ولكن ارائیهم لوان متاعاً فی وعاء قد ختم علیه اکان یوصل الی مافی الوعاء حتی یقبض الخاتم فیقولون لافیقول فان محمداً ﷺ قد حضر الیوم وقد غفرله ماتقدم من ذنبه وماتأخر رواه ابوداؤد الطیالسی ص ۲۵۲) وفی لفظ (احمد ص ۲۸۲ ج ۱) وابی یعلیٰ ان محمداً ﷺ خاتم النبیین قد حضر الیوم“

﴿ان ابن عباسؓ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کے لیے آخر کار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور کہیں گے آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے۔ تاکہ ہمارا حساب لے لے۔ وہ فرمائیں گے۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا ہالیا تھا۔ لیکن بتاؤ اگر کسی برتن کو ہند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے۔ کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو؟ جب تک اس کی مہر نہ توڑ دو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ پس محمد ﷺ (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں) آج موجود ہیں۔ ان کی آئندہ اور گزشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں۔ (ان کے پاس جاؤ) مسند احمد اور ابویعلیٰ کے لفظ یہ ہیں کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آج یہاں موجود ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نوازش الہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جوازل میں خلعت ختم نبوت پہنا کر آنحضرت ﷺ پر ہو چکی تھی۔ اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

عرباضؓ کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی ہدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ کے دورہ نبوت پر مقدر ہو چکی تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

”عن بریدۃ قال قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة جميعا

ان کادت لتسبقی .“

﴿حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں اور قیامت ساتھ ساتھ بچھ گئے ہیں اور مبالغہ کے ساتھ فرمایا وہ تو قریب تھی کہ مجھ سے پہلے آجاتی اور عذاری میں ہے: ”بَعَثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ“ آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بچھ گئے ہیں۔ یعنی آپ کے زمانہ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوت حائل نہیں۔ قیامت جب بھی آئے گی آپ ہی کے دور نبوت میں آئے گی۔ (اخرجه ابن جریر بحوالہ مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸) ﴿

خلاصہ یہ کہ آپ کا دنیا کے آخری دور میں آنا اس وقت ملے ہو چکا تھا۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام میں نفع روح نہ ہوا تھا۔ گویا کہ یہ بات عالم کے وجود سے بھی پہلے ایک طے شدہ بات تھی۔ اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ اَوَّلَ النَّبِيِّينَ وَآخِرَهُمْ وَكَذَلِكَ

اُمَّتُهُ اٰخِرُ الْاُمَمِ وَتَكُوْنُ اَوَّلُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(۳).....”عَنْ أَنَسٍ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ مَرْفُوعًا قَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى جَعَلْتُ أُمَّتَكَ هُمْ الْآخِرُونَ وَهُمْ الْأَوَّلُونَ (الی قولہ) جَعَلْتُكَ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ خَلْقًا وَآخِرَهُمْ (الی قولی) وَجَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَخَاتِمًا. اخرجہ ابونعیم من (الخصائص الکبری ج ۳ ص ۱۶۶ باب اختصاصہ ﷺ بشرح الصدر..... الخ)“

آنحضرت ﷺ سب سے پہلے نبی بنا دیئے گئے تھے اور سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اسی طرح آپ کی امت بھی سب سے آخر میں آئی ہے اور قیامت کے دن سب سے مقدم ہو جائے گی

﴿انسؓ سے ایک طویل حدیث میں مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تیری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں

نے تجھ کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا۔ تجھ کو میں نے فاتح یعنی دورہ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تجھ کو ہی اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ ﴿

(۴)..... ”عَنْ سَلْمَانَ فِي حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ يَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُولُونَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَنْتَ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ بِكَ وَخَتَمَ وَغَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ. رواه ابن شعبة، فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۸۷“

﴿ سلمانؓ شفاعت کی حدیث میں روایت کرتے ہیں لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ اے اللہ کے نبی آپ ہی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شروع کیا تھا اور جن پر ختم کیا ہے اور آپ کی آئندہ اور گزشتہ سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ (اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے) ﴿

(۵)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي حَدِيثِ الْإِسْرَاءِ قَالُوا يَا جِبْرِيلُ مَنْ هَذَا مَعَكَ قَالَ هَذَا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ..... اِلَى اَنْ قَالَ فَقَالَ لَهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى..... جَعَلْتُكَ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ خَلْقًا وَآخِرَهُمْ بَعَثًا..... وَجَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَخَاتِمًا. رواه البزار، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۷، ۷۳ باب منه في الاسراء“

﴿ ابو ہریرہؓ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ وہ بولے محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (جب آپ کی دربار الہی میں رسائی ہوئی) تو ارشاد ہوا (اے محمد ﷺ) میں نے پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور لحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ ﴿

چونکہ رسولوں کے سلسلہ میں بظاہر سب سے پہلے آنے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اس لئے احادیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصل اولیت یعنی بہتبار

خلق و اوصاف نبوت آنحضرت ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ گو لحاظ وجود عنصری حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہو گئی ہے۔

(۶)..... ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ مَرْسِيلاً إِثْمًا بُعِثْتُ خَاتِمًا وَفَاتِحًا

وَأُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَقَوَاحِۃَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ كَنْزُ الْعَمَالِ ج ۱۱ ص ۴۲۵ حَدِيث ۳۱۹۹۴“

﴿ابو قتادہؓ مرسلا روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے نبوت کا شروع کرنے والا اور اس کا ختم کرنے والا میں ہی بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع کلم اور فواتح کلم دیئے گئے ہیں۔ یعنی مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنا۔ اس حدیث کو شیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔﴾

حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہر سید و امیر کو بقدر اپنے دائرہ ولایت کے خزان حشم و خدم درکار ہوتے ہیں۔ جو ایک قریہ یا ایک خطہ کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس کے مناسب اور جو ایک ملک کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس کے مناسب آنحضرت ﷺ کو چونکہ تمام جہان کا سید و امیر بنایا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو انہی کے بھر سامان ولایت کی ضرورت۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے کہ :

”اوتیت خزان الارض“ ﴿مجھے زمین بھر کے خزانے مرحمت فرمادیئے

گئے ہیں۔﴾

اور اسی لئے فرمایا :

”اوتیت جوامع الکلم“ ﴿مجھے جامع کلمات مرحمت کئے گئے ہیں۔﴾

بے شک جس کی مملکت تبلیغ تمام جہان ہوں اسے مختصر جملوں میں سمندر کھپانے کی قدرت ملنی چاہئے۔ تاکہ اس کے کچھ جملوں میں سب کچھ آجائے اور ایک اعرابی و فلسفی یکساں طور پر اس سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

اسی بناء پر ترمذیؒ میں ہے کہ ہر نبی کو سات نجیب و رقیب ملے ہیں۔ مجھے چودہ مرحمت ہوئے ہیں۔ غرضیکہ جوامع الکلم بعثت عامہ کے مقتضیات و ضروریات میں

داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو رسول خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کو ایسے کلمات جامعہ مرحمت نہیں ہوئے۔ جوامع الکلم کی تفسیر ہمارے مضمون حجیت حدیث میں زیر عنوان قرآن کی جامعیت ملاحظہ کیجئے :

(۷).....”عَنْ قَتَادَةَ كُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي

الْبُعْثِ . رواه ابن سعد مرسلاً كما في الكنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۹ حدیث ۳۱۹۱۶ رواه ابن ابی شیبہ مسند اعنه كما في الدر المنثور ج ۵ ص ۱۸۴ “
﴿قَتَادَةُ سے روایت ہے کہ میں سب انسانوں میں پہلا پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا۔ اس حدیث کو لکن سعد نے مرسلاً اور ابن ابی شیبہ نے مسنداً روایت کیا ہے۔﴾

(۸).....”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ

وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ آلِيهِ قَالَ كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبُعْثِ . رواه ابن ابی حاتم و ابن مردويه و ابو نعیم فی الدلائل والدیلمی و ابن عساکر و ابن ابی شیبہ و ابن جریر عن قتادة ص ۱۲۵ جز ۲۱ زیر آیت و اذا اخذنا من النبيين ميثاقهم و ابن سعد ابن كثير ج ۳ ص ۶۹۴ زیر آیت و اذا اخذنا من النبيين ميثاقهم و الدر المنثور ج ۵ ص ۱۸۴ الخصائص الكبرى ج ۱ ص ۹ و الكنز العمال ص ۴۵۲ ج ۱۱ حدیث ۳۲۱۲۶ “

﴿ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ : ”وَإِذَا أَخَذْنَا

مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا! میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔ اس حدیث کو لکن ابن حاتم لکن مرویہ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے اور دیلمی لکن عساکر لکن ابن شیبہ لکن جریر لکن سعد نے بھی روایت کیا ہے۔﴾

هذه الامة اخر الامم وخيرها

واولها في الحساب

(۹)..... ”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهَرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ نَحْنُ نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِينَ أُمَّةً نَحْنُ آخِرُهَا وَخَيْرُهَا. رواه ابن جرير جز ۴ ص ۴۵ في تفسير قوله كنتم خير امة الاية الدر المنثور ج ۲ ص ۶۴“

یہ امت سب امتوں میں آخر سب سے بہتر

اور حساب میں سب سے مقدم ہوگی

﴿قنادہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں سے سترویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ درمنثور﴾
 ان جملہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو قاتح نبوۃ اور خاتم نبوت دونوں قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوت اور ختم نبوت صرف جو تقدیر کے معنی میں نہ تھی۔ تقدیر تو سب کے لئے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخرت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی ولایت بھی سمجھنا چاہئے اور جس طرح آپ کی ولایت تھی یعنی آپ سے پیشتر کوئی رسول نہ تھا اسی طرح آپ کی آخریت سمجھنا چاہئے۔ یعنی آپ کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی رسول نہیں ہوگا۔

(۱۰)..... ”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ..... نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

سَبْعُونَ أُمَّةً. نحن اخرها و اخيرها“ رواه الباوردي الكنز العمال ج ۱۲ ص ۱۶۹ حدیث ۲۴۵۱۸“

﴿محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ جن

میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ کنز العمال

یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں ستر کا عدد کس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی مکلم کوئی خاص عدد ذکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عدد کا کوئی خاص معیار ہوتا ہے۔ جب تک اس کا وہ معیار اور اعتبار نہ ہنسی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عدد پر بحث کرنا بکجروی ہے۔ ایک بنی مقدار کو پیسوں کے لحاظ سے ۶۳ اور آٹوں کے اعتبار سے ۱۶ اور روپیہ کے لحاظ سے ایک کہا جاسکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہاں ۷۰ کے عدد میں کسی خاص بات کی رعایت کی گئی ہے۔

(۱۱)..... ”عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ يَا يَهُودِي أَنْتُمْ الْأَوَّلُونَ وَنَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . اُخْرَجَهُ ابْنُ رَاهَوِيَه فِي مُسْنَدِهِ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمَصْنُفِ الْخَصَائِصُ الْكُبْرَى ج ۲ ص ۱۹۸ بَابُ اخْتِصَاصِهِ ﷺ بِأَمَةِ خَيْرِ الْأُمَمِ“

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: اے یہودی تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور ہم گوتم سے آخر میں مگر قیامت کے دن حلب میں تم سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے۔

(۱۲)..... ”عَنْ يَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ مَرْقُوعًا تَكْمُلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُونَ أُمَّةً نَحْنُ آخِرُهَا وَخَيْرُهَا . رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه ص ۳۱۷ بَابُ صِفَةِ أَمَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَالدَّارِمِيُّ ج ۲ ص ۲۱۲ بَابُ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ . كُنَافِي كُنْزِ الْعَمَالِ ج ۱۲ ص ۱۶۹ حَدِيثٌ نُمْبَر ۲۴۵۱۹ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ الْمَشْكُوهُ ص ۵۸۴ بَابُ ثَوَابِ هَذِهِ الْأَمَةِ .“

یہ مزین حکیم اپنے باپ حکیم اور وہ ابن کے دوا سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے

آثر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ اس حدیث کو لکن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ﴿

(۱۳)..... ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْنُ آخِرُ الْأَمَمِ وَأَوَّلُ مَنْ يُحَاسَبُ يَقَالُ أَيْنَ الْأَمَّةُ الْأَمِّيَّةُ وَنَبِيُّهَا فَنَحْنُ الْآخِرُونَ وَالْأَوَّلُونَ۔“
راوہ ابن ماجہ ص ۳۱۷ باب صفة امة محمد ﷺ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲ ”الکنز“

﴿لکن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟۔ اس لئے کہ ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ اس کو لکن ماجہ نے روایت کیا ہے۔﴾

(۱۴)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَبْدَأُنْهُمْ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأَوْتَيْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ۔“
رواہ الشیخان بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ باب فرض الجمعة مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ فصل فی فضیلة يوم الجمعة علی باقی الايام..... الخ والنسائی باب ایجاب الجمعة ج ۱ ص ۱۳۸، ۱۳۹ ”الکنز العمال ج ۱ ص ۱۲ حدیث نمبر ۲۴۴۷۵ مثله عندنا ابونعیم فی الدلائل ص ۹“

﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ اس حدیث کو شیخین اور نسائی نے روایت کیا ہے۔﴾

(۱۵)..... ”عَنْ حَذِيفَةَ مِثْلَهُ وَلَفْظُهُ نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔“
رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ باب فصل فی فضیلة يوم الجمعة۔ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۵۱ حدیث ۱۰۳۴“

﴿حذیفہؓ سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔﴾

انجیل متی کے باب ۱۹ میں آیت ۲۷ سے لے کر ۳۰ تک امت محمدیہ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ موجود ہے :

”پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ دیکھ ہم تو سب کو چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لئے ہیں۔ پس ہم کو کیا ملے گا؟۔ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تحت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو گئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا۔ اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا۔ لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول۔“

ان الفاظ میں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی اشارہ ہے : ”قل ان کان اباؤکم وابناؤکم و اخونکم و ازواجکم و عشیرتکم . التوبہ ۲۴“

مسجد النبی ﷺ کان آخر مساجد الانبیاء

(۱۶)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ قَارِظٍ أَشْهَدُنِي سَمِعْتُ أَبَاهُ زَيْدَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَتَى آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِي آخِرُ الْمَسَاجِدِ. رواه مسلم ج ۱ ص ۴۴۶ باب فضل الصلوة بمسجدی مكة والمدينة و النسائی ج ۱ ص ۲۷ باب فضل مسجد النبی و لفظه خاتم الانبياء وخاتم المساجد“

آنحضرت ﷺ کی مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے

﴿عبداللہ بن ابراہیم بن قارظؓ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں سب انبیاء کے آخر میں ہوں اور میری

مسجد بھی اب آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے زوایت کیا ہے اور نسائی کے لفظ میں اثر کے بجائے دونوں جگہ خاتم کا لفظ ہے۔ ﴿

(آپ ﷺ کی مسجد کے آخری ہونے کی شرح آگے آرہی ہے۔)

(۱۷)..... "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَدِيثٍ

طَوِيلٍ وَأَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ" رواه ابن ماجه ص ۲۹۷ فی باب فتنه الدجال وابن خزيمة والحاكم ج ۵ ص ۷۶۴ حدیث ۸۶۶۴ واضیاء منتخب الكنز العمال ج ۱۴ ص ۳۱۷ حدیث ۳۸۷۹۴

﴿ابو امامہ باہلیؓ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انبیاء میں آخر ہوں اور تم امتوں میں آخر ہو۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے فتنہ دجال کے باب میں روایت کیا ہے اور لکن خزمہ حاکم اور ضیاء الدین نے روایت کیا ہے۔ ﴿

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہو تو اس امت کے بعد کوئی دوسری امت ہوگی مگر چونکہ عالم کا فناء مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ کوئی نئی امت۔ یہ نبی بھی آخری نبی ہے اور اس لئے امت بھی آخری امت ہے۔

(۱۸)..... "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا خَاتِمُ

الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِي خَاتِمُ مَسَاجِدِ الْأَنْبِيَاءِ" رواه الديلمی و ابن النجار و البزار الكنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷۰ حدیث نمبر ۳۴۹۹۹

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں انبیاء میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو دیلمی، لکن النجار اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ﴿

اس حدیث سے مسلم کی حدیث کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے دنیا میں مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اب آئندہ چونکہ کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اس لئے کوئی نئی مسجد بھی کسی رسول کے نام سے تعمیر نہ ہوگی۔ بلکہ یہ مسجد نبوی ہی انبیاء علیہم السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد رہے گی۔

قال الرب تبارك وتعالى ليلة الاسراء

انه جعله خاتم النبيين

(۱۹).....”عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أُسْرِيَ لِيُ

إِلَى السَّمَاءِ قَرَّبَنِي رَبِّي تَعَالَى حَتَّى كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ كَقَابِ قَوْسَيْنِ أَوْدَنِي لَابِلِ اثْنَى قَالَ يَا حَبِيبِي يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَنَيْكَ يَا رَبِّ قَالَ هَلْ غَمَّكَ إِنْ جَعَلْتُكَ أَحَدَ النَّبِيِّينَ قُلْتُ يَا رَبِّ لَأَقَالَ حَبِيبِي هَلْ غَمَّ أُمُّكَ إِنْ جَعَلْتَهُمْ آخِرَ الْأُمَمِ قُلْتُ يَا رَبِّ لَأَقَالَ أَبْلُغْ أَمْرَكَ عَنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي جَعَلْتَهُمْ آخِرَ الْأُمَمِ . رواه الخطيب والديلمي 'الكنز العمال' ج ۱۱ ص ۴۴۹ حديث نمبر ۳۲۱۱۱
خصائص الكبرى ج ۳ ص ۱۵۳“

شب معراج میں پروردگار عالم کار ازو نیاز کے طور پر کہنا کہ

اس نے آپ کو خاتم النبيين بنایا ہے

﴿حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شب معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا اور کہا اے میرے حبیب! اے محمد ﷺ! میں نے کہا حاضر ہوں اے پروردگار! ارشاد ہوا! اگر ہم تمہیں آخر الانبیاء بنادیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار! نہیں۔ پھر ارشاد ہوا! اگر تمہاری امت کو آخری امت بنادیں تو وہ ناخوش تو نہ ہو گی۔ میں نے عرض کیا نہیں اے پروردگار۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتا دینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنادیا ہے۔ (کنز العمال)﴾

قال الرب لادم عليه السلام ان ابنه

احمد عليه وسلم هو الاول والاخر

(۲۰)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا خَلَقَ

اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَخْبَرَ بَيْنِيهِ فَجَعَلَ يَرَى فَضَائِلَ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ فَرَأَى نُورًا سَاطِعًا فِي أَسْفَلِهِمْ قَالَ يَا رَبِّ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا ابْنُكَ أَحْمَدُ هُوَ الْأَوَّلُ وَهُوَ الْآخِرُ وَهُوَ شَافِعٌ وَأَوَّلُ مُشَفِّعٍ . رواه ابن عساکر كما فی الكنز العمال ج ۱۱ ص ۴۳۷ حدیث ۳۲۰۵۶

حضرت آدم سے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ان کے فرزند احمد و محمد ﷺ

سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی ہیں

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد بھی بتلائی۔ آدم علیہ السلام انہیں دیکھنے لگے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان سب کے آخر میں ایک بلند نور دیکھا تو عرض کیا اے میرے پروردگار! یہ کون ہیں۔ ارشاد ہوا یہ تمہارے فرزند احمد علیہ السلام ہیں۔ یہی سب سے پہلے نبی ہیں اور یہی سب سے آخر ہیں۔ یہی قیامت میں سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور ان ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔﴾

قال جبرئیل لادم ان محمد ﷺ

آخر ولدك من الانبياء

(۲۱)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ آدَمَ

بِالْهِنْدِ وَاسْتَوَى وَحَشَّ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَنَادَى بِآدَانَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ قَالَ

اَدَمُ مِنْ مُحَمَّدٍ قَالَ اخِرُوْا لَدِكُمِ الْاَنْبِيَاءُ رواه ابن عساکر الكنز العمال ج ۱۱ ص ۴۵۵ حدیث نمبر ۲۲۱۳۹ الخصائص ج ۱ ص ۲۱ باب ذکرہ فی الاذان فی عهد آدم

حضرت آدم سے جبرائیل کا ارشاد کہ محمد ﷺ

انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے (اور تنہائی کی وجہ سے) گھبرائے تو جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اذان کہی۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! دو مرتبہ اشدان لا الہ الا اللہ! دو مرتبہ اشدان محمد رسول اللہ! دو مرتبہ (جب حضرت آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کا اسم گرامی سنا تو) فرمایا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔ اس حدیث کو لکن عساکر نے روایت کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ابتداء عالم میں بھی ہوئی ہے ضرورت ہے کہ اس حدیث کے طرق جمع کئے جائیں تاکہ اس کے تفصیلی کلمات کا پتہ بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہو کہ اذان کا ایک نفع رفع وحشت بھی ہے۔ سوم یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جائے نزول ہندوستان میں کوئی جگہ ہے۔ اگر یہ حدیث صحت کو پہنچ جائے تو تاریخی لحاظ سے یہ ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ہم نے اس حدیث کو یہاں صرف آخری جز کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

قال جبریل للنبی ﷺ انک خاتم النبیین

کما ان آدم صلی اللہ

(۲۲)..... "عَنْ سُلَيْمَانَ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ قَالَ جِبْرِيلُ

لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ إِنْ كُنْتُ إِصْطَفَيْتُ آدَمَ فَقَدْ خَتَمْتُ بِكَ الْاَنْبِيَاءَ

وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَىٰ مِنْكَ - خصائص ج ۳ ص ۱۵۱، ۱۵۲ بحوالہ ابن عساکر

آنحضرت ﷺ سے حضرت جبرائیل کا فرمان کہ جس طرح

حضرت آدم کا لقب صفی اللہ تھا آپ کا لقب خاتم النبیین ہے

﴿سلمان﴾ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کا پروردگار کہتا ہے اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے (خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔ ﴿

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کا نبیوں میں آخر ہونا صرف ایک زمانی تاثر نہیں بلکہ خدا کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات کے بالقابل آپ کو مرحمت ہوئی ہے۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی اسی کو مقتضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل درجہ ہو۔ اس لئے آخری نبی وہی ہونا چاہئے جو سب میں کامل اور سب سے اکرم ہو۔

مکتوب بین کتفی آدم محمد رسول

اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین

(۲۳)..... ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْ آدَمَ مَكْتُوبٌ ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ

اللہ ﷺ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ - رواہ ابن عساکر 'خصائص الكبرى' ج ۱ ص ۱۹
باب خصوصية ﷺ

حضرت آدم کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا

محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں

﴿جابر﴾ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان

یہ لکھا ہوا تھا: ”محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین“ ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ ﴿

آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت بھی دونوں شانوں کے درمیان تھی مگر دجال کا کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا۔ یعنی مہر نبوت کا مقام دونوں شانوں کے درمیان اور مردِ جل و کفر کا محلِ پیشانی منتخب ہوا ہے۔ اس کی حکمتیں بھی علماء نے لکھی ہیں۔

الشهادة بختم النبوة جزء من الايمان

كالشهادة بكلمة التوحيد

(۲۳)..... ”عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِيْ قِصَّةِ طَوَيْلَةَ لَهُ حِيْنَ جَاءَتْ عَشِيْرَتِيْ (مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ) فَقَالُوْا لَهُ اِمْضِ مَعَنَا يَا زَيْدُ فَقَالَ مَا اُرِيْدُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدَلًا وَلَا غَيْرَهُ اَحَدًا فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ اِنَّا مَعْطُوْكٌ بِهَذَا الْغُلَامِ دِيَّاتٍ فَسَمَّ مَا شِئْتَ فَاِنَّا حَامِلُوْهُ اِلَيْكَ فَقَالَ اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّيْ خَاتِمُ اَنْبِيَآئِهِ وَرُسُلِهِ وَاَرْسِلُهُ مَعَكُمْ. الحديث اخرجہ الحاکم مفصلاً فی المستدرک ج ۴ ص ۲۲۴، ۲۲۵ حدیث ۴۹۹۹ باب تبني رسول الله ﷺ زيد بن حارثه“

عقیدہ ختم نبوت کلمہ شہادت کی طرح ایمان کا جزء ہے

﴿زید بن حارثہ﴾ اپنے ایک طویل قصہ میں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور مجھ سے کہا۔ اے زید! ہمارے ساتھ چلو۔ زید بولے میں رسول اللہ ﷺ کے بدلہ میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ آپ کے سوا کسی دوسرے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے محمد (ﷺ) اس لڑکے کے عوض میں ہم آپ کو بہت مال دے سکتے ہیں۔ جو آپ چاہیں بتلا دیجئے ہم اسے ادا کر دیں گے۔ آپ نے

ارشاد فرمایا! میں تو تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول ہوں۔ پس میں اس لڑکے کو ابھی تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔ (متدرک) ﴿

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں: ”وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ“ کے ساتھ: ”وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ کا لفظ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔

اس کے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کا مخصوص لقب ہے اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب بطور مدح نہیں بلکہ بحیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح صرف ایک محاورہ نہیں۔

ختم النبوة من خصائص النبی ﷺ

(۲۵)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمَ بِيَ النَّبِيُّونَ“ رواه مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوة، مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فی فضائل نبینا ﷺ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۲ زیر آیت ماکان محمد اباحدمن رجالکم

ختم نبوت انبیاء علیہم السلام میں صرف آنحضرت ﷺ

کا طغره امتیاز ہے

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں: (۱)..... مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں۔ (۲)..... دشمن پر رعب ڈالکر میری مدد کی گئی ہے۔ (۳)..... میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴)..... تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے کا آلہ بنادی گئی ہے۔ (۵)..... تمام مخلوق کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے۔ (۶)..... انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)﴾

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی چند خصوصیات شمار کی گئی ہیں۔ یہ خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلکہ بہت ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے اسی موضوع پر دو ضخیم جلدوں کی ایک کتاب لکھ دی ہے۔ جو خصائص الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مفہوم عدد علماء کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہ مکمل کے وقتی استحضار اور اس کے ذہنی اعتبار کی بات ہوتی ہے۔ یہاں ۶۵ خصوصیتیں زیر بحث ہیں۔ بقیہ خصوصیات پر اپنی اپنی جگہ بحث آئے گی۔ خصوصیت (۵) کا مطلب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت آپ کے زمانہ سے لیکر قیامت تک کے لئے ہے۔ لیکن شیخ تقی الدینؒ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی بعثت آپؐ سے پیشتر اور آپؐ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک انبیاؑ کی دنیا سب آپؐ کی بعثت کے ماتحت ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپؐ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا۔ جو مجازاً دوسروں پر بھی اطلاق ہو سکتا۔

خاتم النبوة کان دليلاً على كونه خاتم النبیین

(۲۶)..... ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَ كَتَفَيْهِ خَاتَمُ النَّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتِمُ

النَّبِيِّنَ . رواه الترمذی فی شمائلہ ص ۲ باب خاتم النبوة“

مہربوت خود اس کی دلیل تھی کہ آپ خاتم النبیین ہیں

﴿ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہربوت تھی۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے) ﴿

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس معنوی خصوصیت کو حسی شکل میں بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کتب سلفہ میں بھی مہربوت آپ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اسی لئے بعض طالبین حق نے منجملہ اور علامات کے آپ کی مہربوت کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ مہربوت اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

دعویٰ النبی ﷺ انه خاتم النبیین و آخرهم

(۲۷)..... ”عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَخَاتِمُ النَّبِيِّنَ . رواه البيهقي والحاكم ج ۳ ص ۱۹۴ حدیث ۳۶۱۹ باب انی عبد اللہ وخاتم النبیین وصححه كذا فی الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۷“

آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں

﴿ عریاض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عبد اللہ ہوں۔ (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النبیین ہوں (آخری نبی) اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ ﴿

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے ”عبد اللہ نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں ”عبد اللہ آپ کا لقب بھی تھا۔

قرآن کریم میں ”عبداللہ بطور لقب صرف آپ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے۔“
 :”لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝۱۹“ جب عبداللہ
 (یعنی محمد) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ تہ بہ تہ ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑتے۔
 حدیث میں ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا اگرچاہیں رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کر لیں۔
 جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کر لیں۔ آپ نے عبدیت کو ہی پسند
 فرمالیا۔ اس کے بعد آپ کی نشست و برخاست۔ طعام و شراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب
 تھا۔ دعاء تشہد میں بھی عبدہ و رسولہ تعلیم کیا گیا ہے۔ یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ حتیٰ
 کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہ و عبدہ کہا تو آپ نے اس کی اصلاح فرمائی
 اور کہا کہ وہی عبدہ و رسولہ کہو شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت
 سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لاسکا اور قریب تھا کہ جل
 جاتا۔ اسی طرح آپ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے۔ پہلا لقب آپ کی ذاتی صفت اور دوسرا
 لحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے
 رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپ سے پہلے
 انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا بتلاتا ہے کہ پہلے صحف
 میں کسی خاتم النبیین کی بشارت موجود تھی۔ آپ بتلاتے ہیں کہ اس مصداق میں ہوں۔

(۲۸) ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا إِيَّيْ خَاتِمُ الْفِ نَبِيِّ أَوْ أَكْثَرُ“

رواہ فی المستدرک ج ۳ ص ۴۹۳ حدیث ۴۲۲۴ باب بعث رسول اللہ ﷺ

۰ الکنز ج ۱۱ ص ۴۸۳ حدیث ۳۲۲۸۱

ابو سعیدؒ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ میں ایک ہزار نبی یا اس سے زیادہ کے آخر میں
 آیا ہوں۔ اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔

مشکوٰۃ میں ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور
 ہے۔ چونکہ یہاں رلوی نے اواکثر کا لفظ کہہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اصل عدد
 محفوظ نہیں رہا۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس

حدیث میں ہزار کے عدد سے کسی خاص شان کے نبی مراد لئے گئے ہوں۔

(۲۹)..... ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا ذَرٍّ أَوَّلُ

الْأَنْبِيَاءِ آدَمُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ“ رواه ابن حبان فى صحيحه وابونعيم فى الحلية وابن عساكر والحكيم الترمذى الكنز ج ۱۱ ص ۴۸۰ حدیث ۲۲۲۶۹ باب ذکر الانبياء واخرجه ابن حبان فى تاريخه فى السنة العاشرة ص ۶۹ مخطوط“

﴿ابو ذرؓ﴾ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذر انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب کے آخر میں محمد ﷺ ہیں۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو نعیم نے الحلیہ میں اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ نیز ابن حبان نے اپنی تاریخ میں ۱۰ھ کے احوال میں اس کو روایت کیا ہے۔ (از قلمی نسخہ)

انبیاء علیہم السلام کے اول و آخر کی اس تحدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی شخص جس کو نبی کہہ کر پکارا جائے نہیں ہوگا۔ پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور آخری آپ اور بس۔ نیز اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی تصریح میں موجود ہے اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے جب آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آدم نبی تھے تو آپ نے فرمایا: ”نعم نبی مکلم“ ہاں! خدا کے نبی تھے۔ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا تھا۔

وصية النبی ﷺ انه لانی بعدہ

(۳۰)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عمرو بن العاص يَقُولُ خَرَجَ عَلَيْنَا

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا كَالْمُودِعِ فَقَالَ أَنَا مُحَمَّدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيُّ ثَلَاثًا وَلَا نَبِيَّ بَعْدِي (الى قوله) فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا مَا دُمْتُ فِيكُمْ فَإِذَا ذُهِبَ بِي فَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى أَحْلُوا حَلَالَهُ وَحَرَّمُوا حَرَامَهُ“ رواه احمد فى مسنده ج ۲

ص ۱۷۲، ۱۱۲ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۴ زیر آیت ماکان محمد .“

آنحضرت ﷺ کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

الکن عمر و روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح تقریر فرمائی) جیسے کوئی رخصت ہونے والا تقریر کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی امی (جن کے آمد کی خبر تھی وہ) میں ہی ہوں اور میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں میرے احکام سنو اور ان کی اتباع کرتے رہو اور جب مجھے دنیا سے اٹھالیا جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا جو اس میں حلال ہے اس کو حلال اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھتے رہنا۔ اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

(۳۱)..... ”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي خُطْبَةٍ يَوْمَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَيُّهَا النَّاسُ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا وَخَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَأَطِيعُوا وِلَاةَ أُمُورِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. الكنز ج ۵ ص ۲۹۴، ۲۹۵ حدیث نمبر ۱۲۹۲۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۶ باب لا نبی بعده ﷺ، تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۳۷ زیر آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“

ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔ اے لوگو! نہ تو میرے بعد اب کوئی نبی ہوگا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔ بس اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور رمضان کے روزے رکھے جاؤ۔ اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیئے جاؤ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرتے رہو تو پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اب صرف ان فرائض اسلام پر عمل کرنے میں منحصر ہو گئی ہے۔ اگر پہلے زمانہ کی طرح آئندہ کوئی رسول آنے والا ہوتا تو اس پر

ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ اب ایمان کا معاملہ تو مکمل ہو چکا ہے۔ صرف عمل کا مرحلہ باقی ہے۔ وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ بس فرائض کے یہ چند قدم ہیں۔ انہیں طے کرو اور آگے جنت ہے۔ ﴿

(۳۲)....."عَنْ أَبِي قَبِيلَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةٌ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَأَقِيمُوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَطِيعُوا وَلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. رواه الطبرانی والبخاری كذا في الكنز العمال ج ۱۵ ص ۹۴۷ حديث نمبر ۴۳۶۳۸ باب جامع المواعظ من الاكمال مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۶ باب خطبه في الحج"

﴿ابو قبیلہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں آئے گی۔ پس تم اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اپنی پانچ نمازیں ٹھیک ٹھیک پڑھتے رہو۔ ماہ رمضان کے روزہ رکھتے رہو اور اپنے حکام کی اطاعت کئے جاؤ۔ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔﴾

(۳۳)....."عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ قَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةٌ بَعْدَ أُمَّتِي. رواه البيهقي في كتاب الرؤيا وفي رواية ابي قبيلة في كنز العمال لاني بعدى ولا امة بعدكم ص ۹۴۷ ج ۱۵ حديث نمبر ۴۳۶۳۸ باب جامع المواعظ من الاكمال"

﴿ضحاک بن قوفل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا اور میری امت کے بعد اب کوئی امت نہیں ہوگی۔ اس حدیث کو بیہقی نے کتاب الرؤیا میں روایت کیا ہے۔﴾

تصديق ماهان عامل الروم ان النبي ﷺ

لا نبي بعده

(۳۴)....."عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ أَنَّهُ سَأَلَهُ

مَا هَٰذَا غَامِلٌ مَّلِكِ الرُّومِ عَلَى الشَّامِ هَلْ كَانَ رَسُولُكُمْ أَخْبَرَ أَنَّهُ يَأْتِي بَعْدَهُ رَسُولٌ قَالَ وَلَكِنْ أَخْبَرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَأَخْبَرَ أَنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ قَدْ بَشَّرَ بِهِ قَوْمَهُ قَالَ الرُّومِيُّ وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ . خصائص الكبرى ج ۲ ص ۱۲ باب ذکر آیات وقعت علی اثر النبی ﷺ فی غزوات

ملک روم کے گورنر کی تصدیق کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا
 خالد بن ولیدؓ نے ایک طویل حدیث میں کہا کہ ماہان نے جو شام پر شاہ روم کا
 عامل تھا۔ ان سے دریافت کیا کیا تمہارے رسول نے تم سے یہ کہا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور
 رسول آئے گا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور یہ
 بھی کہا کہ عیسیٰ بن مریم نے ان کی آمد کی بھارت اپنی قوم کی دی تھی۔ ماہان رومی نے کہا کہ
 میں بھی اس پر گواہی دینے والوں میں ہوں۔ ﴿

حضرت ابو عبیدہؓ جب یرموک پہنچے تو روم کے لشکر کے سردار نے ان کے پاس
 ایک قاصد بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں ماہان گورنر کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ
 اپنی جماعت میں سے ایک عقلمند شخص ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کر لیں۔
 حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کام کے لئے خالد بن ولیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے وہ گفتگو کی جو
 اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی بھارت میں نبی مقرر کی ایک علامت
 یہ بھی تھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے دوسری باتوں کے ساتھ اس کی تحقیق بھی
 کی جاتی تھی کہ اور انبیاء کی طرح آپ نے کسی نبی کی آمد کی خبر تو نہیں دی۔

شهادة الضب انه رسول الله وخاتم النبيين

(۳۵).....”عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ فَقَالَ
 الْأَعْرَابِيُّ لَا أَمَنْتُ بِكَ حَتَّى يُؤْمِنَ بِكَ هَذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ
 أَنَا يَا ضَبُّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ يَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِيعًا لَبَّيْكَ
 وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُولَ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ

عَرْشُهُ وَفِي الْأَرْضِ سُلْطَانُهُ وَفِي الْبَحْرِ سَبِيلُهُ وَفِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ وَفِي
النَّارِ عَذَابُهُ قَالَ فَمَنْ أَنَا قَالَ أَنْتَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ .
الحديث أخرجه الطبرانی فی الاوسط والصغیر ج ۲ ص ۶۴ باب المیم
اسمه محمد وابن عدی والحاکم فی المعجزات والبیہقی وابونعیم وابن
عساکر ولس فی اسنادہ من ینظر فی حالہ سوی محمد بن علی بن
الولید البصری السملی شیخ الطبرانی وابن عدی وقال السیوطی فی
الخصائص قلت لحديث عمر طریق أخر لیس فیہ محمد بن علی بن
الولید أخرجه ابونعیم وروی عن عائشة وابی ہریرۃ وعلی رضی اللہ
تعالیٰ عنہم مثله کما فی الخصائص ج ۲ ص ۲۷۵ باب قصۃ الضب منتخب
کنز العمال علی حاشیہ مسند احمد ابن حنبل ج ۴ ص ۲۷۸ باب شہادۃ
الضب۔“

گوہ کی شہادت کہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

﴿حضرت عمرؓ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں (کہ آنحضرت ﷺ نے
ایک دیہاتی آدمی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ پر
ایمان نہیں لاسکتا۔ آپ نے فرمایا اے گوہ! بتلا میں کون ہوں۔ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں
جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا۔ اے رب العالمین کے رسول میں حاضر ہوں اور آپ
کی فرماں بردار ہوں۔ آپ نے فرمایا بتلا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ بولی جس کا عرش
آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے جس کی رحمت
کا مظہر جنت ہے جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟۔ اس نے
جواب دیا۔ آپ جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے
معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی نے اور حاکم نے معجزات اور بیہقی ابو نعیم اور ابن
عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں سوائے محمد بن علی بن الولید کے کوئی راوی

ایسا نہیں ہے جس کے معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ طبرانی اور ابن عدی کے شیخ ہیں۔ سیوطی خصوصاً الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ حدیث عمر کے لئے ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں ہے۔ ابو نعیم نے اس کو بیان کیا ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور..... حضرت علیؓ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون مروی ہے۔ ﴿

حیوانات کی گفتگو اور ان کی شہادت دینا اگر بطور عادت و فطرت نقل کی جائے تو بے شک تعجب کرنا چاہئے۔ اگر بطریق معجزہ منقول ہو تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات تمام خارق عادات ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں۔ لہذا صرف اس وجہ سے حدیث کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! اگر اس کا روایتی پہلو ناقابل اعتبار ہو تا تو بے شک ایک بات ہو سکتی تھی۔ مگر اس کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں ہے۔ یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یکجا رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے۔ جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے آپ کو صرف رسول اللہ کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک جز ہی کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو، آپ کے منصب عالی کا ممتاز جز خاتم النبیین ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں۔ گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کے لئے کافی سمجھا گیا تھا جیسا کہ کلمہ توحید کا۔ اس کا اقرار گور رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید کہ آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

شہادۂ زید بن خارجہ بعد وفاتہ

انہ علیہ السلام لانی نبی بعدہ

(۳۶)..... ”عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْأَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا خَرَفَتُوهُ فَأَعْلَمَتْ بِهِ الْأَنْصَارُ فَأَتَوْهُ فَأَحْتَمَلُوهُ إِلَى بَيْتِهِ وَسَبَّحُوهُ كِسَاءً وَبُرْدَيْنِ وَفِي الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ يَبْكِينَ عَلَيْهِ وَرِجَالٌ مِنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلَى خَالِهِ حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا سَمِعُوا صَوْتَ قَائِلٍ يَقُولُ أَنْصِتُوا أَنْصِتُوا فَانْظُرُوا فَإِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَجَسَرُوا عَنْ وَجْهِهِ وَصَدْرِهِ فَإِذَا الْقَائِلُ يَقُولُ عَلَى لِسَانِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ النَّبِيُّ الْأَمِيُّ خَاجِمُ النَّبِيِّينَ لَأَنبَى بَعْدَهُ كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ • هدية المهديين ص ۱۱۴ معجم الكبير الطبرانی ج ۵ ص ۲۱۹ روایت نمبر ۱۵۴۴ حافظ ابن ابی الدنيا کی کتاب من عاش بعد الموت ص ۵۲“

وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت کہ آپ ﷺ

کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

﴿ثعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ زید بن خارجہؓ انصار کے سرداروں میں تھے۔ ایک دن وہ ظہر و عصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستہ پر جا رہے تھے کہ یکایک گرے اور فوراً وفات ہو گئی۔ انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک کبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور مردان پر رو رہے تھے۔ یہ گریہ وزاری ہو تا رہا حتیٰ کہ جب مغرب و عشاء کا درمیان ہوا تو دفعۃً ایک غیبی آواز آئی ”خاموش رہو خاموش رہو“ ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے

سے ہی آرہی ہے جس میں میت ہے۔ لوگوں نے ان کا منہ اور سینہ کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے ”محمد رسول اللہ نبی امی خاتم النبیین ہیں۔“ ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تورات و انجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے سچ ہے۔ ﴿

کرامت کے طور پر میت کا بولنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں تھی مگر رلوی نے اس کی ایک اور توجیہ بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ یہاں بولنے والا دراصل کوئی فرشتہ تھا۔ میت کی زبان ان کلمات کی ادائیگی کے لئے صرف ایک واسطہ کا کام دے رہی تھی۔ جمادات و حیوانات کے ان خارق عادت شہادات سے مقصود یہ ہے کہ بنی آدم کی فطرت زیادہ سے زیادہ متاثر ہو کر نصیحت و عبرت کرے اور حضور ﷺ کی تصدیق کے لئے اور زیادہ مستعد ہو جائے۔

کان النبی ﷺ رسولا الی اهل زمانه

ومن بعدہم سواء

(۳۷)..... ”عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا

رَسُولُ مَنْ أَدْرَكَ حَيًّا وَمَنْ يُؤَلِّدُ بَعْدِي • رواه ابن سعد الكنز العمال ج ۱۱

ص ۴۰۴ حدیث ۳۱۸۸۵“

آنحضرت ﷺ اپنے زمانہ اور بعد میں آنے والے سب

انسانوں کے لئے یکساں رسول ہیں

﴿حضرت حسنؓ سے مرسل روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں

ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ اس حدیث کو

ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ﴿

بعثت عام اور ختم نبوت کو بڑا گہرا ربط ہے۔ اسی لئے پہلی حدیث میں دونوں

خصوصیتوں کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو

آننے والی امت بلا رسول رہ جاتی۔ یہ بجائے نعمت کے اور ایک زحمت ہوتی۔ اس لئے جب

نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان اس کامل و اکمل رسالت کے نیچے آجائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی جائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا نقصان ثابت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا جائے رحمت کے زحمت بن جاتا (والعیاذ باللہ!) اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازم ہو گیا۔

توضیح النبی ﷺ ختم النبوة بمثال

(۳۸)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَتْهُ وَأَجْمَلَتْهُ إِلَّا مَوْضِعَ

لِبْنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْبُدُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَذَا وَضِيعَتُ هَذِهِ اللَّبْنَةِ قَالَ فَاِنَّا لِبْنَةٌ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ . بخاری ص ۵۰۱ ج ۱ باب خاتم النبیین مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین واحمد ج ۲ ص ۲۵۶ درمنثور ج ۵ ص ۲۰۴ زیر آیت ماکان محمداً بابا احد من رجالکم والنسائی والترمذی وفي بعض الفاظ فکنت انا سدت موضع اللبنة وختم بی البیان وختم بی الرسل . رواه ابن عساکر کما فی الکتر“

آنحضرت ﷺ کا ختم نبوت کو ایک مثال دیکر واضح کرنا

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی..... لوگ آکر اس کے ارد گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آکر اس اینٹ کی جگہ کو پر

کر دیا ہے اور اب قصر نبوت میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔ (کنز العمال) ﴿

(۳۹)..... ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَآخَضَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَقُولُونَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبَنَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبَنَةِ جِئْتُ فَخُتِمَ بِي الْأَنْبِيَاءُ. مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب ذكر كونه خاتم النبيين 'بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبيين والترمذی ج ۲ ص ۱۱۲ باب ما جاء مثل النبي ولا نبياء وابن ابی حاتم“

﴿جاءہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور خوب عمدہ اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کتنا تمام گھر کس قدر خوبصورت ہے مگر یہ ایک اینٹ کی جگہ (وہ اینٹ میں ہوں) اور انبیاء مجھ پر ختم کر دیئے گئے ہیں۔ (اس حدیث کو شیخین ترمذی ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے) ﴿

(۴۰)..... ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَثَلِي وَمَثَلُ النَّبِيِّينَ فَذَكَرْنَحْوَةَ. رواه مسلم ص ۲۴۸ ج ۲ باب ذكر كونه خاتم النبيين واحمد“

﴿ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس کو پورا بنادیا مگر ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی میں آیا اور اس اینٹ کو بھی پورا کر دیا۔ اس حدیث کو مسلم و احمد نے روایت کیا ہے۔ ﴿

(۴۱)..... ”عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَثَلِي فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَآخَضَهَا وَأَجْمَلَهَا وَتَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبِنَاءِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ لَوْلَا“

مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبَنَةِ وَأَنَا فِي النَّبِيِّنَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبَنَةِ . رواه الترمذی ج ۲

ص ۲۰۲ باب فی فضل النبی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب

ابو ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور نہایت خوشنما مکمل اور آراستہ بنایا۔ لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کے ارد گرد گھومتے اور اسے تعجب سے دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں۔ کاش! اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہو جاتی۔ تو میں نبیوں میں ایسا ہی ہوں جیسے یہ اینٹ اس محل میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس قصر میں جو ہر طرح مکمل ہو چکا ہے۔ اب کسی اور اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی اور نبی کے آنے کا احتمال نہیں رہا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے اس موٹے سے مسئلہ کو پیرایہ بہ پیرایہ طریقہ بہ طریقہ آخر کیوں اتنا سمجھا رہے ہیں۔ آپ کا آخری نبی ہونا کوئی دقیق مسئلہ نہیں جس کے لئے اتنی تفہیم کی حاجت ہو پھر یہ اہمیت کیوں ہے۔ اس کا جواب آپ کو ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خود واضح ہو جائے گا جن میں آنحضرت ﷺ کے بعد مدین نبوت کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے۔

لَا نَبِيَّ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنْ كَانَ مِنْ غَيْرِ تَشْرِيعٍ

(۴۲)..... ”عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

لِعَلِيٍّ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي . رواه البخاری ومسلم فی غزوة تبوك ص ۶۳۳ ج ۲ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَفِي رَوَايَتِهِ وَفِي لَفْظِ مُسْلِمٍ ج ۲ ص ۲۷۸ باب من فضائل علی بن ابی طالب خَلْفَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ خَلَفْتَنِي مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ

اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي وَفِي لَفْظٍ آخِرٍ عِنْدَهُ إِلَّا إِنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا۔“

آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریفی نبی ہو

﴿سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے غزوہ تبوک کے میان میں روایت کیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا تو حضرت علیؓ نے آپ کی خدمت میں (حسرت سے) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟۔ آپ ﷺ نے (ان کی تسلی کے لئے) فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت حاصل ہو جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں اور مسلم کے دوسرے لفظ یہ ہیں مگر تم نبی نہیں ہو۔﴾

(۴۳)..... ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُخَلِّفَ عَلِيًّا قَالَ لَهُ عَلِيُّ مَا يَقُولُ النَّاسُ فِي إِذَا خَلَفْتَنِي قَالَ فَقَالَ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ بَعْدِي نَبِيٌّ أَوْ لَا يَكُونُ بَعْدِي نَبِيٌّ۔ رواه احمد ج ۳ ص ۳۳۸ وابن ماجه ص ۱۲ باب فضائل علي بن ابي طالب والترمذي ج ۲ ص ۲۱۴ باب مناقب علي بن ابي طالب۔“

﴿جامدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ ارادہ کیا کہ حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ مجھے (اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور) پیچھے چھوڑ جائیں گے تو بھلا لوگ میرے متعلق کیا کیا باتیں کہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میری تمہاری وہ نسبت رہے جو ہارون

و موسیٰ کی تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ﴿

ان دونوں حدیثوں میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا مقصود نہیں۔ اسی لئے ”انت بمنزلتہ ہارون“ نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اپنی غیبت میں میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔ حضرت ہارون کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی اس لئے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوت نہ ہو۔ اس لئے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف طور پر صاف کر دیا گیا ہے تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ہوتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب توسط یا بلا توسط کسی نبوت کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لئے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو یہ محض دماغی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

(۴۴)..... ”عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

(يا علي) وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ مَا خَرْتُكَ إِلَّا لِنَفْسِي وَأَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى غَيْرَ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي . ابن عساکر، الكنز العمال ج ۹ ص ۱۶۷ حدیث نمبر ۲۵۵۵۴ ج ۱۲ ص ۱۰۵، ۱۰۶، حدیث نمبر

۳۶۳۴۵ باب فضائل علیؓ“

﴿زید بن اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ اس ذات کی

قسم ہے جس نے مجھے دین حق دیکر بھیجا ہے۔ میں نے تم کو صرف اپنے لئے پسند کیا ہے اور تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ (الکنز) ﴿

یہی مضمون ابو سعید خدریؓ، حبشی بن جنادہؓ، عقیل بن ابی طالبؓ اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھو کنز العمال۔

(۴۵)..... ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَجَعْتُ وَجَعًا فَأَقَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَقَامَنِي فِي مَكَانِهِ وَقَامَ يُصَلِّيُ وَالْقَى عَلَى طَرْفِ قُوبِهِ ثُمَّ قَالَ بَرِئْتُ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ فَلَا بَأْسَ عَلَيْكَ مَا سَأَلْتُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا سَأَلْتُ لَكَ مِثْلَهُ وَلَا سَأَلْتُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَانِيهِ غَيْرَ أَنَّهُ قِيلَ لِي أَنَّهُ لَأَنِّي بَعْدِي فَقُمْتُ كَأَنِّي مَا شَتَكَيْتُ. رواه ابن جرير وابن شاپين في السنة والطبرانی في الاوسط وابونعيم في فضائل الصحابة كذا في الكنز ج ۱۳ ص ۱۷۰ حدیث ۳۶۵۱۳“

﴿ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے درد اٹھا۔ میں آپ کی خدمت میں آیا آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا پھر فرمایا اے علیؓ تم شفیاب ہو گئے۔ اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔ میں نے جو دعا اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کی ہے وہی تمہارے لئے مانگی ہے اور جو دعا میں نے مانگی ہے وہ اس نے قبول فرمائی ہے۔ بجز اس کے کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (کنز العمال) ﴿

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت کی دعا فرمائی تھی اور قبول ہو گئی تھی: ”وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ . هَارُوْنَ اَخِي . اسْتَنْدَبَهُ اَزْدِيْ . وَاشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ . طہ آیت ۲۹“ اور میرے خاندان میں میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے ان کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط فرما اور میرا شریک کار بنا

دے۔ اس دعا کے بموجب ان کو نبی بنا دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ عالم تقدیر میں یہ طے پاچکا تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے یہ نامناسب تھا کہ دعا کے بعد آپ کو عالم تقدیر کے اس فیصلہ کی اطلاع دی جاتی۔ اس لئے اس سے قبل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ حضرت علیؑ کے لئے نبوت کی دعا فرماتے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہر دعا قبول ہو گی مگر نبوت کے لئے آپ دعا ہی نہ فرمائیے۔

غور فرمائیے کہ حدیث مذکور میں موسیٰ دہارون علیہم السلام کے ایک معمولی تشبیہ کے اثرات کتنی دور دور تک پھیل رہے ہیں اور ہر گوشہ میں ختم نبوت کا عقیدہ کس کس طرح نظر آتا چلا جا رہا ہے۔ گویا یہ ایک جیاد ہے اور بقیہ تمام تفریعات اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔ اگر کہیں ذرا بھی اس جیاد کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ایہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت و رسالت کی صریح پیشگوئیوں کی جائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے نہیں بلکہ پھانک کھول دیئے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب اس میں سے گزرنے والوں کی تعداد دریافت کی جائے تو مشکل ایک شخص کا نام پیش کیا جائے اور اس میں بھی ابھی تک یہ بحث جاری ہو کہ وہ امام تھا یا مجدد یا نبی و رسول اور اگر معتقدین کا حال چھوڑ کر کہیں خود اس کے دعاوی کو دیکھا جائے تو ایک صحیح القسم شخص یہ اندازہ کریں نہ سکے کہ اتنے مختلف دعاوی کبھی ایک زبان سے ادا بھی ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان!

لایبقی من النبوة شی الا لمبشرات

(۴۶)..... ”عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَا يَبْقَى بَعْدِي مِنْ النَّبُوَّةِ شَيْءٌ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتِ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى لَهُ“ . كذا في الكنز ج ۱ ص ۳۷۱
حدیث نمبر ۱۴۲۳ و فی روایۃ البخاری عن ابی ہریرۃ ج ۲ ص ۱۰۳۵ باب المبشرات مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۹

آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا

صرف اچھے خواب باقی ہیں

حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میرے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا۔ صرف مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے لئے کوئی دوسرا دیکھے۔ (کنز العمال)

انبیاء علیہم السلام کی صفت انذار بھی ہے اور تبشیر بھی۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا ”رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ“ اس لحاظ سے رؤیاء صالحہ کی بھی دو قسمیں ہونا چاہئیں مبشرات اور منذرات مگر چونکہ رؤیاء صالحہ کی تفسیر میں صرف مبشرات کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آیت: ”لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“ میں بُشْرٰی سے مراد رؤیاء صالحہ ہیں۔ اس بناء پر بھی رؤیاء صالحہ کا عنوان مبشرات بن گیا ہے بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ سچے خواب ہمیشہ خوشی و مسرت کے متعلق ہوں۔ رنج و غم کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں مگر رؤیاء صالحہ میں یہ حصہ مغلوب ہوتا ہے اور بخارات کا حصہ غالب۔ اس کے برعکس شیطانی خواب بیشتر خوفناک ہوتے ہیں اور مسرت و خوشی کے شاذ و نادر۔ کیونکہ شیطان کا مقصود ہی تحزین مسلم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے: ”الرؤيا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعين جزء من النبوة“ نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھالیسواں جزء ہوتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں مسلم سے ہر فاسق و فاجر مراد نہیں بلکہ صالح اور نیک شخص مراد ہے۔

اس لئے فاسق یا کافر کا خواب اگر سچا بھی ہو تو نبوت کا جزء نہیں کہا جاسکتا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک آدمی کبھی شیطانی خواب دیکھتا ہی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص بیداری میں انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ صدق

و اخلاص امانت و دیانت داری اس کا شیوہ ہے۔ اندر باہر دوست و دشمن کسی کے ساتھ جھوٹ بولنا روا نہیں رکھتا۔ اس کی فطرت پر صدق و سچائی کا پورا نقش قائم ہو چکا ہے۔ وہ سونے کے بعد بھی شیطانی تسلط و حکومت کے ماتحت نہیں آتا۔ اس لئے اس کا جو خواب ہوتا ہے وہ اکثر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر گاہے بگاہے اس کے خلاف ہو تو شذوذ و غور ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص حالت بیداری جھوٹ و دغا بازی کا عادی ہے۔ وہ سونے کے حائل میں بھی شیطان ہی کے زیر حکومت رہتا ہے۔ اس کے خواب بھی اکثر شیطانی اتصال و تصرف کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے: ”الروياء الصالحة من الله والحلم من الشيطان“ اچھے خواب (جو مومن صالح کا نصیب ہے) خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ خلاصہ یہ کہ انسان حالت خواب اپنے بیداری کے حالات کے تابع رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ ملی کو خواب میں چھپڑے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر اتنی بات آپ کے نزدیک معقول ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ جس طرح انسان حالت نوم میں بیداری کے حال کے تابع ہوتا ہے اسی طرح موت کے بعد اپنی حیات کے حالات کے تابع رہے گا: ”وَمَنْ كَانَ فِيْ هَذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی“ جو اس دنیا کی زندگی میں اندھا بنا رہا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ٹھہرے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر سچا خواب نبوت کا جزء ہے بلکہ اس کا خواب نبوت کا جزء قرار دیا گیا ہے جو شریعت کی اصطلاح میں صالح کہا جاسکے۔ قرطبی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ صالح سے مراد وہ شخص ہے جو عبادات و عادات میں انبیاء علیہم السلام کے قدم بھرم ہو۔ کاہن اور بخوی بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں مگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ اس کا نام اطلاع علی الغیب نہیں۔ اس کے اسباب پر اپنی جگہ مفصل بحث موجود ہے۔ اطلاع علی الغیب نبوت کا خاصہ ہے۔ اس کی ابتدا اچھے اور سچے خواب ہیں اور اس کی انتہا وحی نبوت یعنی حالت بیداری خدا تعالیٰ یا فرشتہ کے ساتھ مکالمہ۔ آنحضرت ﷺ بھی نبوت سے پیشتر سچے سچے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ۶ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد وحی کا دور شروع ہو گیا جس کی مدت پچیس سال ہے۔ بعض علماء نے یہ دیکھ کر کہا ۲۳ سال کا چھیا لیسواں جزء ہیں۔ یہ

کہہ دیا ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں رؤیاء مومن کو اسی لئے نبوت کا چھیا لیسواں جزء کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر طویل گفتگو کی ہے۔ (اس پر سوال و جواب علماء کے دائرہ کی بحث ہے لہذا یہ بحث کہ اگر مبشرات نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو کوئی مختصر نبوت کہا جاسکتا ہے۔ اس پر آئندہ حدیث کے نوٹ میں کلام کیا جائے گا۔

ذهبت النبوة والرؤيا ليست بنبوة

(۴۷)..... "عَنْ أُمِّ كُرَيْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَهَبَتِ النَّبُوءَةُ

وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ. اخرجہ احمد ج ۶ ص ۲۸۱ وابن ماجہ ص ۲۷۸ باب الرؤيا صالحه..... الخ وصححه ابن خزيمة وابن حبان

نبوت بالکل ختم ہو گئی اور صرف خواب نبوت نہیں ہیں

امام کرڑ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے خود سنا ہے نبوت تو ختم ہوئی۔ ہاں! صرف مبشرات باقی ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴۸)..... "عَنْ أَنَسٍ رَفَعَهُ أَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوءَةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا

رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ..... وَلَا كُنَ الْمُبَشِّرَاتِ فَقَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتِ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّبُوءَةِ. ترمذی ج ۲ ص ۵۱ باب ذهبت النبوة وبقیت المبشرات کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۶۷ حدیث ۴۱۴۰۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷

انسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہو گئیں۔ اب میرے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ رسول۔ لیکن مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا مبشرات کیا چیز ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کے خواب۔ یہ اجزاء نبوت کا ایک جزء ہیں۔

قرآن وحدیث اس پر متفق ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تشریف ہوا غیر تشریف۔ نبوت کی کوئی قسم اب باقی نہیں رہی۔ ہاں! اس کے کمالات و برکات باقی رہنا چاہئیں اور وہ باقی

بھی ہیں۔ نبوت سے قبل عالم کا ظاہر و باطن تیرہ و تاریک ہوتا ہے۔ جب آفتاب نبوت طلوع کرتا ہے تو عالم کا گوشہ گوشہ اس کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں ظلم و فساد کی بجائے رشد و صلاح کی حکومت ہو جاتی ہے۔ انسانی عادات میں افراط و تفریط، غلبت و جلد بازی کی بجائے متانت و بردباری و قار و میانہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔ باطن کا رشتہ شیطان سے یکسر کٹ جاتا ہے اور عالم بالا سے ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس میں مغیبات کے انعکاس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ہی کا نام اجزاء نبوت یا آثار و رکات نبوت ہے ان اوصاف کے وجود سے کوئی شخص نبی نہیں بنتا۔ ہاں! نبی سے مستفیض کہا جاسکتا ہے۔ رؤیاء صالحہ یعنی اچھے خواب دیکھنا باطن کے اسی تاثر کی نشانی ہے اور عادات کا انقلاب ظاہر کے تاثر کی..... احادیث میں ایک طرف رؤیاء صالحہ کو نبوت کا چھیلیسواں جزء کہا گیا ہے۔ دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: ”التقوى دة والاقتصاد و حسن السمعت من ستة وعشرين جزء من النبوة“ بردباری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھیسواں جزء ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا۔ جب چھیسویں جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھیلیسواں جزء کو نبوت کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ان جوڑی کہتے ہیں کہ رؤیاء صالحہ کو صرف نشیبی لحاظ سے نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ ان التین کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں۔ اب یہ سلسلہ تو منقطع ہوا۔ خواب کا سلسلہ باقی ہے۔ اس اعتبار سے رؤیاء کو اجزاء نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس حدیث کے کسی طریقہ میں رؤیاء کو رسالت کا جزء نہیں کہا گیا۔ ہر جگہ نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ رسالت کا زیادہ تعلق احکام سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو خواب نبوت کا چھیلیسواں جزء ہے۔ وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے مگر یہ جواب مخدوش ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغایر ہوتا ہے یہی کلمات جو مجموعی طور پر اذان کہے جاتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے۔ عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا۔ مثلاً آب انسان کا 1/4 حصہ ہے مگر انسان نہیں تو رؤیاء صالحہ نبوت کا چھیلیسواں جزء ہو کر نبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے

نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ رؤیاء صالحہ نبوت کے حقیقتاً اجزاء نہیں ہیں۔ کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو۔ وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء و اجتناب پر موقوف ہے۔ ہاں! اس کے کچھ لوازم و خصائص ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ ان خصائص و خصائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ تنقیح بھی ہمیں اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہے۔ ورنہ اہل عرف کے نزدیک یہ تدقیقات قطعاً غیر ضروری ہیں۔

ان کے نزدیک عوارض مختلفہ اور ذاتیات و اجزائیں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاریؒ کی دقت نظر مشہور ہے۔ انہوں نے یہاں بھی ایک جدت طرازی سے کام لیا ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ اچھا خواب نبوت کا چھالیساواں جزء ہے۔ اس کے بعد یہ حدیث روایت کی ہے کہ اچھے خواب خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ شارحین کو محض ہے کہ اس حدیث کو بظاہر باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ رؤیاء صالحہ کے جزء نبوت ہونے کی ایک لطیف حکمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں: ”انما كانت جزء من اجزاء النبوة لكونها من الله تعالى بخلاف التي من الشيطان فانها ليست من اجزاء النبوة فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۳۰ باب الرؤيا الصالحة جز من ستة واربعين جزء من النبوة“ یعنی رؤیاء صالحہ کو اجزاء نبوت اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اجزاء نبوت نہیں ہیں۔ بظاہر امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح حالت میداری میں وحی دو قسم پر ہے۔ ایک وحی نبوت جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسری ایحاء شیطان: ”وإنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ“ اسی طرح خواب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک من اللہ دوسرے میں الشیطان جو رؤیاء من اللہ ہیں۔ ان کا رشتہ نبوت سے ہے۔ وہ بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو من الشیطان ہے۔ اس کا تعلق وحی شیطان سے ہے۔ حدیث نے بھی اس مشتبہ حقیقت کا فرق واضح کیا ہے۔ یعنی جو خواب من اللہ ہیں۔ ان کا نام

رؤیاء رکھا ہے اور جو شیطان کے تصرف سے ہیں ان کا نام حلم رکھا ہے۔ غالباً اسی لئے سورۃ یوسف میں فرمایا: ”وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالَمِينَ“ یعنی انبیاء کو ”احلام“ شیطانی خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں دیا جاتا۔ ہاں ”رؤیا“ عالم قدس کی ایک حقیقت ہے ان کی تعبیر کا علم شان نبوت کے مناسب ہے اور احلام بے حقیقت شے ہے ان سے انبیاء علیہم السلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ رؤیاء صالحہ نبوت نہیں بلکہ نبوت کا حقیقی جزء بھی نہیں۔ اس لئے ان احادیث میں پہلا عنوان بدل کر نبوت کو بالکل ختم کما گیا ہے اور رؤیاء صالحہ کو جداگانہ ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔ اصطلاح نحو کے مطابق پہلی حدیث میں استثناء کو منقطع کما جائے گا یا اجزاء سے خصائص و آثار مراد ہوں گے۔ اگر سب کچھ تسلیم کر لیا جائے تو نبوت کے اس جزء میں کسی بڑی رتبہ با کمال یاد عوئی کی شرط نہیں۔ بلکہ ہر مرد صالح کا اس میں حصہ ہے۔

الالهام والتحدیث مع الملائكة ليس نبوة

(۴۹)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقَدْ كَانَ فِيمَا كَانَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ نَاسٌ مُّحَدِّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ وَفِي رَوَايَةٍ لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ يُكَلِّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ. بخاری ج ۱ ص ۵۲۱ باب مناقب عمر بن الخطاب وفي رواية مسلم عن عائشة ج ۲ ص ۲۷۶ باب فضائل عمر.“

الهام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوت نہیں ہے

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جن سے غیبی طور پر باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔﴾ (متفق علیہ)

محدث اور مکمل دونوں لفظ بصیغہ اسم مفعول ہیں۔ صحیح مسلم کے بعض طرق میں محدثون کی بجائے ”ملہمون“ اور مسند حمیدی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اللہم بالصواب کا لفظ ہے اور ابن عیینہ کے شاگردوں نے اس کی تفسیر میں ”مفہمون“ کا لفظ نقل کیا ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا محدث کیا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ علماء نے اس کی مختلف تفصیلات کی ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: ”هو الرجل الصادق الظن“ یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہو ”وهومن القی فی روعه شئ من الملاء الا علیٰ فیکون کالذی حدثه غیره“ یہ شخص وہ ہے جس کے قلب میں ملائکہ مقررین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محدث اسے کہتے ہیں جس کی زبان سے صدق و صواب بلا قصد نکلے۔ کسی نے تحدیث کا ترجمہ فراست کیا ہے۔ علماء محققین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ نے بھی اس پر کافی کلام کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام علماء نے حضرت عمرؓ کی ذات کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر ان کی ایک ایک خصوصیت کو اپنے خیال کے مطابق چنا ہے اور اس کو محدث کی تعریف میں شامل کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کو یکجائی طور پر محدث کی تعریف میں داخل کر لینا چاہیے۔ یہ حقیقت حدیث سے تجاوز کر کے قرآن تک پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ آیت: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِیٍّ“ میں ابن عباسؓ ”ولا محدث“ کا لفظ اور پڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں محدث کو نبی کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں بھی: ”من غیر ان یکونوا انبیاء۔ فتفتح الباری ج ۷ ص ۴۱ باب فضائل عمرؓ“ سے ان کے ہی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر حضرت عمرؓ کے متعلق اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے: ”لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ“ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث اور مکمل نبی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف ملائکہ اللہ کا کسی سے ہم کلام ہونا یا صدق و صواب اس کی زبان پر

جاری ہو جانا نبوت نہیں ہے۔ جیسا کہ صرف غیب کی خبریں دینا نبوت نہیں یا جیسا کہ بچے خواب دیکھنا نبوت نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء اور غیر انبیاء بلکہ مسلم و کافر میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اولیاء کے مکالمات کو الہام کہتے ہیں اور نبی کے مکالمات کو وحی، یہ صرف اصطلاحی فرق ہے اس سے پوری حقیقت نہیں نکھرتی۔ اسی طرح قطعیت و ظنیت کے فرق سے بھی ان کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ یہ صرف صاحب وحی جانتا ہے کہ وحی یہ ہے اور الہام یہ۔ یہاں بھی علماء نے احادیث میں وحی کے لوازم و خصائص تلاش کر کے بہت کچھ لکھا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ نبوت و وحی کی حقیقت سوائے نبی کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ جب اشیاء خارجہ کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی حدود حقیقی یا تو غیر ممکن ہیں ورنہ دشوار ضرور ہیں۔ تو روحانیات کے صحیح حدود کیسے ممکن ہیں۔ (دیکھو فتح الباری فضائل عمر)

(۵۰)..... ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مَنْ يُحَدِّثُ وَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ ۚ رواه ابن عساکر، كنز العمال ج ۱۱ ص ۵۸۵ حدیث نمبر ۳۲۷۸۸“

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس کی امت میں کوئی نہ کوئی محدث نہ ہو۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔﴾ (کنز)

(۵۱)..... ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا كَانَ نَبِيٌّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مُعَلِّمٌ أَوْ مُعَلِّمَانِ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ۚ خصائص ج ۲ ص ۴۶۱ باب اخباره بان عمر المحدثين“

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی نبی نہیں گذرا جس کی امت میں ایک دو معلم (محدث) نہ گذرے ہوں۔ اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن الخطابؓ ہے۔﴾

سیاستہ الامۃ واصلاح مافیہا من تغیر

الدين ليس بنبوۃ

(۵۲)..... ”عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَاهُ رِيْرَةَ خَمْسَ سِنِيْنَ

فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيْلَ تَسُبُّوْنَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَانَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْتُرُوْنَ قَالُوْا مَاذَا مَرُّنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَوَابِيْعَةُ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ خَقَّهُمْ فَانَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ . الخصائص الكبرى ص ۴۱۴ ج ۲
باب اخباره ﷺ بالخلفاء بعده ثم الملوك . رواه البخارى ج ۱ ص ۴۹۱
باب ما ذكر عن بنى اسرائيل 'ومسلم ج ۲ ص ۱۶۲ باب وجوب الوفاء
بيعته الخليفة الاول فالاول واحمد وابن ماجه ص ۲۰۶ باب الوفاء
بالبیعة وابن جریر وابن ابی شیبہ کنز العمال ج ۶ ص ۵۱ حدیث نمبر
۱۴۸۰۵ باب فی اطاعت الامیر“

امت کا انتظام اور ان کے دینی تحریفات کی اصلاح

کرنا بھی نبوت نہیں

ابو حازم کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ ۵ سال رہا ہوں میں نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی دوسرا اس کا جانشین آجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں! خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر ان کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت پوری کرنا۔ تم تو ان کا حق ادا کرتے رہنا اور اس نگرانی کی باز پرس جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے وہ خود فرمائے گا۔
(بخاری و مسلم و احمد وغیرہم)

حافظ ابن حجر انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کی تشریح میں لکھتے ہیں: ”انہم کا

نو اذا ظہر فہیم فسادبعث اللہ لہم نبیاً یقیم لہم امرہم ویزیل ماغیر وامن احکام التوارث فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۰ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل“ یعنی بنی اسرائیل میں جب کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو ان میں بھیج دیتا جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور شریعت تورات میں ان کی تحریفات کو دور کر دیتا۔ امت محمدیہ میں یہ خدمات خلفاء کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے خواب دیکھنا الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ کرنا امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا۔ یہ سب محدثین اور خلفاء کے وظائف ہیں۔ منصب نبوت اب ختم ہو گیا اور یہ وظائف نبوت امت محمدیہ کے خلفاء کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اس امت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

سوچو کہ امت محمدیہ کی ہنگ عزت اس میں ہے کہ اسے نائل قرار دیکر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ لن عسا کرنے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”لی النبوة ولکم الخلافة“ نبوت صرف میرے لئے ہے اور تمہارے لئے خلافت ہے۔ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۷۰۶ حدیث نمبر ۳۳۳۸) اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے تقسیم کر کے اپنا اور امت کا حصہ علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ اچھے خواب میں ہماری شرکت ہے۔ الہام اور فرشتوں سے بات چیت میں ہماری شرکت ہے۔ امت کا نظم ان کی تحریفات کی اصلاح ہمارا حصہ ہے مگر نبوت میں ہماری کوئی شرکت نہیں۔ اسی لئے حضرت علیؓ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تشبیہ دیتے ہوئے یہ صاف فرمادیا گیا تھا کہ تم میرے جانشین ضرور ہو مگر نبی نہیں ہو۔ نبوت میرا حق ہے اور خلافت تمہارا۔ عمر فاروقؓ کون وہ کہ جب بولتے تھے تو وحی ان کے موافقت میں بولتی تھی محدث ہو سکتے ہیں مگر یہ بات ان سے بھی صاف کہہ دی گئی تھی کہ نبوت میرا حق ہے اور

محدثیت تمہارا۔ حالانکہ ان کے خواب ان کے الہام ان کی امت کی نگہداشت و حفاظت اس کی سفارش کر رہی تھیں کہ اگر اس امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہو تو وہ ان کو دے دی جائے۔ شب ہجرت میں حضرت علیؑ آپ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں۔ صدیق اکبرؑ راہ کے ہر ہر خطرناک موقع پر سر بھٹ حاضر ہیں مگر فتانی الرسول کے سمندر کے ان شلوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہ آ سکتا اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہو تا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ کسی کے لئے لفظ نبی کی کوئی بھی گنجائش نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں ظلی و مروزی نبوت کی بحث کرنا بھی بالکل بے معنی ہے۔ یہ بحث اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے جبکہ شریعت میں کیس امت کے کا ملین پر نبی کا اطلاق درست تسلیم کیا جائے لیکن جب بلا تفصیل: ”لا نبی بعدی“ میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے تو اب ہمیں بلا وجہ ظلی و مروزی کی تقسیم کی در دسری اٹھانے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے ماسوا یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تاریخ نبوت میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ تشریفی، غیر تشریفی، اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو نبوت کی اب ایک اور تیسری قسم تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ اس کے لئے بہت زبردست شرعی ثبوت درکار ہیں۔ پورے وثوق و تحدی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں ایک آیت اور کوئی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت کو انبیاء کہا گیا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے عموم میں محض اپنی افتراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کرنا قرآن و انبیاء کا ثبوت نہیں بلکہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔

لو کان بعد النبی ﷺ نبی لکان عمرؓ

(۵۳)..... ”عَنْ عُقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. رواه الترمذی ج ۲ ص ۲۰۹ باب

مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب والخطیب عن مالک والطبرانی ج ۱۷

ص ۱۸۰ حدیث نمبر ۴۷۵ عن عصمة بن مالك كما في الكنز ج ۱۱ ص ۵۷۸
حدیث نمبر ۳۲۷۴ باب فضل عمر بن الخطاب

اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے

﴿عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی
ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتے۔﴾

حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے نسبت اخوت حاصل تھی اس کے باوجود وہ نبی
نہیں بن سکے۔ نسبت اخوت سے بڑھ کر ابنیت کی نسبت ہے۔ گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی
فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا مگر ان کے متعلق بھی حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے: ”
لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً ابن ماجہ ص ۱۰۸ کنز العمال ج ۱۱
ص ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۲۲۰۴“ اگر ابراہیم جیتا تو صدیق نبی ہوتا۔ یعنی جس نے ختم
نبوت مقدر فرمائی تھی اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں اتنی عمر بھی نہیں لکھی کہ ان کی
علاوہ استعداد ظاہر ہو اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپ
کے بعد نبوت باقی ہے۔ ورنہ حضرت ابراہیم (فرزند نبی کریم ﷺ) کیسے نبی ہو سکتے تھے۔

یہاں شیخ محی الدین نووی تو اپنی مشہور کتاب تہذیب الاسماء میں حضرت ابراہیم کا
تذکرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے متعلق یہ لکھ گئے ہیں: ”امام مروی عن بعض
المقدمین لوعاش ابراہیم لکان نبیاً فباطل وجارة علی الکلام فی
المغیبات مجازفة وهجوم علی عظیم من الذلات واللہ المستعان
(ج ۱ ص ۱۰۳)“ بعض متقدمین سے حضرت ابراہیم کی نبوت کے متعلق جو حدیث مروی
ہے وہ بالکل بے اصل اور غیب کے معاملات میں بڑی دلیری اور اٹل کے تیر اور بڑی لغزش
ہے لیکن حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۱ ص ۷۷۷ باب من سمي باسماء الانبياء کے
ذیل میں اسی کے ہم معنی اور چند احادیث نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں: ”فهذه عدة
احادیث صحیحته عن هؤلاء الصحابة انهم اطلقوا ذالك فلا ادري مالذي

حمل النوى على استنكار ذلك "ان چند صحابہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی ثابت ہیں جن میں حضرت ابراہیم کی زندگی کی تقدیر پر ان کے نبی ہونے کا ذکر موجود ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ نووی کو اس کے انکار کی کیا وجہ پیش آئی۔ اس لئے اس حدیث میں پس و پیش کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ جن حضرات کو اس حدیث میں تشویش لاحق ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث آیت خاتم النبیین کے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کے قطعی آیت کے بالمقابل قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین کا تعلق عالم کے ان نبوتوں کے ساتھ ہے جو اپنی جگہ ایک حقیقت ثابت ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابراہیم کی نبوت صرف فرضی ہے۔ فرضی بات چونکہ محض ایک اعتبار ذہنی کا نام ہے۔ اس لئے اسے عالم کے واقعی نبوتوں کے ساتھ کوئی تعارض نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک منطقی مثال یہ ہے: "ان كان زيد حمارا كان ناهقا" اگر زيد گدھا ہو تا تو وہ گدھے ہی کی طرح ہوتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ زيد انسان ہے اور اس لئے وہ گدھے کی آواز نہیں بولتا۔ یہ واقعہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ ہاں! اگر زيد کی انسانیت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حماریت کو مان لیا جائے تو اب یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت وہ ناطق اور ناهق دونوں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ختم نبوت اپنی جگہ ایک حقیقت ثابت ہے اگر حضرت ابراہیم کی نبوت اسی درجہ میں مان لی جائے۔ تو یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا ورنہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست رہیں گی۔ ختم نبوت خارج میں اور نبوت ابراہیم فرضی طور پر، اصل یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کسی بات کا کوئی پہلو واقعات عالم کے برخلاف فرض کرتا ہے تو اس فرض سے اس کا کچھ مقصد ہوتا ہے۔ پہلے اس کے اس مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور صرف ایک فرضی پہلو کی وجہ سے اس کے تمام پہلوؤں کی فرضی تفصیلات میں جانا نہیں چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جب عالم میں واقعات کی ایک ترتیب پہلے سے موجود ہے۔ اب اگر اس ترتیب کے خلاف کوئی امر فرض کیا جائے اور اس کو واقعات کی اسی مرتبہ صف میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس مرتبہ سلسلہ میں اختلال و بد نظمی پیدا ہو جائے گی۔ یہاں واقعہ تو یہ ہے کہ

آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کے فرزند بھی انتقال فرما گئے ہیں۔ عالم کے ان دونوں واقعات میں کوئی تضاد نہیں کوئی اختلاف نہیں۔ اب اگر صرف آپ کی عظمت شان اور ان کا جوہر استعداد سمجھانے کے لئے فرضی طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جیتے تو نبی ہوتے تو اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں لیکن اسی فرضی نبوت کو اگر عالم کے ان واقعات کے ساتھ رکھ دو جو بلا فرض کئے ہوئے موجود ہیں تو یقیناً وہ خارجی ترتیب بچو جائے گی۔ اب غور طلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کی وجہ سے ختم نبوت کے واقعی عقیدہ کو فرضی کہہ دیا جائے یا اس کو واقعی اور اس کو فرضی کہہ دیا جائے۔ مقصود قائل سے یہ کتنا بعید ہو گا کہ وہ اپنی ختم نبوت کے ساتھ ایک ہستی کا اور اعتقاد عظمت قائم کرنا چاہتا ہے۔ آپ ختم نبوت کا انکار کر کے اسی کا احترام ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک فرضی نبوت کا تصور آپ کے سامنے لاتا ہے۔ آپ اسے واقعی بنا کر ختم نبوت کا عقیدہ ہی فرضی بنائے دیتے ہیں۔ اچھا آپ کے ہول مان لیجئے کہ حضرت ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ آئیے دیکھیں کہ جن کی فطرت ابراہیمی فطرت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور وہ زندہ بھی رہے پھر کیا نبی بنے۔ ترمذی کی حدیث آپ کے سامنے ہے۔ عمر فاروقؓ کی فطرت کو نبوت سے جتنی مناسبت ہے وہ خود آنحضرت ﷺ کے بیان سے ظاہر ہے۔ یہ زندہ بھی رہے مگر نبی نہ بنے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کسی مستعد نبوت کے نبی نہ ہونے کی اصل وجہ صرف اس کی موت نہیں ہے۔ ورنہ جہاں یہ وجہ نہ تھی وہاں نبوت مل جاتا چاہئے تھی۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لئے ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے۔ عمر Age ہر شعبہ میں عمر کی بحث ضروری سمجھی جاتی ہے۔ دوم تقرر کی جگہ Vacancy خالی ہونا بھی شرط ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے۔ اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد ہی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقصان شمار ہوتا لیکن اگر کوئی Vacancy تقرر کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت کا کوئی قصور نہیں نکلا۔ یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو بھی نبوت نہیں ملی۔ کیوں نہیں ملی؟ کیا

اس لئے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کے اس جگر پارہ میں استعداد کا کوئی نقصان تھا۔ انہیں اس لئے کہ ان میں عمر Age کی کمی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذریت اس کا قبیلہ بلکہ اس کی عام امت میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے۔ انسانی بلند سے بلند کمال اسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کا کوئی شخص یہ مطلب تو نہ سمجھے کہ یہ امت کمالات سے محروم ہو گئی ہے۔ بلکہ تمام تر کمالات اور پوری لیاقت کے باوجود چونکہ اب کوئی Vacancy نہیں رہی۔

اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم کے معاملہ میں تقرر کی جگہ ہونے نہ ہونے کی بحث سے پہلے عمر کی بحث حائل ہو گئی تھی۔ اس لئے ان کے حق میں Vacancy کی بحث دوسرے نمبر کی بحث تھی۔ حضرت عمرؓ کے معاملہ میں عمر کی بحث نہ تھی تو منصب نبوت ختم ہونے کا مرحلہ سامنے آگیا۔ بہر صورت ان مختلف اسباب و وجوہ کے باوجود جو واقعہ تھا وہ اپنی جگہ واقعہ رہا۔ یعنی ختم نبوت بلا تخصیص اپنے پورے عموم پر باقی رہی اور یہ بعد کی بحثیں اب صرف ذہنی رہ گئیں کہ فلاں کو نبوت کیوں نہیں ملی۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد درحقیقت نبوت جاری تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی تینیس سالہ پیہم سعی کے بعد بھی کسی ایک کو نبوت نہ مل سکی۔ اگر حضرت ابراہیم کے لئے کوئی عذر درپیش تھا تو کیا تمام کے تمام صحابہ معذور ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم کے معاملہ میں ان کی حیات کا عذر اس لئے نہیں ہے کہ دراصل نبوت سے وہی ایک بات مانع تھی بلکہ یہاں اس بات کو بتلانا مقصود ہے جو خاص ان کے حق میں نبوت سے مانع آگئی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ابراہیم اگر جیتے تو بھی نبی نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اسے ان کی قصور استعداد و لیاقت پر محمول کر لیتا۔ حالانکہ یہاں لیاقت و استعداد میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس لئے ایسے پیرایہ بیان سے احتراز کر کے وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو ان کی لیاقت پر روشنی ڈالے۔ یہاں ملا علی قاریؒ بلا وجہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کے اور دوسرے فرضی پہلوؤں کی تفصیلات میں بھی پڑ گئے ہیں۔ یعنی انہوں نے یہ بحث شروع کر دی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور فرض کر لو کہ نبی ہو جاتے تو آخر کس قسم کے نبی ہوتے۔ تشریحی یا غیر تشریحی۔ یہ سب بحثیں ہمارے نزدیک بے محل ہیں۔ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کا پہلو یہاں صرف ایک خاص مقصد کے پیش

نظر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی بقیہ تفصیلات میں جانا قطعاً غیر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ نبوت افراد و اشخاص سے منتقل ہو کر ذریت ابراہیم علیہ السلام میں پھر ذریت ابراہیم سے ذریت اسماعیل میں منتقل ہوئی۔ اب اگر نبوت آئندہ جاری رہتی تو اس کو طبعاً آنحضرت ﷺ کی ذریت میں منتقل ہونا چاہئے تھا۔ اگرچہ یہ لزوم نہ عقلی ہے نہ نقلی۔ لیکن صرف نبوت کی تاریخ کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ اگر آئندہ نبوت منتقل ہو تو حضور ﷺ کے بعد اب آپ کے فرزند مبارک کی طرف منتقل ہو۔ اس استعداد و مناسبت کے اظہار کے لئے یہ فرمایا گیا تھا کہ اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ ان مقاصد کے پیش نظر یہ کہنا کہ اگر آپ جیتے جب بھی نبی نہ ہوتے بالکل بے معنی بات تھی یہ اس وقت مناسب تھا۔ جبکہ آپ کو ختم نبوت کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہوتا۔ یہاں تو یہ بتلانا مقصود تھا کہ تاریخ نبوت جس بات کو چاہ رہی تھی اس کا اقتضاء یہاں پورا ہے۔ خاتم النبیین کے فرزند گرامی کے متعلق جتنی بلندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ اس سے آگے ہیں۔ چونکہ انتقال نبوت کا یہ مخصوص تخیل حضرت عمرؓ کے حق میں قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے ان کا جو ہر استعداد بتلانے کے لئے دوسرا عنوان اختیار کیا گیا اور وہاں ختم نبوت ہی پر زور دیا گیا۔ یعنی اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوتی تو یہ اپنے کمالات و لیاقت کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا جنہیں موارد کلام سمجھنے کا سلیقہ حاصل تھا۔ انہوں نے اس فرق کو خوب سمجھ لیا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم کے متعلق اس حدیث سے یہ نہیں سمجھے کہ آپ کے بعد نبوت جاری ہے بلکہ انہوں نے اس کو یوں حل کر لیا کہ جب عالم تقدیر میں ختم نبوت مقدر ہو چکی تھی تو اس کے مناسب یہی تھا کہ عالم تکوین میں حضرت ابراہیم کو عمر نبوت نہ دی جائے تاکہ جو ان ہو کر پھر آپ کا نبی ہونا مناسب ہو اور آپ کا جو ہر استعداد سمجھانے کے لئے آپ کی حیات فرض کر کے یہ کہلا دیا جائے کہ آپ کی فطرت تو نبی کی فطرت تھی مگر چونکہ زمانہ نبوت باقی نہ تھا۔ اس لئے عمر نبوت مقدر نہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ختم نبوت کا مسئلہ چھیڑنا مقصود نہیں تھا۔ اگر آپ کو اس بحث میں پڑنا ہے تو پہلے اس پر بھی نور کیجئے کہ مشیت ایزدی نے حضرت ابراہیم کی حیات کا آخر

ارادہ کیوں نہیں کیا۔ عطاء فرماتے ہیں: ”ان الله تعالى لما حکم ان لا نبی بعده لم يعطه ولد ذکر ایصیر رجلاً . معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۸ زیر آیت ماکان محمد..... الخ“ جب اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو آپ کو کوئی ایسی نرینہ اولاد بھی نہ دی جو جوانی کی عمر کو پہنچتی: ”عامر شعبی آیت ماکان محمد..... الخ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ماکان ليعيش له فيکم ولد ذکر . ترمذی ج ۲ ص ۱۵۲ تفسیر احزاب“ یہ آپ کی شان (ختم نبوت) کے مناسب ہی نہ تھا کہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی۔ اسماعیل فرماتے ہیں: ”قلت لابن ابی اوفی راثیت ابراهیم بن النبی ﷺ قال مات صغير ولو قد ران يكون بعد محمد ﷺ بنی عاش ابنه لكن لا نبی بعده بخاری ج ۲ ص ۹۱۴ باب من سمي با اسماء الانبياء“ میں نے ابن اوفی سے پوچھا آپ نے ابراہیم آپ ﷺ کے فرزند مبارک کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ان کا لڑکپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند مبارک جیتے رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے: ”عن انس قال لو بقي لكان نبياً ولكن لم يكن ليبقي لان نبيكم اخرا الانبياء . مسند احمد، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۹۹ فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۷ باب من سمي با اسماء الانبياء“ انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اگر جیتے تو نبی ہوتے لیکن وہ کیسے جیتے۔ جبکہ آپ نبیوں میں آخری نبی قرار پا چکے تھے۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں: ”الا تراه صلى الله عليه وسلم معاش له ولد ذكر من ظهره تشرتفاله لكونه سبق في علم الله انه خاتم النبيين . فتوحات مکیہ ج ۳ ص ۵۱۲ باب ۳۸۲“ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صرف آپ کی تشریف و تکریم کے لئے آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی۔ کیونکہ خدا کے علم میں یہ طے پا چکا تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ اگر وہ زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو ایک لحاظ سے یہ بھی آپ کی شان کے مناسب نہ تھا اور اگر نبی ہوتے تو یہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے مناسب نہ ہوتا۔ اس لئے ان کے لئے عمر نبوت ہی مقدر نہ ہوئی۔

ان بیانات سے ثابت ہے کہ صحابہ و تابعین اور علماء محققین کے نزدیک حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے نبی نہ ہونے کا اصل سبب وہی تھا کہ اب منصب نبوت کے تقرر کے
لئے کوئی Vacancy جگہ ہی باقی نہیں رہی مگر جو مخصوص عنوان یہاں اختیار کیا گیا ہے۔
اس کی مصلحت اور ہے۔

من زعم بعد النبی ﷺ انه نبی فهو کذاب

(۵۳)..... ”عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ سَيَكُونُ
فِي أُمَّتِي كَذَابُونَ ثَلَاثُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ
بَعْدِي“ رواه مسلم عن ابوہریرۃ ج ۲ ص ۳۹۷ کتاب الفتن واشراط
الساعة ترمذی ج ۲ ص ۴۵ باب ماجاء لا تقوم الساعة حتی یرج
کذابون‘ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ درمنثور ج ۵ ص ۲۰۴ زیر آیت ماکان
محمد ابا احد من رجالکم“

جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے

وہ پرلے درجہ کا جھوٹا ہے

﴿ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آئندہ میری امت میں
تیس سخت جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔
حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔﴾

(۵۵)..... ”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ أَكْثَرَ النَّاسِ فِي أَمْرِ مُسَيَّلَمَةَ
الْكَذَّابِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِيهِ شَيْئًا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
فِي النَّاسِ فَأَتْنِي عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَبِشَأْنِ هَذَا الرَّجُلِ
الَّذِي قَدْ أَكْثَرْتُمْ فِي شَأْنِهِ فَإِنَّهُ كَذَّابٌ مِنْ ثَلَاثِينَ يَخْرُجُونَ قَبْلَ الدَّجَالِ
رواه الطحاوی فی مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۰۴ مسند احمد ج ۵ ص ۳۶“

﴿حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میلہ کذاب کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے کچھ فرمانے سے بیشتر لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ایک دن آپ نے خطبہ دیا اور بعد حمد و صلوٰۃ کے فرمایا! جس شخص کے بارے میں تم رائے زنی کر رہے ہو وہ ان میں جمعوں میں ایک جموٹ ہے جو دجال اکبر سے پہلے آئیں گے۔ (مشکل الآثار)﴾

(۵۶)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ فَلَائُونَ كَذَابًا نَجَالًا مِنْهُمْ الْمُسَيَّلَمَةُ وَالْعَنَسِيُّ وَلُمُخْتَارُ. ابویعلیٰ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۴ باب علامات النبوة وفي رواية كنز العمال عن الزهري ج ۱۴ ص ۱۹۹ حديث نمبر ۲۸۳۷۴“

﴿عبداللہ بن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ میں جموٹے دجال نہ نکل آئیں جن میں میلہ عیسیٰ اور مختار بھی ہیں۔﴾

انبیاء عظیم السلام کے بیان میں ان کے اندازہ علم و یقین کے مطابق ایک طاقت و شوکت ہوتی ہے۔ وہی یہاں ظاہر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ علم ازل میں دجالین کی آمد ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے قیامت کے آنے سے پہلے ان کی آمد یقینی امر ہے۔ دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کا انتظار کر کے تھک نہ جائے۔ یہ بات کہ اس امت میں دجالوں کی اتنی کثرت کیوں ہے تو جو لوہور قوتوں کے متعلق جواب دیا جائے گا۔ وہی جواب اس فتنے کے متعلق بھی ہو جائے گا۔ ایک سطحی بات یہ ضرور معلوم ہوتی ہے کہ جب اس امت میں نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو اس کا مقابلہ بھی شیطانی طاقتوں کے لئے ضروری ہو گیا۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ایک ایسی عام وحدت پیدا کر دے جیسا آغاز عالم میں ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ نسل انسانی ایک ہی باپ کی لولاد تھی جیسا روز لول وہ ایک ہی زمین پر تھی۔ آخر میں پھر اس کا ایک ہی کلمہ ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی دین ہو جائے۔ درمیان میں نبوتوں اور رسالتوں کے نقول سے شریعت اور منہاج کا جو نقول پیدا ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو کر صرف ایک شریعت اسلام باقی رہ جائے۔ اتنی عظیم وحدت کو شکست دینے کے لئے شیطانی

لشکروں کو بھاگ دوڑ کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اس عام نبوت کے بالمقابل نبوت کا دعویٰ کرنا لازم ہو گیا۔ اس پیشگوئی کا ظہور آپ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ میلہ اور عسی آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ کے حکم کے ماتحت صحابہؓ نے ان کو کاذب سمجھا اور آخر کار جو دجالین کے ساتھ برتاؤ چاہئے تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ دجالوں کے تئیں ہونے میں ہی کیا حکمت ہے وحافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

”ولیس المراد بالحديث من ادعى النبوة مطلقا فانهم لا يحصون كثرة لكون غالبهم ينشأ لهم ذلك عن جنون وسوء وانما المراد من قامت له شوكتة . فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵ باب علامات النبوة فی الاسلام“
 حدیث مذکور میں مدعی نبوت سے ہر مدعی نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ مدعی نبوت تو بے شمار ہیں۔ بیشتر یہ دعویٰ جنون یا سوداویت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں مراد مدعی نبوت ہیں جو با شوکت ہوں گے۔ ان کا مذہب تسلیم کیا جائے گا۔ ان کے مقبضین کی تعداد زیادہ ہوگی۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس امت میں لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز اولیاء و اقطاب گزر گئے ہوں۔ اس میں تئیں دجالوں کا عدد کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔ غور طلب تو یہ ہے کہ اگر آپ کے بعد نبوت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی قسط بھی باقی تھی تو اس کی بشارت کے لئے آخر ایک حدیث بھی کیوں نہیں آئی اور کذابین و دجالین کے متعلق دسیوں حدیثیں کیوں آگئیں پھر حدیث نمبر ۱۶۶ میں ان کے کاذب ہونے کی وجہ یہ نہیں بتلائی گئی کہ وہ درحقیقت نبی نہ ہوں گے بلکہ یہ قرار دی گئی کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک طرف تو احادیث میں ہر قسم کی نبوت کی نفی آرہی ہے۔ ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے۔ دوسری طرف کسی حدیث سے ظلی و بروزی کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ نبوت میں ظلی نبی کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے۔ یہاں یہ تفتیش بھی ضروری ہے کہ نبوت کی جو قسم بھی تسلیم کی جائے اس کا آغاز کب سے ہوا۔ تاریخی لحاظ سے وہ

افراد کون سے تھے جن کو ظلی نبی کہا جاسکتا ہے اور کیا یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی امت کو دعوت دی ہو اور کیا کسی ایسے نبی کی امت نے کبھی تصدیق کی ہے۔ اگر ایسا کوئی نبی اب تک نہیں گزر اور اگر گزرا ہے تو امت نے ہمیشہ اس کی تکذیب ہی کی ہے تو پھر کس دلیل سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ درحقیقت اس امت میں نبوت کی کوئی قسم جاری ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ جاری ہے کہ ان کی آمد دجالین کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہاں انجیل کا بیان بھی حدیث ہی کے موافق ہے۔

”جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیدوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیدے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کناروں سے انجیر توڑتے ہیں۔“ (متی باب ۷ آیت ۱۶، ۱۷)

جس قدرت نے اس عالم کو تماشا گاہِ ضد ادب بنایا ہے نور کے مقابلہ میں ظلمت، تری کے مقابلہ میں خشکی، صحت کے مقابلہ میں مرض، بلندی کے مقابلہ میں پستی پیدا فرمائی ہے۔ اسی نے عالم روحانیت میں ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت، ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین، انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دجالین بنائے ہیں۔ پس جس طرح خاتم الرسل کی آمد سب رسولوں کے بعد ہوئی ہے اسی طرح مناسب ہے کہ دجال اکبر کے ظہور سے پہلے جو دجالین آئیں آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دجال اکبر یعنی خاتم الدجالہ کا ظہور خاتم الرسل کے عہد میں ہی مقدر ہوا۔ تاکہ دنیا کے خاتمہ پر ہدایت و ضلالت کی آخری طاقتیں زور آزمائی کر کے ختم ہو جائیں پھر قیامت آجائے۔ واللہ الحکمة البالغہ!

خاتم النبیین

جہاں کا سردار آگیا۔ اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ دنیا اس کے زیر رسالت و سیادت ختم ہو جائے گی۔ عالم کی آبادی کا دار و مدار اس کی ہدایت پر ہے اور کارخانہ ہدایت تمام کا تمام رسولوں کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے عالم کی ابتداء و انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں بڑا اگر رابطہ ہے۔ پروردگار عالم نے جب ایک طرف عالم کی جیاد رکھی تو اس کے ساتھ

ساتھ دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی۔ یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی کو قصر نبوت کی خشت اول قرار دیدیا۔ ادھر عالم بدرج پھیلتا رہا ادھر قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی۔ آخر کار عالم کے لئے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا پہنچ گیا لوہر ہر قصر نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اس لئے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اس کی انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے۔ تاکہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کوئی شخص رسول کی آمد کا انتظار نہ کرے :

”يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ اِمَّا يٰۤاَيُّهَا تَبٰرَكَ رُسُلٌ مِّنْكَمْ يَقْصُتُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنْ اَتَّقٰهُ
وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ . الاعراف آیت ۳۵“
اے آدم کی لولاد! (دیکھو) تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں گے جو
میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔ جس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور نیک رہا تو اس
پر نہ گزشتہ کا خوف نہ آئندہ کا غم۔

اس اعلان کے مطابق خدا کی زمین پر بہت سے رسول آئے مگر کسی نے یہ دعویٰ
نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد دوسرا رسول آنے کی بشارت سنائی۔
حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جبکہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلہ کے اس رسول کی
بشارت دے دی۔ جس کا اسم مبارک احمد تھا: ”وَمُبَشِّرًا بِرُسُوْلٍ يَّاتِيْ مِنْ بَعْدِي
اسْمُهُ اَحْمَدُ . آیت الصفا“

عالم کے اس خطر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آ
کر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں اب آخری رسول ہوں۔ خود عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور
ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب قریب
ہیں۔ عالم اپنے پورے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسباقی تھی۔ وہ
میری آمد سے پوری ہو گئی ہے۔ دونوں تعمیریں مکمل ہو گئیں ہیں۔ اب صلاح و تقویٰ کا نتیجہ
دیکھنے کا زمانہ آتا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ احزاب آیت ۴۰“ یعنی اب تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے تصور کے لئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے۔ یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات کا ادھورا اور نامتام تصور ہے۔ بلکہ ان ہر دو تصورات میں آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔ ختم نبوت کی اسی اہمیت کی وجہ سے گذشتہ احادیث میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی نشر و اشاعت نبوتِ موم بلکہ وجودِ آدم علیہ السلام سے بھی پہلے لوح محفوظ اور عرشِ عظیم پر کر دی گئی تھی اور کاتبِ تقدیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان آپ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ کی خاتم النبیین ہونے کی صفت بھی بصورتِ حروف نقش کر دی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نسلِ انسانی کی بنیاد تھے۔ لوح محفوظ جملہ حوادثِ عالم کی بنیاد ہے اور عرشِ ان اصول کے اعلان کا سب سے بلند پور ڈھ ہے جو دربارِ الہی میں طے شدہ اور ناقابلِ ترمیم تصور کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان مقامات پر اعلان کا یہ مطلب تھا کہ ختم نبوت بھی عالم کے ان بنیادی اور بدیہی مسائل میں داخل ہے جن کا علم سب پر فرض ہے اور جن میں اب کسی تبدیل و ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے آسمانوں پر فرشتوں نے زمین پر حیوانات نے، محشر میں انبیاءِ علیہم السلام نے، غرض اہداء سے لے کر انتہائیک عالم بالا سے لیکر عالم اسفل تک ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور نے آپ کی ختم نبوت کا نغمہ بلند کیا ہے۔ جب آپ عالمِ ماصوت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی یہ امتیازی شانِ مہر نبوت کی صورت میں بھی نمایاں کر دی گئی۔ تاکہ جس کی آمد کا غلغلہ اب تک عالم میں بلند ہو رہا تھا اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔

قرطبیؒ ”شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خاتم نبوت کو اسی لئے خاتم نبوت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی مجملہ اور علامات کے آپ کی نبوت کی ایک علامت تھی۔ اسی لئے حضرت سلمان فارسیؒ آپ کی غائبانہ تلاش میں جب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تو نہایت متجسسانہ

نظروں سے خاتم نبوت کو تلاش کرنے لگے۔ آپ نے ان کے طور و طریق سے ان کا مقصد پہچان لیا اور چادر مبارک خاتم نبوت سے ہٹادی۔ پھر کیا تھا سلمان دیکھ کر یخود ہو گئے اور اسی عالم یخودی میں اس کو بوسہ دینے لگے اور فوراً حلقہ بجوش اسلام بن گئے۔ غیرہ راہب کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ اس نے کہا: ”اننى اعرفه بخاتم النبوة“ میں خاتم نبوت کی وجہ سے آپ کو پہچانتا ہوں۔ غرض علماء اہل کتاب کے نزدیک نبی منتظر کی یہ ایک بڑی علامت تھی۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب)

خدا تعالیٰ کی یہ عجب حکمت ہے کہ ہر نبوت کے ظہور کے لئے آپ کے جسم مبارک میں بھی وہی جگہ منتخب ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتخب ہوئی تھی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عقیدہ ہر رسول کی دعوت کا جزء اہم رہا ہے اس لئے قیاس کتا ہے کہ جس رسول کے زمانہ سے قیامت کی آمد مربوط ہے اس کا تذکرہ بھی ان کا فرض منصبی رہا ہوگا۔ گویا ختم نبوت کا عقیدہ قیامت کے عقیدہ کے دوش بدوش ہمیشہ تعلیم دیا گیا ہے۔ شفاء قاضی عیاض اور کنز العمال میں ایک ضعیف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خدا کے سب رسولوں نے خاتم الانبیاء کی آمد کی بھارت سنائی ہے :

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ :

”وقد اخبر الله تبارك وتعالى في كتابه ورسوله ﷺ في السنة المتواترة عنه انه لانبى بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام فهو كذاب، افاك، دجال، ضال، تكسير ابن كثير ج ۲ ص ۴۹۴ زیر آیت

ماکان محمد اباحدا..... الخ“

ﷻ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے احادیث متواترہ میں ختم نبوت کا اعلان اس لئے فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے جو شخص اب اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا افتراء پرداز دجال اور پرلے درجہ کا گمراہ ہوگا۔

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا

متنبہ ہو جائے کہ اب یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے اور یہ دین آخری دین ہے جس کو جو حاصل کرنا ہے کر لے۔ اس کے بعد دنیا کی یہ بیٹھ اجڑنے والی ہے جیسا شام کے وقت ایک دکاندار اعلان کرتا ہے کہ میں اب دکان بڑھاتا ہوں جسے سود الینا ہے لے لے یا جیسا ایک حاکم بوقت آخری اسپیکج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری تم سے اب یہ آخری ملاقات ہے جو کہتا ہوں خوب غور سے سن لو۔ اسی طرح خالق زمین و سماں کو جو آخری ہدایات دینا تھیں وہ آنحضرت ﷺ کی معرفت دے دیں اور اعلان کر دیا کہ اب یہ رسول آخری رسول ہے۔ ایمانیات، اخلاقیات، معیشت، تمدن کے اسب اصول مکمل کر دیئے گئے۔ اس لئے یہ دین آخری دین ہے جسے جو عمل کرنا ہے کر لے۔ حیلہ و حجت کا وقت نہیں رہا۔ عٹ و جدل کی بجائے عمل کی فرصت نکالنی چاہئے۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور حساب کی ذمہ داری سر پر ہے۔

اب نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی نہ تشریعی نہ غیر تشریعی نہ ظلی نہ بروزی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم ہو گیا ہے۔ پہلے عالم کی عمر میں بہت وسعت تھی اور اس منصب پر تقرر کی گنجائش بھی کافی تھی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام برآمد آتے رہے۔ اب دنیا کی عمر ہی اتنی باقی نہیں رہی کہ اس میں اور تقرر کی گنجائش ہوتی۔ اس لئے اس کے خاتمہ پر آپ کو بھیج کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب نبی نہیں آئیں گے قیامت آئے گی۔

چونکہ سنت الہیہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو کامل ہی ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا نبوت بھی اب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لئے مقدریوں ہو کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا خاتمہ نقصان پر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فناء ہونا ضروری ہے۔ اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے۔ اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں اور اگر ناقص ہو تو نبوت کا خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم فطرت عالم پر غور کرو گے تو تم کو جزو کل میں ایک

حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی تلاشی ہوتی ہے۔ پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطہ کمال کہا جاتا ہے۔ انواع پر نظر ڈالئے تو جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات پھر حیوانات سے انسان کی طرف ایک ارتقائی حرکت نظر آرہی ہے مگر انسان پر پہنچ کر یہ ارتقائی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان تمام انواع میں کامل تر نوع ہے خود انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم و علقہ و معذ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطرت کا آخری کمال کہا جاتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشوونما نظر آتا ہے۔ وہ دور شباب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے نباتات و اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتے ہیں۔ آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب پھل نمودار ہو جاتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیوة ختم ہوتا ہے آئندہ اپنے دور حیوة کے لئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرائنا پڑتا ہے جن میں گزر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے ایک دورہ حیوة کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں وہی ہری ہری لچک دار ڈالیاں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھر پھل نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دیکر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں۔ جیسا کیلہ کا درخت۔

اگر یہ سچ ہے تو عالم نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں۔ ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے۔

اس لئے طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔ لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطہ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قدرت خود ہی اس کا معقل فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت ﷺ کی مبارک ہستی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں: ”وَلَكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّۦنَ“ کے بعد فرمایا ہے: ”وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا“۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری کون ہے۔ یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے۔ ان میں اول کون ہے اور آخر کون۔ اگر اسے عالم کا ہوا اور منظور ہوتا تو شاید وہ آپ کی آمد ابھی کچھ دن کے لئے اور مؤخر کر دیتا لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگا دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ قصر نبوت کی بھی تکمیل ہو گئی ہے۔ نبوت نے اپنا مقصد پایا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی رسول نہیں آئے گا۔ کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا وہ آپ ﷺ سے افضل ہو گیا مفسول۔ اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفسول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے۔ جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبوت اب اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے۔ اب کوئی اور کمال منتظر اس کے لئے باقی نہیں رہا۔ اس لئے اس فطری اصول کے مطابق اسے ختم ہو جانا چاہئے۔

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا“ مائدہ آیت ۳ ”یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اب ناقص نہ ہوگا۔ خدا کی نعمت پوری ہو چکی ہے۔ اب آئندہ اس سے زیادہ اس کے تمام کی توقع غلط ہے اور نظر ربوبیت اب ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے۔ اس لئے کوئی دین اس کا نسخہ بھی

نہیں آئے گا۔ عربی زبان میں کمال و تمام دونوں لفظ نقصان کے مقابل ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کمال اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مثلاً اگر انسان کا ایک ہاتھ نہ ہو وہ ناقص ہے۔ یعنی اسے ناقص انسان کہا جائے گا۔ خواہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو اور اگر اس کے اعضاء پورے ہیں مگر صورت اچھی نہیں اخلاق نادرست ہیں، خصائل درشت و ناہموار ہیں تو اس کو جائے تمام کے نامکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں یہاں دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتلادیا گیا ہے کہ دین اسلام اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے۔ نہ اس میں اجزاء کا نقصان باقی ہے نہ اوصاف کا۔ اس لئے اب اس کی حرکت ارتقائی ختم ہو گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا صرف ایک تاثر زمانی نہیں ہے۔ کسی شخصیت کا صرف آخر میں آنا فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ سنت اللہ چونکہ یہ ہے کہ ہر شے کا خاتمہ کمال پر کیا جائے۔ اس لئے یہاں آپ ﷺ کا تاثر زمانی آپ ﷺ کے انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے قصر نبوة سے ایک بلیغ تشبیہ دیکر واضح فرمادیا تھا۔ یہود کو جب خدا کے اس اکمال و اتمام کی خبر پہنچی تو ان سے رہانہ گیا اور انہوں نے ازراہ حسد کہا اے عمرؓ اگر کہیں یہ آیت ہمارے حق میں اترتی ہم تو اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :

”هذه اكبر نعم الله على هذه الامة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحثنا جون الى دين غيره ولا الى نبي غير نبيهم صلوات الله وسلامه عليه ولهذا جعله الله تعالى خاتم الانبيا وبعثه الى الانس والجن . تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۱۲ زیر آیت الیوم اکملت لکم“

ﷻ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے اس امت کا دین کامل کر دیا ہے کہ اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی نہ کسی اور نبی کی۔ اسی لئے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے اور انسان و جن سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

معلوم ہوا کہ ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدا تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ یہود کو

بھی ہمارے اس کمال پر حسد ہے پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ شاید اس کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ نبوت پہلی امتوں کے لئے ولایت و صدیقیت کی طرح ایک ممکن الحصول کمال تھا۔ اب یہ امت دوسرے اور مراتب تو حاصل کر سکتی ہے مگر کمال نبوت کو حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ سخت غلط فہمی اور حقیقت نبوت سے قطعی جمالت کی دلیل ہے۔ نبوت ان کمالات ہی میں نہیں ہے جو ریاضات و مجاہدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی حشا گیا ہو بلکہ ایک الہی منصب ہے جس کا تعلق تشریفی ضرورت اور براہ راست خدائے تعالیٰ کی صفت اجباء و اصفاء کے ساتھ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے۔ اگر نبوت ان کمالات میں ہوتی جو مجاہدات و ریاضات، پاکبازی و حسن نیت کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا کیونکہ جتنی عملی جدوجہد اتباع شریعت کا محتاج جذبہ خود اس کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی جب خدائے تعالیٰ کی زمین شرفساد، طغیان و سرکشی، تکبر و تمرد سے بھر گئی ہے۔ صلاح و تقویٰ کا ختم فاسد ہو گیا ہے، رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں۔ وہی انبیاء کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں زمانہ سمجھا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے جو ولایت و صدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا کے انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا ذاتی اقتضاء ہے۔ ذاتی اقتضاء سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسب و اکتساب، ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا کوئی دخل نہیں نبوت کا ماحول تو چاہتا ہے کہ خدائی رحمت کی جائے خدا کا قمر ٹوٹے مگر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم ہادی بھی ہے یہ اس کا اقتضاء ہے کہ جب ملک کا ملک اور قوم کی قوم اس کا راستہ گم کر دے اور بھولے سے نہیں بلکہ شرارت و شیطنت کی بناء پر تو وہ اپنی طرف سے پھر ان کی ہدایت کے لئے ایک دروازہ کھول دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا ان کا زمانہ انسانی کمالات کے عروج و ارتقاء کا زمانہ نہ تھا بلکہ دنیا فطری پستی و نات و خست اور احسان فراموشی کے اس تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ ایک کمزور انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے بھی شرم نہ آتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انہیں اس دعویٰ کے ابطال کے لئے مامور کیا جائے گا۔ اچانک کوہ طور کے ایک گوشے سے روحانیت کے بادل اٹھے اور حقیقت موسویہ پر اس طرح بر سے کہ دم کے دم میں موسیٰ بن عمران حضرت موسیٰ کلیم اللہ بن گئے بیوی کے لئے آگ لینے کی فکر میں آئے تھے اور سب بھول بھال کر اب آتش کفر جھانے کی فکر میں جا رہے ہیں۔ اس مدعی الوہیت کا مقابلہ کرنا ہے جس کے پاس سلطنت کی ساری مادی طاقتیں جمع ہیں اور اپنے پاس قوت بیان بھی ناقص ہے۔ اس لئے دے لے میں فرماتے ہیں :

”رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي . وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي . وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي . يَفْقَهُوا قَوْلِي . وَاجْعَلْ لِّي زَيْزًا مِّنْ أَهْلِي . هَارُونَ أَخِي . اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي . وَاشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِي . طہ آیت ۲۵ تا ۳۲“
دوسری جگہ سورہ القصص ۳۳ میں فرمایا :

”وَ أَخِيْ هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِيْ
إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ“

ان دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! میرا سینہ کشادہ فرما اور مجھے ایسا حوصلہ مند بنا دے کہ خلاف طبع معاملات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں اور میرے لئے ایسے سامان فراہم کر کہ یہ عظیم الشان خدمت آسان ہو جائے اور لڑکپن میں زبان جل جانے کی وجہ سے میری گفتگو میں جو لکنت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور فرما کہ وہ میری بات تو سمجھ لیں اور میرے گھر میں میرے بھائی کو میرا معین بنا دے کہ وہ میرا کام ہٹائیں اور ان کی وجہ سے مجھے سہارا بھی رہے۔ سورہ قصص میں اس کی تفصیل اور ہے کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔ انہیں میرے ہمراہ کر دے تاکہ وہ میری اعانت میں میری تصدیق کرتے

رہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے پہلے معاملات کی وجہ سے کہیں وہ سب میری تکذیب نہ کر دیں۔ اس وقت کم از کم ایک ایسا شخص تو میرے ساتھ ہو جو میری تصدیق کر دے اور اگر مناظرہ کی نوبت آجائے تو ان سے مناظرہ بھی کر لے اس دعا سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سمجھ لینا جو پہلی امتوں کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں سخت غلط فہمی ہے بلکہ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی کو اس منصب کے لئے انتخاب کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کی کسی ایسی جد و جمد کا ذکر نہیں کیا جو ان کی نبوت کی سفارش کر سکتی بلکہ ان صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس منصب کے لئے درکار تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد ذرا اور آگے چلیں تو پھر ضلالت و ہدایت میں یہی کشمکش نظر آتی ہے۔ کبھی ضلالت کے جھکڑ ہدایت کی شمعوں کو گل کر دیتے تھے کبھی نور ہدایت کفر کی تاریکیوں کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔ حتیٰ کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ضلالت کا ابر محیط اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ تمام کرہ ارضی پر تاریکی چھا گئی کوئی خطہ نہ رہا۔ جہاں آفتاب ہدایت کی کوئی معمولی کرن بھی چمکتی۔ عالم کا وہ مرکزی نقطہ بھی جس کو ام القرئی کہا جاتا تھا تیرہ و تاریک ہو گیا اور خانہ خدا پر کفر کا پرچم لہرانے لگا تو اس عام گمراہی کے ماحول میں اسم ہادی کا پھر تقاضہ ہوا کہ اس کے مقابلہ کے لئے ایسی ہی عام ہدایت بھیجے جو خطہ و ملک اور قوم و زمان کی قید سے آزاد ہو۔ وہ ہدایت بصورت محمد ﷺ دنیا میں ظاہر ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کفر نے شکست کھائی کفر کا پھر ریا اتار کر پھینک دیا گیا اور اس کی بجائے خدائی نصرت و فتح کا جھنڈا نصب کر دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب کفر ہمیشہ کے لئے شکست کھا چکا ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ کلمہ توحید مٹ جائے اور ہدایت کے آثار و نشانات اس طرح تباہ و برباد ہو جائیں کہ خدا کی زمین پھر کسی نبی کو پکارنے لگے۔ مکہ مکرمہ اب اسلامی دار السلطنت بن گیا ہے اور اسی لئے اب یہاں سے ہجرت کرنا منسوخ ہو گیا ہے۔ شیطان جو سرچشمہ کفر تھا۔ اب مایوس ہو گیا ہے کہ مصلحین جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ دین اسلام کا

مل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے۔ خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے۔ اس لئے آئندہ نہ مگر اسی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں۔ اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔ پھر ختم نبوت درحقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ کفر کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے چھائے چھ نہیں..... سکتا۔ خدا کا اقرار اس کے صفات کی معرفت غیب کا یقین، مجموعہ عالم کا اس طرح جزء بن گیا کہ اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی۔ فضاء عالم میں بیماریاں پھیلیں اور صحت عامہ کو خطرہ میں ڈال دیں پھر کوئی ڈاکٹر نہ ملے شفا خانہ نہ ہو تو یقیناً یہ دوہری مصیبت ہے لیکن اگر کسی ملک کی آب و ہوا ہی صاف ہو۔ وہاں کے باشندے شفا خانے اور ڈاکٹر کے محتاج ہی نہ ہوں تو بتلاؤ کہ یہاں بھی کسی شفا خانہ کے قیام کی حاجت ہے؟ کیا ایسی صحت و تندرستی کے ماحول میں بیماروں کے قیام کے لئے مکانات ڈاکٹروں اور شفا خانوں کا وجود مقامی ضروریات میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر یہ بھی فرض کر لو کہ اس خطہ کے باشندوں کو علم طب کی باضابطہ تعلیم دی گئی ہو تو کیا یہ شکوہ بجا ہو گا کہ جس طرح فلاں ملک کے لئے ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لئے بھی اسی طرح ڈاکٹر کیوں نہیں بھیجا گیا:

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ آل عمران آیت ۱۶۴“

یعنی آنحضرت ﷺ نے اس عام مگر اہی کے بعد تشریف لا کر صرف خدائی آیات پڑھ کر ہی نہیں سنائیں بلکہ اس کو سمجھا بھی دیا اور اس پر پریکٹیکل طور سے عمل کرا دیا ہے۔ اس لئے اب آپ ﷺ کی اس ہمہ گیر تعلیم کے بعد اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جراثیم کفر اس طرح غالب آجائیں کہ عالم کی صحت عامہ کسی ہمدردی ڈاکٹر کی محتاج ہو جائے دوم ان کو اس حد

تک اصول طب کی تعلیم بھی دیدی گئی ہے کہ اگر کہیں کفر سر نکالے تو اس کا آئینی علاج وہ خود کر سکتے ہیں۔ اگر اس پر وہ کام نہ ہوں تو یہ ان کا قصور رہے گا۔ پس یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے۔ البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی اور بڑی محرومی ہے مگر یہ روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمناء ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

خفاجی فرماتے ہیں رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ وورد بمعناہ من طرق کثیرۃ
کما فی الحضائص (نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۰۳)

خفاجی الشفاء کی شرح میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی جو شخص احمد (ﷺ) کا انکار کر کے میرے پاس آئے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا انہوں نے عرض کیا یہ احمد (ﷺ) کون ہیں؟ ارشاد ہوا یہ ہو ہیں جن سے زیادہ مجھے اپنی مخلوق میں کوئی عزیز نہیں۔ زمین و آسمان سے قبل ہی میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ عرش پر لکھ دیا تھا اور یہ بات طے کر دی تھی کہ جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو لیں کوئی اور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے اوصاف پوچھے۔ ارشاد ہوا کہ وہ امت ہر وقت ہماری تعریف کرے گی۔ بلندی پر چڑھے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ پستی میں اترے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ غرض ہر حال میں ہماری حمد و ثناء کرے گی۔ اپنی کمزریں باندھنے والی اپنے اعضاء دھونے والی دن کی روشنی میں شیر کی طرح (بہادر) اور رات کی تاریکیوں میں درویش صفت ہوگی۔ ان کا تھوڑا سا عمل میں قبول کروں گا اور کلمہ شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تو مجھے اسی امت کا نبی بنا دے ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو خود ان ہی میں سے ہوگا۔ عرض کیا اچھا تو پھر اس نبی کی امت ہی

میں بتا دے۔ ارشاد ہوا کہ تم ان سے پہلے ہو۔ وہ تمہارے بعد آئیں گے۔ البتہ میں اپنے دار
جہاں میں تھیں ان کے ساتھ جمع کروں گا۔ مسند ابو داؤد طحاہی واحمد اور ابو یعلیٰ میں ہے :

”کادت هذه الامة ان تكونوا انبياء كلها“

یہ امت مجموعی اعتبار سے لحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے۔
شیخ جلال الدین سیوطی نے اسی مضمون کو حوالہ تورات وانجیل کعب احبار سے
نقل کیا ہے۔ کنز العمال میں اسی کے ہم معنی روایت آنحضرت ﷺ سے بھی مروی ہے۔
جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو اس
منصب پر فائز کر دیا جاتا۔ مبشرات 'الہام' تحدیث مع الملائکہ، لقم و نسق امت بدعت
اور تحریف فی الدین کی اصلاح حتیٰ کہ خلافت حقہ کا صحیح قیام یہ سب اس امت کے مناصب
و کمالات میں داخل ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت، دین کی تکمیل ایک ایسی مضبوط جماعت کا ہتھیار
ہمیشہ جادہ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو مگر حسب ضرورت ایسے افراد و جماعات کی بعثت جو
پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں۔ ان سب امور کا خود قدرت ایزدی
تکفل فرما چکی ہے۔ آپ ہی سوچئے کہ اس کے بعد اب کونسا کمال باقی ہے جو پہلی امتوں میں تھا
اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لئے نبوت کی ضرورت ہے بلکہ صحیح بخاری کی حدیث
میں تو یہ ہے کہ سیاست امت کی جو خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے۔ اب وہ
خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے۔ پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے جو
اس امت کو نہ ملا ہو۔ ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں جن سے پہلی امتیں
محروم ہیں۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی ہمدش
گویا ختم نبوت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل
جاتی۔ یہ بھی انتہائی جمل ہے خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام
میں آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء
علیہم السلام کا ایک ایک فرد آچکا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد نے نبوت کو ہمہ نہیں کیا بلکہ جب

نبوت ختم ہو گئی ہے تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اسی معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کے لئے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور موخر ہو جاتا۔ آپ کا لقب کا تم النبیین اسی وقت واقع کے مطابق ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نبی آتا ہے تو آپ کو آخری نبی کہنا ایسا ہی ہو گا جیسا درمیانی ولاد کو آخری ولاد کہنا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے پہلے رسول تھے۔ پس جس طرح ان سے پہلے کوئی رسول نہ تھا۔ نہ ظلی نہ بروزی۔ اسی طرح آپ آخر النبیین ہیں۔ آپ کے بعد بھی نہ کوئی ظلی نبی ہو نا چاہئے نہ بروزی۔ تیسری غلطی یہاں سب سے زیادہ فاحش یہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں۔ اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن جب وہ نبی آگیا جس کی نبوت کسی خطہ کسی قوم اور کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں۔ اگر اس وقت یہ سوال جاتا تھا تو اب بھی جابجا ہے اور اگر اس وقت نامعقول تھا تو اب بھی نامعقول ہے۔ یہاں ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کہ آپ کا دورہ نبوت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ختم نہیں ہوا۔ پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے۔ ہاں نبی کوئی اور باقی نہیں رہا۔ عجب بات ہے کہ یہاں بقاء نبوت ہی ختم نبوت کو مستلزم ہے۔ یعنی آپ کی نبوت کا بقاء اس کو مستلزم ہے کہ کوئی اور نبی نہ ہو تا فہم الثانیہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت دوسروں کی نبوت کے بقاء کو مستلزم ہے۔ یہ اس وقت تو معقول ہوتا جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت بھی ختم ہو جاتی لیکن جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا؟۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف خاتم النبیین نہیں بتایا بلکہ رحمۃ للعالمین بھی بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب خاتم بذات خود تمام جہان کے لئے رحمۃ بن کر آگیا ہے۔ اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ

لگا رہتا تھا۔ خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راہ سے لب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی لور رول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔ پہلے ہر امت کی داستان اطاعت و عصیان دوسری امتوں کے سامنے رکھی جاتی تھی مگر اس امت مرحومہ کی داستان عمل اب کسی امت کے سامنے نہیں رکھی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ختم نبوت ایک رحمت نہیں بلکہ اس کے دامن میں بیشمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس لئے اس امت کو نبی مٹنے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے امتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے۔ کمالات نبوت ختم نہیں۔ ہاں! وہ دور ضلالت و گمراہی ختم ہو گیا ہے جس کے لئے جدید نبوت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یا در کھواب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی یوہ جھوٹے نبی آئیں گے جن کو زبان نبوت نے دجال کہا ہے۔ انجیل میں سے جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو جو تمہارے پاس بھڑوں کے ہمیں میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھڑیے ہیں ان کے پہلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ (متی باب ۷ آیت ۱۵)

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ دوستو

وہ ہو چکا ہے جس کا طرفدار ہو چکا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
سیدنا محمدی بن عبد اللہ بن عبد الوہاب
علیہ السلام

سیدنا محمدی علیہ الرضوان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی معروف کتاب ترجمان السنۃ کی جلد اول ص ۷۲ سے ۴۲۸ تک ”سیدنا مہدی علیہ الرضوان“ کی ولادت و ظہور سے وفات تک کے واقعات کو حدیث شریف کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔ چالیس احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرامؓ سے مدلل فرمایا گیا ہے۔ تصنیف زمانہ ترجمان السنۃ تک پوری امت کی طرف سے اس مسئلہ پر جو کچھ تحریر کیا گیا تھا۔ اس کا نحوڑ آپ نے اس میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب میں شامل کرنے پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر جالاتے ہیں۔ کہ منکرین سیدنا مہدی علیہ الرضوان خوارج اور جھوٹے مدعی مہدویت مرزا قادیانی کے پیروان کے لئے شاید ہدایت کا سامان بن جائے۔ وما ذالك على الله بعزیز!

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام مہدی کی احادیث مطالعہ فرمانے سے قبل ان کا مختصر تذکرہ معلوم کر لینا ضروری ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

حضرت امام مہدی کا نام و نسب اور ان کا حلیہ شریفہ

حضرت امام مہدی سید اور اولاد فاطمہ الزہراءؑ میں سے ہیں۔ آپ کا قد و قامت قدرے لائے بدن چست، رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا ﷺ کے چہرے کے مشابہ ہوگا۔ نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا ﷺ سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کا اسم شریف محمد، والد کا نام عبد اللہ، والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا۔ زبان میں قدرے لکنت ہوگی۔ جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم لدنی (خداداد) ہوگا سید برزنجیؒ اپنے رسالہ الاشاعت میں تحریر کرتے ہیں کہ تلاش کے باوجود مجھ کو آپ کی والدہ کا نام روایات میں کہیں نہیں ملا۔

آپ کے ظہور سے قبل سفیانی کا خروج، شاہ روم اور مسلمانوں میں

جنگ اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا

آپ کے ظہور سے قبل ملک عرب و شام میں اوس سفیان کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو سادات کو قتل کرے گا۔ اس کا حکم ملک شام و مصر کے اطراف میں چلے گا اس درمیان میں بادشاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے فرقہ سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فریق قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا۔ بادشاہ روم دار الخلافہ کو چھوڑ کر ملک شام میں

پہنچ جائے گا اور عیسائیوں کے دوسرے فریق کی اعانت سے اسلامی فوج ایک خونریز جنگ کے بعد فریق مخالف پر فتح پائے گی۔ دشمن کی شکست کے بعد موافق فریق میں سے ایک شخص نعرہ لگائے گا۔ کہ صلیب غالب ہو گئی اور اسی کے نام سے یہ فتح ہوئی۔ یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں دین اسلام غالب ہو اور اسی کی وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لئے پکاریں گے جس کی وجہ سے فوج میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

(حسب بیان سید مرتضیٰ یہ شخص خالد بن یزید بن ابی سفیان کی نسل سے ہو گا۔ امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں اس کا نام عروۃ تحریر فرمایا ہے۔ سید مرتضیٰ نے اپنے رسالہ الاشاعت میں اس کا حلیہ اور اس کے دور کی پوری تاریخ تحریر فرمائی ہے مگر اس کا اکثر حصہ موقوف روایات سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے ہم نے شاہ صاحب کے رسالہ سے اس کا مختصر تذکرہ نقل کیا ہے۔ امام قرطبی نے بھی امام مہدی علیہ الرضوان کے دور کی پوری تاریخ نقل فرمائی ہے۔ تذکرہ قرطبی کو اس وقت دستیاب نہیں مگر اس کا مختصر موقوفہ ”امام شعرانی“ عام طور پر ملتا ہے۔ قابل ملاحظہ ہے۔

سید مرتضیٰ کے رسالہ میں امام مہدی علیہ الرضوان کے زمانے کی مفصل اور مرتب تاریخ کے علاوہ اس باب کی مختصر حدیثوں میں جمع و تطبیق کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن چونکہ اس باب کی اکثر روایات ضعیف تھیں۔ اس لئے ہم نے ان کے درمیان تطبیق نقل کرنے کی چند اہمیت محسوس نہیں کی۔)

بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا عیسائی ملک شام پر قبضہ کر لیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی قوموں کی صلح ہو جائے گی۔ باقی مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے عیسائیوں کی حکومت خیبر تک (جو مدینہ منورہ سے قریب ہے) پھیل جائے گی۔ اس وقت مسلمان اس فکر میں ہوں گے کہ امام مہدی کو تلاش کرنا چاہئے تاکہ ان کے ذریعے سے یہ مصیبتیں دور ہوں۔ اور دشمن کے بچے سے نجات ملے۔

امام مہدی کی تلاش اور ان سے بیعت کرنا

حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے مگر اس ڈر سے کہ مبادا لوگ مجھ جیسے ضعیف کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کی تکلیف دیں مکہ معظمہ چلے جائیں گے۔ اس زمانے کے اولیاء کرام اور ابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے۔ بعض آدمی مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے بھی کریں گے۔ حضرت مہدی علیہ السلام رکن یرمائی اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کو مجبور کر کے آپ سے بیعت کر لے گی۔ اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل گزشتہ ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی: ”ہذا خلیفۃ اللہ المہدی فاستمعوا لہ واطیعوا“ اس آواز کو اس جگہ کے تمام خاص و عام من لیں گے۔ بیعت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی آئیں گی۔ شام و عراق اور یمن کے اولیائے کرام و ابدال عظام آپ کی صحبت میں اور ملک عرب کے لاتعداد لوگ آپ کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے۔ (جس کو ”رتاج الکعبہ“ کہتے ہیں) نکال کر مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے۔

خراسانی سردار کا امام مہدی کی اعانت کے لئے فوج روانہ کرنا اور

سفینی کے لشکر کا ہلاک و تباہ ہو جانا

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے ایک شخص ایک بہت بڑی فوج لیکر آپ کی مدد کے لئے روانہ ہو گا۔ جو راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بد دینوں کا صفایا کر دے گا اس لشکر کے مقدمتہ الجیش کی کمان منصور نامی ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ سفینی (جس کا ذکر اوپر گزر چکا) اہل بیت کا دشمن ہو گا اس کی نہال قوم بنو کلب ہوگی۔ حضرت امام مہدی کے مقابلہ کے واسطے اپنی فوج بھیجے گا۔ جب یہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان

ایک میدان میں پہاڑ کے دامن میں مقیم ہوگی تو اسی جگہ اس فوج کے نیک و بد سب کے سب دھنس جائیں گے اور قیامت کے دن ہر ایک کا حشر اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہو گا۔ ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے۔ ایک حضرت امام مہدی کو اس واقعہ کی اطلاع دے گا اور دوسرا سفیانی کو۔

عیسائیوں کا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اجتماع اور امام مہدی کے ساتھ خونریز جنگ اور آخر میں امام مہدی کی فتح مبین

عرب کی فوجوں کے اجتماع کا حال سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوجوں کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے اور اپنے اور روم کے ممالک سے فوج کثیر لے کر امام مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے شام میں جمع ہو جائیں گے ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ ہزار سپاہ ہوگی (جس کی کل تعداد ۸۴۰۰۰۰ ہوگی) حضرت امام مہدی مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں گے اور پیغمبر خدا ﷺ کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ دمشق کے پاس آکر عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ ہوگا۔ اس وقت حضرت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ تو نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا۔ خداوند کریم ان کی توبہ ہر گز قبول نہ فرمائے گا۔ باقی فوج میں سے کچھ تو شہید ہو کر بدر واحد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ بقو فقیق ایزدی فتح یاب ہو کر ہمیشہ کے لئے گمراہی اور انجام بد سے چھٹکارا پالیں گے۔ حضرت امام مہدی دوسرے روز پھر نصاریٰ کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کر کے نکلے گی کہ یا میدان جنگ فتح کریں گے یا مر جائیں گے یہ جماعت سب کی سب شہید ہو جائے گی۔ حضرت امام مہدی باقی ماندہ قلیل جماعت کے ساتھ لشکر میں واپس آئیں گے۔ دوسرے دن پھر ایک بڑی جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح کے بغیر میدان جنگ سے واپس نہیں آئیں گے یا مر جائیں گے اور حضرت امام مہدی کے ہمراہ بڑی بہادری کے ساتھ جنگ کریں گے اور آخر یہ بھی جام شہادت نوش

کریں گے۔ شام کے وقت حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ لوٹیں گے تیسرے روز اسی طرح ایک بڑی جماعت قسم کھا کر نکلے گی اور وہ بھی شہید ہو جائے گی اور حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئیں گے۔ چوتھے روز حضرت امام مہدی رسد گاہ کی محافظ جماعت کو لے کر دشمن سے پھر نبرد آزما ہوں گے۔ یہ جماعت تعداد میں بہت کم ہوگی مگر خداوند کریم ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔ عیسائی اس قدر قتل ہوں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بو نکل جائے گی اور بے سرو سامان ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جائیں گے مسلمان ان کا تعاقب کر کے بھجوں کو جہنم رسید کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بے انتہا انعام و اکرام اس میدان کے شیروں و جاننازوں پر تقسیم فرمائیں گے مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہوگی کیونکہ اس جنگ کی بدولت بہت سے خاندان و قبیلے ایسے ہوں گے۔ جن میں فی صدی صرف ایک ہی آدمی بچا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بلاد اسلام کے نظم و نسق اور فرائض و حقوق العباد کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں گے۔

ستر ہزار فوج کے ساتھ امام مہدی کی فتح قسطنطنیہ کے لئے روانگی

اور ایک نعرہ تکبیر سے شہر کا فتح ہو جانا

اور مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ حیرہ روم کے کنارے پر پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے اس شہر کی خلاصی کے لئے جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں۔ مقرر فرمائیں گے۔ جب یہ فیصل شہر کے قریب پہنچ کر نعرہ تکبیر بلند کریں گے تو اس کی فیصل نام خدا کی برکت سے یکایک گر جائے گی۔ مسلمان ہلا کر کے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ سرکشوں کو ختم کر کے ملک کا انتظام نہایت عدل و انصاف کے ساتھ کریں گے۔ ابتدائی بیعت سے اس وقت تک چھ سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ امام مہدی ملک کے ہندوستان ہی میں مصروف ہوں گے۔

امام مہدی کا دجال کی تحقیق کے لئے ایک مختصر دستہ روانہ فرمانا اور ان کی افضلیت کا حال

افواہ اڑے گی کہ دجال نکل آیا اور مسلمانوں کو تباہ کر رہا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی ملک شام کی طرف واپس ہوں گے اور اس خبر کی تحقیق کے لئے پانچ یا نو سوار جن کے حق میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ان کے ماں باپوں و قبائل کے نام اور ان کے گھوڑوں کا رنگ جانتا ہوں۔ وہ اس زمانے کے روئے زمین کے آدمیوں سے بہتر ہوں گے۔ لشکر کے آگے بطور طلوعہ روانہ ہو کر معلوم کر لیں گے کہ یہ افواہ غلط ہے۔ پس امام مہدی عجلت کو چھوڑ کر ملک کی خبر گیری کی غرض سے آہستگی اختیار فرمائیں گے۔ اس میں کچھ عرصہ نہ گزرے گا کہ دجال ظاہر ہو جائے گا اور قبل اس کے کہ وہ دمشق پہنچے حضرت امام مہدی دمشق آچکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری و ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب و ضرب تقسیم کرتے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا اور اس وقت کی نماز

امام مہدی کی امامت میں ادا کرنا

لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ پس سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔ آپ اس کے ذریعہ سے نازل ہو کر امام مہدی سے ملاقات فرمائیں گے۔ امام مہدی نہایت تواضع و خوش خلقی سے آپ کے ساتھ پیش آئیں گے اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیونکہ تمہارے بعض بعض کے لئے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے۔ پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اقتداء کریں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر امام مہدی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

کہیں گے کہ یا نبی اللہ اب لشکر کا انتظام آپ کے سپرد ہے جس طرح چاہیں انجام دیں۔ وہ فرمائیں گے نہیں یہ کام بدستور آپ ہی کے تحت میں رہے گا۔ میں تو صرف قتل و جال کے واسطے آیا ہوں جس کا مارا جانا میرے ہی ہاتھ سے مقدر ہے۔

امام مہدی کے عہد خلافت کی خوشحالی اس کی مدت اور ان کی وفات

تمام زمین حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عدل و انصاف سے (بھر جائے گی) منور و روشن ہو جائے گی ظلم و بے انصافی کی بے گئی ہوگی۔ تمام لوگ عبادت و اطاعت الہی میں سرگرمی سے مشغول ہوں گے۔ آپ کی خلافت کی میعاد سات یا آٹھ یا نو سال ہوگی۔ واضح رہے کہ سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و دجال میں اور نوواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال ہوگی۔ بعد ازاں امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے۔ اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ (رسالہ علامات قیامت مؤلفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین)

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شاہ صاحب موصوف نے یہ تمام تر گزشتہ گو حدیثوں کی روشنی ہی میں مرتب فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے مگر واقعات کی ترتیب اور بعض جگہ ان کی تعیین یہ دونوں باتیں خود حضرت موصوف ہی کی جانب سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث و قرآن میں جو قصص و واقعات بیان کئے گئے ہیں خواہ وہ گزشتہ زمانے سے متعلق ہوں یا آئندہ سے، ان کا اسلوب بیان تاریخی کتابوں کا سا نہیں بلکہ حسب مناسبت مقام ان کا ایک ایک ٹکڑا متفرق طور پر ذکر میں آگیا ہے پھر جب ان سب ٹکڑوں کو جوڑا جاتا ہے تو بعض مقامات پر کبھی اس کی کوئی درمیانی کڑی نہیں ملتی کہیں ان کی ترتیب میں شک و شبہ رہ جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر بعض خام طبائع تو اصل واقعہ کے ثبوت ہی سے دست بردار ہو جاتی ہیں حالانکہ غور یہ کرنا چاہئے کہ جب

قرآن وحدیث کا اسلوب بیان ہی وہ نہیں جو آج ہماری تصانیف کا ہے تو پھر حدیثوں میں اس کو تلاش ہی کیوں کیا جائے؟۔ نیز جب ان متفرق ٹکڑوں کی ترتیب صاحب شریعت نے خود بیان ہی نہیں فرمائی تو اس کو صاحب شریعت کے سر کیوں رکھ دیا جائے۔ لہذا اگر اپنی جانب سے کوئی ترتیب قائم کر لی گئی ہے تو اس پر جزم کیوں کیا جائے؟۔ ہو سکتا ہے کہ جو ترتیب ہم نے اپنے ذہن سے قائم کی ہے۔ حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے امور ہیں جو قرآنی اور حدیثی قصص میں تشنہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہاں جو قدم اپنی رائے سے اٹھایا جائے اس کو کتاب وسنت کے سر رکھ دینا ایک خطرناک اقدام ہے اور اس ابہام کی وجہ سے اصل واقعہ ہی کا انکار کر ڈالنا یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ واقعات کی پوری تفصیل اور اس کے اجزاء کی پوری پوری ترتیب بیان کرنی رسول کا وظیفہ نہیں۔ یہ ایک مؤرخ کا وظیفہ ہے۔ رسول آئندہ واقعات کی صرف بقدر ضرورت اطلاع دے دیتا ہے پھر جب ان کے ظہور کا وقت آتا ہے تو وہ خود اپنی تفصیل کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت یہ ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے واقعات کے لئے جتنی اطلاع حدیثوں میں آچکی تھی وہ بہت کافی تھی اور قبل از وقت اس سے زیادہ تفصیلات دماغوں کے لئے بالکل غیر ضروری بلکہ شاید اور زیادہ الجھاؤ کا موجب تھیں۔ علاوہ ازیں جس کو ازل سے بد تک کا علم ہے وہ یہ خوب جانتا تھا کہ امت میں دین روایت اور اسانید کے ذریعہ پھیلے گا۔ اور اس تقدیر پر راویوں کے اختلافات سے روایتوں کا اختلاف بھی لازم ہوگا۔ پس اگر غیر ضروری تفصیلات کو بیان کر دیا جاتا تو یقیناً ان میں بھی اختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا اور ہو سکتا تھا کہ امت اس اجمالی خبر سے جتنا فائدہ اٹھا سکتی تھی تفصیلات بیان کرنے سے وہ بھی فوت ہو جاتا۔ لہذا امام ممدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اور نہ صحت کے ساتھ منقول شدہ منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے اور نہ اس وجہ سے اصل پیشگوئی میں تردد پیدا کرنا علم کی بات ہے۔ یہاں جملہ پیشگوئیوں میں صحیح راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جتنی بات حدیثوں میں صحت کے ساتھ آچکی ہے اس کو اسی حد تک تسلیم کر لیا جائے اور زیادہ

تفصیلات کے درپے نہ ہوا جائے اور اگر مختلف حدیثوں میں کوئی ترتیب اپنے ذہن سے قائم کر لی گئی ہے تو اس کو حدیثی بیان کی حیثیت ہر گز نہ دی جائے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سلسلہ کی حدیثیں مختلف اوقات میں مختلف صحابہؓ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ ﷺ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی یقینی نہیں کہ ان تفصیلات کے براہ راست سننے والوں کو ان سب کا علم حاصل ہو، بہت ممکن ہے کہ جس صحابیؓ نے امام مہدی کی پیشگوئی کا ایک حصہ ایک مجلس میں سنا ہو اس کو اس کے دوسرے حصے کے سننے کی نوبت ہی نہ آئی ہو جو دوسرے صحابیؓ نے دوسری مجلس میں سنا ہے اور اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ واقعہ کے الفاظ بیان کرنے میں ان تفصیلات کی کوئی رعایت نہ کرے جو دوسرے صحابیؓ کے بیان میں موجود ہے۔

یہاں بعد کی آنے والی امت کے سامنے چونکہ یہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ فرض اس کا ہے کہ اگر وہ ان تفصیلات میں کوئی لفظی بے ارتباطی دیکھتی ہے تو اپنی جانب سے کوئی تطبیق کی راہ نکال لے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ توجیحات راولیوں کے بیانات پر پوری پوری راست نہیں آتیں۔ اب راولیوں کے الفاظ کی یہ کشاکش اور تاویلات کی نامساواری کا یہ رنگ دیکھ کر بعض دماغ اس طرف چلے جاتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں کے تسلیم کر لینے کی بجائے اصل واقعہ کا ہی انکار کر دینا آسان ہے۔ اگر کاش وہ اس پر بھی نظر کر لیتے کہ یہ تاویلات خود صاحب شریعت کی جانب سے نہیں بلکہ واقعہ کے خود راولیوں کی جانب سے بھی نہیں یہ صرف ان دماغوں کی کاوش ہے جن کے سامنے اصل واقعہ کے وہ سب متفرق ٹکڑے جمع ہو کر آگئے ہیں جن کو مختلف صحابہؓ نے مختلف زبانوں میں روایت کیا ہے اور اس لئے ہر ایک نے اپنے الفاظ میں دوسرے کی تعبیر کی کوئی رعایت نہیں کی اور نہ وہ کر سکتا تھا تو پھر نہ تو ان پر راولیوں کے الفاظ کی اس بے ارتباطی کا کوئی اثر پڑتا اور نہ ایک ثابت شدہ واقعہ کا انکار صرف اتنی سی بات پر ان کو آسان نظر آتا۔

یہاں جب آپ اس خاص تاریخ سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے

احادیث پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک بڑی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امام ترمذی، ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے ایک ایک باب علیحدہ قائم کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ آئمہ حدیث جنہوں نے امام مہدی کے متعلق حدیثیں اپنی اپنی مؤلفات میں ذکر کی ہیں ان میں سے چند کے اسمائے مبارکہ حسب ذیل ہیں۔ امام احمد، الزہار، ابن ابی شیبہ، الحاکم، الطبرانی، ابو یعلیٰ موصلی، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جن جن صحابہ کرامؓ سے اس باب میں روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، طلحہ، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، انس، ابو سعید، ام حبیبہ، ام سلمہ، ثوبان، قرۃ بن لیاس، علی البدالی، عبد اللہ ابن الحارث بن جزع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواثر کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو اہل سنت والجماعہ کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”امام مہدی کے خروج کی روایتیں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس کو معنوی تواثر کی حد تک کہا جاسکتا ہے اور یہ بات علمائے اہل سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ اہل سنت کے عقائد میں ایک عقیدے کی حیثیت سے شمار کی گئی ہے۔ ابو نعیم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی وغیرہم نے صحابہؓ و تابعینؓ سے اس باب میں متعدد روایتیں بیان کی ہیں جن کے مجموعے سے امام مہدی کی آمد کا قطعی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا امام مہدی کی تشریف آوری پر حسب بیان علماء اور حسب عقائد اہل سنت والجماعت یقین کرنا ضروری ہے۔“ (شرح عقیدہ السفارینی ص ۷۹، ۸۰)

اسی طرح حافظ سیوطیؒ نے بھی یہاں تواثر معنوی کا دعویٰ کیا ہے۔ قاضی شوکانیؒ نے اس سلسلہ کی جو حدیثیں جمع کی ہیں ان میں مرفوع حدیثوں کی تعداد پچاس اور آثار کی اٹھائیس تک پہنچتی ہے۔ شیخ علی متقیؒ نے بھی منتخب کنز العمال میں اس کا بہت مواد جمع کر دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنہ اور حافظ ذہبیؒ مختصر منہاج السنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”الا حادیث التي تحتج بها على خروج المهدي صحاح

رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی منها حدیث ابن مسعود و ام سلمة و ابی سعید و علی۔ مختصر منها ج ص ۵۳۴

یعنی جن حدیثوں سے امام مہدی کے خروج پر استدلال کیا گیا ہے۔ وہ صحیح ہیں۔
ان کو امام احمد، امام ابوداؤد، اور امام ترمذی نے روایت فرمایا ہے۔

یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ صحیح مسلم کی احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ :

- (۱)..... آخری زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جس کے زمانے میں
- (۲)..... غیر معمولی برکات ظاہر ہوں گی۔ (۳)..... وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل پیدا ہوگا۔ (۴)..... دجال اسی کے عہد میں ظاہر ہوگا۔ مگر اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے ہوگا۔ (۵)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ خلیفہ نماز کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا۔ (۶)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ مصلے چھوڑ کر پیچھے ہٹے گا۔ مگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرمائیں گے چونکہ آپ مصلے پر جا چکے ہیں۔ اس لئے اب امامت آپ ہی کا حق ہے اور یہ اس امت کی ایک بزرگی ہے۔ لہذا یہ نماز تو آپ انہیں کی اقتدا میں ادا فرمائیں گے۔

یہ تمام صفات ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں جن میں محدثین کو کوئی کلام نہیں۔ اب گفتگو ہے تو صرف اتنی بات میں ہے کہ یہ خلیفہ کیا امام مہدی ہیں یا کوئی اور دوسرا خلیفہ؟ دوسرے نمبر کی حدیثوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ خلیفہ امام مہدی ہوں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح مسلم کی حدیثوں میں جب اس خلیفہ کا تذکرہ آچکا ہے تو پھر دوسرے نمبر کی حدیثوں میں جب وہی تفصیلات اس کے نام کے ساتھ مذکور ہیں تو ان کو بھی صحیح مسلم ہی کی حدیثوں کے حکم میں سمجھنا چاہیے۔ اس لئے اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ امام مہدی کا ثبوت خود صحیح مسلم میں موجود ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً جب صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا ایک امیر امامت کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا تو اب جن حدیثوں میں اس خلیفہ کا نام امام مہدی بتایا گیا ہے۔ یقیناً وہ اسی مبسم خلیفہ کا بیان کہا جائے گا۔ یا مثلاً صحیح مسلم میں ہے کہ آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے حساب مال

تقسیم کرے گا۔ اب اگر دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی یہ داد و دہش امام مہدی کے زمانے میں ہوگی تو صحیح مسلم کی اس حدیث کا مصداق امام مہدی کو قرار دینا بالکل جابجا ہوگا۔ اسی طرح جنگ کے جو واقعات صحیح مسلم میں ابہام کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ اگر دوسری حدیثوں میں وہی واقعات امام مہدی کے زمانے میں ثابت ہوتے ہیں تو یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہوگا کہ صحیح مسلم میں جنگ کے جو واقعات مذکور ہیں وہ امام مہدی ہی کے دور کے واقعات ہیں۔ غالباً ان ہی وجوہات کی بناء پر محدثین نے بعض مبہم حدیثوں کو امام مہدی ہی کے حق میں سمجھا ہے اور اسی باب میں ان کو ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد نے بارہ خلفاء کی حدیث کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بارہواں خلیفہ یہی امام مہدی ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ ذیل کی حدیثیں پڑھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام مہدی کی آمد کی صحابہ و تابعین کے درمیان کس درجہ شہرت تھی۔ اس کے بعد پھر مرفوع حدیثوں پر نظر ڈالئے تو بشرط اعتدال و انصاف آپ کو یقین ہو جائے گا کہ امام مہدی کی آمد کا مسئلہ بیٹھک ایک مسلم عقیدہ رہا ہے۔ البتہ روافض نے جو اور بے تکی باتیں اس میں اپنی جانب سے شامل کر لی ہیں ان کا نہ تو کوئی ثبوت نقل میں ملتا ہے نہ عقل ان کو باور کر سکتی ہے۔ صرف ان کی تردید میں کسی ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کر دینا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے :

(۱)..... "عَنْ حَكِيمِ بْنِ سَعْدٍ: قَالَ لَمَّا قَامَ سُلَيْمَانُ فَأَظْهَرَ مَا أَظْهَرَ قُلْتُ لَا بِيْ يَحْنِيْ هَذَا الْمَهْدِيُّ الَّذِي يُذَكَّرُ قَالَ لَا. أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْحَاوِي ص ۸۰ ج ۲"

حکیم بن سعد کہتے ہیں کہ جب سلیمان خلیفہ بنے اور انہوں نے عمدہ عمدہ خدمات انجام دیں تو میں نے ابو یحییٰ سے کہا وہ مہدی یہی ہیں جن کی شہرت ہے؟۔ انہوں نے کہا نہیں۔ ﴿

(۲)..... "عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ قَوْمًا فَقَالَ: الْمَهْدِيُّ يُؤْنِ ثَلَاثَةُ مَهْدِيٍّ الْخَيْرِ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَمَهْدِيُّ الدَّمِّ

وَهُوَ الَّذِي تَسْكُنُ عَلَيْهِ الدِّمَاءُ وَمَهْدِيُّ الدِّينِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ تَسْلِمُ أُمَّهُ
فِي زَمَانِهِ كَذَابِي الْحَاوِي ص ۷۸ ج ۲ وَفِيهِ عَنْ كَعْبٍ قَالَ مَهْدِيُّ الْخَيْرِ
يَخْرُجُ بَعْدَ السُّفْيَانِيِّ.

﴿ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ
مہدی تین ہوں گے: (۱)..... مہدی خیرؑ یہ تو عمر بن عبدالعزیزؑ ہیں۔ (۲)..... مہدی دمؑ یہ
وہ شخص ہے جس کے زمانے میں خونریزی ختم ہو جائے گی۔ (۳)..... مہدی دینؑ یہ عیسیٰ بن
مریم ہیں۔ ان کے زمانے میں نصاریٰ بھی اسلام قبول کر لیں گے کعب بیان کرتے ہیں کہ
مہدی خیر کا ظہور سفیانی کے ظہور کے بعد ہوگا۔﴾

(۳)..... ”عَنْ ابْنِ عَمْرِو أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ الْحَنْفِيَّةِ الْمَهْدِيُّ الَّذِي
يَقُولُونَ كَمَا يَقُولُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قِيلَ لَهُ
الْمَهْدِيُّ. الْحَاوِي ص ۷۸ ج ۲“

﴿ابن عمرؑ نے ابن حنفیہ سے کہا المہدی کا لقب ایسا ہے جیسا کہ کسی نیک آدمی کو
”رجل صالح“ کہہ دیں۔ (اس لحاظ سے مہدی کا اطلاق متعدد اشخاص پر ہو سکتا
ہے۔)﴾

(۴)..... ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُبْعَثُ الْمَهْدِيُّ بَعْدَ أَيَّاسٍ حَتَّى
يَقُولَ النَّاسُ لَا مَهْدِيَّ. كَذَابِي الْحَاوِي ص ۷۶ ج ۲“

﴿ابن عباسؑ کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب لوگ ایوس ہو کر یہ
کہیں گے کہ اب مہدی کیا آئے گا؟﴾

(۵)..... ”عَنْ كَعْبٍ قَالَ إِنِّي أَجِدُ الْمَهْدِيَّ مَكْتُوبًا فِي أَسْفَارِ
الْأَنْبِيَاءِ مَا فِي عَمَلِهِ ظُلْمٌ وَلَا عَيْبٌ. الْحَاوِي ص ۷۷ ج ۲“

﴿کعبؑ کہتے ہیں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مہدی کی یہ صفت
دیکھی ہے کہ اس کے عمل میں نہ ظلم ہوگا نہ عیب۔﴾

(۶)..... ”عَنْ مَطَرٍ أَنَّهُ ذَكَرَ عِنْدَهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ بَلَّغْنَا

أَنَّ الْمَهْدِيَّ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ يَصْنَعْهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قُلْنَا مَا هُوَ؟ قَالَ يَأْتِيهِ رَجُلٌ فَيَسْأَلُهُ فَيَقُولُ أَدْخُلْ بَيْتَ الْمَالِ فَخُذْ قَيْدَ خُلٍّ وَيَخْرُجْ وَيَرَى النَّاسَ شَبَاعًا فَيَنْدُمُ فَيَرْجِعُ إِلَيْهِ فَيَقُولُ خُذْ مَا أَعْطَيْتَنِي فَيَأْتِي وَيَقُولُ إِنَّا نُعْطِي وَلَا نَأْخُذُ. الحَاوِي ص ۷۷ ج ۲

﴿مطر کے سامنے عمر بن عبد العزیز کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مہدی اگر ایسے کام کریں گے جو عمر بن عبد العزیز سے نہیں ہو سکے ہم نے پوچھا وہ کیا؟۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایک شخص اگر سوال کرے گا۔ وہ کہیں گے بیت المال میں جا اور جتنا چاہے مال لے لے۔ وہ اندر جائے گا اور جب باہر آئے گا تو دیکھے گا کہ سب لوگ نیت سیر ہیں تو اس کو شرم آئے گی اور یہ لوٹ کر کہے گا کہ جو مال آپ نے دیا تھا وہ آپ لے لیجئے تو وہ فرمائیں گے ہم دینے کے لئے ہیں لینے کے لئے نہیں۔﴾

(۷)..... "عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ قُلْتُ لِبَطَّائِسِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ هُوَ الْمَهْدِيُّ؟ قَالَ هُوَ الْمَهْدِيُّ وَلَيْسَ بِهِ إِنَّهُ لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْعَدْلَ كُلَّهُ أَخْرَجَهُ أَبُو نَعِيمٍ فِي الْحَلِيَّةِ. الحَاوِي ص ۸۰ ج ۲"

﴿ابو ایہم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے بطاؤس سے پوچھا کیا عمر بن عبد العزیز مہدی ہیں؟۔ انہوں نے کہا ایک مہدی وہ بھی ہیں لیکن وہ خاص مہدی نہیں۔ ان کے دور کا سا کامل انصاف ان کے دور میں کہاں ہے؟۔﴾

(۸)..... "عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ يَزْعُمُونَ أَنِّي أَنَا الْمَهْدِيُّ وَإِنِّي إِلَى أَجَلٍ أَدْنَى مَبْنَى إِلَى مَا يَدْعُونَ. أَخْرَجَهُ الْمُحَامِلِيُّ فِي أَمَالِيهِ. الحَاوِي ص ۸۱ ج ۲"

﴿ابو جعفر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ مہدی میں ہوں حالانکہ مجھے ان کے دعووں سے اپنا مر جانا نزدیک تر نظر آتا ہے۔﴾

(۹)..... "عَنْ سُلَيْمَةَ بْنِ زُفَرٍ قَالَ قِيلَ يَوْمًا عِنْدَ حَذِيفَةَ قَدْ خَرَجَ الْمَهْدِيُّ قَالَ لَقَدْ أَفْلَحْتُمْ إِنْ خَرَجَ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ بَيْنَكُمْ إِنَّهُ لَا يُخْرَجُ حَتَّى

لَا يَكُونُ غَائِبٌ أَحَبُّ إِلَى النَّاسِ مِنْهُ مِمَّا يَلْقَوْنَ مِنَ الشَّرِّ أَخْرَجَهُ الدَّانِي .
الحاوی ص ۸۱ ج ۲

سلسلہ بن زفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حذیفہ کے سامنے کسی نے کہا کہ مہدی ظاہر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر ایسا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ تمہارے درمیان موجود ہیں تو تم نے بڑی فلاح پائی یاد رکھو کہ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ مصائب کی وجہ سے کوئی غائب شخص لوگوں کو ان سے پیارا معلوم نہ ہو گا (یعنی ان کا شدید انتظار ہو گا) ان آثار کی روشنی میں: ”لا مہدی الا عیسیٰ“ کی شرح بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ ہر طیکہ لمن ماجہ کی اس حدیث کو کسی درجہ میں حسن تسلیم کر لیا جائے۔

رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائشی زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صریح سے صریح الفاظ میں پیشگوئی کی گئی جس میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود نہ معلوم کتنے مدعی مسیحیت پیدا ہو گئے۔ آخر یہ ایک سیدھی پیشگوئی ایک معمر بن کر رہ گئی۔ اسی طرح جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیشگوئی کی گئی تو گزشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ محمد بن عبد اللہ یہ النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی طرح محمد بن مرتوت، عبید اللہ بن میمون قداح، محمد جونپوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ شیخ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں مقام ازبک میں بھی ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ سید موصوف نے ایک اور ”کردی“ شخص کے متعلق بھی لکھا ہے کہ عقر کے پہاڑوں میں اس نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان سب اشخاص کے واقعات تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور وہ تمام مصائب و آلام بھی مذکور ہیں جو ان بدبختوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے گئے تھے۔

رافضی جماعت کا مستقل یہ ایک عقیدہ ہی ہے کہ محمد بن حسن عسکری مہدی

موعود ہے۔ ان کے خیالات کے مطابق وہ اپنے طفولیت کے زمانے ہی سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر کسی مخفی غار میں پوشیدہ ہیں اور یہ جماعت آج تک انہی کے ظہور کی منتظر ہے اور مصیبتوں میں انہی کو پکارتی پھرتی ہے ان مفترین کی تاریخ اور روافض کی اس وہم پرستی اور بے بنیاد عقیدہ کی وجہ سے بعض اہل علم کے ذہن اس طرف منتقل ہو گئے کہ اگر علمی لحاظ سے مہدی کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے تو اس تمام بحث و جدل سے امت مسلمہ کی جان چھوٹ جائے اور روز مرہ نئی نئی آزمائشوں کا اس کو مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ ابن خلدون مؤرخ نے اسی پر پورا زور صرف کیا ہے اور چونکہ تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے علمی طبقہ میں اس کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اس لئے اس قسم کے مزاجوں کے لئے اس کا انکار کرنا اور تقویت کا باعث بن گیا پھر بعد میں اسی کے اعتماد پر اس مسئلہ کا انکار چلتا رہا ہے۔ محدثین علماء نے ہمیشہ اس انکار کو تسلیم نہیں کیا اور خود مؤرخ موصوف کے زمانے میں بھی اس پیشگوئی کے اثبات پر تالیفات کی گئیں جن میں سے اس وقت: ”ابراز الوہم المکنون من کلام ابن خلدون“ کا نام ہمارے علم میں بھی ہے مگر یہ رسالہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ امام قرطبی، شیخ جلال الدین سیوطی، سید برزنجی، شیخ علی متقی، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، شارح عقیدہ سفامینی کی تصنیفات ہماری نظر سے بھی گزری ہیں۔ ان کے مولفات کے علاوہ بھی اس موضوع پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی خاص ماحول کی وجہ سے وضع حدیث کے دوائی پیدا ہو گئے ہیں تو اس دور کی حدیثوں پر محدثین کی نظریں بھی ہمیشہ سخت ہو گئی ہیں اور اس لئے بعض صحیح حدیثیں بھی مشتبہ ہو گئیں جیسا کہ بنی امیہ کے دور میں فضائل اہل بیت کی بہت سی حدیثیں مشتبہ ہو گئی تھیں پھر جب محدثین نے ان کو چھاننا شروع کیا تو بعض متشدد نظروں میں اچھی خاصی حدیثیں بھی اس کی لپیٹ میں آ گئیں۔ آخر جب اس فضا سے ہٹ کر علماء نے دوبارہ اس پر نظر ڈالی تو انہوں نے بہت سی ساقط شدہ حدیثوں میں کوئی سقم نہ پایا اور آخر ان کو قبول کیا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک فرقے نے محمد بن حسن عسکری کے مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کر دیا تو پھر وہی وضع حدیث کے جذبات ابھرے اور جب علماء نے غلط ذخیرہ کو

ذرا تشدد کے ساتھ الگ کرنے کا ارادہ کیا تو لازمی طور پر یہاں بھی کچھ حدیثیں اس کی زد میں آ گئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس باب کی صریح حدیثوں میں کوئی حدیث بھی صحیحین کی نہ تھی۔ گو صحت کے لئے صحیحین کی حدیث ہونا کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں۔ اس لئے محدثانہ ضابطہ کے مطابق نقد و تبصرہ کو یہاں کچھ نہ کچھ وسعت مل گئی لیکن یہ بات کچھ اسی باب کی حدیثوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہر کتاب پر شیخین کی کتابوں کے سوا جب صرف ضابطہ کی تنقید شروع کر دی جائے اور صرف راویوں پر جرح و تعدیل کو لیکر اس باب کے دیگر امور مہمہ کو نظر انداز کر ڈالا جائے تو پھر نقد کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اس تشدد و افراط کا ثمرہ گو وقتی طور پر کچھ مفید ہو تو ہو لیکن دوسری طرف اس کا نقصان بھی ضرور ہوتا ہے اور وقتی فتنے ختم ہو جانے کے بعد آئندہ امت کی نظروں میں یہ اختلاف اچھی حدیثوں میں بھی شک و تردد کا موجب بن جاتا ہے۔ یہاں جب آپ خارجی عوارض اور ماحول کے خاص حالات سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس موضوع کی احادیث پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ امام ممدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک ہمیشہ بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

محققین غلدون کے کلام کو جہاں تک ہم نے سمجھا ہے اس کا خلاصہ تین باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱)..... جرح و تعدیل میں جرح کو ترجیح ہے۔ (۲) امام ممدی کی کوئی حدیث صحیحین میں موجود نہیں۔ (۳)..... اس باب کی جو صحیح حدیثیں ہیں ان میں امام ممدی کی تصریح نہیں۔

فن حدیث کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں کچھ وزن نہیں رکھتیں کیونکہ ہمیشہ اور ہر جرح کو ترجیح دینا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ چنانچہ خود محقق موصوف کو جب اس کا حنبہ ہوا کہ اس قاعدے کے تحت تو صحیحین کی حدیثیں بھی مجروح ہو جاتی ہیں تو اس کا جواب انہوں نے صرف یہ دے دیا ہے کہ یہ حدیثیں چونکہ علماء کے درمیان مسلم ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ مجروح نہیں کسی جاسکتیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جب قاعدہ یہ ٹھہرا تو پھر علماء کو وہ مسلم ہی کیوں ہوئیں؟۔

رہا امام مہدی کی حدیثوں کا صحیحین میں مذکور نہ ہونا تو یہ اہل فن کے نزدیک کوئی جرح نہیں ہے۔ خود ان ہی حضرات کا اقرار ہے کہ انہوں نے جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب کی سب اپنی کتابوں میں درج نہیں کیں، اسی لئے بعد میں ہمیشہ محدثین نے مستدرکات لکھی ہیں۔ اب رہی تیسری بات تو یہ دعویٰ بھی تسلیم نہیں کہ صحیح حدیثوں میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں ہے۔ کیا وہ حدیثیں جن کو امام ترمذی و ابو داؤد وغیرہ جیسے محدثین نے صحیح و حسن کہا ہے صرف محقق موصوف کے بیان سے صحیح ہونے سے خارج ہو سکتی ہیں؟۔ دوم یہ کہ جن حدیثوں کو محقق موصوف نے بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ اگر وہاں ایسے قوی قرائن موجود ہیں جن سے اس شخص کا امام مہدی ہونا تقریباً یقینی ہو جاتا ہے تو پھر امام مہدی کے لفظ کی تصریح ہی کیوں ضروری ہے؟۔ سوم یہاں اصل بحث مصداق میں ہے۔ مہدی کے لفظ میں نہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک خلیفہ ہو نا اور ایسی خاص صفات کا حامل ہونا جو بقول روایت عمر بن عبد العزیز جیسے شخص میں بھی نہ تھیں ثابت ہے تو بس اہل سنت کا مقصد اتنی بات سے پورا ہو جاتا ہے کیونکہ مہدی تو صرف ایک لقب ہے۔ علم اور نام نہیں، اور یہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ مہدی کا لفظ بطور لقب دوسرے اشخاص پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اگرچہ سب میں کامل مہدی وہی ہیں جن کا ظہور آئندہ زمانے میں مقدر ہے۔ یہ ایسا سمجھئے جیسا دجال کا لفظ حدیثوں میں سترہ عیان نبوت کو دجال کہا گیا ہے مگر دجال اکبر وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ ہاں! اس لقب کی زد اگر پڑتی ہے تو ان اصحاب پر پڑتی ہے جو مہدی کے سانھ ساتھ کسی قرآن کے منتظر بیٹھے ہیں۔ محقق موصوف کی پوری بحث پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ محقق موصوف کی اصل نظر اسی فتنہ کی طرف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ حدیثوں سے کسی ایسے مہدی کا وجود ثابت نہ ہو جس پر ایمان و قرآن کا دار و مدار ہو اور جیسا کہ نقد و تبصرہ کے وقت ہر شخص اپنے طبعی اور علمی تاثرات سے مشکل بری رہ سکتا ہے۔ اسی طرح محقق موصوف بھی یہاں اس سے بچ نہیں سکے اور فن تاریخ کی سب سے کٹھن منزل یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے بڑے سے بڑے علماء کی توثیق نقل کرنے کے بعد بھی ان کا رجحان طبع انہیں علماء کی

جانب رہا ہے جنہوں نے کوئی نہ کوئی جرح ان حدیثوں میں نکال کھڑی کی ہے اور صرف جرح کے مقدم ہونے کو ایک قاعدہ کلیہ بنا کر بس اسی سے کام لیا ہے۔ اگر محقق موصوف جرح کے اسباب و مراتب پر غور فرما لیتے تو شاید ہر مقام پر ان کا رجحان اس طرف نہ رہتا۔

اسم المہدی ونسبہ وحلیۃ الشریفہ

(۱)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكُ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قُلْتُ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَسَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَالْمُنْذَرِيُّ وَابْنُ الْقَيْمِ وَقَالَ الْحَاكِمُ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَزَائِدَةُ وَغَيْرُهُمْ مِنْ أَيْمَةِ الْمُسْلِمِينَ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ وَطَرُقَ عَاصِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ كُلَّهَا صَحِيحَةً.“

امام مہدی کا نام و نسب اور ان کا حلیہ شریف

﴿عبداللہ من مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوگا جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرے ہم نام ہوگا۔ (ترمذی باب ما جاء فی المہدی ص ۷ ج ۲)﴾

(۲)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَلِيَ . التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.“

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اگر دنیا کے خاتمہ میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اور دراز فرمادے گا۔ یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم ہو کر رہے گا۔ (ترمذی شریف ص ۷ ج ۲)﴾

(۳)..... ”عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَنَظَرَ إِلَى ابْنِهِ الْحَسَنِ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمَّى بِاسْمِهِ نَبِيِّكُمْ ﷺ يَشْتَبِهُ فِي الْخُلُقِ وَلَا يَشْتَبِهُ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ

قِصَّةٌ يَمْلَأُ النَّارَ رِضًا عَدْلًا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي عَمْرِ بْنِ قَيْسٍ لَا بَأْسَ بِهِ فِي حَدِيثِهِ خَطَاءٌ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ صَدُوقٌ لَهُ أَوْهَامٌ وَأَمَّا أَبُو اسْحَقَ السَّبْيَعِيُّ فَرَوَايَتُهُ عَنْ عَلِيٍّ مُنْقَطِعَةٌ.

حضرت علیؑ نے اپنے فرزند حضرت حسنؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ فرزند سید ہوگا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہو گا وہ عادات میں آپ ﷺ کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ان کے عدل و انصاف کا حال ذکر فرمایا۔ (ابوداؤد کتاب المہدی ص ۱۳۱ ج ۲)

(۴) ”عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللَّهُ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ بَيْتِي يَمْلَأُهَا قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مِلْتُ جَوْرًا.“
رواہ ابوداؤد وفی اسنادہ فطر بن خلیفۃ الکوفی وثقہ أحمد ویحیی بن سعید القطان ویحیی بن معین والنسائی والعجلی وابن سعید والساجی وقال أبو حاتم صالح الحدیث وأخرج له البخاری قال الحدیث قوی۔“
حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اگر قیامت میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے قبل ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱ ج ۲)

(۵) ”عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ.“
رواہ ابن ماجہ وفیہ علی بن النقیلی الہندی قال أبو حاتم لا بأس بہ أخرج له ابوداؤد وابن ماجہ کذا فی الاذاعة۔“

سعید بن المسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس حاضر تھے ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ ﷺ

فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں ہوں گے۔ (لکن ماجہ باب خروج المہدی ص ۳۰۰) ﴿

(۶).....”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ نَحْنُ وَلَدُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ سَادَةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَنَا وَحَمْزَةُ وَعَلِيٌّ وَجَعْفَرُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَالْمَهْدِيُّ. رواه ابن ماجه وفي الزوائد وفي اسناده مقال وعلى بن زياد لم ار من وثقه ولا من جرح وباقى رجال اسناده موثقون وراجع له الا ذاعة.“

﴿ حضرت انسؓ میان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد والہل جنت کے سردار ہوں گے۔ یعنی میں حمزہ، علی، جعفر، حسن حسین اور مہدی رضی اللہ عنہم اجمعین (ابن ماجہ ص ۳۰۰) ﴿

(۷).....”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَهْدِيُّ مِنِّي أَجَلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الْأَنْفِ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مَلَأَتْ ظُلُمًا وَجَوْرًا وَيَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ (رواه ابوداؤد) قال المنذرى فى اسناده عمران القطان وهو ابوالعوام عمران بن داود القطان البصرى استشهد به البخارى ووثقه عفان بن مسلم واحسن عليه الثناء يحيى بن سعيد القطان“

﴿ ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی میری اولاد میں سے ہو گا جس کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہو گی اور جو دنیا کو عدل و انصاف سے پھر بھر دے گا۔ جبکہ اس وقت وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہو گی ان کی حکومت سات سال تک رہے گی۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱ ج ۲) ﴿

(۸).....”عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَتَكُونُ بَعْدِي بُعُوثٌ كَثِيرَةٌ فَكُونُوا فِي بَعْثِ خُرَاسَانَ. رواه ابن عدى وابن عساكر والسيوطى فى الجامع الصغير.“

﴿بریدہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد بہت سے لشکر ہوں گے تم اس لشکر میں شامل ہونا جو خراسان سے آئے گا۔ (جامع الاحادیث للیسوطی ص ۱۴ ج ۶ حدیث نمبر ۱۳۰۷۰)﴾

(۹)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأْيَاتٌ ”سُودٌ“ فَلَا يَرُدُّ هَاشَتِي“ حَتَّى تُنْصَبَ بِإِيلِيَاءَ . الترمذی“
 ﴿ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خراسان کی طرف سے سیاہ سیاہ جھنڈے آئیں گے کوئی طاقت ان کو واپس نہیں کر سکے گی۔ یہاں تک کہ وہ بیت مقدس میں نصب کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی شریف ابواب الفتن ص ۵۲ ج ۲)﴾
 حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ جھنڈے وہ نہیں ہیں جو ایک مرتبہ ابو مسلم خراسانی لیکر آیا تھا جس نے بنو امیہ کا ملک چھین لیا تھا بلکہ یہ دوسرے ہیں جو امام مہدی کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ کذا فی الحلوٰی ج ۲ ص ۶۰ نعیم بن حماد حضرت حمزہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈے چھوٹے چھوٹے ہوں گے۔ (حاوی ص ۶۸، ۶۹ ج ۲)

(۱۰)..... ”عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَخْرُجُ مِنَ الْمَشْرِقِ رَأْيَاتٌ ”سُودٌ“ لِبَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ يَمْكُثُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ تَخْرُجُ رَأْيَاتٌ ”سُودٌ“ صِغَارٌ تُقَابِلُ رَجُلًا مِنْ وَلَدِ أَبِي سَفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ يُؤْذُونَ الطَّاعَةَ لِلْمُهَدِيِّ كَذَا فِي الْحَاوِي ص ۶۹ ج ۲ وَفِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ قَالَ تَخْرُجُ رَأْيَاتٌ ”سُودٌ“ لِبَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ أُخْرَى ”سُودٌ“ فَلَا نِسْهُمُ وَتِيَابُهُمْ بَيْضٌ“ عَلَى مُقَدِّمَتِهِمْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ شُعَيْبُ بْنُ صَالِحٍ مِنْ تَمِيمٍ يَهْزِمُونَ أَصْحَابَ السُّفْيَانِيَّ الخ .
 الحاوٰی ص ۶۸ ج ۲“

﴿سعید بن المسیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرق کی سمت ایک مرتبہ بنو العباس سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا رہیں گے۔ اس کے بعد پھر چھوٹے چھوٹے جھنڈے نمودار ہوں گے جو ابو سفیان کی

اولاد اور اس کے رفقاء کے ساتھ جنگ کریں گے اور مہدی کی تالیحداری کریں گے۔

ظہور المہدی ومبايعه اهل مكة

ایاہ بین الرکن والمقام

(۱۱)..... ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيَخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيَبَايَعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَيُخَسَفُ بِهِمُ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذَلِكَ أَنَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيَبَايَعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ أَخُوَالَهُ كَلْبٌ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِمْ بَعَثًا فَيُظْهِرُونَ عَلَيْهِمْ وَذَلِكَ بَعْثٌ كَلْبٍ وَالْخَبِيئَةُ لِمَنْ لَّمْ يَشْهَدْ غَنِيمَةَ كَلْبٍ فَيُقْسِمُ الْمَالُ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقَى الْإِسْلَامُ بِجِرَانِهِ إِلَى الْأَرْضِ فَيُلْبِثُ سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ يَتَوَفَّى وَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ . رواه ابو داؤد والحديث ادخله ابو داؤد فى باب المهدى و اشار اليه الترمذى بما فى الباب والحديث سكت عنه ابو داؤد ثم المنذرى وابن القيم وفى الا ذاعة رجاله رجال الصحيحين لا مطعن فيهم ولا مغمز . العون ص ۱۷۶ ج ۴“

امام مہدی کا ظہور اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان

اہل مکہ کی ان سے بیعت کرنا

حضرت ام سلمہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد کچھ اختلاف رونما ہو گا۔ اس وقت ایک شخص مدینہ کا باشندہ بھاگ کر مکہ مکرمہ آئے گا۔ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو مجبور کر کے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت کر لیں گے پھر شام سے اس کے مقابلے کے لئے

ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ ان کی یہ کرامت دیکھیں گے تو شام کے بڈال اور عراق کی جماعتیں بھی آکر ان سے بیعت کریں گی۔ اس کے بعد پھر قریش میں ایک شخص ظاہر ہو گا جس کے ماموں قبیلہ کلب کے ہوں گے۔ وہ ظاہر ہو کر ان کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو (امام مہدی کو) ان کے اوپر غالب فرمائے گا اور یہ بنو کلب کا لشکر ہو گا۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو اس قبیلہ کلب کی غنیمت میں شریک نہ ہو۔ کامیابی کے بعد وہی شخص اس مال کو تقسیم کرے گا اور سنت کے مطابق لوگوں سے عمل کرائے گا اور اس کے عہد میں تمام روئے زمین پر اسلام ہی اسلام پھیل جائے گا اور سات برس تک وہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد اس کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ (ابوداؤد ص ۳۱ ج ۲)

ابوداؤد نے اس روایت کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور امام ترمذی نے جب امام مہدی کی حدیثیں روایت کرنے والے صحابہ کے اسماء شمار کرائے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت ام سلمہؓ کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اس باب کی دوسری حدیثوں پر نظر کر کے یہ جزم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ اس شخص کا نام مذکور نہیں۔ مگر یقیناً وہ امام مہدی ہی ہیں کیونکہ مجموعی لحاظ سے یہ وہی اوصاف ہیں جو امام مہدی میں ہوں گے اور اسی وجہ سے ابوداؤد نے اس حدیث کو امام مہدی کی حدیثوں کے باب میں درج فرمایا ہے۔ ابن خلدون بھی اس پر کوئی خاص جرح نہ کر سکا صرف یہ کہہ سکا کہ اس روایت میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں۔

(۱۲)..... "عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَلَاءَ يُصِيبُ هَذِهِ الْأُمَّةَ حَتَّى لَا يَجِدَ الرَّجُلُ مُلْجَأً يُلْجَأُ إِلَيْهِ مِنَ الظُّلْمِ فَيَبْتَغِيَ اللَّهَ رَجُلًا مِنْ عِزَّتِي وَأَهْلِ بَيْتِي فَيَمْلَأُ بِهِ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مِلْتُ ظُلْمًا وَجَوْرًا يَرْضَى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْأَرْضِ لَا تَدْعُ السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِهَا شَيْئًا إِلَّا صَبَتْهُ مِدْرَارًا وَلَا تَدْعُ الْأَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَيْئًا إِلَّا أَخْرَجَتْهُ حَتَّى يَتَمَتَّى الْأَخْيَاءُ الْأَمْوَاتُ يَعِيشُ فِي ذَلِكَ سَبْعَ سِنِينَ أَوْ ثَمَانِ سِنِينَ

أَوْ تَسْنَعُ سَيِّئِينَ . رواه الحاكم في مستدرکه كما فی مشکوٰۃ “

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پیش آنے والی ہے۔ ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہو گا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے پھرویا ہی بھر دے گا جیسا وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی زمین اور آسمان کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے۔ آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہو گی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی و ظلم کی حالت میں گزر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے۔ اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ باب اشراط الساعة

ص ۴۷۱، مستدرک بتفسیر یسر ص ۶۵۹ ج ۵ حدیث نمبر ۸۴۸۶)

(۱۳)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَبَلَ فِتْيَةٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ فَلَمَّا رَأَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ اغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ وَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ قَالَ فَقُلْتُ مَا نَزَالُ نَرَى فِي وَجْهِكَ شَيْئًا نَكْرَهُهُ فَقَالَ إِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ اخْتَارَ اللَّهُ لَنَا الْآخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا وَإِنَّ أَهْلَ بَيْتِي سَيَلْقَوْنَ بَعْدِي بَلَاءً وَتَشْدِيدًا وَتَطْرِيدًا حَتَّى يَأْتِيَ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَعَهُمْ رَأْيَاتٌ سُودٌ فَيَسْأَلُونُ الْخَيْرَ فَلَا يُعْطُونَهُ فَيَقَاتِلُونَ فَيُنْصَرُونَ فَيُعْطَوْنَ مَا سَأَلُوا فَلَا يَقْبَلُونَهُ حَتَّى يَدْفَعُوَهَا إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَيَمْلَأُهَا قِسْطًا كَمَا مَلَأُهَا جَوْرًا فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَأْتِهِمْ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ (رواه ابن ماجه قال السندهى الظاهر انه اشارة الى المهدي الموعود ولذلك ذكر المصنف هذا الحديث فى هذا الباب والله تعالى اعلم بالصواب وفى الزوائد اسناده ضعيف لضعف يزيد بن ابى زياد الكوفى لكن مم ينفرد يزيد ابن ابى زياد عن ابراهيم فقد رواه الحاكم فى المستدرک من طريق عمرو بن قيس عن الحكم عن ابراهيم قلت ورواه السيوطى فى الحاوى

ص ۶۰ ج ۲ بروایۃ ابن ابی شیبۃ ونعیم بن حماد وابی نعیم وفی آخره
فانہ المہدیؑ

عبداللہ بیان فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو
ہاشم کے چند نوجوان آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو
آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں
کہ ہم نے عرض کی بات ہے۔ ہم آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر وہ آثار غم دیکھتے ہیں جس سے
ہمارا دل آزرده ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے گھرانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی جائے
آخرت عنایت فرمائی ہے۔ میرے بعد میرے اہل بیت کو بڑی آزمائشوں کا سابقہ پڑے گا۔ ہر
طرف سے بھگائے اور نکالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے کالے
جھنڈے لئے ہوئے آئے گی۔ میرے اہل بیت ان سے طالب خیر ہوں گے لیکن وہ ان کو
نہیں دیں گے۔ اس پر سخت جنگ ہوگی۔ آخر وہ شکست کھائیں گے اور جو ان سے طلب کیا تھا
پیش کریں گے مگر وہ اس کو قبول نہ کر سکیں گے۔ آخر کار وہ ان جھنڈوں کو ایک ایسے شخص
چپکے حوالہ کریں گے جو میرے اہل بیت سے ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے پھر اسی
طرح بھر دے گا جیسا لوگوں نے اس سے قبل ظلم و تعدی سے بھر دیا ہوگا۔ لہذا تم میں سے
جس کو اس کا زمانہ ملے وہ ضرور اس کے ساتھ ہو جائے۔ اگرچہ اس کو عرف پر گھسٹ کر چلنا
پڑے۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۹) ﴿

(۱۴)..... ”عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْتُلُ عِنْدَ
كَبْرِكُمْ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ابْنُ خَلِيفَةٍ ثُمَّ لَا يَصِيرُ إِلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرِّأْيَاتُ
السُّودُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيَقْتُلُونَكُمْ قَتْلًا لَمْ يَقْتُلْهُ قَوْمٌ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا لَا
أَحْفَظُهُ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَبَايَعُوهُ وَلَوْ حَبَوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللَّهِ
الْمَهْدِيُّ (رواه ابن ماجه) قال السندي اخرجنا ابو الحسن بن سفيان في
مسنده وابو نعيم في كتاب المهدى من طريق ابراهيم بن سويد الشامي
في الزوائد هذا اسناده صحيح رجاله ثقات ورواه الحاكم في المستدرک“

﴿ثوبانؓ﴾ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بڑھاپے میں تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے پھر ان کے خاندان میں سے کسی کو امارت نہیں ملے گی پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمایاں ہوں گے اور تم کو اس بری طرح سے قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل عام نہ کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اور بیان فرمایا جو مجھ کو یاد نہیں ہے پھر فرمایا جب اس شخص کو تم دیکھو تو اس سے بیعت کر لینا۔ اگرچہ برف کے اوپر گھسٹ کر چلنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مدی ہو گا۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۰)

(۱۵)..... ”عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الرِّأْيَاتِ السُّودَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَّاسَانَ فَأَتَوْهَا وَلَوْ حَبَوًّا عَلَى التَّلَجِّ فَإِنَّ فِيهَا خَلِيفَةَ اللَّهِ الْمَهْدِيَّ. رواه احمد والبيهقي في الدلائل وسنده صحيح كذا في الاذاعة ص ۶۸“

﴿ثوبانؓ﴾ جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آرہے ہیں تو ان میں شامل ہو جاؤ۔ اگرچہ برف کے اوپر گھسٹوں کے بل چلنا ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مدی ہو گا۔ (احمد ص ۷۷ ج ۵)

(۱۶)..... ”عَنْ أَبِي الصَدِّيقِ النَّاجِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَكُونُ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ إِنْ قَصَرَ فَسَبْعٌ وَإِلَّا فَتِسْعٌ تَنْعَمُ أُمَّتِي فِيهِ نِعْمَةٌ لَمْ يَنْعَمُوا مِثْلَهَا قَطُّ تُؤْتِي الْأَرْضَ أَكْلَهَا لَا تَدْخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَالْمَالُ يَوْمئِذٍ كُدَّاسٌ يَقُومُ الرَّجُلُ فَيَقُولُ يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِي فَيَقُولُ خُذْ. رواه الحاكم في المستدرک وَاخْرَجَ حَدِيثَ أَبِي سَعِيدٍ مِنْ طَرَقٍ مُتَعَدَّةٍ وَحَكَمَ عَلَى بَعْضِهَا بِإِنِّهِ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَهٍ وَفِيهِ زَيْدُ الْعَمَى ص ۵۵۸ ج ۴“

﴿ابو الصديق ناجی﴾ بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں مہدی ہوگا جو کم سے کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا۔ ان کے زمانے میں میری امت اتنی خوشحال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوشحال نہ ہوئی ہوگی۔ زمین اپنی ہر قسم کی پیداوار ان کے لئے نکال کر رکھ دے گی اور کچھ بچا کر نہ رکھے گی اور مال اس زمانے میں کھلیان میں اناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا۔ اے مہدی! مجھے کچھ دیجئے وہ فرمائیں گے۔ جتنا مرضی میں آئے اٹھالے۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۹) ﴿

(۱۷)..... ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيشُ حَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ تِسْعًا زَيْدُ الشَّائِكُ قَالَ قُلْنَا وَمَا ذَاكَ قَالَ سَيَنْبَغُ قَالَ فَيَجِيئُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُولُ يَا مَهْدِيَّ أَعْطِنِي أَعْطِنِي قَالَ فَيُحِثِّي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ. رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن وقدری من غیر وجه عن ابی سعید عن النبی ﷺ و ابو الصدیق الناجی اسمہ بکر بن عمرو ویقال بکر بن قیس وفی اسنادہ زید العمی وروی البزار نحوه ورجاله ثقات کما فی الاذاعة.“

﴿ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے بعد کیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو تک حکومت کرے گا۔ (زید راوی حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) میں نے پوچھا کہ اس عدد سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا سال۔ ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے آکر سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے مہدی! مجھ کو کچھ دیجئے مجھ کو کچھ دیجئے یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دیں گے جتنا اس سے اٹھ سکے گا۔ (ترمذی ص ۷۴ ج ۲) ﴿

(۱۸)..... ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي الْمَنْدِيُّ يَسْقِيهِ اللَّهُ الْغَيْثَ وَتَخْرُجُ الْأَرْضُ نَبَاتَهَا

وَيُعْطَى الْمَالَ صِحَاحًا وَتَكْثُرُ الْمَا شِيَّةُ وَتَعْظُمُ الْأَمَّةُ وَيَعِيشُ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيًا
يَعْنِي حِجَابًا. اخرجہ الحاکم فی المستدرک وفيہ سلیمان بن عبید ذکرہ
ابن حبان فی الثقات ولم یروا احدا تکلم فیہ . کذا فی الاذاعة

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے
آخر میں ایک شخص مہدی ظاہر ہوگا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ خوب بارش نازل فرمائے گا۔
اور زمین کی پیداوار بھی خوب ہوگی اور مال حصہ رسد سب کو برابر تقسیم کرے گا اور موسیوں
کی کثرت ہو جائے گی اور امت کو بہت عظمت حاصل ہوگی۔ سات یا آٹھ سال تک اس
فرمانی سے رہے گا۔ راوی کہتا ہے کہ ساتھ یا آٹھ سے آپ ﷺ کی مراد ”سال“
تھے۔ (مستدرک ص ۷۷۲ ج ۵ حدیث نمبر ۸۷۱۶) ﴿

(۱۹).....”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
أَبَشِّرْكُمْ بِالْمَهْدِيِّ يُبْعَثُ فِي أُمَّتِي عَلَى اخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَزَلَزِلَ فِيمَا
الْأَرْضُ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مَلِئْتُ جَوْرًا وَظُلْمًا يَرْضَى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ
وَسَاكِنُ الْأَرْضِ يَقْسِمُ الْمَالَ صِحَاحًا فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ”مَا صِحَاحًا؟“ قَالَ
بِالسُّوِّيَّةِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ وَيَطْلَأُ قُلُوبَ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ غَنَى وَيَسْعُهُمْ عَدْلُهُ
حَتَّى يَأْمُرُ مُنَادِيًا يُنَادِي فَيَقُولُ مَنْ لَهُ فِي مَالٍ حَاجَةٌ فَمَا يَقُومُ مِنَ النَّاسِ
أَحَدٌ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ فَيَكُونُ كَذَلِكَ سَنَعِ سِنِينَ . قال السيوطي في الحاوي
رواه احمد في مسنده و ابويعلى بسند جيد وفي الاذاعة رجالهما ثقات“

ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا
میں تم کو مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو ایسے زمانے میں ظاہر ہوں گے جبکہ لوگوں میں بڑا
اختلاف ہوگا اور بڑے زلزلے آئیں گے وہ آکر پھر زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر
دیں گے جیسا کہ وہ اس کی آمد سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی آسمان کے فرشتے اور زمین
کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے اور مال تقسیم کریں گے صحاح۔ سوال کیا گیا صحاح
کے معنی کیا ہیں؟ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ سب میں برابر (مال تقسیم

کریں گے) اور امت محمدیہ کے دل غنا سے بھر دیں گے اس کا انصاف بلا تخصیص سب میں عام ہوگا (اس کے زمانے میں فراغت کا یہ عالم ہوگا کہ) وہ ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیں گے وہ اعلان کرے گا کسی کو مال کی ضرورت باقی ہے؟ تو صرف ایک شخص کھڑا ہوگا اسی حالت پر سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ (احمد ص ۷۳ ج ۳) ﴿

(۲۰)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي خَلِيلِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَيَضْرِبُهُمْ حَتَّى يَرْجِعُوا إِلَى الْحَقِّ قَالَ قُلْتُ وَكَمْ يَمْلِكُ قَالَ خَمْسًا وَاثْنَيْنِ قَالَ قُلْتُ وَمَا خَمْسًا وَاثْنَيْنِ قَالَ لِأَذْرِي. أَخْرَجَهُ ابُو يَعْلَى وَفِيهِ الرِّجَالُ ابْنُ الرِّجَالِ وَثَقَهُ ابُو زُرْعَةَ وَضَعْفَهُ ابْنُ مَعِينٍ وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ قَالَ الشُّوْكَانِيُّ كَذَابِي الْأَذَاعَةُ"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل ابو القاسمؓ نے بیان فرمایا (ابو القاسم رسول اللہؐ کی کنیت ہے) قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہو۔ وہ اہل دنیا کو زبردستی راہ حق پر قائم کرے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا اس کی حکومت کتنے دن قائم رہے گی۔ انہوں نے فرمایا پانچ اور دو (یعنی سات) یہ کہتے ہیں میں نے پوچھا ۵ اور دو کیا؟۔ انہوں نے کہا یہ میں نہیں جانتا کہ مراد سات سال تھے یا مینے گزشتہ روایات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہاں سال ہی مراد ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ) ﴿

(۲۱)..... "عَنْ يُسَيْرِ بْنِ جَابِرٍ قَالَ هَاجَتْ رِيحٌ حَمْرَاءُ بِالْكُوفَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ لَيْسَ لَهُ هِجَيْرِي إِلَّا يَاعْبُدُ اللَّهَ بَنٍ مَسْبُوعٍ جَاءَتْ السَّاعَةُ قَالَ فَقَعْدَ وَكَانَ مُتَكِنًا فَقَالَ إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُومُ حَتَّى لَا يُقَسِّمَ مِيرَاثٌ وَلَا يُفْرَحَ بِغَنِيمَةٍ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَنَحَاهَا نَحْوُ الشَّامِ فَقَالَ عَدُوٌّ يَجْمَعُونَ لِأَهْلِ الشَّامِ وَيَجْمَعُ لَهُمْ أَهْلُ الْإِسْلَامِ قُلْتُ الْبُرُومَ تَعْنِي قَالَ نَعَمْ قَالَ وَيَكُونُ عِنْدَ ذَاكُمُ الْقِتَالُ رِدَّةً شَدِيدَةً فَيَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُونَ شَرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا

غَالِبَةً فَيَقْتُلُونَ حَتَّى يَخْجَزُ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِئُ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشَّرْطَةُ ثُمَّ يَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُونَ شَرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتُلُونَ حَتَّى يَخْجَزُ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِئُ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشَّرْطَةُ ثُمَّ يَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُونَ شَرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتُلُونَ حَتَّى يُمَسُّوا فَيَفِئُ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشَّرْطَةُ فَإِذَا كَانَ الْيَوْمُ الرَّابِعُ نَهَدَ إِلَيْهِمْ بَقِيَّةَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللَّهُ الدَّابِرَةَ عَلَيْهِمْ فَيَقْتُلُونَ مَقْتَلَةً إِمَّا قَالَ لَا يُرَى مِثْلُهَا وَإِمَّا قَالَ لَمْ يَرِ مِثْلُهَا حَتَّى إِنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنَابِهَا بِهَمٍّ فَمَا يَخْلِفُهُمْ حَتَّى يَخْرُ مِتًّا فَيَتَعَادُ بَنُو لَآبٍ كَانُوا مِائَةً فَلَا يَجِدُونَهُ بَقِيَ مِنْهُمْ إِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِأَيِّ غَنِيمَةٍ يُفْرَحُ أَوَّيْ مِيرَاثٍ يُقَاسَمُ فَبَيْنَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ سَمِعُوا بَيَاسٍ هُوَ أَكْبَرُ مِنْ ذَلِكَ فَجَاءَ هُمْ الصَّرِيخُ إِنَّ الدَّجَالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فَيُذَرِّبُهُمْ فَيَرْفُضُونَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَيَقْبَلُونَ فَيَبْعَثُونَ عَشْرَ فُؤَارِسَ طَلِيعَةً قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَ هُمْ وَأَسْمَاءَ أَبَائِهِمْ وَالْوَنَ خِيُولَهُمْ هُمْ خَيْرُ فُؤَارِسَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ أَوْ مِنْ خَيْرِ فُؤَارِسَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ . رواه مسلم

ہیویر بن جلد سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی۔ ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا۔ اے عبد اللہ بن مسعود قیامت آئی۔ یہ سن کر عبد اللہ بن مسعود بیٹھ گئے پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی۔ یہاں تک کہ ترکہ نہ بنے گا اور مال غنیمت سے کچھ خوشی نہ ہوگی (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو مال غنیمت کی کیا خوشی ہوگی) پھر شام کے ملک کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا (نصاری) دشمن مسلمانوں سے جنگ کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے۔ میں نے کہا دشمن سے آپ کی مراد نصاریٰ ہیں؟۔ انہوں نے فرمایا ”ہاں“ اور اس وقت لڑائی شروع ہوگی۔ مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کی شرط لگا کر آگے بڑھے گا۔ یعنی اس قصد سے

لڑے گا کہ یا مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے پھر دونوں لشکروں میں جنگ ہوگی۔ یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی۔ کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور جو لشکر لڑائی کے لئے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا۔ (یعنی سب مارا جائے گا) دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لئے اور غالب ہونے کے لئے جائے گا اور لڑائی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ فنا ہو جائے گا پھر تیسرے دن مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے۔ مرنے یا غالب ہونے کی نیت سے اور شام تک لڑائی رہے گی پھر دونوں کی طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور وہ لشکر بھی فنا ہو جائے گا۔ جب چوتھا دن ہو گا جو جتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے وہ سب آگے بڑھیں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ (رہلوی کو لفظ میں شک ہے) یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کی نعشوں سے پرواز کرے گا پر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا (یعنی اس کثرت کے ساتھ لاشیں ہی لاشیں ہو جائیں گی) اور جب ایک دادا کی اولاد کی مردم شماری کی جائے گی تو فیصدی ۹۹ آدمی مارے جا چکے ہوں گے اور صرف ایک بچا ہو گا۔ ایسی حالت میں بکونا سے مال غنیمت سے خوشی ہوگی اور کون سا ترکہ تقسیم ہو گا۔ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے اور وہ یہ کہ شور پچے گا کہ ان کے بال بچوں میں دجال آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہو گا سب چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور دس سواروں کو لین ڈوری کے طور پر روانہ کریں گے (تاکہ دجال کی خبر کی تحقیق کر کے لائیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی جانتا ہوں۔ وہ اس وقت تمام روئے زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔ (مسلم شریف، کتاب الفتن و اشراط الساعة ص ۳۹۲ ج ۲) ﴿

يَنْتَ جَانِبٌ مِنْهَا فِي الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَغْرُوهَا سَبْعُونَ أَلْفًا مِنْ بَنِي إِسْحَاقَ فَإِذَا جَاؤَهَا نَزَلُوا فَلَمْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحٍ وَلَمْ يَرْمُوا بِسَهْمٍ قَالُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ فَيَسْقُطُ أَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُ (ابن يزيد الراوى) لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُولُونَ الثَّانِيَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ فَيَسْقُطُ جَانِبُهَا الْآخَرُ ثُمَّ يَقُولُونَ الثَّلَاثَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ فَيَفْرَجُ لَهُمْ فَيَذْخُلُونَهَا فَيَغْنِمُونَ فَبَيْنَا هُمْ يَنْتَسِمُونَ الْمَغَابِمَ إِذَا جَاءَهُمُ الصَّرِيحُ فَقَالَ أَنَّ الدَّجَالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرَكُونَ كُلَّ شَيْءٍ وَيَرْجِعُونَ . مسلم

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے وہ شر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں اور دوسری جانب سمندر میں ہے؟۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سنا ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس پر چڑھائی نہ کریں۔ جب وہ اس شر کے پاس جا کر اتریں گے تو نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے نہ کوئی تیر چلائیں گے۔ بلکہ ایک نعرہ تکبیر لگائیں گے جس کی برکت سے شہر کی ایک جانب گر پڑے گی تو ان یزید جو اس حدیث کا ایک راوی ہے۔ کہتا ہے جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے میان کرنے والے نے اس جانب کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ وہ جانب سمندر کے رخ والی ہوگی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ نعرہ تکبیر لگائیں گے تو اس کی دوسری جانب بھی گر جائے گی اس کے بعد جب تیسری بار نعرہ تکبیر بلند کریں گے تو دروازہ کھل جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اس درمیان میں کہ وہ مال غنیمت تقسم کر رہے ہوں گے کہ آواز آئے گی۔ دیکھو وہ دجال نکل پڑا۔ یہ سنتے ہی وہ سب مال و متاع چھوڑ کر لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم ص ۳۹۶ ج ۲ کتاب الفتن و اشراط الساعة)

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قسطنطنیہ کا ہے۔ یہاں نعرہ تکبیر سے شہر کے فتح ہو جانے پر تعجب کرنے والے مسلمان ذرا غور و فکر کے ساتھ ایک بار اپنی گزشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ اس قسم کے

عجائبات سے معمور ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی غیبی امدادیں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو اس زمانے میں جبکہ نہ دھانی جہاز تھے نہ فضائی طیارے اور نہ موٹر پھر بیج سکوں میں اسلام کو پھیلا دینا یہ کیسے ممکن تھا۔ آج جبکہ مادی طاقتوں نے سیر و سیاحت کا مسئلہ بالکل آسان کر دیا ہے جس حصہ زمین میں ہم پہنچتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ علماء بن حضرہ صحابی اور ابو مسلم خولانیؒ کا معہ اپنی فوج کے سمندر کو خشکی کی طرح عبور کر جانا تاریخ کا واقعہ ہے۔ خالد بن ولیدؓ کے سامنے مقام حمرہ میں زہر کا پیالہ پیش ہونا اور ان کا بسم اللہ کہہ کر نوش کر لینا اور اس کا نقصان نہ کرنا بھی تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ سفینہ آپ ﷺ کے غلام کا نام ہے کاروم میں ایک جگہ گم ہو جانا اور ایک شیر کا گردن جھکا کر ان کو لشکر تک پہنچانا اور حضرت عمرؓ کا مدینہ میں منبر پر اپنے جنرل ساریہ کو آواز دینا اور مقام نہاوند میں ان کا سن لینا اور حضرت عمرؓ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہو جانا۔ یہ تمام تاریخ کے مستند حقائق ہیں۔ ان واقعات کے سوا جو بسلسلہ سند ثابت ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے عجیب واقعات ایسے بھی ثابت ہیں جن میں سے کسی کسی کی شہادت تو انگریزوں کی زبان سے بھی ثابت ہے۔

(۲۳)..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخِينُ

الرُّومُ عَلَى وَالٍ مِنْ عِزَّتِي يُوَاطِئُ إِسْمُهُ إِسْمِي فَيَقْتُلُونَ بِمَكَانٍ يُقَالُ لَهُ الْعَمَاقُ فَيَقْتُلُونَ فَيَقْتُلُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الثُّلُثُ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ ثُمَّ يَقْتُلُونَ الْيَوْمَ الْآخَرَ فَيَقْتُلُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ نَحْوُ ذَلِكَ ثُمَّ يَقْتُلُونَ الثَّالِثَ فَيَكْرِوْنَ أَهْلَ الرُّومِ فَلَا يَزَالُونَ حَتَّى يَفْتَحُونَ الْقُسْطَنْطِينَ فَيَبْنِيَنَّهُمْ يَقْتَسِمُونَ فِيهَا بِالْأَنْرَاسِ إِذَا تَأَهُمُ صَارِخٌ أَنَّ الدَّجَالَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي ذُرَارِيكُمْ ۝ أَخْرَجَهُ الْخَطِيبُ فِي الْمَتَفَقِ وَالْمَقْتَرَقِ كَذَا فِي الْأَبَاعَةِ ص ۲۶“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رومی میرے خاندان کی ایک ولی سے عہد شکنی کریں گے۔ جس کا نام میرے ہی نام کی طرح ہو گا۔ پھر وہ عماق نامی جگہ پر جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا تہائی لشکر تقریباً اتنا ہی شہید کر دیا جائے

گا۔ پھر دوسرے دن جنگ کریں گے اور اتنی ہی مقدار شہید کر دی جائے گی۔ پھر تیسرے دن جنگ کریں گے اور مسلمان پلٹ کر رومیوں پر حملہ آور ہوں گے اور جنگ کا یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ فتح کر لیں گے پھر اس دوران میں کہ وہ ڈھالیں بھر بھر کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ ایک آواز لگائے والا یہ آواز لگائے گا کہ دجال تمہاری اولاد کے پیچھے لگ گیا ہے۔ ﴿

(۲۴)..... ”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوعًا قَالَ سَتَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الرُّومِ أَرْبَعُ هُدُنٍ يَوْمَ الرَّابِعَةِ عَلَى يَدِ رَجُلٍ مِنْ آلِ هَارُونَ يَدُومُ سَبْعَ سِنِينَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ إِمَامُ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ قَالَ مِنْ وَلَدِي ابْنُ أَرْبَعِينَ سِنَةً كَانَ وَجْهُهُ كَوَكْبٍ بَرِيٍّ فِي خَدِّهِ الْيَمَنِ خَالٌ أَسْبَدُ عَلَيْهِ عِبَائَتَانِ قَطُوعًا نِيَّتَانِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَمْلِكُ عَشْرَيْنِ سَنَةً يَسْتَخْرِجُ الْكُنُوزَ وَيَفْتَحُ مَذَائِنَ الشَّيْكِ ۰ كُنْزُ الْعَمَالِ ج ۱۴ ص ۲۶۸ حدیث نمبر ۳۸۶۸۰“

﴿ابو امامہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگی۔ چوتھی صلح ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو آل ہارون سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک براب قائم رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکدار اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا۔ اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا۔ بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا شخص ہس سال حکومت کرے گا۔ زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔ ﴿

(۲۵)..... ”عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمَ فَقَالَ أُعِدُّ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَوْتِي ثُمَّ فَتَحْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مَوْتَانِ يَأْخُذُفِيكُمْ كَقَعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيُظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ فَيَغْدُرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ

ثَمَانِينَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا . رواه البخاری ج ۱ ص ۴۵۰ باب
ما يحضر من الغدر .“

﴿عوف بن مالک﴾ سے روایت ہے کہ میں غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ چڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ باتیں گن رکھو۔ سب سے پہلے میری وفات۔ پھر بیت المقدس کی فتح۔ پھر تم میں عام موت ظاہر ہوگی جس طرح کہ بحریوں میں وبا کی مرض پھیل جائے (اور ان کی تباہی کا باعث بن جائے) پھر مال کی بہتات ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک شخص کو سو سودینار دیئے جائیں گے اور وہ خوش نہ ہوگا پھر فتنہ و فساد پھیل پڑے گا اور عرب کا کوئی گھر اس سے باقی نہ رہے گا۔ پھر صلح کی زندگی ہوگی اور یہ تمہارے اور بنی الاصفہ (رومی) کے درمیان قائم رہے گی۔ پھر وہ تم سے عہد شکنی کریں گے اور اسی جھنڈوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کر دیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہوگا۔ ﴿

اس حدیث میں قیامت سے قبل چھ علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی تعیین میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات ہیں اور ان کے ابہام کی وجہ سے ہونے چاہئیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث مذکور کے بعض الفاظ حضرت امام مہدی کے خروج کی علامات سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اگر ان کو ادھر ہی اشارہ قرار دیدیا جائے تو ایک قریبی احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس حدیث کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حدیث میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ لحاظ کئے بغیر کہ محقق لکن غلڈون اور ان کے اذنا اب اس کے معتقد ہیں یا نہیں۔

تنبیہ

یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ علماء کے نزدیک مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ اس لئے مجھ کو اس حدیث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت سے قبل اس کے ظہور کی چھ علامات ہیں یا بیش و کم۔ یہ وقت اور علامات کی حیثیت شمار کرنے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان کا کسی حیثیت سے چھ ہونا بھی ممکن ہے اور کسی لحاظ سے وہ کم اور زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ

وقتی لحاظ سے جن علامات کو آپ ﷺ نے یہاں شمار کر لیا ہے۔ ان کا عدد کسی خصوصیت پر مشتمل ہو۔ یہ بات صرف یہاں نہیں بلکہ دیگر حدیثوں کے موضوع میں بھی اگر آپ کے پیش نظر رہے تو بہت سی مشکلات کے لئے موجب حل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ فضل اعمال کی حدیثوں میں اختلاف ملتا ہے۔ اس کو پیچیدگیوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اختلاف بھی صرف وقتی اور شخصی اختلاف کے لحاظ سے پیدا ہو جانا بہت قرین قیاس ہے۔ مگر کیا کہا جائے منطقی عادات نے ہمارے ذہنی ساخت کو بدل دیا ہے۔ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

(۲۶) ”عَنْ ذِي مَخْبَرٍ (هُوَ ابْنُ أَخِي النَّجَاشِيِّ خَادِمُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ) قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ سَتُصَالِحُونَ الرُّومَ صَلَاحًا أَمِنًا فَتَغْزُونَ أَنْتُمْ وَهُمْ عَدُوٌّ مِنْ وَرَائِكُمْ فَتَنْصَرُونَ وَتَغْنِمُونَ وَتُسَلِّمُونَ ثُمَّ تُرْجِعُونَ حَتَّى تَنْزِلُوا بِمَرْجِ ذِي تُلُولٍ فَيَرْفَعُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ النَّصْرَانِيَّةِ الصَّلِيبَ فَيَقُولُ غَلَبَ الصَّلِيبُ فَيَغْضَبُ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَذُقُهُ فَعِنْدَ ذَلِكَ تَغْذُرُ الرُّومَ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ . رواه ابو داؤد“

ہذا ذی مخبرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ تم روم سے صلح کرو گے پوری صلح اور دونوں مل کر اپنے دشمن سے جنگ کرو گے اور تم کو کامیابی ہوگی اور مال غنیمت ملے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک زمین پر آکر لشکر اترے گا جس میں ٹیلے ہوں گے اور سبزہ ہوگا تو ایک شخص نصرانیوں میں سے صلیب لوٹھی کر کے کئے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آجائے گا۔ وہ اس صلیب کو لے کر توڑ ڈالے گا اور اس وقت نصاریٰ غداری کریں گے اور جنگ عظیم کے لئے سب ایک محاذ پر جمع ہو جائیں گے۔ (ابوداؤد باب ما یذکر من ملاحم روم ص ۳۲ ج ۲) ﴿

(۲۷) ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فَيَنْكُحُكُمْ وَأَمَّا مُكُومُكُمْ مِنْكُمْ (رواه الشيخان) وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ فَأَمَّاكُمْ وَفِي لَفْظَةٍ أُخْرَى فَأَمَّاكُمْ مِنْكُمْ“

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال

ہوگا جبکہ تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو خود تم میں سے ہوگا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کے ایک لفظ میں ہے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہوگا اور اس وقت کی نماز میں تمہارا امام وہی ہوگا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم، مسلم ج ۱ ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم) ﴿

حدیث مذکور میں: ”و امامکم منکم“ کی شرح بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ ہی پر عمل فرمائیں گے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہم ہی میں سے ہوں گے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے زمانے میں نازل ہوں گے جبکہ ہمارا امام خود ہم ہی میں سے ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی امیر و خلیفہ ہے۔

اس مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں ”فیقول امیر ہم تعال صل لنا“ کا دوسرا مضمون بھی آیا ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نماز کا وقت ہوگا اور امام مصلیٰ پر جا چکا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ امام پیچھے ہٹنے کا ارادہ کرے گا اور عرض کرے گا۔ آپ آگے تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو امامت کا حکم فرمائیں گے اور یہ نماز خود اسی کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔ یہاں امامت سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کا امام مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں مضمون بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اسی طرح علیحدہ علیحدہ منقول ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں لفظ: ”وامامکم منکم“ سے پہلا مضمون مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں مسلمانوں کا امیر ایک نیک شخص ہوگا جیسا کہ ان ماجہ کی حدیث میں۔ اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ترجمان السنہ ص ۵۸۶ ج ۳) اس میں: ”وامامکم منکم“ کی بجائے: ”وامامکم رجل صالح“ صاف موجود ہے۔ یعنی تمہارا امام ایک مرد صالح ہوگا۔ اب بعد میں کسی راوی نے اس کو دوسری روایت پر حمل کر کے امام سے مراد امامت

صغریٰ یعنی نماز کی امامت مراد لے لی ہے اور اس لئے اس کو بلفظ: ”امکم“ ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے اس کے ساتھ: ”منکم“ کا لفظ اور اضافہ کر دیا ہے اور جب ”امکم“ کے ساتھ لفظ ”منکم“ کی مراد واضح نہ ہو سکی تو پھر اس کی تاویل شروع ہو گئی ہے۔ ورنہ: ”امامکم منکم“ کا اصل لفظ بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی قوی حدیث نے اس کی پوری تشریح بھی کر دی ہے۔ لہذا جب صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ متعین ہو گیا کہ امام سے امیر و خلیفہ مراد ہے تو اب بحث طلب بات صرف یہ رہتی ہے کہ یہ امام اور رجل صالح کیا وہی امام مہدی ہی ہیں یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس امام اور رجل صالح سے مراد ہی امام مہدی ہیں تو پھر امام مہدی کی آمد کا ثبوت خود صحیحین میں ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اب آپ وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ مذکور ہے کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہی ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں کسی امام عادل کا موجود ہونا جب صحیحین سے ثابت ہے اور اس دعویٰ کے لئے کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں کہ وہ امام امام مہدی نہ ہوں گے بلکہ کوئی اور امام ہوگا تو اب اس امام کے امام مہدی ہونے کے انکار کیلئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسری روایات میں اس کے امام مہدی ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ جب صحیح مسلم کی حدیثوں میں اس امام کے صفات وہی ہیں جو حضرت امام مہدی کی صفات ہیں تو پھر ان حدیثوں کو بھی امام مہدی کی آمد کا ثبوت تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اگرچہ لحاظ اسناد ضعیف سی لیکن صحیح و حسن حدیثوں کے ساتھ ملا کر وہ بھی امام مہدی کی آمد کی حجت کہا جاسکتا ہے۔

(۲۸)..... ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْمَهْدِيُّ يُنْزِلُ عَلَيْهِ

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيُصَلِّيَ خَلْفَهُ عِيسَى . اخرجہ نعیم بن حماد کذا فی

الحاوی ص ۷۸ ج ۲“

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم امام مہدی کے بعد نازل ہوں گے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے (ایک) نماز ادا فرمائیں گے۔ ﴿

(۲۹).....”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

مِنَّا الَّذِي يُصَلِّيُ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ خَلْفَهُ، اُخْرَجَهُ ابُو نَعِيمٍ كَذَافِي الْحَاوِي
ص ۶۴ ج ۲“

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی امت میں سے

ایک شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم اقتداء فرمائیں گے۔ ﴿

(۳۰).....”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي تُقَائِلُ عَلَى الْحَقِّ حَتَّى يَنْزِلَ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ
طُلُوعِ الْفَجْرِ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ يَنْزِلُ عَلَى الْمَهْدِيِّ فَيَقَالُ تَقَدَّمْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَصَلِّ
بِنَا فَيَقُولُ هَذِهِ أُمَّةٌ أَمْرَاءُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ اُخْرَجَهُ ابُو عَمْرٍو الدَانِي فِي
سُنَنِ الْحَاوِي ص ۸۲ ج ۲ ورواه مسلم ج ۱ ص ۸۷ باب نزول عيسى بن
مريم ايضا ولكن فيه فينزل عيسى بن مريم فيقول اميرهم تعال صل لنا
كما في ترجمان السبته ص ۵۸۸ ج ۳“

﴿جامع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک طائفہ حق

کے لئے ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کی موجودگی میں
بیت المقدس میں طلوع فجر کے وقت اتریں گے۔ ان سے عرض کیا جائے گا یا نبی اللہ آگے
تشریف لائیے اور ہم کو نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ امت خود ایک دوسرے کے لئے
امیر ہے (اس لئے اس وقت کی نماز تو یہی پڑھائیں) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ مگر اس
میں ”مہدی“ کی بجائے ”امیر ہم“ کا لفظ یعنی مسلمانوں کا امیر عرض کرے گا کہ آپ ہم کو
نماز پڑھا دیجئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب مذکور ہے۔ ﴿

(۳۱).....”عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَلْتَفِتُ

الْمَهْدِيُّ وَقَدْ نَزَلَ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ كَأَنَّمَا يَقْطُرُ مِنْ شَعْرِهِ الْمَاءُ فَيَقُولُ
الْمَهْدِيُّ تَقَدَّمْ صَلِّ بِالنَّاسِ فَيَقُولُ عَيْسَى إِنَّمَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ لَكَ فَيُصَلِّيُ

خَلْفَ رَجُلٍ مِنْ وَلَدَيْ . اُخْرَجَهُ ابُو عَمْرِو الدَانِي فِي سَنَتِهِ كَذَافِي الْحَاوِي
ص ۸۱ ج ۲“

﴿ حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتر چکے ہوں گے۔ ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہو گا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اس وقت امام مہدی ان کی طرف مخاطب ہو کر عرض کریں گے تشریف لائیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے اس نماز کی اقامت تو آپ کے لئے ہو چکی ہے اور نماز تو آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہ نماز میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔ ﴾

(۳۲)..... ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُولُ آمِينَ هُمْ الْمَهْدِيُّ تَعَالَى صَلِّ بِنَا فَيَقُولُ وَإِنْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ أَمْرَاءُ تَكْرِمَةَ اللَّهِ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ . اُخْرَجَهُ السَّيُوطِيُّ فِي الْحَاوِي ص ۶۴ ج ۲ عن ابی نعیم“

﴿ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر مہدی فرمائیں گے کہ آئیے اور ہم کو نماز پڑھائیے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم ہی میں سے ایک دوسرے کا امیر ہے اور یہ اس امت کا اعزاز ہے۔ ﴾

(۳۳)..... ”عَنْ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ الْمَهْدِيُّ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهُوَ الَّذِي يَوْمُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَنْهُمَا السَّلَامُ . اُخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ كَذَافِي الْحَاوِي ص ۶۵ ج ۲“

﴿ ابن سیرین سے روایت ہے کہ مہدی اسی امت سے ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی امامت انجام دیں گے۔ ﴾

(۳۴)..... ”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَذَكَرَ الدِّجَالَ وَقَالَ فَتَنْفِي الْمَدِينَةَ الْخَبَثِ مِنْهَا كَمَا يَنْفِي الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ

وَيُذْغَىٰ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمُ الْخُلَاصِ فَقَالَتْ أُمُّ شَرِيكَ فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ . قَالَ هُمْ يَوْمَئِذٍ قَلِيلٌ وَجُلُّهُمْ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ وَإِمَامُهُمُ الْمَهْدِيُّ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحُ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحُ فَرَجَعَ ذَٰلِكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي الْقَهْقَرَى لِيَتَقَدَّمَ عِيسَى فَيَضَعُ عِيسَى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ لَهُ تَقَدَّمَ فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ . ابن ماجه ص ۲۹۸ باب فتنة الدجال والرويانى وابن خزيمة وابوعوانة والحاكم واللفظ له كذا فى الحاوى ص ۶۵ ج ۲

﴿ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح کہ بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص (پاک اور ناپاک کی جدائی کا دن کہلائے گا) ام شریکؓ نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ اس وقت عرب کہاں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ان کی تعداد کم ہوگی اور ان میں بیشتر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کے امام ایک مرد صالح مہدی ہوں گے۔ وہ ایک نیک انسان ہوں گے۔ وہ ایک دن صبح کی نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا۔ اور یہ امام (مہدی علیہ السلام) الٹے پاؤں لوٹیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام (امامت کیلئے) آگے بڑھیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے شانوں کے درمیان رکھ دیں گے اور فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھئے اور یہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے اور ان کے امام (مہدی.....) نماز پڑھائیں گے۔﴾

(۳۵)..... ”عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ يُوشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يَجِيئَ إِلَيْهِمْ قَفِيزٌ وَلَا دِرْهَمٌ قُلْنَا مِنْ أَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُونَ ذَاكَ ثُمَّ قَالَ يُوشِكُ أَهْلُ الشَّامِ أَنْ لَا يَجِيئَ إِلَيْهِمْ دِينَارٌ وَلَا مُدَى قُلْنَا لَهُ مِنْ أَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الرُّومِ ثُمَّ سَكَتَ هُنَيْهَةً ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْتَنِي الثَّمَالَ حَتَّىٰ

وَلَا يَعْذُّهُ عَذَا قَيْلٍ لِأَبِي نَضْرَةَ وَأَبِي الْعَلَاءِ أَتَرَيَانِ أَنَّهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ
قَالَ لَا . رواه مسلم

ابو نضرةؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبد اللہؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ اہل عراق کو نہ غلہ ملے گا نہ پیسہ، ہم نے دریافت کیا یہ مصیبت کس کے سبب سے آئے گی۔ انہوں نے فرمایا عجم کے سبب سے وہ نہ غلہ آنے دیں گے نہ پیسہ، پھر فرمایا عنقریب ایک وقت آئے گا کہ اہل شام کو نہ دینار ملے گا نہ کسی قسم کا ذرا سا غلہ، ہم نے ان سے پوچھا یہ مصیبت کدھر سے آئے گی۔ فرمایا روم کی جانب سے، یہ فرما کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ اس کے بعد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا۔ جو پھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ ابو نضرةؓ سے جو صحابیؓ سے حدیث کا راوی ہے اور ابو العلاء سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اس خلیفہ کا مصداق عمر بن عبد العزیزؓ ہیں۔ ان دونوں نے بالاتفاق جواب دیا۔ نہیں۔ (مسلم شریف ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن و اشراط الساعة) ﴿

(۳۶)..... ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَكُونُ فِيْ آخِرِ أُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْتَمِلُ الْمَالَ حَتْمًا وَلَا يَعْذُّهُ عَذَا . رواه مسلم ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن و اشراط الساعة“

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال دونوں ہاتھ بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔﴾
صحیح مسلم کی مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ایک خلیفہ کے دور میں مال کی خاص بہتات کا تذکرہ ہے اور ابو نضرةؓ کی حدیث میں اس خلیفہ کے مصداق کے متعلق بھی کچھ بحث ہے مگر ابو نضرةؓ راوی حدیث اور ابو العلاء کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق عمر بن عبد العزیزؓ جیسا ضرب المثل عادل خلیفہ بھی نہیں بلکہ ان کے بعد کوئی اور خلیفہ ہے

مگر جب امام ترمذی، امام احمد اور ابو یعلیٰ کی صحیح حدیثوں میں مال کی یہی بہتات تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ امام مہدی کے عہد میں ان کے نام کے ساتھ مذکور ہے تو پھر

صحیح مسلم میں جس خلیفہ کا تذکرہ موجود ہے اس کا امام مہدی ہونا قطعی نہیں تو کیا ظنی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

خروج السفیانی وھلاکہ مع جنودہ بالیداء

(۳۷)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ رَجُلٌ يَقُولُ لَهُ السُّفْيَانِيُّ فِي عُمُقٍ دَمِشْقَ وَعَامَّةُ مَنْ يَتَّبِعُهُ مِنْ كَلْبٍ فَيَقْتُلُ حَتَّى يَبْقُرُ بَطُونَ النَّسَاءِ وَيَقْتُلُ الصَّبِيَّانَ فَتَجْمَعُ لَهُمْ قَيْسٌ فَيَقْتُلُهَا حَتَّى لَا يَمْنَعُ ذَنْبٌ تَلْعَةً وَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فِي الْحَرَّةِ فَيَبْلُغُ السُّفْيَانِيَّ فَيَبْعَثُ إِلَيْهِ جُنْدًا مِنْ جُنْدِهِ فَيَهْزِمُهُمْ فَيَسِيرُ إِلَيْهِ السُّفْيَانِيُّ بِمَنْ مَعَهُ حَتَّى إِذَا صَارَ بَيْنَهُمَا مِنَ الْأَرْضِ خُسْفٌ بِهِمْ فَلَا يَنْجُو مِنْهُمْ إِلَّا الْمُخْبِرُ عَنْهُمْ . رواه الحاكم 'كذا في الحاوی ص ۶۵ ج ۲"

سفیانی کا نکلنا اور مقام بیداء میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا

﴿الہدیرہ﴾ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا۔ جس کی عام طور پر اتباع کرنے والے قبیلہ کلب کے لوگ ہوں گے۔ وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل کرے گا اس کے مقابلہ کے لئے قیس کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوں گے پھر وہ ان کو قتل کرے گا۔ حتیٰ کہ کسی ٹیلے کی گھاٹی ان کو چھانہ سکے گی۔ آہ! میرے اہل بیت میں سے مدینہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا۔ اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کرے گا۔ وہ شخص ان کو شکست دے گا۔ اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لیکر خود ان کے مقابلہ کے لئے چلے گا۔ یہاں تک کہ جب میداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا۔ مگر صرف ایک شخص جو ان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (حاکم حدیث نمبر ۸۶۳۳ ص ۲۷۷ ج ۵ باب ذکر خروج السفیانی من دمشق وھلاکہ۔)

(۳۸)....."عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعَجَبُ أَنْ

نَاسًا مِنْ أُمَّتِي يَوْمُونَ النَّيْتَ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَدْ لَجَأَ بِالنَّيْتِ حَتَّى كَانُوا
بِالنَّيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ فِيهِمُ الْمُتَنَفِّرُ وَالْمَجْبُورُ وَابْنُ السَّبِيلِ يَهْلِكُونَ مَهْلَكًا
وَاحِدًا وَيَصْنَدُرُونَ مَصَادِيرَ شَتَّى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ عَلَى نِيَّتِهِمْ . رواه مسلم

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ
میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد
کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہوگی اور میری امت ہی کے چند لوگ اس سے
جنگ کا قصد کریں گے۔ یہاں تک کہ جب میداں میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں
دھس جائیں گے۔ ان میں اپنی خوشی سے آنے والے اور زبردستی سے آنے والے اور مسافر
سب ہی قسم کے لوگ ہوں گے یہ سب ایک ہی جگہ ہلاک ہو جائیں گے مگر محشر میں اپنی
اپنی نیت کے مطابق اٹھیں گے (مسلم شریف ص ۳۸۸ ج ۲ کتاب الفتن) ﴿

(۳۹)....."عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ

السَّاعَةُ حَتَّى تَنْزِلَ الرُّومُ بِالْإِعْمَاقِ أَوْ بِدَائِقِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِنْ
الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَإِذَا تَصَافَوْا قَالَتِ الرُّومُ خَلُّوا بَيْنَنَا
وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَّوْا مِنَّا قَاتِلُهُمْ فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ لَا وَاللَّهِ لَا نَخْلَى بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا فَيَقَاتِلُونَهُمْ فَيَنْهَزُهُمْ ثُلُثٌ لَا يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثٌ
هُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللَّهِ وَيَفْتَحُ الثُّلُثُ لَا يَفْتَتِحُونَ أَبَدًا فَيَفْتَحُونَ
قَسْطِطِطِينَئِيَّةً فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُونَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَقُوا سِيُوفَهُمْ بِالزُّبُونِ
إِذْ صَاحَ فِيهِمُ الشَّيْطَانُ أَنَّ الْمَسِيحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي أَهْلِيكُمْ فَيَخْرَجُونَ وَذَلِكَ
بَاطِلٌ فَإِذَا جَاءُوا الشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَعْدُونَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّونَ الصُّفُوفَ إِذْ
أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَيَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَوْمُّهُمْ فَإِذَا رَأَاهُ عَدُوُّ اللَّهِ ذَابَ كَمَا
يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهُ لَأَنْذَابَ حَتَّى يَهْلِكَ وَلَكِنْ يَقْتُلُهُ اللَّهُ بِيَدِهِ
فَيَرِيهِمْ دَمَهُ فِي حَرْبَتِهِ . رواه مسلم

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دلتق میں اترے گا۔ (یہ دونوں مقام حلب کے قریب ملک شام میں ہیں) تو مدینہ سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت تمام روئے زمین میں افضل ہوگا جب دونوں لشکر صف آرا ہو جائیں گے تو نصاریٰ کہیں گے تم ان مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ۔ جنہوں نے ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے ہیں اور غلام بنائے ہیں ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے نہیں خدا کی قسم ہم اپنے بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا۔ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر شہید ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں میں افضل ہوگا اور تہائی لشکر فتح یاب ہوگا وہ عمر بھر کبھی کسی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جو اس وقت نصاریٰ کے قبضہ میں آگیا ہوگا۔ (اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) وہ مال غنیمت کی تقسیم میں ابھی مشغول ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں میں لٹکا چکے ہوں گے۔ اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں نکل آیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان وہاں سے چل پڑیں گے حالانکہ یہ افواہ غلط ہوگی۔ جب شام کے ملک میں پہنچیں گے اس وقت دجال نکلے گا اور جب مسلمان جنگ کے لئے مستعد ہوں گے اور صف آرائی کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت آجائے گا۔ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کی امامت کریں گے جب خدا کا دشمن دجال ان کو دیکھے گا تو مارے خوف کے اس طرح پکھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو یونہی چھوڑ دیں تو بھی وہ خود بخود گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر فرمایا ہے۔ اس لئے وہ اس کو قتل فرمائیں گے اور اپنے نیزہ میں اس کے قتل کا خون دکھائیں گے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۱، ۳۹۲ کتاب الفتن)

سید برزنجیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے جس سے اس بات کے واقعات کی ترتیب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام

رومیوں کے ساتھ مل کر پہلے ایک بار رومیوں کے کسی دشمن سے جنگ کریں گے جس کے نتیجے میں ان کی فتح ہوگی اور دشمن سے حاصل شدہ مال یہ دونوں باہم تقسیم کر لیں گے۔ اس کے بعد پھر یہ دونوں مل کر فارس سے جنگ کریں گے اور پھر ان ہی کو فتح ہوگی۔ رومی مسلمانوں سے کہیں گے کہ جس طرح پہلی بار ہم نے مال غنیمت تقسیم کر کے تم کو دیدیا تھا اسی طرح اس بار تم بھی مال اور قیدی سب ہم کو واپس تقسیم کر کے ہم کو دیدو۔ اس پر اہل اسلام حاصل شدہ مال اور مشرک قیدیوں کی تو تقسیم کر لیں گے مگر جو مسلمان قیدی ان کے پاس ہوں گے۔ وہ تقسیم نہ کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ ہم سے جنگ کرنے اور ہمارے بچوں کو قید کرنے کے یہ بھی مجرم ہیں۔ اس لئے ان کو بھی ہمارے حوالہ کرو۔ مسلمان کہیں گے یہ نہیں ہو سکتا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ یہ خلاف معاہدہ بات ہے۔ آخر کار رومی صاحب رومیہ کے پاس یہ شکایت لے کر جائیں گے۔ وہ اسی (۸۰) جھنڈے کا ایک بڑا لشکر سمندری راہ سے ان کے ہمراہ کر دے گا جس کے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گے۔ یہ لشکر شام کا تمام ملک فتح کر لے گا صرف دمشق اور معتب کا پہاڑ بچ رہے گا اور بیت مقدس کو برباد کر ڈالے گا۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوگی مسلمانوں کے بچے معتب پہاڑ کے اوپر ہوں گے اور مسلمان نہر اریطہ پر صبح و شام ان سے نبرد آزما ہوں گے۔ جب شاہ قسطنطینیہ یہ نقشہ دیکھے گا تو وہ قسطنطین کے پاس تین لاکھ فوج خشکی کی راہ سے روانہ کرے گا اور یمن کے ساتھ چالیس ہزار قبیلہ حیر کے لوگ ان سے آملیں گے۔ یہاں تک کہ بیت مقدس پہنچیں گے اور وہ بھی روم سے جنگ کریں گے۔ آخر ان کو شکست دیں گے۔

ایک اور لشکر آزاد شدہ غلاموں کا بھی عرب کی مدد کے لئے آئے گا اور کہے گا کہ اے عرب تم تعصب کی بات چھوڑ دو ورنہ کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا اور پھر ان کی مشرکین سے جنگ ہوگی مگر مسلمانوں کے کسی لشکر کو فتح نصیب نہ ہوگی۔ ایک تہائی مسلمان شہید ہو جائیں گے اور ایک تہائی بھاگ نکلیں گے اور ایک تہائی باقی رہ جائیں گے۔ ان میں سے پھر ایک تہائی مرتد ہو کر روم سے جا ملیں گے اور ایک تہائی عراق و یمن اور حجاز کی طرف بھاگ

جائیں گے اور بقیہ ایک تہائی کہیں گے کہ واقعی اب عصییت چھوڑ کر سب متفق ہو جاؤ اور سب مل کر دشمن سے جنگ کرو اور اب اس عزم کے ساتھ جنگ کریں گے کہ یا ہم فتح کر لیں گے ورنہ مر جائیں گے۔

جب رومی لشکر مسلمانوں کی اس قلت کا احساس کرے گا تو ایک شخص صلیب لے کر کھڑا ہو گا اور کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان جھنڈا لے کر نعرہ لگائے گا کہ اللہ کے انصار کا غلبہ ہوا۔ رومیوں کے اس کلمہ پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آئے گا اور وہ مسلمانوں کی دو لاکھ فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائے گا اور مسلمانوں کو کامیاب کر دے گا۔ اس کے بعد مسلمان رومیوں کے ملک میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں کے لوگ ان سے امن طلب کر کے جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں گے پھر ارد گرد کے رومی یہ افواہ اڑائیں گے کہ دجال نکل آیا ہے مسلمان ادھر بھاگ پڑیں گے۔ بعد میں ان کو معلوم ہو گا کہ یہ خبر غلط تھی ادھر باقی ماندہ مسلمانوں پر رومی ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو بچ و بیاد سے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ روم میں عرب کے زن و مرد میں سے کوئی نہ بچے گا مسلمان واپس ہو کر جب یہ ماجرا دیکھیں گے تو پھر ان سے جنگ کریں گے اور جس قلعہ پر گزریں گے۔ تین دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کر دے گا۔ یہاں تک کہ جب خلیج کے پاس پہنچیں گے تو نصاریٰ کہیں گے مسیح ہمارا مددگار ہے اور صلیب کی بدکت خلیج سمندر سے چاؤ کے لئے ہماری مددگار ہے۔

جب صبح ہو گی تو کیا دیکھیں گے کہ خلیج خشک ہو گئی ہے اور سمندر بٹ چکا ہے۔ بس فوراً اس میں اپنے خیمے لگا دیں گے ادھر مسلمان جمعہ کی شب میں کفر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیں گے اور رات سے لیکر صبح تک حمد اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ نہ کوئی شخص سوئے گا اور نہ بیٹھے گا جب صبح ہو گی تو تمام مسلمان مل کر ایک بار اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اسی وقت شہر کی ایک جانب گر پڑے گی اس پر حیران ہو کر روم کہیں گے کہ پہلے تو ہماری جنگ عرب سے تھی۔ اب تو جنگ کرنی خود پروردگار عالم ہی سے جنگ معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو مسلمانوں کے لئے ہمارا شہر خود خود گر کر برباد ہو گیا۔ اس کے بعد مال غنیمت کا سونا ڈھالوں میں بھر بھر کر تقسیم ہو گا اور عورتیں اس کثرت سے ہوں گی کہ ایک ایک شخص کے

حصہ میں تین تین سو عورتیں آئیں گی۔ اس کے بعد پھر دجال حقیقتاً نکل آئے گا اور قسطنطنیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں فتح ہو گا جو زندہ و سلامت رہیں گے۔ نہ بیمار پڑیں گے اور نہ کوئی مرض ان کو ستائے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کے ہمراہ یہ جماعت دجال کے لشکر (یہود) کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گی۔ یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ امام سیوطیؒ نے جامع کبیر میں ذکر فرمائی ہے۔

بعض حدیثوں میں امام مہدی کے متعلق ”یصلحہ اللہ فی الیلة“ کا لفظ بھی ملتا ہے۔ جو ضابطہ حدیث کے اعتبار سے خواہ صحت کے درجہ پر نہ کہا جائے مگر ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب امام مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں تو پھر ان کا تعارف عوام و خواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لئے مصائب و آلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا لیکن اس لفظ نے یہ حل کر دیا کہ یہ صفات خواہ کتنے ہی اشخاص میں کیوں نہ ہوں لیکن ان کے وہ باطنی تصرفات اور روحانیت مشیت الہیہ کے ماتحت اور جھل رکھی جائے گی یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندر ان کی اندرونی خصوصیات منظر عام پر آجائیں گی۔ گویا یہ بھی ایک کرشمہ قدرت ہو گا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی اور جب وقت آئے گا تو قدرت الہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کر دے گی جن کے بعد ان کا امام مہدی ہونا ایک نابینا پر بھی منکشف ہو جائے گا۔ دیکھئے کہ دجال کا خروج احادیث صحیحہ سے کیسا ثابت ہے لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت اس کے خروج سے پہلے پہلے کتنی مخفی ہے اور جب کہ یہ داستان دور فتن کی ہے تو اب امام مہدی کے ظہور اور دجال کے وجود میں انکشاف کا مطالبہ کرنا یا اس بحث میں پڑنا یہ مستقل خود ایک فتنہ ہے۔

اس قسم کے عجائبات کی مثالیں شریعت میں بہت ملتی ہیں۔ یوم جمعہ میں ساعت محمودہ کا ہونا تو یقینی ہے مگر وہ بھی اختلافات کے جھرمٹ میں ایسی مبہم ہو کر رہ گئی ہے کہ اس کا متعین کرنا اہل علم کو بھی مشکل پڑ گیا ہے۔ یہی حال شب قدر میں ہے اور اس سے زیادہ ایہام

دور فتن کی احادیث میں نظر آتا ہے۔ غالباً یہ بھی مشیت الہیہ کا ایک سر ہے کہ فتنہ اپنے وقت پر ظاہر ہو پھر اس کا متعین کرنا مشکل ہو جائے۔ دجال کی حدیثوں میں آپ پڑھیں گے کہ اس میں دجالیت کا ثبوت واضح سے واضح صورت میں موجود ہو گا لیکن اس پر بھی ایک جماعت ہوگی جو اس کو خدا اور رسول ماننے پر مجبور ہوگی۔ کیونکہ اس کے ہمراہ دجالیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ایسے شبہات کی دنیا ہوگی جن کا ظہور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ گو شبہات کسی کے دعوے کے ثبوت کے لئے کتنے ہی ناکافی ہوں مگر اس وقت کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ظہور کے لئے قدرت الہیہ نے وہ زمانہ مقرر فرمایا ہے جبکہ ایمانوں کی قوت مسلوب ہو چکی ہوگی اور یہی راز ہے کہ اس کا ظہور خیر القرون میں نہ ہو سکا اور نہ لولیاء کرام کی کثرت کے ساتھ موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ ہاں! مسلمانوں کے ایسے دور میں ہو گا جبکہ وہ بھیڑوں کی شکل میں مارے مارے پھرتے ہوں گے اور یہی حقیقت ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ایمان کے پختہ لوگ بستے ہیں۔ وہاں جناتی اثرات کا ظہور بہت مضحک نظر آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مکتبہ اسلامیہ لاہور
پبلشرز
سید اختر علی شاہ
مکتبہ اسلامیہ لاہور

دجال اکبر

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدیع عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
 رحمت مجسم، نبی مکرم، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال اکبر کا
 فتنہ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ جو اہل
 اسلام کے ایمان کے لئے خطرناک ترین امتحان ہوگا۔ تمام انبیاء علیہم
 السلام نے دجال کے فتنہ کی ہلاکت خیزیوں سے اپنی اپنی امت کو باخبر کیا
 لیکن اس فتنہ کی تفصیلات اور واضح علامات آنحضرت ﷺ نے بیان
 فرمائیں۔ احادیث کی روشنی میں ”دجال اکبر“ پر حضرت مولانا سید محمد بدر
 عالم مہاجر مدنیؒ کی اس کاوش نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ کا
 کام کیا ہے۔ پچیس احادیث مبارکہ جمع ترجمہ توضیح و تشریح کے آپ نے
 قلب بند فرما کر امت محمدیہ پر احسان فرمایا ہے۔

اللهم انا اعوذ بك من فتنة المسيح الدجال . آمین !

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱).....”عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

يَقُولُ مَا يَنْ خَلَقَ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ (وفی روایۃ خلق) أَكْبَرُ مِنْ الدَّجَالِ . مسلم ج ۲ ص ۴۰۵ باب بقیۃ من احادیث الدجال

﴿عمران بن حصینؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک دجال سے زیادہ بڑا اور کوئی قتلہ نہیں ہے۔﴾

(۲).....”عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدَّجَالُ أَعْوَرٌ

لُعَيْنُ الْيَسْرَى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهُ جَنَّةٌ وَنَارُهُ فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ . مسلم ص ۴۰۰ ج ۲ باب ذکر الدجال

﴿حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال بائیں آنکھ سے کانٹا ہو گا اس کے جسم پر بہت گھنے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی لیکن جو اس کی جنت نظر آئے گی دراصل وہ دوزخ ہوگی اور جو دوزخ نظر آئے گی وہ اصل میں جنت ہوگی۔ (لہذا جس کو وہ جنت دیکھے گا وہ دوزخی ہو گا اور جس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ جنتی ہوگا۔)﴾

(۳).....”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا

أَخْبَرُكُمْ عَنِ الدَّجَالِ حَدِيثًا مَا حَدَّثَهُ نَبِيٌّ قَوْمَهُ إِنَّهُ أَعْوَرُ إِنَّهُ يَجِيئُ مَعَهُ مِثْلُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَأَلْبَسِي يَقُولُ أَنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَإِنِّي أُنذِرُكُمْ بِهِ كَمَا أُنذَرُ بِهِ

نُوحٌ قَوْمُهُ. متفق علیہ واللفظ للمسلم ج ۲ ص ۴۰۰ باب ذکر الدجال

﴿الہدایہ﴾ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتا دوں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی نے اپنی امت کو نہ بتائی ہو۔ دیکھو وہ کانا ہو گا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کے نام سے دو شعبہ بھی ہوں گے۔ تو جس کو وہ جنت کہے گا وہ درحقیقت دوزخ ہوگی۔ دیکھو دجال سے میں بھی تم کو اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ ﴿

(۴)....."عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَالِ فَلْيَنَاءَ مِنْهُ قَوْلَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسَبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ مَعَهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ. رواه ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۴ باب خروج الدجال

﴿عمران بن حصین﴾ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ وہ اس سے دور ہی دور رہے بخدا کہ ایک شخص کو اپنے دل میں یہ خیال ہو گا کہ وہ مومن آدمی ہے لیکن ان عجائبات کو دیکھ کر جو اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ ﴿

(۵)....."وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنِّي قَدْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَالِ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ لَا تَعْقِلُوا أَنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ رَجُلٌ قَصِيرٌ أَفْحَجٌ جَعْدٌ أَعْوَرٌ مَطْمُوسُ الْعَيْنِ لَيْسَ بِنَاءٍ نَبِيٍّ وَلَا حَجْرَاءَ فَإِنَّ أَلْبَسَ عَلَيْكُمْ فَأَعْلَمُوا أَنْ رَبِّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ. رواه ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۴ باب خروج الدجال

﴿عبادہ بن صامت﴾ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے دجال کے متعلق کچھ تفصیلات تم لوگوں سے بیان کیں لیکن مجھ کو خطرہ ہے کہ کہیں تم پورے طور پر اس کو نہ سمجھو۔ دیکھو مسیح دجال کا قد ٹھنکا ہو گا۔ اس کے دونوں پیر ٹیڑھے سر کے بال شدید خمیدہ ایک چشم مگر ایک آنکھ بالکل چٹ صاف نہ اوپر کو ابھری ہوئی نہ اندر کو

دھنسی ہوئی۔ اگر اب بھی تم کو شبہ رہے تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا رب یقیناً کانا نہیں ہے۔ ﴿

(۶)....." وَعَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ الدَّجَالَ وَابْنُ
أَنْذَرَكُمْوَهُ فَوَصَفَهُ لَنَا قَالَ لَعَلَّهُ سَيُذْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَأَى أَوْ سَمِعَ كَلَامِي
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكَيْفَ قُلُوبُنَا يَوْمَئِذٍ فَقَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ أَوْ خَيْرٌ.

رواہ الترمذی ج ۲ ص ۴۷ باب ماجاء فی الدجال

﴿ابو عبیدہ بن جراح﴾ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے

کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو نبی آیا ہے۔ اس نے اپنی قوم کو دجال سے ضرور ڈر لیا ہے اور میں
بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی صورت وغیرہ بیان فرمائی اور
کہا ممکن ہے جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہو اس میں کوئی ایسا نکل آئے جو اس کا
زمانہ پاسکے۔ انہوں نے پوچھا اس دن ہمارے دلوں کا حال کیا ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ایسا
ہی جیسا آج ہے یا اور بھی بہتر۔ ﴿

پیشگوئی میں اقسام کا ایہام رہ جاتا ہے اور وہ تکنیکی امر ہے۔ دیکھئے یہاں پر: "لعلہ

سیدرکہ بعض من رآنی۔" کے لفظ نے کتنا ایہام پیدا کر دیا ہے۔ پھر: "او خیر" میں
یہ ایہام کہاں تک جا پہنچتا ہے۔

(۷)....." عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ

حَدِيثَنَا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَالِ فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ قَالَ يَأْتِي الدَّجَالُ وَهُوَ
مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نَقَابَ الْمَدِينَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضُ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ
فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُولُ أَشْهَدُ
إِنَّكَ الدَّجَالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَدِيثُهُ فَيَقُولُ الدَّجَالُ أَرَأَيْتُمْ
أَنْ قُتِلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشْكُونَ فِي الْأَمْرِ فَيَقُولُونَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ
فَيَقُولُ وَاللَّهِ مَا كُنْتُ فَبَيْنَكَ أَشَدُّ بَصِيرَةً مَبْنَى الْيَوْمِ فَيُرِيدُ الدَّجَالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا
يُسَلِّطُ عَلَيْهِ. رواه البخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶ باب لا يدخل الدجال المدينة

حضرت ابی سعید الخدریؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک طویل حدیث دجال کے بارہ میں بیان فرمائی تو جو باتیں آپ نے ہم سے اس کے متعلق بتائیں۔ ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال آئے گا مگر مدینہ کے راستوں میں گھس آنا اس کے لئے حرام اور ناممکن ہو گا تو وہ مدینہ کے آس پاس کی بخر زمین میں کسی جگہ آکر اترے گا تو..... اس کے مقابلہ کے لئے اس دن ایک شخص نکلے گا جو تمام انسانوں میں سب سے بھر (یا بھر انسانوں میں سے) ہو گا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی بات ہم کو جناب رسول اللہ ﷺ نے سنائی تھی، تو دجال کہے گا۔ لوگو! بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تب تو تم کو میرے معاملے میں کوئی شک شبہ باقی نہ رہے گا۔ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو وہ ان کو قتل کر دے گا پھر ان کو زندہ کر دے گا۔ تو وہ بزرگ کہیں گے خدا کی قسم! اب تو مجھ کو تیرے بارے میں اور بھی یقین اور بصیرت حاصل ہو گئی کہ آج سے زیادہ ایسی بصیرت پہلے نہ تھی۔ تو دجال پھر ان کو قتل کرنا چاہے گا مگر اس کا تقوا ان پر نہ چل سکے گا۔

حدیث رسول اللہ ﷺ سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے جو اصول حدیث میں مندرج ہے۔ اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقع ہے نہ مناسب۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عجب نہیں کہ خضر علیہ السلام ہوں واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال حدیث میں جمع کے صیغہ میں بہت سے امور کی طرف اشارات ممکن ہیں۔

(۸)..... ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَجِيئُ الدَّجَالُ

حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ تَرْجُفُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنافِقٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رَوَايَةٍ عَنْهُ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رَعْبَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَلَهَا يَوْمُئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكٌ وَفِي رَوَايَةٍ عَلَى انْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ وَفِي رَوَايَةٍ الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا كُلُّهَا فِي الْبُخَارِيِّ ج ۲ ص ۱۰۵۵ باب ذكر الدجال

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال

آئے گا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک کنارے آکر اترے گا تو تین بار زلزلے آئیں گے۔ اس وقت جتنے کافر اور جتنے منافق ہوں گے سب نکل نکل کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ ان کی ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے اندر مسیح دجال کا رعب بھی نہ آنے پائے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے پر دو دو فرشتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے بڑے بڑے راستوں پر بہت سے فرشتے ہوں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے پاس دجال آئے گا تو فرشتوں کو اس کی نگرانی کرتے پائے گا۔ لہذا ان کے پاس بھی نہ بھٹک سکے گا۔

(۹)..... ”عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ نِدَاءَ الْمُنَادِي

مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يُنَادِي الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ..... فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ هُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمَ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ أَتَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِيَّيْ وَاللَّهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ وَلَكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِأَنْ تَمِيْمَانَ الدَّارِ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ فَبَايَعَ وَأَسْلَمَ وَحَدَّثَنِي حَدِيثًا وَافِقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ عَنِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بِحَرِيَّةٍ مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَحْمٍ وَجَذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ فَأَرْقَأَ وَآ إِلَى جَزِيرَةٍ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوا فِي أَقْرَبِ السَّفِينَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ ذَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرِ الشَّعْرِ لَا يَدْرُونَ مَا قَبْلُهَا مِنْ دُبُرِهِمْ مِنْ كَثَرَةِ الشَّعْرِ قَالُوا وَيْلَكَ مَا أَنْتِ قَالَتْ أَنَا الْجَسَاءُ سَنَةُ أَنْطَلِقُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَابِ قَالَ لَمَّا سَمِعْتُ لَنَا رَجُلًا فَرَقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتَّى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَإِذَا فِيهِ أَكْثَرُ أَنْسَانٍ مَرَأَى يَنَاهُ قَطُ خَلْقًا وَأَشَدَّهُ وَثَاقًا مَجْمُوعَةً يَدَاهُ عَلَى عُنُقِهِ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى كَعْبَتَيْهِ بِالْحَدِيدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا أَنْتِ ؟ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلَى خَبَرِي فَأَخْبِرُونِي مَا أَنْتُمْ قَالُوا نَحْنُ أَنْاسٌ مِنَ الْعَرَبِ

رَكِبْنَا فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ..... فَلَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيرَةَ
فَلَقِينَا دَائَةً أَهْلَبُ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ اعْمِدُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ
فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ
أَمَّا أَنَّهُا تُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ بَحِيرَةِ الطَّبْرِیَّةِ هَلْ فِيهَا مَاءٌ؟
قُلْنَا هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ قَالَ إِنَّ مَاءَ هَايُوشِكِ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ
رُغْرَهْلِ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ
وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأَمِّيْنِ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ
خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ؟
فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ قَالَ أَمَا إِنَّ ذَلِكَ
خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي أَنَا الْمَسِيحُ الدَّجَالُ وَإِنِّي يُوشِكُ
أَنْ يُؤَدِّنَ لِي مِنَ الْخُرُوجِ فَأَخْرَجُ فَأَسِيرُ فِي الْأَرْضِ فَلَا أَدْعُ قَرْيَةً إِلَّا
هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَبِيبَةٍ مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَا هُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ
أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلِكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلَّاتًا يَصْدُنِي عَنْهَا وَإِنْ
عَلَى كُلِّ نَقَبٍ مَلَائِكَةٌ يَخْرُسُونَهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَطَعَنَ بِمُخَصَّرَتِهِ
فِي الْمَنْبَرِ هَذِهِ طَبِيبَةٌ هَذِهِ طَبِيبَةٌ هَذِهِ طَبِيبَةٌ يَعْنِي مَدِينَةَ الْأَهْلِ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ
ذَلِكَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ..... أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلَّ مِنْ
قَبْلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَأَوْمَاءُ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ (رواه مسلم ج ۲ ص ۴۰۴)
۴۰۵ باب ذكر الدجال (ورواه أبو داود مُختَصَرًا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ عِنْدَ
شَرْحِ حَدِيثِ جَابِرٍ مِنْ كِتَابِ الْأَعْتَصَامِ وَقَدْ تَوَهَّمُ بَعْضُهُمْ أَنَّهُ غَرِيبٌ فَرُدُّ
لَيْسَ كَذَلِكَ فَقَدْ رَوَاهُ مَعَ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَبُو بَرْزَةَ كَمَا عِنْدَ أَحْمَدَ وَإِنِّي
يَعْلَى وَعَائِشَةُ كَمَا عِنْدَ أَحْمَدَ وَجَابِرٌ كَمَا عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ فَتَحَ الْبَارِي وَذَكَرَ أَنَّ
الْبُخَارِيَّ إِنَّمَا لَمْ يُخْرِجْهُ لِشِدَّةِ الْتِبَاسِ الْأَمْرِ فِي ذَلِكَ فَتَنَّبَهُ.

﴿فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے احقر سے

والے کو سنا۔ وہ اعلان کر رہا تھا چلو نماز ہونے والی ہے۔ میں نماز کے لئے نکلی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے چہرہ پر اس وقت مسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کے لئے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لئے۔ بس صرف اس بات کے لئے جمع کیا ہے کہ تمہیں داری پہلے نصرائی تھا۔ وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے۔ سمندر کا طوفان ایک ماہ تک ان کا تماشما بنا رہا۔ آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر پڑا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اتر گئے۔ سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ ان میں اس کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کم نعت تو کیا بلا ہے؟۔ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں۔ چلو اس گر بے میں چلو۔ وہاں ایک شخص ہے جس کو تمہارا بڑا انتظار لگ رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو۔ ہم لپک کر گر بے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟۔ وہ بولا تم کو تو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا۔ اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں۔ ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا۔ اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے۔ اس نے کہا میں جسارہ

(جاسوس، خبر رساں) ہوں۔ چلو اس شخص کی طرف چلو جو اس گرجے میں ہے۔ اس لئے ہم جلدی جلدی تیرے پاس آگئے۔ اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں (شام میں ایک بسستی کا نام ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا ہاں آتا ہے۔ اس نے کہا وہ وقت قریب ہے جب اس میں پھل نہ آئیں۔ پھر اس نے پوچھا اچھا حیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا بہت ہے۔ اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ اس میں پانی نہ رہے گا۔ پھر اس نے پوچھا زغر (شام میں ایک بسستی) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں اور اس بسستی والے اپنی کھیتوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے کہا اس میں بھی بہت پانی ہے اور بسستی والے اسی کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا اچھا ”نبی الامیین“ کا کچھ حال سناؤ۔ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا اچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گرد و نواح پر تو غالب آچکے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اس نے کہا سن لو ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان کی اطاعت کر لیں اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں۔ میں مسیح و جال ہوں اور وہ وقت قریب ہے جبکہ مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ میں باہر نکل کر تمام زمین پر گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بسستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں داخل نہ ہوں۔ بجز مکہ اور طیبہ کے کہ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے۔ جب میں ان دونوں میں سے کسی بسستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں ننگی تلوار لئے سامنے سے آکر مجھ کو داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات (مقدسہ) کے جتنے راستے ہیں۔ ان سب پر فرشتے ہوں گے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ بھی مدینہ ہے یہ جملہ تین بار فرمایا۔ دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی۔ لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے بیان فرمائی تھی۔ اس کے بعد فرمایا: دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن (راوی کو شک ہے) بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے ارشاد فرمایا۔ ﴿

امام قرطبی نے اپنی مشہور کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ دجال کی بابت جن سوالات کے تفصیلی جوابات حدیث میں آچکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ اس کی حقیقت سب خروج، محل خروج، وقت خروج، شکل و صورت، ساحرانہ کوششیں اس کا دعویٰ اس کے قاتل اور وقت قتل کی تعیین اور یہ عث بھی کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور۔ اس عث سے اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھا یا نہیں۔ (دیکھو فتح الباری)

ابن صیاد واسمہ وحلیتہ وحلیۃ ایہ وما فیہ من صفاتہ الغریبۃ

(۱۰)..... ”وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمُكْتُ أَبُودِجَالٍ وَأُمُّهُ فَلَتَيْنِ عَامًا لَا يُؤَلِّدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ يُؤَلِّدُ لَهُمَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضْرَسُ وَأَقْلَهُ مُنْفَعَةٌ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتْ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبُوئِيهَ فَقَالَ أَبُوهُ طَوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَأَنَّ أَبْفُهُ مِنْقَارٌ وَأُمُّهُ امْرَأَةٌ فَرَضْنَا حَيْثُ طَوِيلَةُ النَّدَيْنِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُودٍ فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ فَذَهَبْتُ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبُوئِيهَ فَإِذَا نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِيهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكْنَنًا فَلَتَيْنِ عَامًا لَا يُؤَلِّدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وَلِدْنَا غُلَامٌ أَعْوَرًا ضَرَسَ وَأَقْلَهُ مُنْفَعَةٌ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي قَطِيفَةٍ وَلَهُ هَمِيمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. رواه ترمذی ج ۲ ص ۵۰ باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد“

ابن صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ

اور اس کی عجیب و غریب صفات کا بیان

﴿ابو بکر﴾ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال کے ماں باپ کے گھر

تیس سال تک کوئی چہ پید نہ ہوگا پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خرب ایک دانت باہر نکلا ہوا ہو گا وہ بالکل نکما ہوگا۔ سوتے میں اگر چہ اس کی آنکھیں بند ہوں گی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ لانا چھریرے جسم والا چونچ کی طرح اس کی ناک ہوگی۔ اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے۔ ابو جرحہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام اس کے دیکھنے کے لئے گئے۔ جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کی صورت بیان فرمائی تھی۔ ہم نے پوچھا تمہارے کوئی چہ ہے؟ انہوں نے کہا میں سال تک تو ہمارے کوئی چہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے۔ اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ بالکل نکما ہے۔ اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبردار رہتا ہے۔ ہم جوان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپیٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے۔ اس نے اپنا سر کھول کر کہا۔ تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری باتیں سن لیں۔ وہ بولا ہاں! میری آنکھیں ہی سوتی ہیں۔ ورنہ میرا دل جاگتا رہتا ہے۔ ﴿

جزری کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں لفظ اضر کا تب کی تصحیف ہے۔ اصل میں ”اضرشی“ ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے۔ اس بناء پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ سر تپا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ ”ضر“ لغت میں اگرچہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر تو سعا اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لہنا نوکیلا دانت مراد ہو سکتا ہے اور اضر کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں لفظ ”طالعة نابہ“ موجود ہے۔ اس کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہوگا۔ اس بناء پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

لن صیاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ”تنام عیناہ“ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی جس کا علاقہ عالم ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا علاقہ

شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اس طرح مرکز ہدایت اور مرکز ملامت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے۔“

کَلَامُهُ هُوَ لَا وَهُوَ لَا مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ . وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْذُورًا .“

روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے دجال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرمادیا تھا اور چونکہ وہ ابن صیاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھا اس لئے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعث تحیر بن گیا تھا کہ کہیں یہ وہی دجال تو نہیں کیونکہ جلد اول کی ختم نبوت کی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال اکبر کے علاوہ تین سے ستر دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی امت میں پیدا ہوں گے اور دعویٰ نبوت کریں گے۔ بہر حال چونکہ اس چہ میں دجال کا اور اس کے ماں باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا۔ اس لئے اس کے دجال ہونے میں جائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔

(۱۱)..... ”عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنَ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا أَغْضَبَهُ فَأَنْتَفَخَ حَتَّى مَلَأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلَى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللَّهُ مَا أَرَدْتُ مِنْ ابْنِ صَيَّادٍ أَمَّا عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضَبَةِ يَغْضِبُهَا مُسْلِمٌ ج ۲ ص ۲۹۹ باب ذکر ابن صیاد“

”نافع“ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کسی گلی میں ابن عمرؓ کی ابن صیاد سے ٹھہر بھڑ ہو گئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اسے غصہ آگیا تو وہ پھولنے لگا اور ایسا پھولا کہ ساری گلی اس سے بھر گئی۔ اس کے بعد ابن عمرؓ اپنی ہمیشہ حضرت سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو کہیں یہ قصہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابن عمرؓ! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اسے فضول چھیڑا تمہارا کیا مطلب تھا؟ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال جب نکلے گا تو کسی بات پر غضبناک ہونے کی وجہ سے ہی نکلے گا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد میں بعض باتیں غیر معمولی بھی تھیں۔ مثلاً پھول کر کچہ ہونا تو ایک مجاز اور اردو کا محاورہ ہے مگر حقیقتاً وہ اس طرح پھول جاتا تھا کہ ساری گلی اس سے بھر جائے۔ یہ جنات کے خواص میں سے ہے اس کے بعد ابن عمرؓ کی جو گفتگو حضرت حصہؓ سے ہوئی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دجال یہی ابن صیاد ہے تو بھی اس کے خروج کا وقت یہ نہیں ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہی ابن صیاد کن کن حالات سے گزرے گا اور پھر اپنے وقت مقرر پر ان فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہو گا جو احادیث میں مذکور ہیں۔

(۱۲)..... "عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا أَشْكُ أَنْ

الْمَسِيحُ الدَّجَالُ ابْنُ صَيَّادٍ. رواه داؤد ج ۲ ص ۱۳۶ باب فی خبر ابن صیاد' والبیہقی فی کتاب البعث والنشور

نافعؓ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسیح دجال وہ ابن صیاد ہی ہے۔

مذکورہ بالا حالات کی بناء پر ابن عمرؓ کا ایسا یقین کر لینا کچھ بعید نہیں ہے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اتنی بات سے بقیہ تفصیلات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابن صیاد کا دجال ہونا پھر اپنے وقت پر اس کا ظاہر ہونا بہت آسان ہے اور یہ مختلف نقول اور آئندہ بھی جو آپ کے سامنے پیش ہوں گی۔ ان کا ایہام اس کے فتنہ در فتنہ ہونے کا سبب بن گئی ہیں۔

(۱۳)..... "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدْ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ. رواه

ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۶ باب فی خبر ابن صیاد

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ حرہ ہوئی تھی اس دن کے بعد سے ہم کو ابن صیاد کا پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ چلا کہاں گیا؟۔

ابن صیاد کے حالات زندگی جتنے گونا گوں اختلافات اور ایہام میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتنے ہی اس کے حالات سے گم ہشتگی بھی ہے حتیٰ کہ کوئی تو اس کا گم ہونا نقل کرتا ہے اور کوئی اس کی موت بھی بیان کرتا ہے۔ بہر حال یہ تمام بیانات آپ ﷺ کے بعد ہی کے

ہیں۔ ان تمام اختلافات کو بھی آپ ﷺ کے سر کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ آنحضرت ﷺ کی جانب سے اس کے بارہ میں ابتدائی تردد کے جو اسباب تھے اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد پھر جو آخری بات ہے وہ آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۱۴) ”وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَيَّادٍ إِلَى مَكَّةَ فَقَالَ لِي مَا لَقِيتُ مِنَ النَّاسِ يَزْعُمُونَ أَنِّي الدَّجَالُ أَلَسْتُ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّهُ لَا يُوَلَّدُهُ وَقَدْ وَلِدَنِي الْيَسْرُ قَدْ قَالَ هُوَ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ أَوَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ وَلَا مَكَّةَ وَقَدْ أَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِينَةِ وَأَنَا أُرِيدُ مَكَّةَ ثُمَّ قَالَ لِي فِي آخِرِ قَوْلِهِ أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَعْلَمُ مَوْلِدَهُ وَمَكَانَهُ وَأَيْنَ هُوَ وَأَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ قَالَ فَلَبَّسَنِي قَالَ قُلْتُ لَهُ تَبَالِكَ سَائِرِ الْيَوْمِ قَالَ وَقِيلَ لَهُ أَيْسُرُكَ أَنْكَ ذَاكَ الرَّجُلُ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَيَّ مَا كَرِهْتُ. مسلم ج ۲ ص ۳۹۷ باب ذكر ابن صياد“

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور ابن صیادؓ ساتھ ہو گیا۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا لوگوں سے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دجال میں ہوں۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اس کے اولاد نہ ہوگی اور میرے تو اولاد ہے۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا اور میں تو مسلمان ہوں۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا نہ مکہ میں اور دیکھو میں مدینہ سے تو آہی رہا ہوں اور اب مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔ یہ سب کچھ کہہ سن کر آخر میں کہنے لگا۔ خدا کی قسم! البتہ میں جانتا ہوں کہ وہ (دجال) کہاں پیدا ہوا؟ اور اب وہ کہاں ہے؟ میں اس کے ماں باپ کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ دور خبی باتیں بنا کر اس نے مجھ کو شبہ میں ڈال دیا۔ میں نے اس سے کہا خدا تجھے ہلاک کرے۔ پھر کسی نے اس سے کہا کہ اگر وہ دجال تو ہی ہو تو کیا یہ بات تجھے پسند ہوگی۔ اس پر وہ بولا اگر مجھ کو دجال بنا دیا جائے تو مجھے کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوگا۔

ابن صیاد کے یہ عجیب حالات سب حدیثوں سے ثابت ہیں اور ان سب سے ابہام

کے سوا کوئی صاف نتیجہ برآمد نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس نے خود جو بیان اپنی صفائی کے لئے پیش کیا تھا اس کو پھر خود ہی اپنی آخر گفتگو سے مبہم بنا دیا۔ حتیٰ کہ ابو سعیدؓ کے دل میں اس کی طرف سے اس کی پہلی تقریر سے جو قدرے اطمینان پیدا ہو گیا تھا وہ پھر جاتا رہا۔ پس جبکہ اس کی ذات اور اس کے اقوال میں خود اس درجہ ابہام کے سامان موجود ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھی اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہونا مشکل مسئلہ بن رہا ہے۔ تو بعد میں اگر روایات کے اختلافات سے اس ابہام کو کچھ اور مدد مل گئی ہو تو اندازہ فرما لیجئے کہ اب اس کا معاملہ کتنا پیچیدہ ہو جانا چاہئے۔ انسان کے سامنے جزم و یقین کی حالت میں بھی جب کوئی خوفناک منظر آ جاتا ہے تو اس کی فطرت غیر اختیاری طور پر ہر اسال ہونے لگتی ہے۔

دیکھئے قیامت کا آنا جتنی یقینی بات ہے۔ اتنی ہی یقینی یہ بات بھی ہے کہ قیامت حضور ﷺ کی حیات میں نہیں آئے گی۔ لیکن اس کے باوجود جب دنیا کے معمول کے مطابق سورج کو گمن لگتا تو آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نقشہ گھومنے لگتا تھا۔ اسی طرح جب آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے نظر آتے تو آپ ﷺ کے سامنے قوموں کی ہلاکت کا سماں بندھ جاتا اور آپ ﷺ پر کرب و بے چینی کا یہ عالم اس وقت تک برابر رہتا جب تک کہ بارش ہو کر بادل صاف نہ ہو جاتے۔ پس خوف کے مقامات میں جو غیر اختیاری تردد لاحق ہوتا انسانی فطرت ہے۔ اس کو جزم و یقین کے خلاف سمجھنا خود بڑی نا فہمی ہے۔ اسی طرح ان صیاد کے حالات تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کے حالات دجال اکبر سے کتنے ملتے جلتے تھے۔ اس لئے اگر اس کے معاملہ میں آپ ﷺ سے بعد غیر اختیاری تردد کے جو الفاظ منقول ہیں۔ ان کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہئے جو ابھی ہم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہاں جن کو ابھی تک یہ تمام حقائق رام کہانیاں معلوم ہوتی ہیں جن کو خوف شمس جیسے معمولی تغیر سے قیامت اور بادلوں کی آمد سے عذاب کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔ وہ ان حقائق کا نام تاویلات ہی رکھیں گے۔ ان کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ دجالی فتنہ کتنا عظیم فتنہ ہو گا اور ان صیاد کے عجیب و غریب حالات کتنے تردد اور کتنے غور و فکر کا سامان بن سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب دل میں ایمان ہی کمزور ہو تو ہر موقعہ پر عقائد کا پلہ اسی جانب جھکنے لگتا ہے جو دین

سے بعید تر ہوتی ہے: ”وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ“

(۱۵)..... ”وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ وَلَدَتْ

غُلَامًا مَمْسُوحَةً عَيْنُهُ طَالِبَةً نَابَهُ فَأَشْفَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَكُونَ الدَّجَالُ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيفَةٍ يَهْمُهُمْ فَأَذَنَتْهُ أُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا أَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيفَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَالَهَا قَاتِلَهَا اللَّهُ لَوْ تَرَكَتُهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنَى حَدِيثِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِذْ ذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَاقْتُلْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَسْتُ صَاحِبَهُ إِنَّمَا صَاحِبُهُ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَنْ لَا يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُشْتَفِقًا أَنَّهُ هُوَ الدَّجَالُ. رواه في شرح السنة“

جامہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت کے لڑکا پیدا ہوا جس کی ایک آنکھ صاف تھی اور جس کا کیلہ باہر کو نکلا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ وہی دجال نہ ہو۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو ایک چادر میں لپیٹا ہوا دیکھا کہ اس میں پڑا کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے (آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر) اس کو خبردار کر دیا کہ اے عبد اللہ! دیکھو یہ ابو القاسم آگئے ہیں۔ پس وہ اپنی چادر سے باہر نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ اس کا ناس کرے۔ اگر یہ اس کو اطلاع نہ دیتی تو یہ اپنا معاملہ خود ہی بیان کر دیتا۔ پھر راوی نے حضرت عمرؓ والی حدیث کا قصہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو۔ اس کو تو عیسیٰ بن مریم علیہا السلام قتل کریں گے اور اگر یہ وہ نہیں تو ایسے چہ کا قتل کرنا خیر کی بات نہیں جو ہمارے عہد میں داخل ہے۔ (یعنی ہماری ذی رعیایا ہے۔) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق یہ خطرہ لگا ہی رہا کہ کہیں وہ دجال اکبر نہ ہو۔

دجال کا فتنہ چونکہ اپنی نوعیت میں سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اس لئے قدرتی لحاظ سے

اس میں راویوں کے بیان سے ایک ابہام یہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ لکن صیاد تھا یا کوئی دوسرا

شخص۔ اس کو براہ راست آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ احادیث سے بعض دوسرے مقامات میں بھی ہم کو اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً شب قدر، ساعت محمودہ، صلوٰۃ وسطیٰ وغیرہ ان سب کے بارہ میں وثوق کے ساتھ تعین کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ان امور میں خود آنحضرت ﷺ کے علم میں بھی ابہام موجود تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو ان کو بیان فرمایا تھا پھر کسی وجہ سے راویوں کے بیان میں اختلاف ہو اور اس طرح آخر امت کیلئے اصل معاملہ ٹکوینا مبہم بن گیا۔ اب جو جدوجہد کرنے والے افراد تھے انہوں نے شب قدر، ساعت محمودہ اور صلوٰۃ وسطیٰ کی تلاش میں اپنی مساعی تیز کر دیں اور جو جو بھی ان کا مصداق بن سکتا تھا۔ کسی تحقیق اور تفصیل کے بغیر ان سب مبہم ساعات میں وہی کوشش صرف کر ڈالی جو کسی ایک ساعت کے معین ہونے کی صورت میں کی جاسکتی تھی اور اس طرح یہ ٹکونی ابہام ان کے حق میں ایک رحمت بن گیا۔ اسی طرح ان صیاد کا معاملہ بھی روایات کے اختلافات کی وجہ سے گو مبہم رہا مگر یہ ابہام بھی سعید طبائع کے لئے رحمت بن گیا کیونکہ اس ابہام کا ثمرہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ دجال اکبر تھایا نہیں۔ اس سے زیادہ اس ابہام کا دیگر تفصیلات پر کوئی اثر نہیں ہے۔ پس اگر ہم کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا تو اس کا اقتضایہی ہے کہ اب ہم کو اور زیادہ احتیاط لازم ہو گئی۔ دیکھئے اگر اس روایت کی بناء پر ان صیاد ہی دجال اکبر ہو تو اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اثر بقیہ تفصیلات پر اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے صاف فرمادیا کہ دجال اکبر کے قاتل ازل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہو چکے ہیں اور جب یہ ہے تو نہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل سکتا ہے اور نہ تم اس کو قتل کر سکتے ہو۔ لہذا اس ابہام کو لے کر بقیہ سارے معاملات کو مبہم بناؤ الناکج فنی اور کج روی کے سوا کچھ نہیں۔ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی تفصیل تقدیر کے باب میں گزر چکی ہے۔ آخر میں اتنا اور لکھ دینا کافی ہے کہ بہت سے امور مفزعہ کے پیش آنے پر آپ ﷺ کے چہرہ پر تردد اور خوف کا نمودار ہو جانا یہ کسی یقین کے مزاحم نہیں کہا جاسکتا۔ نہ ان کو کسی تردد کا باعث قرار دیا جاسکتا ہے۔ (جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے۔)

آپ ﷺ کا وجود پاک جو عالم کے لئے رحمت ہی رحمت تھا۔ اس کے موجود ہوتے ہوئے قیامت کا قائم ہو جانا کیسے ممکن تھا: ”وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔“ لہذا اگر کوئی شخص صرف ان احادیث کو اٹھا کر قیامت کا انکار کر ڈالے یا اس کے وقوع کے تردد میں پڑ جائے تو یہ اس کی تافہی اور قصور فہم کا سبب ہے۔ اس کو حدیثوں کے سر رکھ دینا امور بدیہیہ سے ناواقفی ہے۔ اسی طرح احادیث فتن میں اس قسم کے ایہامات پیش آ گئے ہیں کہ اپنی اپنی فہم کے مطابق علماء نے ان کی تعین میں کسی قدر عجلت سے کام لیا ہے۔ حالانکہ جب نہ حدیث میں ان کے ظہور کا وقت متعین ہے اور نہ ان کی تعین مذکور ہے تو پھر اپنی جانب سے اس کی تعین میں عجلت بازی سے کام لے کر اس کو حدیث کی طرف منسوب کر ڈالنا خلاف واقع ہے۔

(۱۶)..... ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبِي بَنُ كَعْبٍ يَأْتِيَانِ النَّخْلَ الَّذِي فِيهِ ابْنُ صَيَّادٍ حَتَّى إِذَا دَخَلَ النَّخْلَ طَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْفِي بِجَذْوَعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتَلُ أَنْ يُسْمَعَ مِنْ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ وَابْنُ صَيَّادٍ مُصْطَجِعٌ عَلَى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْزَةٌ فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَقْفِي بِجَذْوَعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ ائِصْفَافَ وَهُوَ اسْمُهُ فَتَارَ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ تَرَكَتُهُ بَيْنَ وَقَالَ سَالِمٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَتْنِي عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَالَ فَقَالَ إِنِّي أَنْذِرُكُمْ وَبِمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمُهُ لَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمُهُ وَلَكِنْ سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَغْوَرُونَ اللَّهُ لَيْسَ بِأَغْوَرَ. رواه البخاری ص ۴۲۹، ۴۳۰ ج ۱، باب كيف يعرض الاسلام الصبي كتاب الجهاد“

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ابی بن کعبؓ اس باغ کی طرف چلے جس میں ابن صیاد رہتا تھا۔ جب آپ باغ کے اندر تشریف لائے تو آپؐ کھجور کے درختوں کی آڑ میں چھپ چھپ کر یہ تمیز کر رہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے

پہلے آپؐ اس کی کوئی بات سن لیں۔ ادھر ان صیاد اپنے بھٹھونے پر ایک چادر میں لپٹا ہوا اندر اندر کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے آپؐ کو دیکھ پایا کہ آپؐ درخت کے تنوں کی آڑے رہے ہیں تو فوراً اس نے کہا۔ اوصاف! (یہ اس کا نام تھا) ہوشیار۔ بس یہ سن کر ان صیاد فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر اس کی ماں اس کو ہوشیار نہ کرتی تو یہ صاف بات کہہ گزرتا۔ سالمؓ کہتے ہیں کہ لکن عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور خدا کی شان کے مناسب حمد و ثناء کی۔ اس کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو اس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو۔ لیکن ایک بات میں تم کو ایسی صاف بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کہی۔ وہ یہ کہ تم جان چکے ہو کہ وہ کاٹا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر عیب سے بری ہے۔ وہ کاٹا نہیں ہو سکتا۔ ﴿

(۱۷)..... "عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ زَيْدٍ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

فِي بَيْتِي فَذَكَرَ الدَّجَالَ فَقَالَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ سِنِينَ سَنَةً تُمَسِكُ السَّمَاءُ فِيهَا ثُلُثُ قَطْرِهَا وَالْأَرْضُ ثُلُثُ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمَسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثِي قَطْرِهَا وَالْأَرْضُ ثُلُثِي نَبَاتِهَا وَالثَّلَاثَةُ تُمَسِكُ السَّمَاءَ قَطْرِهَا كُلُّهُ وَالْأَرْضُ نَبَاتُهَا كُلُّهُ فَلَا يَبْقَى ذَاتُ حَيْرُسٍ وَلَا ذَاتُ ظُلْفٍ مِنَ الْبَهَائِمِ إِلَّا هَلَكَ وَإِنْ أَشَدَّ فِتْنَتِهِ أَنْ يَأْتِيَ الْأَعْرَابِيَّ فَيَقُولَ أَرَأَيْتَ إِنْ أَحْيَيْتُ لَكَ إِبْلَكَ أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَيْ رَبُّكَ قَالَ فَيَقُولُ بَلَى فَيَمِثُّ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَابِلِهِ كَأَحْسَنِ مَا تَكُونُ ضُرُوعًا وَأَعْظَمِهِ أَسْمَنَةً قَالَ وَيَأْتِي الرَّجُلَ قَدَمَاتُ أَخُوهُ وَمَاتَ أَبُوهُ فَيَقُولُ أَرَأَيْتَ إِنْ أَحْيَيْتُ لَكَ أَبَاكَ وَأَحْيَيْتُ لَكَ أَخَاكَ أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَيْ رَبُّكَ فَيَقُولُ بَلَى فَيَمِثُّ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَابِلِهِ وَنَحْوَابِلِهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ قَالَتْ وَالْقَوْمُ فِي إِهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِمَّا حَدَّثْتُهُمْ بِهِ قَالَتْ فَأَخَذَ بِلُحْمَتِي الْبَابِ فَقَالَ مَهْنِمُ أَسْمَاءُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ خَلَعْتُ أَفِيدَتُنَا بِذِكْرِ الدَّجَالِ قَالَ إِنْ يَخْرُجُ وَأَنَا حَيٌّ فَأَنَا حَجِيجُهُ وَالْأَفَانُ رَبِّي خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ

قَالَتْ اَسْمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّا وَاللَّهِ لَنَعَجِبُنَّ عَجِبِنَا فَمَا نُخْبِرُهُ حَتَّى نَجُوعَ
فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِينَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِيهِمْ مَا يُجْزِي اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيحِ
وَالْتَقْدِيسِ . رواه احمد ص ۴۵۵، ۴۵۶ ج ۶ ابوداؤد والطيالسي

اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس کے ظہور سے پہلے تین قحط پڑیں گے۔ ایک سال آسمان کی ایک تہائی بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار بھی ایک تہائی کم ہو جائے گی۔ دوسرے سال آسمان کی دو حصے بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار دو حصے کم ہو جائے گی اور تیسرے سال آسمان سے بارش بالکل نہ برے گی اور زمین کی پیداوار بھی کچھ نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ جتنے حیوانات ہیں خواہ وہ کھر والے ہوں یا اڑھ سے کھانے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک گنوار آدمی کے پاس آکر کہے گا۔ اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا اس کے بعد بھی تجھ کو یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ضرور۔ اس کے بعد شیطان اسی کے اونٹ کی سی شکل بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ جیسے اچھے تھن اور بڑے کوہان والے اونٹ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور سگا بھائی گزر چکا ہو گا اور اس سے آکر کہے گا۔ بتلا اگر میں تیرے باپ بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا کیوں نہیں۔ پس اس کے بعد شیطان اس کے باپ بھائی کی صورت بن کر آجائے گا۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ ضرورت سے باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوٹ کر دیکھا تو لوگ آپ ﷺ کے اس بیان کے بعد سے بڑے فکر و غم میں پڑے ہوئے تھے۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے دروازہ کے دونوں کواڑ پکڑ کر فرمایا! اسماءؓ کو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دجال کا ذکر سن کر ہمارے دل تو سینے سے نکلے پڑتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوا تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔ ورنہ میرے بعد پھر ہر مومن کا نگہبان میرا رب ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا حال جب آج یہ ہے کہ ہم آگ آگوند ہنا چاہتے ہیں مگر غم کے مارے اس کو اچھی

طرح گوندھ بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ روٹی پکا سکیں بھوکے ہی رہتے ہیں تو بھلا اس دن مومنوں کا حال کیا ہو گا جب یہ فتنہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس دن ان کو وہ غذا کافی ہوگی جو آسمان کے فرشتوں کی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جب اس عظیم ترین فتنے کا ظہور قریب ہو گا تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ظہور سے پہلے برکات (ارہاس) کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اسی طرح اس فتنے سے پہلے برکات کا خاتمہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ بارش غلہ اور اسی کے ساتھ سب حیوانات ختم ہو جائیں گے۔ اس بے سرو سامانی میں وہ اس ساز و سامان کے ساتھ آئے گا کہ ایک برباد شدہ کسان کے حیوانات زندہ کر دے گا اور ایک شخص سے اس کے باپ اور بھائی کے دوبارہ زندہ کر دینے کا وعدہ کرے گا۔ اب سوچئے کہ ضعیف انسان کی بے علمی اور اسی کے ساتھ جب افلاس کی سختی بھی یکجا جمع ہو جائے تو اس کی آزمائش کا میدان کتنا سخت ہو جائے گا۔ مردہ کا زندہ کرنا ہی کچھ کم بات نہیں پھر ایک کسان کے لئے اس کے جانور اور ان سے بڑھ کر اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پیاری چیزیں اور کیا ہو سکتی ہیں؟۔ کون ہے جو اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتا۔ اگر کہیں حدیث نے اس کی اعجوبہ نمایوں کا راز فاش نہ کر دیا ہو تا تو آج بھی بہت سے ضعیف الایمان تردد میں پڑ جاتے مگر جب یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ سب کچھ شیطانی تصرفات اور شعبدے ہوں گے تو اب کوئی اشکال نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ دجال جب خدائی کا مدعی ہو تو اس کو خدائی کا سامان بھی دکھانا ضروری ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ جنت دوزخ کا ہونا بھی ضروری ہے اور مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ضروری ہے مگر حدیث کہتی ہے کہ یہ سب کچھ بازیگر کے تماشے سے زیادہ نہ ہو گا۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس کو قتل کر دیں گے تو اس کی خدائی کا یہ سارا ڈھونگ ایک بندہ کے ہاتھوں کھل ہی جائے گا۔

شیاطین اور ان کے تصرفات کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گی۔ مگر اتنی بات اجمالاً یہاں بھی سن لیجئے کہ امور خیر کی تائید فرشتے اور شر کی شیاطین کرتے رہتے ہیں۔ پھر جو طاقت جتنی بڑی مرکزی ہوتی ہے اسی قدر اس طاقت میں

بھی قوت اور ضعف کا فرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی تائید میں سارا عالم ملکوت نظر آتا ہے۔ اس کے بالمقابل دجال کی تائید میں سارا عالم شیطین ہی ہونا چاہئے۔ جن کی نظر صرف ایک عالم مادی اور اس عالم کے بھی ایک مختصر اور محدود گوشہ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ ان بچاروں کے لئے ان حقائق کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔

(۱۸).....”عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَسَّأَلُ أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الدَّجَالِ أَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتَهُ وَأَنَّهُ قَالَ لِي مَا يَصْنُوكَ مِنْهُ قُلْتُ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ مَعَهُ جَبَلٌ خُبُزُونَهُمَاءٍ قَالَ أَنَّهُ أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ.” بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۵ باب ذکر الدجال ‘مسلم ج ۲ ص ۴۰۳ باب ذکر الدجال“

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ دجال کے متعلق جتنے سوالات میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کئے ہیں اتنے کسی اور شخص نے نہیں کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجال بھلا تم کو کیا نقصان پہنچا سکے گا۔ میں نے عرض کی لوگ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نھر ہو گی۔ (یعنی قحط میں رزق کا پورا سامان ہو گا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل تر ہے کہ اس کو یہ ساز و سامان ملے (جو ہو گا اس کی حقیقت سب شعبہ بازی اور نظر بندی سے زیادہ نہ ہو گی جیسے ساحرین فرعون کی رسیوں کی) ﴿

(۱۹).....”وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَقِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَعْنِي ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَشْهَدُ أَبِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ هُوَ أَتَشْهَدُ أَبِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ مَاذَا تَرَى قَالَ أَرَى عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَرَى عَرْشَ إِبْلِيسَ عَلَى الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرَى قَالَ أَرَى صَادِقَيْنِ وَكَاذِبَيْنِ أَوْ كَاذِبَيْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لُبَّسَ عَلَيْهِ فَدَعُوهُ.” رواد مسلم ج ۲ ص ۳۹۷ باب ذکر ابن صياد“

﴿ابو سعید﴾ خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کا اور ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آنا سامنا ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا۔ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یقینی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس پر وہ بدخت بولا! اچھا کیا آپ ﷺ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا یہ جملہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا! میں تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اور سب کتب پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟۔ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو عرش ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک جھوٹا یادو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑو اس کو خود ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں۔ ﴿

آنحضرت ﷺ نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ اس پر آپ ﷺ کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ ﷺ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیونکہ تردید بھی اسی بات کی کی جاتی ہے جس کا کوئی امکان بھی ہو۔ لہذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دے دیا اور خاص اس کے سوال کے جواب سے اعراض بھی کر لیا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتایا۔ آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ وہ تو عرش شیطان ہے۔ اس نے بھی اپنے اعدا و انصار کے لئے ایک عرش بچھا رکھا ہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے اس کے پاس خبریں لانے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہو گئی کیونکہ نبی کو خبر دینے والے میں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں۔ تو یہ اس کے کاہن ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہو گئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیاد کی رجائیت کی علامات میں تدریج

بھی ہے جیسا کہ: ”وقد نفرت عينه“ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۲۰)..... ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرَمَكَةُ يَبْضُئُ مِسْكَ خَالِصٌ“ . رواه مسلم ج ۲ ص ۳۹۸ باب ذكر ابن صياد

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جنت کی مٹی کیسی ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میدہ کی طرح سفید اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔﴾

(۲۱)..... ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَعَيْنُهُ وَنَفَرَتْ عَيْنُهُ فَقُلْتُ مَتَى فَعَلْتَ عَيْنُكَ مَا أَرَى قَالَ لَا أَدْرِي قَالَ قُلْتُ لَا تَدْرِي وَهِيَ فِي رَأْسِكَ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ خَلَقَهَا فِي عَصَاكَ قَالَ فَتَخَرَّكَ أَشَدَّ نَخِيرٍ حِمَارٍ سَمِعْتُ“ . رواه مسلم ج ۲ ص ۳۹۹ باب ذكر ابن صياد

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کو جب میں نے دیکھا تھا تو اس وقت اس کی آنکھ خراب ہو چکی تھی۔ میں نے پوچھا تیری یہ آنکھ کب خراب ہوئی؟۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں نے کہا اچھا وہ تیرے سر میں ہے اور پھر بھی تجھ کو معلوم نہیں؟۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تیری لکڑی میں اسے پیدا فرمادے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایسی زور کی آواز نکالی جیسے گدھے کی زور کی چیخ ہوتی ہے۔﴾

(۲۲)..... ”عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَ بَيْنٍ أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ أَدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ يُهَا دِي بَيْنَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ أَوْ يَهْرَاقُ رَأْسُهُ مَاءٌ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ فَذَهَبَتْ التَّفْتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعَدُ الرَّأْسِ أَعْوَدُ عَيْنُهُ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عَيْنَةُ طَافِئَةٍ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا الدَّجَالُ وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قُطَيْنٍ قَالَ الزُّهْرِيُّ رَجُلٌ“ مِنْ خَزَاعَةَ“ . رواه البخاری ص ۴۸۹ ج ۱ باب

اذکر فی الکتاب مریم 'کتاب الانبیاء'

﴿ان عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا اور خواب میں طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہیں گندم گوں رنگ 'سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پھر جو میری توجہ ذرا دوسری طرف گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا لمبا چوڑا آدمی 'سرخ رنگ ' سخت گھونگر والے بال ' آنکھ سے کان ' ایک آنکھ ایسی تھی جیسا ابھرا ہوا انگور ' لوگوں نے بتایا یہ ہے دجال اکبر اور سب سے زیادہ مشابہ شخص دیکھنا چاہو تو۔ بس خزائنہ قبیلہ کا یہ عبد العزیٰ بن قطن ہے وہ ٹھیک اسی صورت کا تھا۔﴾

دوسری حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ عروۃ بن مسعود کے بہت مشابہ ہیں اس حدیث کی تشبیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو افراد سے مراد خاص خاص اشخاص ہیں۔ قوم انگریز زیادہ شخص مراد نہیں جو عیسیٰ بن مریم کی صفات یا ہیئت کا حامل نہ ہو جیسا کہ یہاں بعض مدعیین کا دعویٰ ہے۔

(۲۳)..... "عَنْ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لِي مَا يَبْكِيكِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَكَرْتُ الدَّجَالَ فَبَكَيْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ يَخْرُجُ الدَّجَالُ وَأَنَا حَيٌّ كَفَيْتُكُمْوهُ وَإِنْ يَخْرُجُ الدَّجَالُ بَعْدِي فَإِنَّ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ بِأَعْوَدَانَهُ يَخْرُجُ فِي يَهُودِيَّةٍ أَصْفَهَانَ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَدِينَةَ فَيَنْزِلُ نَاحِيَّتَهَا وَلَهَا يَوْمٌ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ نَقِيبٍ مِنْهَا مَلَكَانِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهَا شِرَارُ أَهْلِهَا حَتَّى الشَّامَ مَدِينَةُ بِلَسْطَيْنِ بَبَابٍ لِدِ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ مَرَّةً حَتَّى يَأْتِيَ فَلَسْطَيْنِ بَبَابٍ لِدِ فَيَنْزِلُ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَمْكُثُ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً إِمَامًا عَدْلًا وَحَكَمًا وَمُقْسِطًا . مسند احمد ج ۶ ص ۷۵"

﴿حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے

دیکھا تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے دجال کا ذکر اس طرح فرمایا کہ اس غم میں مجھ کو بیساختہ رونا آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ نکلا اور میں اس وقت موجود ہوا تو تمہاری طرف سے میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اگر وہ میرے بعد نکلا تو پھر یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کا نام نہیں ہے۔ (وہ کاٹا ہوگا) جب وہ نکلے گا تو اس کے ساتھی اصفہان کے یہود ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب مدینہ آئے گا تو یہاں ایک طرف آکر اترے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو دو فرشتے نگران ہوں گے (جو اس کو اندر آنے سے مانع ہوں گے) مدینہ میں جو بد اعمال لوگ آباد ہیں وہ نکل کر خود اس کے پاس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ فلسطین میں باب لد پر آئے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما چکے ہوں گے اور یہاں وہ اس کو قتل کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ایک منصف امام کی حیثیت سے زمین پر زندہ رہیں گے۔ ﴿

(۲۴)..... "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيَمُكِّثُ فِي النَّاسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً . أَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ وَاحِدُ ج ۲ ص ۴۳۷، ابن جریر ج ۶ ص ۱۶، درمنثور ج ۲ ص ۲۴۲، فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۷، التصريح ص ۱۴۰، مرقات الصعود ص ۱۹۸"

﴿حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور لوگوں میں چالیس سال تک رہیں گے۔ ﴿

(۲۵)..... "عَنْ رَبِيعِ بْنِ جَرَّاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرِو لِحَذِيفَةَ أَلَّا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ مَعَ الدَّجَالِ إِذَا خَرَجَ مَاءٌ وَنَارًا فَأَمَّا الَّذِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَأَمَّا الَّذِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَقِفْ فِي الَّذِي يُرَى أَنَّهَا نَارٌ فَإِنَّهُ عَذَابٌ بَارِدٌ" (رواه البخاری ص ۴۹۰ ج ۱) وَزَادَ مُسْلِمٌ "وَأَنَّ الدَّجَالَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرُهُ غَلِيظَةٌ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَأُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ أَوْ غَيْرُ كَاتِبٍ وَفِي رِوَايَةٍ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ك"

فُر' وَفِي رِوَايَةِ الْكَافِ وَالْفَاءِ وَالرَّاءِ ۰ مُسْلِم ج ۲ ص ۴۰۰ باب ذکر الدجال

﴿یٰحییٰ بن حراش﴾ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عمروؓ نے حذیفہؓ سے کہا کہ آپ نے دجال کے متعلق جو بات آنحضرت ﷺ سے سنی تھی وہ ہم کو بھی سنا دیجئے۔ انہوں نے کہا میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دجال جب ظاہر ہو گا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے۔ مگر لوگوں کو جو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا پانی ہو گا اور جس کو لوگ ٹھنڈا پانی سمجھیں گے وہ جھلسا دینے والی آگ ہو گی۔ لہذا تم میں جس کو بھی یہ زمانہ ملے اس کو چاہئے کہ جو آگ معلوم ہو رہی ہو اسی میں داخل ہو جائے کیونکہ درحقیقت وہ آب خنک ہو گا۔ یہاں مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ دجال کی ایک آنکھ میں موٹا سا خونہ ہو گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہوں گے۔ جس کو ہر مومن پڑھ لے گا۔ چاہے وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ’ک‘ ’ف‘ ’ر‘ اور ایک روایت میں ’کاف‘ ’الف‘ ’ر‘ ہو گا۔

دجال کا فتنہ جتنا عظیم الشان ہے قدرت کی طرف سے اس کی شناسائی کے نشان اتنے ہی زیادہ ہیں۔ الفاظ مسلم پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجئے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ عالم تقدیر پنا کو پنا پنا سکتا ہے۔ جب اپنے قلب کی آنکھیں خود داپنا ہوں تو ’ک‘ ’ف‘ ’ر‘ کے الفاظ کیا نظر آئیں۔ لفظ: ”بین عینیہ“ تقدیری کلمات کے لئے شاید کچھ مخصوص ہے۔ اسی لئے یہی عمر وغیرہ کے لئے محل کلمات ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ازلی سعادت اسی مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کو شاید اسی لئے نظر آگئی ہو۔ پہلے یہ سب تفصیلات گزر چکی ہیں۔ عرف عام میں ہائے کہہ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارنا شاید اسی لئے روانہ پا گیا ہو گا۔ صحیح مسلم کی یہ صحیح حدیث ہمارے اس بیان کے لئے شاہد ہے مگر یاد رہے کہ اس میں گو پڑھے لکھے ہونے کی شریعت نہ سہی مگر مومن ہونے کی قید موجود ہے۔ عجب نہیں کہ یہی مومن کے ایمان کے تحفظ اور فرائض کی محرومی کا سبب ہو اور یہی ایک اور عظیم فتنہ کا باعث بن جائے۔ یہ جملہ امور اگرچہ احادیث میں گو صراحتاً مذکور نہ ہوں مگر اس کی طرف صراحتاً اشارہ کے قریب ہے۔

انہی سطور میں دجال کی حقیقت کے ساتھ ان صیاد کی احادیث کے ذکر نہ کرنے کی طرف حافظ ابن حجرؒ کا لطیف بیان گزر چکا ہے۔ اگر آپ فتن کی حقیقت سمجھتے ہیں اور ان کی احادیث کی طرف نظر رکھتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار سے دوسری ایک حقیقت کے انکار کی راہ نہ لیں گے۔ یعنی فتنہ دجال کے خروج کے جتنے اسباب صراحت کے ساتھ ذکر میں آچکے ہیں وہ ایک ان صیاد کی حقیقت کے مبہم رہنے کی وجہ سے مفت میں ان کا انکار نہ فرمائیں گے۔ اگر احادیث میں کہیں ان صیاد کے دجال ہونے میں آپ کو شبہ گزرتا ہے تو آپ کی نظروں میں نفس دجال کی غیر مشتبہ حقیقت کو مشتبہ نہ ہونا چاہئے۔ اس جگہ کم از کم ایک منصف کے لئے حقیقت یہ ہے کہ دجال اگر قوم کا لقب ہو تو ان صیاد کے متعلق حدیثیں اس کی تردید کے لئے کافی ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان صیاد کسی قوم کا لقب تھا اور نہ اس کے وجود شخص کے دیکھ لینے کے بعد اور اس کے والدین کے نام و نسب کی تحقیق کے بعد اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پھر ان صیاد کے دجال کہنے سے احادیث صحیحہ کے انکار کے سوا اور فائدہ کیا؟ جبکہ احادیث صحیحہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس کا قاتل عمرؓ جیسا شخص بھی نہیں ہو سکتا بلکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام مقرر ہیں اور وہ بھی اس ثبوت کے لئے اپنے نیزہ میں اس کا خون دکھا دکھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ میں جو عالم تقدیر میں اس کا قاتل مقرر ہو چکا ہوں وہ کوئی معنوی قتل نہیں ہے جو صرف کتابوں کے لکھ دینے سے پورا ہو جاتا بلکہ ایک حسی قتل ہے۔

دجالی فتنہ

یہ واضح رہنا چاہئے کہ وہ دجالی فتنہ جس کا حدیثوں میں تذکرہ آتا ہے اور جس سے تحفظ کا علاج سورہ کف کی تلاوت کرنا قرار دیا گیا ہے۔ وہ اسی کے دور میں ظہور پذیر ہو گا۔ جبکہ ایک طرف وہ خدائی کا دعویٰ اور اس سے پہلے رسالت کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ساتھ ایسے خارق عادات افعال بھی دکھلائے گا جو بظاہر اس کے دعوے کے مؤید نظر آئیں گے اور اس وجہ سے بہت سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے۔ ہمارے زمانے میں

مادی ترقیات خواہ کتنی بھی ہو جائیں وہ سب مادی قوانین کے تحت ہیں ان کو دجالی فتنہ سمجھنا بالکل بے محل بلکہ خلاف واقع بات ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانے میں جو جدید ایجادات سامنے آرہی ہیں وہ عجیب سے عجیب تر ہیں۔ لیکن موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں سب ہی اس میں شریک ہیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے مسابقت میں خوب سرگرم ہیں اور ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس میدان کا ہیر و کون ہے؟۔ اس لئے بھی ان میں سے کسی کو دجالی فتنہ قرار دینا قبل از وقت ہے بلکہ ان کو اس کے مقدمات میں شمار کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس کا مقدمہ دینی جمل ضعیف ایمانی اور طغیانی طاقتوں کا ہمہ گیر اقتدار ہے۔

حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ دجال خود یہودی النسل ہو گا اور اس کے تمام قبیعین بھی سب یہودی ہوں گے اور من حیث القوم وہی اس پر ایمان لائیں گے۔ اس لئے دجالی فتنہ کا مرکز اور حقیقت یہود ہیں اور اس لئے ہمارے زمانے میں یہودی مملکت کا قیام اور ان کی متفرق طاقتوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا اور اسی جگہ جمع ہونا جہاں عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور مقدر ہے۔ اگر اس کو دجالی فتنہ کا مقدمہ کہا جائے تو جاہو گا۔ اب رہے نصاریٰ تو وہ ابھی تک عیسائیت کے کم از کم دعویدار ضرور ہیں اور گو حیوانیت کے آخری نقطہ پر پہنچ چکے ہیں مگر ان کا زبانی دعویٰ اب بھی صلیب پرستی ہی کا ہے۔ ادھر ردس گو مدعی الوہیت تو نہیں لیکن اس سے بڑھ کر خدائے حق کا علی الاعلان منکر بھی کوئی نہیں۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد عیسائی تو ان پر ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نِسَاءٌ ۖ ۱۵۹“ کی تفسیر میں آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہودی ایک ایک کر کے قتل ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر پناہ لینا چاہے گا تو وہ درخت بول اٹھے گا۔

دیکھو میرے پیچھے یہ یہودی ہے اس کو بھی قتل کر دو۔ اس سوانح حیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنہ کا تمام تر تعلق یہود کے ساتھ ہو گا۔ ہمارے زمانے کی مادی ترقیاتی کے ساتھ اس کا تعلق کچھ نہیں ہے اور نہ ان اقوام میں سے خاص طور پر کسی ایک قوم کے ساتھ ہے جن کے ذریعہ یہ ترقیات سامنے آرہی ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر سورہ کھف کے اور اس فتنہ سے تحفظ کے لیے اور میان ربط کیا ہے؟ کہ اسی کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب قرار دیا گیا ہے تو اولاً اصولاً یہ سمجھ لیجئے کہ خوارق جس طرح خود سببیت اور مسببیت کے علاقہ سے باہر نظر آتے ہیں اسی طرح جو افعال ان کے مقابل ہیں وہ بھی سببیت کے علاقہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ مثلاً نظر کا لگنا سبب جانتے ہیں کہ یہ صحیح حقیقت ہے اور گو علماء نے اس کی معقولیت کے اسباب بھی لکھے ہیں مگر بظاہر اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اسی لئے بہت سے اشخاص تو اب تک اس کے قائل ہی نہیں اور اس کو صرف ایک وہم پرستی اور تخیل سمجھتے ہیں لیکن اس کے دفعیہ کے لئے جو سورتیں مجرب ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح غیر قیاسی ہیں۔ اسی طرح سببی جانوروں کے کاٹنے کے جو منتر اور افسوں ہیں وہ اکثر یا تو بے معنی ہیں اور جن کے معنی کچھ مفہوم ہیں بھی ان میں سمیت دفعہ کرنے کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیثوں میں بہت سی سورتوں کے خواص مذکور ہیں مثلاً سورہ فاتحہ کہ وہ بہت سے لاعلاج امراض کے لئے شفا ہے۔ اب یہاں ہر جگہ اس مرض اور اس سورت کے مضامین میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملائیے کی سعی ہے۔ پھر اسی قسم کی ذہنی مناسبات انسانی دماغ ہر جگہ نکال سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کاوش میں پڑنا مفت کی درد سہی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اگر سورہ کھف اور دجالی فتنہ کے درمیان کوئی تناسب معلوم کرنا ہی ناگزیر ہو تو پھر بالکل صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اصحاب کھف بھی کفر و ارتداد کے ایک زبردست فتنہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کے دل مضبوط رکھے اور اسلام پر ان کو ثلاث قدم رکھا جیسا کہ اس سورت کے شروع ہی میں ارشاد ہے :

”وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنُذْغَبُوا مِن دُونِهَا إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ۝ الْكَهْفِ ۱۴“

پس جس طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ محفوظ رہے تھے۔ اسی طرح جب دجال کا سب سے زبردست ارتداد کفر کا فتنہ نمودار ہو گا تو اس وقت بھی صرف امداد الہی ہی

سے لوگوں کے ایمان مضبوط رہیں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ کا نزول کفار کی فرمائش پر ہوا تھا۔ اس لئے یہ قصے ان کے جواب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور اس مناسبت کا یعنی فتنہ دجال اور سورہ کھف سے اس سے تحفظ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ صرف ایک قیاس آرائی اور قافیہ بندی ہی کہا جاسکتا ہے اور جس کو حدیث و قرآن سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ ان بے تکی باتوں میں پڑ سکتا ہے۔ دجال سے قبل یہی چند نشانیاں نہیں بلکہ بہت سی علامات مذکور ہیں جن کے اور دجال کے درمیان جوڑ لگانا ایک بڑی دوسری ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اپنی صفات میں سے جہاں اپنا قیام ہونا ذکر فرمایا ہے اور عیسائیت کی تردید فرمائی ہے۔ وہ قرآن کے عام مضامین میں سے ایک اہم مضمون ہے جو متعدد اسالیب سے متعدد سورتوں میں مذکور ہے۔ لیکن ان سورتوں کی تلاوت کو کہیں یاد نہیں آتا کہ دجالی فتنے کے تحفظ کے لئے شمار کیا گیا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہونہ ہو اس سورہ خاصہ میں کوئی سبب دوسرا ہو گا۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ اس سورت کے اول میں چند اشخاص کے تحفظ ایمان کی ایسی عجیب صورت مذکور ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے: ”وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ“۔ الکھف ۱۸

گو کہ یہ واقعہ قدرت الہیہ کے سامنے کچھ تعجب خیز نہ ہو۔ لیکن ایک ضعیف البدیان انسان کے لئے ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر وہ اس کی نظروں میں تعجب خیز نظر آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ اس واقعہ کو ذکر فرما کر قرآن کریم نے جو نتیجہ خود اخذ کیا ہے وہ اثبات قیامت ہے۔ چنانچہ اس قصے کو پورا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: ”وَكَذٰلِكَ اَعْلٰوْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعٰةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا“۔ الکھف ۲۱ اور دجال کی طرف کہیں اشارہ تک یاد نہیں آتا۔ ہاں حدیث میں بے شک اس سورت کے اوائل کے ساتھ اس کے او آخر کا تذکرہ ملتا ہے۔ اب اگر اوائل میں کھینچا تائی کر کے عیسائیت کو دجال کا فتنہ قرار دے ڈالا جائے تو پھر اس کے او آخر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں عیسائیت کی تردید پر کوئی زور نہیں دیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنے سے اور عیسائیت کی تردید سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس فتنے میں روس عیسائیوں سے دو قدم آگے نظر آتا ہے تو پھر یہ

بے جوڑبات کہنے کی ضرورت کیا؟ اور عیسائیوں کے تقدّم کو اس کی انتہائی شجاعت کے باوجود دجالی فتنہ قرار دے ڈالنے سے غرض کیا؟۔

اصل یہ ہے کہ بہت سی قومیں جب دجال کا ظہور نہ پاسکیں تو انہوں نے دجال کی احادیث کی پیش گوئیاں پورا کرنے کے لئے خواہ مخواہ کی یہ زحمت اٹھائی۔ یہ زحمت اس زحمت سے کم نہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اپنے زمانے میں نہ دیکھ کر خود عیسیٰ ابن مریم بننے کی سعی نامتام کی۔ اگرچہ ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین شہر اور نام اور کام اور محل دفن وغیرہ کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اس پر بھی آخر کار انہوں نے ایک عیسیٰ ابن مریم تجویز ہی کر لیا اور لاکھوں انسانوں نے ان کی اس بدیہی غلطی میں تقلید ہی کر ڈالی۔ اسی طرح یہاں عیسائیوں کا جرم تو مسلم ہے مگر انہی کو دجالی فتنہ قرار دے ڈالنا پھر سورہ کف کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب سمجھ لینا یہ علمی غلطی ہے جس کا نہ احادیث سے کوئی پتہ لگتا ہے اور نہ تاریخ سے کوئی ثبوت۔

ہاں! اگر صرف قیاس آرائی کافی ہو تو بات دوسری ہے ورنہ عیسائیوں کو تو ان پر ایمان لانا ہے۔ ہاں! یہودیوں کو ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جانا ہے اور اس طرح ان دونوں قوموں کا حشر آنکھوں کو نظر آتا ہے۔ پھر دجالی فتنے کو ان پر منطبق کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟۔ کچھ گنجائش ہے اور دجالی فتنے کو کسی فریق پر منطبق کرنا ہی ہے تو یہود کے حق میں اس کا کوئی امکان پیدا ہو سکتا ہے اور بس۔

والحمد لله اولاً و آخراً.

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ
الذین فی اولہم نبیہم و آخرہم الامام المہدی علیہ السلام (واما الدجال
الاکبر فہومن الیہود لیس منا ولسنا منہ لعنہ اللہ لعناً کبیراً)

چہار شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۵ ھ

بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۶۵ء المدینۃ المنورہ

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆☆..... مرزا قادیانی سب دہریوں سے بڑھ کر اپنے دہریہ
ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

☆☆..... قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں بھی حلال نہیں بلکہ
مردار ہے۔

☆☆..... مرزا یونیمیرے اس سوال کا جواب دو کہ 52 سال
جھوٹ بچنے والا مسیح موعود کیسے بن گیا؟۔

☆☆.....☆☆

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مجلد آئینہء اسلامی، سہ ماہی، لاہور
پبلشرز: مولانا سید محمد رفیع، لاہور

نور ایمان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد رفیع عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
 قادیانی جماعت کے لائٹ پادری مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور قادیانی
 جماعت کے دوسرے گرو مرزا محمود نے ندائے ایمان نامی ایک مضمون
 تحریر کیا۔ جس کا محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی صاحب مدنی
 نے ”نور ایمان“ کے نام سے جواب تحریر فرمایا۔ صدائے ایمان از شیخ
 الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور نور ایمان از محدث کبیر مولانا سید محمد بدر
 عالم میرٹھیؒ ایک ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئے تھے۔ ”صدائے
 ایمان“ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ”نور ایمان“ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ۱۳۵۰ھ
 میں شائع ہوئے تھے۔ اب نایاب تھے۔ شامل کتاب کرنے کی سعادت پر
 رب کریم کے حضور سجدہ شکر جلاتے ہیں۔ فلحمد لله!

فقیر اللہ وسایا

۱۳۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ . وَاللَّهُ مُدِمْ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ . الصف ۸“

زمیندار کی ایک تازہ اشاعت میں مرزا محمود قادیانی کا مضمون ”ندائے ایمان“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جسے دیکھ کر مجھے ان کے فلسفہ توہین و عظمت رسول پر حیرت ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ انتہائی جذبہ عقیدت و مودت میں حیات مسیح علیہ السلام جیسے مسلم و محکم عقیدہ کو خاتم الانبیاء ﷺ کی توہین اور ہتک عزت کا موجب سمجھتے ہیں اور دوسری طرف نہایت بیباکانہ و سفاکانہ لہجہ میں سرور کائنات ﷺ کے ایک مخلص اور سچے جان نثار کو کافر، جنمی، قرار دے دیتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا جذبہ محبت ظاہر کرنے والا نبوت محمدی کے تسلیم کر لینے والے کو کسی جدید نبوت کے انکار سے کیسے کافر کہہ سکتا ہے حالانکہ حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو تو نبی کریم ﷺ کی توہین سے دور کا بھی کوئی علاقہ نظر نہیں آتا۔ ہزاروں انبیاء لاکھوں صلحاء گزر گئے لیکن کیا موجودہ زندہ رہنے والے انسانوں کو ان پر اس لئے کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ زندہ ہیں اور وہ وفات شدہ۔ اس لئے ہم یہ رائے قائم کر لینے پر مجبور ہیں کہ آپ کے نزدیک معیار توہین و عظمت صرف یہ ہے کہ جس طریق سے مسیحیت جدیدہ کا راستہ صاف ہو وہ عظمت ہے اور جس مسئلہ سے اس راستہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ پیش آئے وہ توہین اور ہتک عزت ہے۔

حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی چونکہ نہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت بلکہ اس قسم کے ہر کاذب مدعی کے لئے سدا رہا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اسے آپ

بھی ایک رکاوٹ سمجھ کر موجب توہین قرار دیں اور اسی لئے ایسے مدعیوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اسی مسئلہ سے لوگوں میں تشویش پیدا کریں۔ تاکہ اپنی مسیحیت کی بنیاد قائم کرنے کے لئے ان کا دوسرا قدم ناکام نہ رہے۔ اسی لئے شریعت مصطفویہ ﷺ نے پہلا ہند اسی دروازہ پر قائم کیا ہے۔ جہاں سے مدعیان مسیحیت کاذبہ کی آمد کا سب سے اول خطرہ تھا اور وہ یہی مسئلہ حیات مسیح ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے اور اسی طرح ایک باطل دوسرے باطل سے وابستہ ہے :

”قال ﷺ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعة وکل

بدعة ضلالة وفى حدیث انسؓ عند الترمذی ثم قال یا بنی وذلك من

سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة .“

حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کے بعد حق کی دوسری کڑی مدعیان مسیحیت کاذبہ کی تکذیب ہے۔ ختم نبوت کا اعتقاد راسخ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت اور ان کے جلال کا تسلیم کرتا ہے۔ قرآن شریف کے کیات اور احادیث کے ایک ذخیرہ پر خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ایمان لاتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وفات مسیح کے مان لینے کے بعد دوسرا باطل جو ہمارے سامنے ہے وہ مدعیان مسیحیت و نبوت کی ایک قطار ہے۔ قصر ختم نبوت کا ہدم ہے، مسیح برحق کا انکار ہے، قرآن شریف کی نصوص صریحہ سے روگردانی ہے اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے اس پر عظمت جلال کا انکار ہے جو آخری زمانہ میں عالم آشکارا ہونے والا ہے اور جس کے ساتھ اتحاد مل و مذہب وابستہ اور وحدۃ دین موجود ہے :

”قال تعالى وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ . النساء

۱۵۹“

اس کے بعد آپ غالباً آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صد ہا پیشگوئیوں میں سے مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی کو تقریباً (۷۰) (بلکہ سو سے بھی زائد) احادیث میں کیوں مکرر رہ کر بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک پیشگوئی ہونے کے سوا اور کیا ہے۔ پھر پیشگوئی ایک یہی نہیں اور بھی بہت تھیں اسی کو کیا اختصاص تھا کہ اس کثرت کے

ساتھ اس کو بیان کیا گیا؟۔ اور اس کے بالمقابل مدعیان مسیحیت کو آخر اسی مخصوص مسئلہ سے چڑکیوں ہے؟ اور کیوں زبردستی کبھی توہین کی دھمکی دے کر، کبھی عقل کے خلاف ٹھہرا کر، اور کبھی قرآن وحدیث کے مخالف قرار دے کر، اور کبھی عیسائیوں کی موافقت سے ڈرا کر اس مسئلہ سے متنفر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے؟۔

افسوس نہ تھا اگر اس اہم مسئلہ توہین وعظمت رسول میں اس ”سیاسی“ دسوزی کے ساتھ علیت کا بھی کچھ رنگ ہوتا کہ جواب دینے کے لئے ہم جیسے غلامان محمد ﷺ ابھی ہزاروں زندہ موجود ہیں۔ لیکن افسوس تو اس پر ہے کہ جن امور سے اس عقیدہ اہم ومہم کو توہین قرار دیا گیا ہے وہ ایک احمق سے احمق کے لئے بھی قابل تمسخر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر طویل العمر اور زندہ سمجھنا نبی کریم ﷺ سے افضل ٹھہرانا ہے۔ یہ ٹھیک ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام) کو حالت رضاعت میں وفات شدہ ماننا اور مرزا غلام احمد کے صاحبزادہ کو بائیں ریش و فٹ جیتا جاگتا تسلیم کرنا آپ کی توہین کرنا ہے۔ کیا اگر کوئی دوسرا پولیٹیکل مبلغ، سرور کائنات ﷺ کے فرزند اور آپ کی اس پیری کا مقابلہ کر کے یہ کہنے لگے کہ مسلمانو! کیا غضب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فرزند کو تو زمانہ طفولیت سے بھی گذر نے نہیں دیتے اور مرزا غلام احمد کے بچے کو زندہ مان کر بڑھاپے کی عمر تک پہنچاتے ہو، اور حضور ﷺ کی سخت توہین کرتے ہو۔ تو کیا وہ آپ کی وفات عین حالت حیات میں ثابت کرنے میں مجبور نہیں ہے؟ یا صرف اتنے سے فرق ہے کہ آپ سر زمین پنجاب میں زندہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر۔ آپ زندہ اور وہ وفات شدہ تسلیم کئے جاسکتے ہیں؟۔ آپ کو یقین کر لینا چاہئے کہ مدنی نبی ﷺ کے ماننے والے اس کے فرمان پر چشم دید حالات سے زیادہ یقین رکھتے ہیں اور جہاں شریعت کی اطلاع پر لا تعدا ولا تحصى ملائکہ کو سنوآت پر زندہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بلاشبہ دریب زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ قدرت کے ہاتھ نے اسی لئے انہیں آسمانوں پر اٹھایا ہو تاکہ آسمان پر رہ کر ان کے حیات میں کوئی استبعاد نہ رہے کیونکہ جس ملک کی عمر تاریخ صور ہو وہاں کسی کا مدائے چندے زندہ رہنا کیا بعید ہے؟۔ اگر نوح علیہ

السلام اسی زمین پر رہ کر ہزار برس زندہ رہ سکتے ہیں۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر کیوں اس قدر یا اس سے زیادہ زندگی نہیں گزار سکتے؟۔ حالانکہ وہ تو ان کا مستقر ہے جنہیں قیامت سے قبل موت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا زمانہ وفات قریب ہو گا تو پھر اسی زمین پر آنا مقدر ہے تا معلوم ہو جائے کہ آسمانوں پر موت نہیں ہے۔ پھر کس قدر بے علمی ہے کہ جس صورت کو دست قدرت نے اس استبعاد کے دور کرنے کے لئے اختیار کیا۔ اسے ہی کم فہمیوں نے اور زیادہ استعجاب کا موجب بنالیا۔ سچ ہے :

”وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ . لَقَالُوا إِنَّمَا سُبُكْرَتُ أَبْصَارِنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ . الْحَجَرُ ١٤“

ہاں! مرزا قادیانی کو دھوکا لگ جانا اس وقت قرین قیاس تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کو بھی آسمانوں میں مان کر وفات شدہ تسلیم کیا جاتا۔ مگر میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آسمان ہرگز نبیوں کے مستقل طور پر رہنے کا مقام نہیں ہے۔ اور نہ انبیاء کا آسمانوں پر رہنا کوئی موجب افضلیت ہے۔

رسل اور سید الرسل کے لئے زمین کیوں منتخب ہوئی؟

حق تعالیٰ کی مشیت ازلٰی نے جب چاہا کہ اپنا کوئی خلیفہ بنائے۔ اس وقت یہ آسمان بھی موجود تھے اور زمین بھی۔ لیکن صاف اعلان کر دیا کہ :

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً . الْبَقَرَةُ

۳۔“ یعنی فرشتے میرے آسمانوں پر ہیں لیکن میرا خلیفہ میری زمین پر ہو گا اور یہ اس لئے مقدر ہوا کہ آسمان بالاصالۃ یعنی بلا واسطہ قدرت کی کار فرمایوں کے مظهر ہیں۔ اس لئے جہاں اصل کا ظہور ہو وہاں خلیفہ کا کیا کام؟۔ زمین ہی وہ کھڑا تھا جہاں ید قدرت نے آدم علیہ السلام کی طاقت ظاہر فرما کر اپنی قدرت کاملہ کو اسباب کے پردہ میں مستور کر دیا۔ لہذا ضرور ہوا کہ خلافت زمین پر ہی عیاں ہوتی۔ ورنہ جس طرح سموات اسباب سے بالاتر اور بالاتر کارخانہ پر مشتمل ہیں اسی طرح یہ زمین بھی براہ راست ید قدرت کے تحت میں ہوتی اور جس طرح

آسمانوں پر خدا تعالیٰ کے نہ معصیت کرنے والے ملائکہ آباد ہیں۔ اسی طرح زمین پر وہ ہندے آباد ہوتے جنہیں سوائے طاعت کے کچھ کام نہ ہوتا اور ”يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ“ کا مصداق ہوتے اور اس طرح اسباب و مسببات کا سارا کارخانہ درہم ویرہم ہو جاتا۔ جنت و دوزخ کی حاجت نہ رہتی اور عالم کی پیدائش سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ لیکن جب حکمت ایزدی اور مرئی لم یزل نے غائب بن کر اپنی عبادت چاہی تو خلیفہ کے لئے اس زمین کو مخصوص کر دیا اور غائبانہ اپنے خلیفہ پر اوامر و نواہی اتارے تاکہ دیکھے کہ اگر ملائکہ مشاہدۂ عبادت کرتے ہیں تو کیا کوئی بن دیکھے بھی عبادت کر سکتا ہے :

”تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا . الْمَلِكُ ۝ ۲۱“

اسی لئے بلاخر مسجود ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی جنت چھوڑ کر مسند خلافت پر جلوہ آرا ہونے کے لئے اسی زمین پر آنا پڑا۔ پھر بتلاؤ کہ خلیفہ کے بعد دوسرے ہادیوں کے لئے بھی خدا کی یہی زمین زیادہ موزوں تھی یا وہ آسمان جہاں ایسی مخلوق بسیعی ہے کہ جو بلا واسطہ احکام سنتی اور بلا فترۂ عبادت میں مشغول ہے۔ نہ وہ کسی رسول کی وحی کی محتاج ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت کی۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام اگر کسی مصلحت الہیہ کے ماتحت آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اس وجہ سے سرور کائنات ﷺ سے افضل ہو سکتے ہیں؟

ملائکہ اللہ جنہیں ابتداء خلافت کی مصلحت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جب کچھ تردد لاحق ہوتا ہے تو اتنا ہی کہتے ہیں کہ :

”وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ . الْبَقَرَةُ ۝ ۳۰“

یعنی اے اللہ! ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں پر رہنا بھی کسی فضل کا موجب تھا تو ان کا اولین حق تھا کہ اس کے ساتھ ہی : ”وَنُسَبِّحُ فِي سَمَائِكَ“ بھی کہتے یعنی اور ہم تیرے آسمانوں میں رہتے ہیں۔ لیکن جب خود اس مکان کے ساکن محض کسی مکان کی سکونت کو موجب فضل نہیں سمجھتے تو پھر زمین والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے اتنا بڑھائیں جتنا کہ انہیں حق نہیں؟۔ تسبیح و تقدیس گو بظاہر ایک بڑے فضل کی شے ہے لیکن

بارگاہِ صمدیت میں جسے ہر کسی کی تسبیح و تقدیس سے بے نیازی حاصل ہے۔ اس کو بھی کسی خاص فضل کا موجب نہ سمجھا گیا اور صاف جواب مل گیا کہ: ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (بقرہ ۳۰) یعنی جہاتِ فضیلت تمہاری پرواز سے باہر ہیں۔ کسی کا آسمان و زمین پر رہنا تو درکنار تسبیح و تقدیس بھی موجبِ افضلیت نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ اس کی ذاتِ قدسی صفات کا اصطفاء واجباً ہے اور یہ اسی کے ہاتھ میں ہے جسے کوئی بشر اپنی فطری یا کسی طاقت سے حاصل نہیں کر سکتا: ”اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ“ (الحج ۷۵) ظاہر ہے کہ ایک ویرائے ہندوستان میں رہ کر شاہ انگلستان کے نزدیک وہ رتبہ رکھ سکتا ہے جو ایک کمشنر اس کی محفل بلکہ اس کے محل میں رہ کر بھی حاصل نہیں کر سکتا پھر یہاں اور وہاں کا فرق فضول ہے:

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

افضل البشر ﷺ کی عظمت میں کسی کا کیا منہ ہے کہ ہم سے گوئے سبقت لے جائے ایک وہ ہیں جن کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام برائے چندے آسمان پر رہ کر افضل بن سکتے ہیں اور ہم وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ واللہ وہ سر زمین جس پر سرور کائنات (ﷺ) کے قدم پڑتے ہیں اس آسمان سے ہزار درجہ افضل ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس کے غیر متابہی فرشتے بھی آباد ہیں۔

ایک وہ ہیں جو مکین کو مکان کی وجہ سے شرف دیتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو مکان کو مکین کی وجہ سے اشرف سمجھتے ہیں: ”قَالَ تَعَالَى لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ . وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ . الْبَلَدِ ۲۱“ یعنی اے محمد (ﷺ) میں اس شہر مکہ کی قسم اس لئے کھاتا ہوں کہ تو اس میں رہتا ہے پھر جس کے وجود سے ام القریٰ مکہ کو شرف حاصل ہو سکتا ہے وہ آسمان پر جانے کا کیا رشک کرتا؟ بلکہ آسمان خود اس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں اس کے قدم پڑتے ہیں:

بر زمین کہ نشان کف پائے تو بود
سالما سجدہ صاحب نظر ان خواہد بود

اب تو آپ نے انصاف فرمالیا ہو گا کہ ہم غلامان محمد ﷺ اس عقیدہ کے ماتحت خاتم النبیین کی توہین کرتے ہیں (والعیاذ باللہ) یا تعظیم اور آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ آپ ”مدنی“ نبوت کے بالمقابل ”قدنی“ نبوت کا جھنڈا گاڑ کر ایسی کھلی توہین کر رہے ہیں جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین پاش پاش ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

ختم نبوت کے بعد کسی نبوت جدیدہ کا تسلیم کرنا سخت توہین ہے

خدائے تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے رسول بھیجے اور یقیناً ہر رسول اپنے اپنے زمانہ کے لئے ایک نور تھا اور ایک شمع تھی جس کے اجالے میں آنکھ بند کر کے خدائے قدوس تک رسائی ممکن تھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت کا ماننے والا اگر نوح علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے سوائے جہنم کے کبھی مفر نہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ نبوت آدم علیہ السلام میں کوئی نقصان تھا (والعیاذ باللہ) بلکہ اس لئے کہ نبی وقت کی اس میں توہین ہے۔

یہی سلسلہ چل کر ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام تک پہنچا اور یہ ہر دو نبی بھی اپنے زمانہ میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے لیکن آخر کار عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں ان پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے کافی نہ ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ زمانہ میں ایک شخص اپنے نبی پر ایمان لا کر بھی خدائے تعالیٰ کے نزدیک ناقبول ٹھہر سکتا ہے اگر وہ آئندہ نبی پر ایمان نہیں لاتا اس لئے اگر ہمارے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ بھی اسی سلسلہ کے ماتحت اول یا وسط میں مبعوث ہوتے تو ضرور آپ ﷺ پر ایمان لانا بھی کسی زمانہ میں اسی طرح نا کافی ہو جاتا۔ اور جس طرح کہ ایک شریعت موسویہ کا عامل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت اور رضائے حق سے محروم ہو کر لبد لآباد کے لئے جہنمی ہو سکتا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ (ﷺ) پر بھی ایمان لا کر بعد کے نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنمی ہو سکتا تھا۔ لیکن رحمت حق نے اپنے محبوب کو ایک خاص بزرگی سے نوازا اور چاہا کہ اب آئندہ اس رحمتہ اللعالمین پر ایمان لانے والا اس

خطرہ سے مامون ہو جائے اور جس طرح اس کے زمانہ میں ایمان کا مدار اس کی ذات پر تھا اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت آئندہ بھی اسی کے نام سے ولستہ ہے۔ اس لئے ختم نبوت کا تاج مکمل اس کے سر پر رکھا اور دنیا کو مطمئن کر دیا کہ اس مرلی اعظم ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں۔ اس کا ماننا نجات کے لئے کافی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے رضائے حق مل سکتی ہے اور اسی کی مخالفت سے خدا کا غضب ٹوٹتا ہے۔ خدا کی جنت اسی کے نام کے ارد گرد دور (گھومتی) ہے اور جہنم اسی کے متبرک نام سے خائف ہے۔ کوئی نہیں جس پر ایمان لانا اس کے بعد درست ہو۔ اس لئے کہ اب وہ آگیا جو سارے جہان کو تسلی دینے والا ہے۔ ہر پیاسا اسی کے بحر شریعت سے سیراب ہو گا۔ ہر بھوکا اسی کے دسترخوان سے شکم سیر ہو گا اور ہر خائف اسی کے حریم امن میں پناہ پائے گا۔ اس کا دامن خدائے تعالیٰ کے دائمی رضا کا ضامن ہے۔ کوئی نہیں جس کا نام اس کے نام سے لو نچا ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی نبوت کے بعد اپنی طرف دعوت کا حق رکھتا ہو۔ اس لئے کہ اب امام آگیا۔ وہ حامل لواء ہے اور سب اس کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔ اسی راز کو آشکار کرنے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام جیسا لولوا العزم نبی آئے گا اور دنیا کو دکھلائے گا کہ یہ وہ نبی ہے جس کے دور میں انبیاء امتی بن کر بسر کرتے ہیں اور دوسروں کے شفیع بن کر بھی خود اس کی شفاعت سے مستغنی نہیں ہیں۔

عقیدہ حیات مسیح کا عیسائیت پر اثر

ربا عیسائیت کی موافقت کا سوال تو آپ کو معلوم رہے کہ عیسائیت کے استیصال کے لئے اس مسئلہ سے زیادہ کوئی اسم اعظم نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور آخر میں وہ بھی لکھی جا چکی جس کو لوگ براہین احمدیہ کہتے ہیں اور جس کی تصنیف کا خدا کو متکفل کہا جاتا تھا۔ لیکن کیا عیسائیت معدوم ہو گئی؟

ہاں! اگر آتھم کے زمانہ کے دستور کے مطابق وفات پا جانے سے عیسائیت تباہ ہو سکتی ہے تو بے شک تباہ ہو گئی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ میری اور تیری صفائی سے کیا ہو گا۔ صفائی مکمل اس وقت ہو گی جبکہ عیسائیوں کا مزعوم خدا خود زمین پر اتر کر اس اتہام کو علی رؤس

الاشہاد اپنے سر سے اٹھائے گا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اپنے تابع ہونے کا ثبوت دے گا اور آخر کار اسی زمین میں جا کر سو رہے گا۔ جہاں خدا کے سارے رسول آرام فرمائیں۔ یہ وہ دن ہو گا جبکہ عیسائیت کا ختم دنیا سے معدوم ہو جائے گا اور اس لئے اس کے شعائر اس کی طاقت و شوکت اور اس کے خصائص سے عالم پاک ہو گا صلیب توڑ دی جائے گی کہ پھر نہ گر جائے نظر آئے گا نہ اس پر صلیب لٹکے گی۔ خنزیر قتل کر دیے جائیں گے اور دنیا بعد فساد کے پھر امن کی طرف لوٹے گی۔ لیکن اس کے برخلاف اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح سولی چڑھا دیا گیا اور پھر نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ کون ہے جو عیسائیوں کو کفارہ کے عقیدہ سے روک سکے۔ کون ہے جو ان کے شعائر کو پست کر دے اور کون ہے جو عیسائیت کا بیج خدا کی زمین سے بخود کر دے۔ کیا وہ مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے صاحبزادہ جنہیں ہمیشہ عیسائیوں اور ان کی سلطنت کے مناقب کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ کیا وہ جن کے نزدیک ہندوستان مکہ اور مدینہ سے زیادہ پیارا ہے۔ کیا وہ جن کا خدا خود ان سے غلط انگریزی میں باتیں کیا کرتا تھا۔

اب مرزا محمود انصاف کریں کہ ایک طرف حیات عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے ان کا نازک دل پھٹا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا تعالیٰ کے اس امتیاز کلی کو مٹانا چاہتا ہے کہ اب اس خاتم الرسل پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہ رہے۔ جنت اور رضائے ایزدی اس کے توسط کے جائے مرزا غلام احمد کے توسط سے ملنے لگے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی رسول اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہ اترے اور اس کے ماء مصفی کو چھوڑ کر دنیا مرزا غلام احمد قادیانی کے گھاٹ سے سیراب ہو :

تکدر	ماء	السابقین	وعیننا
الی	آخر	الایام	لا تتکدر

مسئلہ ختم نبوت ایک فسانہ سمجھا جائے اور اس طرح عظمت کے دعوے میں اہانت اور ایمان کی ندامت کفر کی دعوت دی جائے؟۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ آپ ان عقائد فاسدہ سے توبہ کر لیں؟ اور ایک ایسی نبوت تامہ وعامہ کے نیچے آجائیں جس کے بعد ہر

نبوت سے بے نیازی اور ہر وحی سے استغنیٰ ہے :

بہار عالم حسنش جہان را تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت رابیو ارباب معنی را

معزز زمیندار کی اپیل پڑھ کر میں نے اس مضمون کو شروع کیا تھا اور اپنے ذہن میں اس کو دو حصوں پر منقسم کیا تھا جس میں سے اول حصہ مرزا محمود صاحب کے شکوک کے جواب کے متعلق تھا۔ اور دوسرا اپنے مقصد کی تقریر میں۔ لیکن جب میں اس قدر مضمون لکھ چکا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ کا میں نے مضمون سنا جس کے بعد اپنا یہ مضمون بھی زائد از حاجت معلوم ہوا اس لئے دوسرے حصہ کو حذف کرتا ہوں کہ مولانا نے موصوف کا مضمون اس باب میں بس ہے اور اسی میں کفایت ہے اسی کو بغور پڑھئے اور سنائیے۔

ہوالمسک ما کررتہ یتضوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الحمد لله الذي جعل القرآن الكريم
سورة الفاتحة

الجواب الفصيح لمنكر حیات المسیح

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد رفیع عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے ”الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح“ تحریر فرمایا جو ۱۳۴۳ھ میں مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوا تھا۔ عرصہ سے نایاب تھا۔ ۷۹ سال بعد اس کی اشاعت یہ ہمارے لئے کیا باعث سعادت نہیں؟۔ ۱۷ شعبان ۱۴۳۱ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے۔ آپ کے شاگردوں کی جماعت ساتھ تھی۔ کشمیر کے اہالیان کو پتہ چلا تو کشاں کشاں چلے آئے۔ آپ نے پورے کشمیر میں فتنہ قادیانیت کے خلاف تقریریں کیں۔ قادیانیت بکھلا اٹھی۔ قادیان سے لاہور تک کے قادیانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنے ہفتگی رسائل جیسے پیغام الصلح وغیرہ میں مضامین لکھے جو دلائل سے زیادہ گالیوں سے پر تھے۔ ان تمام مضامین کا جواب حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مرحوم نے تحریر فرمایا تو یہ کتاب بن گئی۔ اس میں ذیل کے مضامین ہیں :۱.....

مصباح العلیہ لمحوالنبوة الظلیہ۔۲..... الجواب الحفی فی آیۃ التوفی۔۳..... انجاز الوفی فی لفظ التوفی۔ ان مضامین کے مجموعہ کا نام ”الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح“ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اکابرین کی محنت کو امت کے ہاتھوں پہچانے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ فلحمد لله!

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۶۲۰۰۱/۸/۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش

ناظرین کرام چونکہ اس رسالہ کا مقصد صرف معترض کی جولبدی نہیں بلکہ اظہار حق اور تحقیق ہے۔ اس لئے ہر چند کہ تحریر جواب و کلمات سے فراغت حاصل ہوئی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن کارکنان شعبہ تبلیغ و اشاعت دارالعلوم کو کچھ ایسی مشاغل ضروریہ جو اس سے اہم تر تھے درپیش رہے جن کی وجہ سے رسالہ ہذا کے طبع میں ضرورت سے زیادہ تاخیر واقع ہو گئی اور کاپیاں بھی رکی رکی قدرے خراب ہو گئیں۔ اس لئے التماس ہے کہ اس تاخیر سے طول نہ ہوں اور مطلب کی بات غور سے مطالعہ فرمادیں۔ انشاء اللہ! امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہ پائیں گے۔ اور اگر کوئی بات قابل پذیرائی نظر پڑے تو احقر کو بھی کلمات خیر سے ضرور یاد کریں۔

والسلام!

بدر عالم عفی عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ اما بعد !

ایک مدت مدید سے اپنا خیال تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایجادات پر کوئی مختصر سار سالہ تحریر کیجئے اور اس مدعی نبوت کے اختراعی تصرفات کو عوام کے روبرو پیش کیجئے تاکہ امت محمدیہ اس کی تلخیص سے متنبہ اور حقیقت حال سے آگاہ ہو جائے۔ مگر اپنی بے بضاعتی نے کبھی اہل علم و فضل کے مجمع میں رہ کر قلم اٹھانے کی ہمت نہ دی۔ حتیٰ کہ یہ خیال قریب تھا کہ کہنے ہو کر معدوم ہو گیا ہو تاکہ سعادت ازیلہ اور تقدیر الہی نے دفعۃً دستگیری کی اور ایسے سامان میسر کر دیئے کہ بائیں ہمد قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی۔ یعنی حسب الاتفاق خاتم الحدیثین و آیت السالفتین الصالحین سیدنا و سندنا و استاذنا حضرت مولانا مولوی الحاج سید انور شاہ صاحب مدظلہ العالی مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند نے اپنے وطن مالوف کی طرف سفر کا ارادہ کیا اور مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۴۱ھ کو یہاں سے روانہ ہو کر بمقام بارہ مولادوسری نگر ہوتے ہوئے کشمیر کو شرف ورود بخشا۔

چونکہ نواہی کشمیر میں جناب کے تقدس و علم کا ہندوستان سے بھی زیادہ شہرہ ہے۔ اس لئے جوق در جوق مشتاقان دیدار بغرض تحصیل زیارت آتے رہے۔ اس دوران میں حضرت موصوف مسلمانوں کی مذہبی کمزوری کو برابر محسوس کرتے تھے اور اسی سبب سے صرف دو ماہ کے قیام میں مختلف مقامات پر آپ کو سترہ مرتبہ وعظ فرمانے کا اتفاق ہوا۔ جن میں بعض مسائل اجتہادیہ مختلف فیہا اور بعض میں اس فتنہ عمیاء و صماء پر خصوصیت سے بحث فرمائی۔ جوں ہی کہ حضرت موصوف کی زبان پر تاثیر سے صداقت و اخلاص سے لبریز مواعظ لوگوں کے کانوں تک پہنچے۔ اسی وقت سے عوام میں مذہبی تحریک اور مردہ ایمانوں میں تازگی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ پھر کیا تھا اس کامیابی اور تائید حق کو دیکھ کر مرزائیوں کے پٹنگے لگ گئے اور ان سے رہانہ گیا۔ یہاں تک کہ پیغام صلح میں عبد اللہ وکیل (قادیانی) کی طرف سے چند اعتراضات طبع ہوئے۔ خیر اس کا تو شکوہ نہ تھا افسوس اس پر ہے کہ ساتھ ہی ساتھ حضرت موصوف کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات بھی استعمال کئے گئے ہیں جسے ہم مرزائی سنت

سمجھتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ پرچہ میری نظر سے بھی گزرا۔ گواہاوارادہ تو تھا ہی مگر اس پر حضرت موصوف کے فرمان نے جسے میں نے قابل فخر اور باعث نجات تصور کیا۔ تحریر جواب پر مجبور کر دیا اور وہ امروز فروا کا غیر متناہی سلسلہ آج منقطع ہوا اور تو کلا علی اللہ جو کچھ کہ آنجناب (شاہ صاحب) کے افادات خارج یا اوقات درس کی اپنی دماغ میں مجمع تھے۔ ان کو یکجا قلم بند کرنا شروع کیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں دریافت بھی کیا۔ اس کے بعد اس منتشر اور بے ربط ذخیرہ کو بصورت رسالہ حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کرنے کی درخواست کی۔ ہر چند کہ اپنی ہیچمدانی پر نظر کرتے ہوئے کس طرح امید نہ تھی کہ کچھ بھی قابل پذیرائی ہو مگر الحمد للہ کہ حضرت موصوف نے اس کو قبول فرما کر اول سے آخر تک حرف عرف سنالور حسب ضرورت اصلاح فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی میری گزارش پر ہر مضمون کا مناسب عنوان بھی خود ہی تجویز فرمایا۔

بدر عالم میرٹھی

نوٹ: ہر مضمون کا عنوان ابتداء صفحہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ صفحات مضامین کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ اعتراضات بلطفہا منقول ہیں۔ اصل پیغام صلح مورخہ ۳ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کالم ۴ پر ملاحظہ ہو۔

مصباح العلیہ لمحو النبوة الظلیہ

(قال) ”مولانا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ظلی یامروزی مجازی نبوت کا قائل خارج از دائرہ اسلام ہے۔ اس پر گزارش ہے کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے۔ لکل ان یصطلح اگر یہ نبوت بھی ٹکلی مسدود ہے۔ تو ملاحظہ فرمائیے کتاب : ”الیواقیت الجواہر امام شعرانی“ اعلم ان النبوة لم یرفع مطلقا بعد محمد ﷺ وانما ارتفع نبوة التشريع فقط وقد كان الشيخ عبدالقادر الجیلانی یقول اوتی الانبیاء اسم النبوة و اوتینا اللقب۔ ”کیا کوئی قاضی بنا سکتا ہے کہ امام شعرانی ”یا عبدالقادر جیلانی“ شیخ لکن عری ”مجدد الف ثانی“ علماء اسلام داخل دائرہ اسلام نہیں ہیں۔ معاذ اللہ!“

(اقول) ”و به نستعین“ قبل اس کے کہ میں اس عبارت کی شرح کروں اولاً ظلی نبی کی مختصر تحقیق کرتا ہوں کہ کیا مرزا قادیانی کے نزدیک ظلی نبوت اور محدثیت شی واحد ہیں؟ اور یہ کہ کیا ظلی نبوت کوئی قابل تسلیم اصطلاح ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟۔ سو سب سے اول تو بطور اصل گزارش ہے کہ اگر ظلی یامروزی نبوت دین میں کوئی شی معتبر ہے جس کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے تو کسی ایک حدیث کو ہی مرزائی پیش کر دیں جس میں ظلی یامروزی کا لفظ آیا ہو۔ کیونکہ جب امت محمدیہ میں بقاء محدثیت شرعاً بھی ایک مسلم امر ہے اور محدث ظلی نبی بھی ہوتا ہے (بقول مرزائیاں) تو پھر ضرور کہیں اس کا پتہ ملنا چاہئے اور اگر یہ مجرد اختراع ہی ہے جیسا کہ لکل ان یصطلح سے متبادر ہے تو ایسی اصطلاح کے ماننے پر جس کا دین میں کہیں پتہ نہ ہو دوسروں کو کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ اصطلاح شریعت محمدیہ کے مخالف بھی ہو بلکہ ممنوع ہو۔

مثلاً اگر کوئی شخص ظلی اور مروزی طور سے خدائی کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس

شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور کیا اس شخص کا یہ عذر قابل قبول ہو گا کہ میں نے حقیقتاً خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تا کہ تعدد لازم آئے بلکہ ظلی طور سے میں نے اس میں فہم کر اس کا نام پایا ہے۔ اس کا علم پایا ہے۔ اس کا حکم پایا ہے اور اس طور سے میں ظلی خدا ہوں۔ لہذا خدا کی خدائی اسی کے پاس رہی نہ کسی دوسرے کے پاس۔ لہذا مجھ کو مشرک نہ کہو۔

”اس طرح جس کو شعلہٴ محبت الہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے۔ وہ منظر تجلیات الہیہ ہو جاتا ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے بلکہ ایک بندہ ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۵ خزائن ص ۷۷ ج ۲۲)

بالکل اس طرح سمجھ لو کہ اگر کوئی شخص منظر تجلیات نبویہ ہو جانے کا مدعی ہو تو اسے فقط بالکل ان اصطلاح کے تحت میں ہی نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ وہ ایک امتی ہو گا۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ ظلی طور سے انبیاء

علیم السلام کے جمیع کمالات پانے والا بھی نبی نہیں کہلاتا

”جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اس کا معاملہ اس عالم سے وراء

الوراء ہو جاتا ہے اور تمام ان ہدایتوں اور مقامات عالیہ کو ظلی طور پر پالیتا ہے جو اس سے پہلے

نبیوں اور رسولوں کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نائب ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت جو

انبیاء میں معجزہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے وہ اس میں کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے

اور وہ حقیقت جو انبیاء میں عصمت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اس میں محفوظیت کے

نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء میں نبوت کے نام سے بولی جاتی ہے اس میں

محدثیت کے پیرایہ میں ظہور پکڑتی ہے۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۳ خزائن ص ۷۷ ج ۵)

اس عبارت میں صاف طور سے بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص جو انبیاء سابقین کے جمیع

کمالات کو ظلاً حاصل کر لیتا ہے نبی نہیں کہلاتا بلکہ محدث کہلاتا ہے۔ اس سے دو نتیجہ پیدا

ہوتے ہیں یا تو یہ کہ محدث ظلی نبی ہی نہیں ہوتا یا ظلی نبی کہلاتا نہیں سکتا اور بہر تقدیر مرزائی کا

یہ فرمان پیغام صلح کی تردید کرتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظلی نبی اور محدث شی واحد ہیں لہذا

محدث کو ظلی نبی کہیں گے مگر اس عبارت میں مرزا قادیانی نے تصریح کر دی ہے کہ نبیوں کی حقیقت اور محدثوں کی حقیقت واحد ہی ہے مگر باوجود اس کے پھر اس میں اختلاف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بالفرض کسی شخص میں نبوت کے جمیع کمالات ہوں اور پھر بھی اسے نبی نہ کہیں یہ ممکن ہے اور اگر مجازاً نبوت کا دعویٰ بھی صحیح ہو سکتا ہے تو بے شک مجازاً خدائی کا دعویٰ بھی صحیح ہو گا اور اگر نہیں تو پھر اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو ہر ایک اصطلاح رکھنے کا حق نہیں۔ خواہ وہ قواعد شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔

یہ امر بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ فقط کسی منصب کے کمالات کی تحصیل کر لینا اس اسم کے اطلاق کو جائز نہیں کرتا۔ دیکھو ایک گورنری کرنے کے قابل آدمی اپنے آپ کو گورنر نہیں کہہ سکتا باوجودیکہ وہ سارے کمالات گورنری کا جامع ہے تحدیانہ دعویٰ کرنا تو درکنار اگر یہ شخص اپنے یار دوستوں ہی میں اپنے آپ کو گورنر کہلانا چاہے تو اس کے رفقاء اس پر تمسخر کے علاوہ اور کیا کریں گے اور اگر کہیں اس عقل کے پتلے نے تحدیانہ دعویٰ بھی شروع کر دیا اور گھر بیٹھے منظور اور نامنظور بھی کہنا شروع کر دیا تو اس کا علاج سوائے آگرہ (مینٹل ہسپتال) بھیج دینے کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر بالفرض کوئی شخص جامع کمالات نبویہ ہو بھی جائے جب بھی اسے دعویٰ نبوت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ خدا سوائے محدث کے اب نبی کسی کو نہیں بنائے گا۔ ورنہ تو کوئی ایک آیت ہی پیش کر دو جس میں خدا نے ظلی نبی بنانے کا وعدہ کیا ہو۔

رہا محدثین کی آمد تو اس کے لئے حدیث موجود ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اگر کہیں بعض کمالات نبوت فی الجملہ کا ثبوت ملتا بھی ہو جب بھی وہ اطلاق لفظ نبی کو مستلزم نہیں۔ چہ جائے کہ دعویٰ نبوت۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر واضح کریں گے۔ کیونکہ کمالات نبوت اور ادعا نبوت میں یوں بعید ہے ظاہر ہے کہ ایک امتی کے سارے کمالات کا منسوب الیہ نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ لہذا جو کمال بھی ہم میں ہے اس کا مستند آپ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ حقیقت تھی اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات تھی مگر مرزا یوں کو مغالطہ لگا کہ انہوں نے جائے اس کے کہ اپنے کمالات کا استناد آنحضرت ﷺ کی طرف کرتے نبی کریم ﷺ کے جمیع کمالات اپنے اندر تسلیم کر لئے۔

میرے دوستو! یہ ایک بڑی ٹھوکر ہے جو تم کو لگی۔ یاد رکھو کمال اس میں نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سارے کمالات تم کو حاصل ہو جائیں بلکہ کمال اس میں ہے کہ جو کچھ تم میں ہو اس کا منتہی آنحضرت ﷺ کی ذات قرار پائے۔ اس میں رازیہ ہے کہ کمالات نبوت نہ تو واحد ہیں اور نہ نوع واحد سے ہیں بلکہ متعدد اور انواع مختلفہ سے ہیں۔ لہذا نبوت کو جامع ولایت بھی کہا گیا ہے۔ پس کمالات ولایت جو ایک پہلو سے کمالات نبوت بھی کہے جاسکتے ہیں قیامت تک ظلاً جاری ہیں مگر وہ کمالات نبوت جو مختصات نبوت سے ہیں لکلی مسدود ہیں یہی مطلب ہے: ”لو کان بعدی نبی لکان عمرو۔“ کا اور اسی وجہ سے کہ عمرؓ کے پاس کمالات ولایت تو تھے مگر جو کمالات مخصوص بالنبوت ہیں نہیں تھے۔ نبی کا لفظ ظلاً بھی ان پر نہیں بولا گیا۔ ورنہ جس کی قرب مناسبت سے نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہو اس پر اطلاق لفظ نبی میں حجر (روک) ہی کیا تھا۔ پس اگر نبی کا اطلاق تسلیم کیا جائے..... تو پھر امر ختم نبوت ایک فسانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے نبی بھی بنے اور نبی کہلائے بھی اور ان کے دعوؤں کی تصدیق بھی کی جائے تو اب ختم نبوت ایک امر اعتباری رہ جاتا ہے۔

والعیاذ باللہ!

علاوہ ازیں چونکہ آئینہ کمالات اسلام کے مطابق اسماء منقسم ہو چکے ہیں لہذا اولیاء پر انبیاء کا اطلاق کرنا کیونکر ممکن ہے اور کیا اس سے صاف معلوم نہ ہو گا کہ کمالات مخصوص بالنبوة بھی باقی ہیں۔ پھر ختم نبوت کیا قابل فخر امر رہ جاتا ہے جبکہ کمالات نبوت بھی باقی ہیں۔ معجزات اور دعویٰ نبوت بھی باقی ہے۔ سارے امور تو باقی تسلیم کئے جائیں صرف براہ راست اور بوساطت کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ سو مرزا قادیانی نے اسے بھی اٹھا دیا ہے۔

”اب میں بموجب آیت کریمہ: ”وَأَمَّا بِبِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ.“ اپنی نسبت میان کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجہ میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے نہیں بلکہ شکرِ مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۶۷، خزائن ص ۷۰ ج ۲۲)

اب فرمائیے کہ جب نبوت شکرِ مادر ہی میں مل جائے تو توسط فیض و ظلیتہ بھی تاہود

ہوا جاتا ہے۔ پھر اگر اس پر بھی تمہارا دل گوارا کرتا ہو تو بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے جسے چاہے نبی نہ آوے۔ مگر یاد رکھو اب خدا کسی کو نبی نہیں بنائے گا۔ سو اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ جب ایک امر کو خود بھی مجاز کہا جاتا ہے تو پھر اس کا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے۔ دعویٰ کسی امر حقیقی کا ہوا کرتا ہے نہ اس امر کا جو بطور سایہ اور لباس مجاز ہو۔ اس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ کمالات نبوت موجب الہیہ میں غایۃ الغایات ہیں جس کے تحت میں جمیع کمالات مندرج ہیں۔ پس جو کمال بھی ہے کمالات نبوت سے ہی ہے۔ لہذا کمالات نبوت جن کو کمالات ولایت کہا جاتا ہے باقی ہیں اور وہ کمالات نبوت جن سے کسی کو نبی کہلانے کا استحقاق ہو سکتا ہے نکلے مسدود ہیں۔ لہذا ظنی طور سے بھی ان کمالات کا حاصل کرنا جو خصوصیات نبوت سے ہیں محض غلط ہے۔ کیا جس قدر ہم میں افعال و کمالات ہیں وہ سب خدائی کمال کے اظلال نہیں؟۔ ظاہر ہے کہ ہمارا وجود ارادہ قدرت سمیع و بصیر سب خدا کے یہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ خدا بھی موجود ہے اور ہم بھی موجود ہیں وہ بھی سمیع و بصیر ہے ہم بھی سنتے اور دیکھتے ہیں۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ ہم ظنی طور سے خدا ہیں۔ کیونکہ جس امر سے خدائیت کا اطلاق ممکن ہو اس کا حصول ظنی حقیقی ہر طور سے محال ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص جمیع کمالات الہیہ کو اپنے اندر تسلیم کرے۔ اگرچہ ظاہری کیوں نہ سہی تو وہ کھلا مشرک ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے میں اور خدا میں صرف اعتباری فرق رکھا ہے۔ ورنہ بحقیقت مدعی مساوات ہے۔ کیونکہ اصل و تبع کا اگر فرق نکلے گا تو قبل حصول کمالات نکلے گا مگر بعد میں جبکہ تبع میں بھی اصل کے جمیع کمالات موجود ہو گئے امتیاز نہ رہے گا جیسا کہ ایک شاگرد استاذ سے اس وقت تک ناقص تسلیم کیا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ استاذ کے کمالات سے بہرہ ور نہیں ہوا۔ مگر جب وہ استاذ کے جمیع کمالات اپنے اندر حاصل کر لے تو پھر حالت موجودہ اس میں اور اس کے استاذ میں کیا فرق ہے۔ ہاں! اگر فرق کیا جائے گا تو زمانہ ماضی کے لحاظ سے بالکل اسی طریق پر کمالات نبوت کا باسربا (مجموعہ) تسلیم کرنا اصل و فرع میں امتیاز اٹھا دیتا ہے اور درحقیقت یہ ایک زہر ہے جو ظل کا بھانہ کر کے مسلمانوں کو پلایا جا رہا ہے۔ ورنہ ایسا شخص اصل میں حضور نبی کریم ﷺ سے مساوات کا مدعی ہے۔ الحاصل اطلاق نبوت کو مثل دیگر

اصطلاحوں کے ایک معمولی اصطلاح سمجھنا یہی سب سے اول اصولی غلطی ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ نبی کا لفظ لغتہً مخبر کے معنوں میں آتا ہے مگر اس معنی کے لحاظ سے تو کافر پر بھی نبی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ لغتہً اس کے معنی میں قید اسلام بھی ملحوظ نہیں۔ لیکن چونکہ قرآن شریف میں رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ مستقل نبیوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ لغوی معنوں پر نہیں بولا گیا بلکہ اسی اپنی مقرر اصطلاح پر بولا گیا ہے۔ لہذا ایسے لفظ کو جو شرعاً کسی معنی کے ساتھ مختص ہو کر مجبور ہو چکا ہے۔ لغت کی رو سے بھی استعمال کرنا بے شک ممنوع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس اختصاص کی وجہ سے ذہن اسی معنی کی طرف متبادر ہو گا۔ جو اہل اسلام میں شائع ہو چکے ہیں۔ دیکھئے مرزا غلام احمد قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ کسی لفظ کے متعلق ہم ایسی اصطلاح نہیں قائم کر سکتے جو قرآن شریف کی مقرر شدہ معنوں کے مخالف ہو اور یہ بھی کہ بعد نبی کریم ﷺ کے اب کسی پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ پس اگر لفظ نبی بھی مثل اور معمولی اصطلاحوں کے ہوتا تو مرزا قادیانی اس کے متعلق کیوں امتناع اطلاق کا فتویٰ دیتے اور لغوی معنی کی رو سے اطلاق کرنا کیوں ہتک قرار دیتے؟۔

مرزا قادیانی کے فتویٰ کے بموجب بھی نبی کا اطلاق مجبور و ممنوع ہے ”کسی کا اختیار نہیں ہے کہ ان معنوں کو بدل ڈالے اور ہم اس بات کے مجاز نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسے معنی ایجاد کریں کہ جو قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں سے مغایر اور مخالف ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۴۲ خزائن ص ۱۴۶ ج ۲۲)

اس کی مزید توضیح اس طور سے فرماتے ہیں کہ :

”ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ قرآن شریف سے پہلے عرب کے لوگ اللہ کے لفظ کو کن معنوں پر استعمال کرتے تھے۔ مگر ہمیں اس بات کی پابندی کرنی چاہئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اول سے آخر تک اللہ کے لفظ کو انہیں معنوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۷۱ خزائن ص ۱۷۶ ج ۲۲)

اس مقام پر ہر چند کہ ذکر خصوصاً لفظ اللہ کے ہی متعلق ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی کا یہ قاعدہ مخصوص نہیں کیونکہ درحقیقت یہ ایک قیاس معنوی کا کبریٰ ہے جس کے لئے کلیتہً شرط انتاج ہے۔ لہذا اگر اسے مخصوص مانا جائے تو پھر لفظ اللہ کے متعلق ہی مرزا قادیانی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ پس اس عمومی فتویٰ کے موافق کسی اصطلاح مقررہ کرنے والے کو ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ جس لفظ کی وہ اصطلاح مقرر کر رہا ہے۔ کہیں وہ قرآن شریف میں کسی معنی کے ساتھ مخصوص تو نہیں ہو چکا۔ کیونکہ اگر مخصوص ہو چکا ہے تو پھر اس کو قرآن شریف کے مقرر کردہ معنوں کے خلاف کسی معنی پر اطلاق کرنے کا۔ گو وہ کلام عرب کے موافق ہی کیوں نہ ہو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ لہذا اس اصل کے ماتحت ہمیں لفظ نبی اللہ اور رسول اللہ کو بھی دیکھنا چاہئے اور قرآن کے تتبع کے بعد اس کے کوئی معنی بیان کرنے چاہئیں۔ مگر یہ امر تو بلا استقراء ثابت ہے کہ قرآن نے کسی ایک مقام پر بھی اس لفظ کو لغوی معنوں پر استعمال نہیں کیا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہو گا۔ پس ایسی حالت میں جبکہ رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ قرآن شریف میں ایک مقرر معنوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ کسی مصطلح کا اس کو ظلی نبوت کے لئے وضع کر لینا جس کو مجازی نبوت بتلایا جاتا ہے کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کیا یہ قرآن کے مقرر کردہ معنوں کی مخالفت نہیں ہے؟

اس کے بعد اسی اصل کے موافق مرزا قادیانی کے الامام ”قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائْتِي رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“ (مندرجہ مذکورہ ص ۵۲ طبع سوم) میں اگر رسول اللہ سے ظلی رسول مراد لیا جائے تو یہ معنی قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں کے مخالف ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ خدا جس نے اپنی اصطلاح کو نبی کریم ﷺ جیسے اولوالعزم کے ذریعہ سے ایک مرتبہ پختہ کر دیا ہے۔ وہ مرزا قادیانی جیسے نبی کے لئے (بزعم مرزا یان) اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو نہیں بدلے گا اور اگر خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی اصطلاح بدل دی ہے تو پھر مرزا قادیانی فضول لفظ توفیٰ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے موافق اگر لفظ توفیٰ کا کسی معنی کے لئے مخصوص بھی ہو چکا ہو۔ جب بھی خدا کو اختیار ہے کہ اس نے حق عیسیٰ علیہ السلام اپنے اس مقرر شدہ اصطلاح کے برخلاف کسی اور معنی کا ارادہ کر لیا ہو۔

جبکہ آج وہ خدا رسول اللہ سے ظلی رسول مراد لے سکتا ہے۔ حالانکہ آج سے پیشتر کہیں اس نے رسول اللہ یوں کر کسی کو ظلی نبی نہیں بتلایا بلکہ مستقل ہی نبی بتلایا ہے۔ تو پھر وہی خدا اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ قرآن میں ۲۳ جگہ لفظ: ”توفی“ کا استعمال کرے اور ۲۲ جگہ بزعم مرزا قادیانی موت مراد لے اور ایک جگہ رفع جسدہ مراد لے۔

مگر مرزا قادیانی نے توفی میں اسے محال سمجھا ہے۔ اور اگر اس الہام میں اپنے مقرر شدہ اصطلاح کو بدلا نہیں تو پھر مرزا قادیانی خاصے مستقل نبی بن جاتے ہیں۔ جس کا دعویٰ بالاتفاق کفر ہے۔

اس کے بعد مرزا قادیانی تصریح ملاحظہ ہو :

”مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی اس میں ہنگ ہے۔“ (الوصیت ص ۱۰ خزائن ص ۳۱۱ ج ۲۰)

”آنحضرت کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔“

(حاشیہ تجلیات لمبیہ ص ۸، ۹ خزائن ص ۳۱۱ ج ۲۰)

اول عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ استعمال کرنا اس لئے ممنوع ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی ہنگ ہوتی ہے۔ مگر اب جس کا جی چاہے نبوت کا دعویٰ کر کے نبی کریم ﷺ کی ہنگ کرے؟۔ والعیاذ باللہ!

دوسرے حوالہ میں صراحتہ اطلاق لفظ نبی کے عدم جواز کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص مجاز یا ظلاً کسی طور سے بھی اپنی نسبت صرف نبی کے لفظ کو اطلاق کرتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ہنگ کرتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کی ہنگ کرتا ہے وہ بلا ریب کافر ہے۔ لہذا بمقتضائے فتویٰ ہذا جو شخص بھی جس معنی کے لحاظ سے اپنی نسبت صرف لفظ نبی کا استعمال کرے گا۔ وہ کافر ہو گا خواہ وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر ممکن ہے کہ جیسا خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو بدل دیا ہے۔ شاید ان کے لئے نبی کریم ﷺ کی ہنگ بھی جائز کر دی ہو؟۔ والعیاذ باللہ!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایک شخص کو خدا نے محدث بتلایا ہے نبی نہیں بتلایا

تو پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس منصب کو جو اس کے حاصل نہیں ہے مجاز اور استعارہ کی آڑ لے کر اپنے لئے ثابت کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے اس بے ہودہ اقوال سے عوام میں ایک تشویش پھیلا نا اور سادہ لوحوں کو فریب دینا مقصود ہو اور اس میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور سے فرض کیجئے لفظ مجدد لغتہ تجدید کرنے والے کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ کسی امر کی تجدید کرے۔ اس لغوی معنی کی رو سے ہر شخص مجدد بن سکتا ہے؟۔ پس اگر اس اصطلاح کے موافق میں اپنی مجددیت کا اعلان کر دوں اور جب لوگ مجھے دیوانہ قرار دیں تو جھٹ لختہ کی آڑ لے کر کہہ دوں کہ کیا لغتہ کی رو سے میں مجدد نہیں ہوں۔ کیا ایک تھانہ دار کو حق ہے کہ وہ مجاز اپنے آپ کو انسپکٹر کہتا پھرے اور اس پر طرہ یہ کہ اگر کوئی شخص اس کی انسپکٹری سے انکار کرے تو اس کی جان کو آجائے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی اپنے ایک مرید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ایک غلطی کا ازالہ) اور اس بچارہ کو خواجواہ ڈانٹ رہے ہیں۔ کیا یہ ساری باتیں کسی صحیح الحواس شخص سے سرزد ہو سکتی ہیں؟۔ ایسے شخص کا سوائے عوام کو دھوکہ دہی کے اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ نبی کے مجازی اطلاق میں بھی دھوکہ کا احتمال ہے۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ لغتہ بھی لفظ نبی کا

اطلاق کرنے میں دھوکہ کا احتمال ہے

”غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے۔“ (انجام آختم ص ۷۲ حاشیہ خزائن ص ۷۲ ج ۱۱)

یہ لفظ بہت زیادہ قابل غور ہیں۔ کیونکہ جب فقط بول چال میں لانے سے دھوکہ کا احتمال ہے۔ پس اگر اس کے ساتھ ہی تجدیدانہ دعویٰ کر دیا جائے تو پھر اس احتمال کو خوب ہی پختہ کر دیتا ہے۔ لہذا خدا را مد عین نبوت امتہ کے حال پر رحم کریں اور امت کو جبکہ وہ سینکڑوں مصائب میں مبتلا ہے خواہ مخواہ دھوکہ دے کر اور نئی مصیبت میں مبتلا نہ کریں۔ خواہ

وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی خدمت میں بھی ہماری یہی درخواست ہے۔ علاوہ ازیں ہر لفظ کو اگر مجازاً اطلاق کیا جاسکتا ہے تو پھر یہ تو شرک کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ ملائکہ کو مجازاً لہات اللہ بھی کہا جاسکے گا۔ مقررین کو استعارہ کے طور سے لکن اللہ بھی کہا جاسکے گا۔ اور صالحات کو مجازاً ازواج اللہ سے بھی موسوم کر سکیں گے۔ ظلی طور سے خدا بھی بن سکیں گے؟ والعیاذ باللہ!

قرآن تو ان ساری باتوں کی جز نکالتا ہے۔ مگر یہی قرآن کو چھوڑ کر مجاز کی پابندی رہی تو پھر ازواج اللہ کے دعوے ہونے لگیں۔ بزرگوار نبی کا دعویٰ کریں اور ان کی اہلیہ شریف زوجہ اللہ ہونے کا۔ اور ان کے پسر لکن اللہ کا اور اس طور سے مدعیین نبوت خوب اپنے گھر کو رونق دے سکیں گے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ! امت کے حال پر رحم کھاؤ اور وہ راہیں مت ایجاد کر دیجس سے صادق اور کاذبوں کا رہا سفر فق بھی اٹھ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد امت کے ہاتھ میں پھر کوئی ذریعہ صادقین کی شناخت کا نہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ خدا کے سچے پیغمبر نے کاذبین کی ایک موٹی علامت اپنی امت کو بتلائی تھی۔ یعنی دعویٰ نبوت۔ مگر آج کوشش ہے کہ اس علامت کو ہم سے چھین کر ہم کو اندھیرے میں ہی چھوڑ دیا جائے اور اس طور سے بچارے مظلوم جاہلوں کے لئے ہر نبی کی تصدیق کا ایک باب واسع کیا جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک نبوت ظلیہ کی بنیاد شرک کی بنیاد ہے ”یہ مسلم مسئلہ ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء کے افعال اور صفات نظیر رکھتی ہیں تاکہ کسی نبی کی کوئی خصوصیت منجربہ شرک نہ ہو جائے۔“

(تحدہ گولڈیہ ص ۶، خزائن ص ۹۵ ج ۱۷)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ کسی نبی میں کوئی ایسی صفت تسلیم نہیں کی جاسکتی جس کی انبیاء سابقین میں نظیر نہ ہو اور اسی قاعدہ کے ماتحت مرزا قادیانی نے رفع عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ ان کے زعم کے موافق مخصوص عیسیٰ علیہ السلام کے لئے رفع تجویز کرنا

ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیتہ میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوں جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا.....“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

”پس جیسا کہ ظلی طور پر اس کا نام لے گا اس کا خلق لے گا اور اس کا علم لے گا ایسا ہی اس نبی کا لقب بھی لے گا کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو..... پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے۔ اس طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں..... تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروزی میں دوئی نہیں ہوتی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰، خزائن ص ۲۱۳ ج ۱۸)

یہ ایک اردو کی سادہ عبارت ہے جس میں ظلی نبی کی پوری تصویر دی گئی ہے۔ اس عبارت کی رو سے کسی شخص کے ظلی نبی ہونے سے یہ مطلب ہو گا کہ: (۱)..... تمام کمالات محمدیہ مع نبوت کے اس میں منعکس ہیں۔ (۲)..... اس نے وہی چادر پہنی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ (۳)..... وہ بعینہ خاتم الانبیاء اور آنحضرت ﷺ ہے۔ (۴)..... اس کے وجود میں اور آنحضرت ﷺ کے وجود میں دوئی نہیں۔ مسلمانو! اگر تمہارے سینے میں دل اور دل میں کوئی شیع ایمان ہے تو کیا تم کسی شخص کی نسبت گمان کر سکتے ہو کہ اس نے نبوت محمدیہ کی وہی چادر پہنی اور پھر اس کا تحمل بھی کر لیا۔ اس میں سارے کمالات محمدیہ مجتمع بھی ہیں۔ وہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کہلانے کا مستحق بھی ہو گیا۔ اگر مجھ سے فتویٰ دریافت کرو تو میں ایسے ملعون کو ایک صحیح الحواس کافر بھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے محدث کی تفسیر پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو کہ مقرض کا یہ دعویٰ کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے کہاں تک صحیح ہے؟

”وہ خاتم الانبیاء نے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا..... اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں..... سو خدا تعالیٰ نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا..... کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانادہ قیامت تک باقی ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۲۸، ۲۹، ۳۰ خزائن ص ۲۲)

یہی مضمون ضمیمہ برائین احمدیہ اور دیگر کتب میں بھی بکثرت موجود ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ پیغام صلح کی عبارت ہے: ”یعنی محدثیت علی ظلی نبوت ہے.....
ان دو مقدموں کے ساتھ تیسرا مقدمہ حدیث ہے: ”عن عائشۃ عن النبی ﷺ
انه كان يقول قد كان يكون في الامم قبلكم محدثون فان يكن في امتي
منهم احد فعمر بن الخطاب منهم.“ حقیقت الوحی کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ

آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہی صاحب خاتم ہیں اور کوئی نبی بجز آپ کے صاحب خاتم نہیں اور صاحب خاتم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مر سے نبی نہیں جو کہ ظلی نبی کہلائیں اور مقدمہ ثانیہ سے ثابت ہوا کہ محدثیت اور ظلی نبوت شی واحد ہے مقدمہ ثالثہ سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں بہت سے محدث ہوئے ہیں بلکہ اگر حدیث کے الفاظ پر غور کرو تو پہلی امتوں میں محدثوں کا ہونا بہ نسبت اس امت کے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس امت کے حق میں یہ الفاظ ہیں :

”اگر میری امت میں سے کوئی محدث ہو گا تو عمر ہو گا۔“

اس سے جس قدر تقلیل معلوم ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اب ان تینوں مقدموں کو اگر ملاؤ تو بد اہتہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظلی نبی گزشتہ امتوں میں بہ نسبت اس امت کے بہت زیادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ حکم مقدمہ ثانیہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے اور حکم حدیث محدثین کی کثرت ام سابقہ میں متحقق ہے۔ لہذا لازم آتا ہے کہ پہلی امتوں میں بہت سے ظلی نبی گزر چکے ہیں۔ و علیٰ ہذا انبیاء سابقین بھی صاحب خاتم ٹھہرے کیونکہ ان کی مر سے بھی محدث بنے جو کہ بعینہ ظلی نبی ہیں۔ بلکہ ان کو صاحب خاتم کہنا بہ نسبت آنحضرت ﷺ کے زیادہ لائق ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہت سے ظلی نبی مانائے اور آنحضرت ﷺ نے ۱۳۰۰ برس میں فقط ایک مرزا قادیانی کو ہی بنایا۔ وہ بھی زیر اختلاف رہے۔ نعوذ باللہ من هذا الخرافات اور اگر ام سابقہ میں محدثین کا وجود نہ مانا جائے تو علاوہ وہ مخالفت حدیث کے سارے ادیان سماویہ کو لعنتی قرار دینا پڑے گا۔

”وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۱۳۸ ۱۳۹ خزائن ص ۳۰۶ ج ۲)

پس یا تو سارے ادیان سماویہ کو لعنتی ٹھہرایا جائے یا جمیع انبیاء علیہم السلام کو صاحب خاتم مانا جائے۔ لہذا ظلی نبی نور محدث کسی طرح واحد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ظلی نبی وہی لوگ ہیں جن کی مرزا قادیانی نے ”اشہار ایک غلطی کا ازالہ“ میں خود تصریح کر دی ہے اب میں مرزا

قادیانی ہی کے کلام سے بتلاتا ہوں کہ مدعی نبوت ظلیہ صادق ہو سکتا ہے یا کاذب۔ اس فیصلہ کے لئے انہی کی کتاب تحفہ گولڑویہ سے ایک معیار پیش کرتا ہوں جو انہوں نے خود اسی غرض کے لئے مقرر کیا ہے۔

مرزا قادیانی کا صدق اور کذب کے شناخت کا ایک معیار

”سچ کی یہی نشانی ہے کہ اس کی کوئی نظیر بھی ہوتی ہے اور جھوٹ کی یہ نشانی ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں ہوتی۔“

(تحفہ گولڑویہ ص ۶، خزائن ص ۹۵ ج ۱۷)

لولا میں یہ بتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی سے قبل کوئی بروز عیسوی بتایا نہیں؟۔ صحابہؓ سے لے کر تاحال کسی کو فائیت کا مرتبہ نصیب ہوا یا نہیں۔ اگر بروز عیسوی بھی بنے اور مقام فنا تک بھی پہنچے تو ان کے دعوے کی کیا یہی نوعیت رہی ہے جو مرزا قادیانی کے دعوے کی ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ عملی رنگ میں انقطاع نبوت کا تین ثبوت ہو گا اور ہر تقدیر نظیر نہ ملنے کے کسی شخص کا ایسا دعویٰ کرنا قطعاً جھوٹ ہو گا۔

”ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی یسوع کی مانند ہو جائے گا یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسیٰ مسیح بنانے کے لئے تیار ہے اور لاکھوں کو مانجی ہے۔“

(سراج الدین کے چار سوالوں کا جواب ص ۲۲، خزائن ص ۳۸ ج ۱۲)

آنحضرت ﷺ کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رو سے سچ سچ عضو و احد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روز نہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ آنحضرت ﷺ کی عکس تصویریں تھیں۔

(فتح اسلام ص ۳۵، ۳۶، خزائن ص ۲۱ ج ۳)

”کیونکہ حضرت عمرؓ کا وجود ظلی طور پر گویا آنحضرت ﷺ کا وجود ہی تھا۔“

(ایام الصلح ص ۳۵، خزائن ص ۳۹ ج ۱۴)

اور آپ (یعنی ابو بکر صدیقؓ) کتاب نبوت کا اجمالی نسخہ تھے..... اور

ہمارے رسول اور سید ﷺ کی طرح سارے آداب میں ظل کی مانند تھے۔“

(سراخلاصہ ص ۳۲، خزائن ص ۳۵۵ ج ۸)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ اس امت میں لاکھوں عیسیٰ مسیح بن چکے ہیں اور آپ کی جماعت کی جماعت بہ باعث کمال اتباع عکسی تصویریں بھی ٹھہریں اور حضرت عمرؓ کا وجود ظلاً آنحضرت ہی کا وجود بھی قرار دیا گیا۔ اور نہ فقط اتنا ہی بلکہ حدیث میں ان کے لئے محدثیت کی بشارات بھی وارد ہو چکی بائیں ہمہ نہ ان لاکھوں میں سے کوئی مدعی مسیحیت نظر آتا ہے نہ اس جماعت کی جماعت میں سے کوئی مدعی نبوت ظلیہ پایا جاتا ہے بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک جماعت حقہ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ ملے گا جس نے حالات سہو نبوت یا مسیحیت کا دعویٰ کیا ہو۔ مخالفین کو مقابلہ پر بلایا ہو۔ طرح طرح سے لوگوں کو ملزم بنانے کی کوشش کی ہو اور نہ ماننے والوں سے اپنی جماعت کو ان سے علیحدگی کا حکم کیا ہو۔ بلکہ طرح طرح کے عذاب کی دھمکیاں بھی دی ہوں۔ اور بلا آخر مباہلہ تک نعمت پہنچا دی ہو۔

کیا کوئی مرزائی کہہ سکتا ہے کہ آج تک امت محمدیہ میں کوئی محدث نہیں گزرا حتیٰ کہ جس کے لئے بشارات وارد ہو چکی وہ بھی محدث نہیں تھا؟ اور اگر گزرے ہیں تو برائے مہربانی ہم کو بتلادیا جائے کہ کس محدث نے اس طرح سے اپنی محدثیت کی طرف دعوت دی ہے اور کب اس نے اپنے آپ کو ظلی نبی کہلوانے کی کوشش کی خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ محدث نبی کی طرح اپنے دعوے کا اعلان کرے۔

”اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے..... اور انبیاء کی طرح اس پر

فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں با آواز بلند ظاہر کرے۔“ (توضیح مرام ص ۱۸، خزائن ص ۶۰ ج ۳)

پس اگر مرزا قادیانی نے صرف محدثیت ہی کا دعویٰ کیا ہے تو امت کے سینکڑوں محدثوں میں سے کسی ایک ہی محدث کی نظیر لے آئیں جس نے ان کی مثل اپنی محدثیت اور نبوت ظلیہ کا اعلان کیا ہو اور اگر نہ لاسکیں تو سمجھ لیں کہ وہ اپنے دعوے میں بوجہ نقد ان نظیر کاذب ہیں۔

عہد نبوت میں اطلاق نبوت کا انقطاع

ناظرین کرام کو مضمون بالا سے بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ جبکہ صحابہؓ کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک باقرار مرزا قادیانی لاکھوں عیسیٰ مسیح بھی گزرے اور محدث بھی ہوئے مگر پھر بھی کسی تنفس نے ان میں سے دعویٰ نبوت ظلیہ نہیں کیا۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک ان پر فرض تھا کہ وہ مثل نبی کے اپنے تئیں اعلان کرتے مگر بلو جو اس کے پھر ان کا ایسے دعوے سے دست بردار ہونا یقینی طور سے اس دعویٰ کے عدم جواز پر شہادت ہے۔ اس کے بعد ذرا اور اوپر چلئے اور عہد نبوت میں دیکھئے کہ خود اس صاحب خاتم ﷺ نے جبکہ وہ ان میں موجود تھا کس قدر لوگوں کو ظلی نبوت کی ڈگری پاس کرادی اور کس کس کو مجازی نبی کا خطاب دیا اور اگر اپنی حیات ہی میں جبکہ اس کا فیض بلا واسطہ تھا اس نے کسی ایک کو بھی ظلی نبی نہیں بنایا تو اپنے بعد جبکہ اس فیض کے لئے سیرۃ صدیقی کا ایک واسطہ اور بڑھ گیا ہے کیسے ظلی نبی بنائے گا۔ (ہذا لکھ علی زعم مرزا) حدیث میں ہے: ”انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی“ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں۔ اے علیؓ! تو میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے مگر اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ دوم احادیث میں جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے مناسب مقرر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

امام، خلیفہ، حکم، مجدد، محدث، بدال۔ اگر آپ ﷺ کی امت میں نبی کا اطلاق بھی خواہ وہ کسی معنی کی رو سے ہو جائز ہو تا تو ضرور آنحضرت ﷺ اس کو بھی ذکر فرماتے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو سارے القاب دیئے اور جو لقب کہ سب سے زیادہ باعث عزت تھا اس کو ایک جگہ بھی نہیں بیان کیا بلکہ: ”الا انه لا نبی بعدی“ کہہ کر اس کی رہی سہی طمع کو بھی منقطع کر دیا۔ حدیث: ”العلماء و رثة الانبیاء“ نے جس کو مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنی تصانیف میں بہت جگہ لیا ہے، بالکل فیصلہ کر دیا کہ اس امت میں وارثین انبیاء کا خطاب علماء ہیں۔ پس کیا اے نبوت کے مشتاق تیرے لئے نبی کریم ﷺ کے عطا

کردہ خطاب پر قناعت نہ تھی جو تو نے اپنے لئے خود اپنے آقا ہی کا لقب تجویز کر لیا اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ اس میں میرے آقا کی اس قدر ہتک ہے۔ اگر دوسرے کا ملازم خواہ وہ اس کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو اپنے لئے مجازی دوسرے کا منصب تجویز کر کے مجازی دوسریت کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس نے اپنے آقا کی ہتک نہیں کی کہ اپنے آقا کی موجودگی میں اسی لقب کو اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔

اے میرے عزیزو! یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تا قیامت باقی ہے اور جس طور پر کہ آنحضرت ﷺ حالت موجودگی ہمارے لئے رسول تھے اسی طرح جبکہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ہمارے نبی اور رسول ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ رسالت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کون بد لگام بے ہودہ اس لقب کو اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ بلکہ احادیث پر اگر غور کرو تو تم کو معلوم ہو گا کہ مدین نبوت کو حدیث دجال ٹھہراتی ہے۔ مگر افسوس کہ حدیث نے جس امر کو دجالیت کی علامت قرار دی تھی تم نے اس کو نبوت کی علامت سمجھی اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی تو پھر مجاز اور استعارہ کی آڑ لے کر نبوت کے اطلاق میں کیا فائدہ تھا؟

مرزا یومرزا غلام احمد قادیانی کی اقتداء میں

آنحضرت ﷺ کی مخالفت نہ کرو

یاد کرو جبکہ ایک شیطان نے ملی کی شکل میں آ کر نبی کریم ﷺ کے روبرو قطع صلوة کا ارادہ کیا تو خاتم الانبیاء علیہم السلام نے اس کو ساریہ مسجد سے باندھنے کا قصد کیا اور صبح کو فرمایا کہ اگر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال نہ ہو تا تو میں اس کو اسی طرح رہنے دیتا۔ یہاں تک کہ بچے اس کے ساتھ کھیلا کرتے مگر اس دعا کے خیال سے میں نے اسے نہ باندھا ظاہر ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ ایسا کرتے بھی جب بھی سلیمان علیہ السلام کی دعا کی کوئی مخالفت لازم نہ آتی مگر یہ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہی کا کمال تھا کہ باوجود قدرت کے پھر صوری معارضہ سے بھی احتراز کیا۔ اگر اس طرح خداوند عالم کے اس اعلان کے بعد

”وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ احزاب آیت ۴۰۔ کسی شخص کا اپنی نسبت نبی کا اطلاق کر کے مدعی بن بیٹھنا حالانکہ وہ ایک محدث ہی ہو بغرض محال اگر حقیقی مقابلہ نہیں تو صورتی ضروری ہے۔

پس کیا فناء فی الرسول کا دم بھرنے والوں کے لئے ضروری نہ تھا کہ اپنے نبی کی جگہ سے باز آتے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے علاوہ اس امت میں کسی کو نبی کا خطاب نہیں ملا

اب آخر میں خود مرزا قادیانی کے کلام سے اس امر کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ جمیع امت میں سے اطلاق نبی کے ساتھ وہی ایک فرد مخصوص ہیں اور ان کے خیال کے موافق کسی اور کو اطلاق نبی کا استحقاق بھی نہیں۔

”غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱ خزائن ص ۶۰۶ ج ۲۲)

پس اگر لاہوری جماعت کے خیال کے موافق مرزا قادیانی پر نبوت کا اطلاق بطور مجاز کے تھا تو اس عبارت کا صریح مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ کسی پر نبوت کا اطلاق مجاز ابھی جائز نہیں۔ لہذا اب بحث طلب فقط مرزا قادیانی کی ذات رہ جاتی ہے جو از اطلاق نبی وعدم جواز کو اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر نبوت مجازی آنحضرت ﷺ کے بعد مفتوح ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل جس قدر محدث اور اقطاب گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اس نام کا استحقاق نہیں تھا۔ اگر کہا جائے کہ ان کی پیشین گوئیوں میں کثرت مفقود تھی جو کہ اس اطلاق کے لئے شرط ہے تو اولاً کثرت کا

شرط ہونا لغتہ ثابت نہیں۔ دوم یہ بھی غلط ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل کس کی پیشین گوئیوں میں کثرت نہیں پائی گئی۔

”حضرت خاتم الانبیاء کے ادنیٰ خادموں اور کمترین چاکروں سے ہزار ہا پیشین گوئیاں ظہور میں آتی ہیں اور خوارق عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں۔“

(مدراجن احمدیہ چند حصص حاشیہ نمبر ۱۱ ص ۵۳۱ خزائن ص ۷۶۳ ج ۱)

پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہ کیا جائے اور جن عبارتوں سے آج مرزا قادیانی کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ انہی عبارتوں کو میری طرف سے ان بزرگوں کے حق میں نہ سمجھا جائے۔ پس اگر ان عبارتوں کی وہی مراد ہے جو مرزائی سمجھے ہیں تو پھر انہی عبارتوں کے ماتحت ان بدال اور اقطاب پر بھی لفظ نبی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ مرزا قادیانی صرف یہی نہیں فرماتے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں ہو بلکہ ان کا عدم استحقاق بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اب آخر میں ان عبارتوں کے متعلق کچھ گفتگو کی جاتی ہے جن کو معترض صاحب نے اپنے لئے نص صریح سمجھا ہے۔

عبارات اکابر پر قادیانی اعتراضات کے جوابات

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ ان عبارتوں کو اس مقصد کے مخالف سمجھ کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح زیر عنوان ہم اور ہمارے مخالفین: ”مولوی مذکور نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مردوز اور ظلی نبوت کا مدعی بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“ اب اس دعوے کے مقابلہ میں ہمیں دیکھنا ہے کہ معترض صاحب جواز دعویٰ نبوت کہاں سے ثابت کرتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ دعویٰ نبوت جائز ہے۔ بلکہ میں سارے قادیانی اور لاہوری جماعت کو اپنے مقابلہ پر متحدیانہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ کسی ایک باقاعدہ عالم یا صوفی کے کلام سے جواز دعویٰ نبوت کو ثابت کر دیں۔ ورنہ اپنے کفر کو خواہ مخواہ بزرگان دین کے سر نہ رکھیں۔ اس کے بعد پہلے میں امام شعرانیؒ کی عبارت کو لیتا ہوں: ”وبہ نستعین اعلم ان النبوة لم تر

تفع مطلقاً وانما ارتفع نبوة التشریح . ” فقط اولاً تو اس عبارت میں دعویٰ نبوت کے جواز یا عدم جواز کا ایک لفظ بھی نہیں۔ دوم یہ عبارت خود معترض کی بھی مخالف ہے۔ کیونکہ اس عبارت سے فقط نبوت تشریحہ کا اقطاع معلوم ہوتا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں اگر نبوت غیر تشریحیہ کا جواز نکالا جائے تو لازم آتا ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے نبی غیر تشریحی کا مطلقاً مبعوث ہونا جائز ہو۔ خواہ بالواسطہ نبی یا ہو یا بلا واسطہ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام قوم بنی اسرائیل میں تھے ظاہر ہے کہ ان پر کوئی جدید شریعت نہیں تھی مگر ان کی نبوت بلا واسطہ تھی۔

جیسا کہ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ :

”بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں۔ حضرت موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا۔“ (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۹۷ خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)

لہذا پہلے اس عبارت میں کہیں سے بالواسطہ یا بلا واسطہ کی تفصیل پیدا کریں اسے ہمارے سامنے پیش کریں۔ ورنہ اپنے مختصرات کو یو رگوں کے سر نہ لگائیں۔ سوم لم ترتفع مطلقاً کیا ضرور ہے کہ بالنظر الی النبوة الظلیہ ہو جائز ہے کہ بالنظر الی البشرات ہو بالخصوص جبکہ مبشرات کو حدیث میں بھی نبوت کا چالیسواں جز قرار دیا گیا ہے اور نبوت ظلیہ کا تو کہیں تذکرہ تک نہیں۔

اگر کہا جائے کہ مبشرات ہی نبوت ظلیہ ہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر یہ نبوت کیا ہوئی ایک مذاق ٹھہرا۔ کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے تو ہر مومن نبی ظلی ہے مگر مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ میرے سوا امت میں سے کسی کو بھی نبی کے اطلاق کا حق حاصل نہیں۔ اسی مضمون کو بد بیکر الفاظ یونہی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ کلام اس مقام پر باعتبار الاجزاء ہے۔ نہ بحسب الافراد اس کے بعد دوسری عبارت شیخ عبدالقادر جیلانی کی پیش کی گئی ہے : ”وقد کان الشیخ عبدالقادر الجیلی یقول أوتی الانبیاء اسم النبوة واوتینا اللقب۔“ یہ عبارت تو جائے اس کے کہ کچھ مفید ہو مرزائی لغویات کی جز نکالتی ہے۔ میں پھر یہی کہوں

گا کہ بزرگوں کی عبارت بلا سمجھے کیوں پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو اولاً تو شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود اپنے آپ کو اوتی الانبیاء میں انبیاء سے جدا کر دیا ہے اور واوتینا فرمایا ہے اگر ان پر بھی نبی کا اطلاق ممکن تھا تو انبیاء میں سے اپنے آپ کو کیوں خارج کیا اور کیوں علیحدہ طور سے واوتینا فرمایا جبکہ ان پر بھی نبوت کا اطلاق جائز تھا دوم واوتینا الملقب سے صاف ظاہر ہے کہ ان پر اسم نبوت کا اطلاق کسی طرح جائز نہیں کیونکہ: ”اوتینا الملقب“ اوتی الانبیاء اسم النبوة۔“ کے مقابلہ میں ہے۔ پس اس عبارت سے اطلاق نبی کا جواز نکالنا سراسر دھوکہ دہی ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یوں ہونی چاہئے تھی: ”لأوتینا نحن والانبیاء اسم النبوة۔“ مگر یہاں ”انبیاء“ اسم نبوت کو مخصوص بالانبیاء قرار دیا گیا ہے۔

پس کس قدر صریح بددیانتی ہے کہ جس امر کو شیخ عبدالقادر جیلانی نے مخصوص بالانبیاء قرار دیکر اپنے آپ کو اس سے بالتصریح جدا بھی کر لیا ہو ایسی عبارت سے ان کی مراد اور صریح لفظوں کے برعکس اسم نبی کا اطلاق ثابت کیا جائے۔ سوم اگر کچھ بھی دیانت تھی اور امام شعرانی سے واقعی حسن ظنی تھی تو عوام کے روبرو اس عبارت کی شرح میں جو امام شعرانی کی عبارت ہے وہ بھی نقل کر دینی چاہئے تھی مگر جس بات کو آپ نے مضر سمجھا اس کا خد ف کر دینا ہی دیانت سمجھا اور: ”ثو من یبعض و نکفر ببعض کا خوب نمونہ پیش کیا۔

اسی کتاب البیواقیت میں اس عبارت کی شرح میں امام لکھتے ہیں کہ: ”ای حجر علینا اسم النبوی“ یعنی ہم پر اسم نبی کا روک دیا گیا ہے۔ لہذا کسی نبی کا اطلاق نہ کیا جاسکے گا۔ کہئے معترض صاحب کل تک تو امام شعرانی سیدنا ابن سیدنا تھے۔ آج تو شرنا وابن شرنا کہئے گا۔ والعیاذ باللہ! چارم اگر نبوت کے دعوے گو وہ ظلی طور سے ہی سہی شیخ عبدالقادر جیلانی کے نزدیک جائز ہوتے تو پھر کیا سبب ہے کہ کبھی انہوں نے ایسا دعویٰ نہیں فرمایا نہ کبھی تحدیانہ قصائد لکھے نہ مباہلے کئے۔ بلکہ مرزا قادیانی کے نزدیک تو شیخ عبدالقادر جیلانی کو اپنی نسبت لفظ نبی کے اطلاق کا استحقاق ہی نہیں تھا۔ اگر وہ اطلاق کر بھی لیتے تو جب بھی مرزا قادیانی کے فرمان کے سامنے کون مرزائی تسلیم کرتا۔

الغرض اولاً تو یہ دونوں عبارتیں دعویٰ نبوت سے متعلق ہی نہیں تاکہ ثابت ہوتا

کہ مدعی نبوت ظلیہ کافر نہیں، دوم یہ عبارتیں خود معترض کے لئے سخت مضر ہیں، سوم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس عبارت میں نبوت ظلیہ کا نام تک نہیں پھر بقاء نبوت ظلیہ پر اس عبارت سے کیونکر احتجاج صحیح ہے۔ بہ بات بھی عجیب ہے کہ پہلے نبوت ظلیہ اپنی طرف سے ایک حقیقت مسلمہ مان لی۔ اس کے بعد اول حضرات کے کلام سے اس کا بقاء ثابت کرنا شروع کر دیا۔ مہربان پہلے یہ بھی ثابت کریں کہ صوفیاء کے نزدیک نبوت ظلیہ کا اس تفسیر کے ساتھ جو مرزا قادیانی نے کی ہے کہیں وجود بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر اپنی اصطلاح گھڑ کر بزرگوں کے کلام میں داخل کی جاسکتی ہے تو آخر آج میں یہی ایک اصطلاح مرتب کروں اور اس کا نام نبوت الہیہ رکھوں تو پھر کیا اس عبارت سے اطلاق لفظ اللہ پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے یہ میرا دوسرا چیلنج ہے سارے مرزائی کان کھول کر سن لیں کہ جماعت متشرعین صوفیہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی نبوت ظلیہ کی وہ ملحدانہ حقیقت تسلیم نہیں کی جو مرزا قادیانی نے اپنی کتب میں فخر کے ساتھ پیش کی ہے۔ اگر کوئی مرزائی دکھا سکتا ہے تو دکھائے۔

ہم ذیل میں اس کتاب سے جس کو معترض صاحب نے پیش کیا ہے چند عبارتیں بطور مقابلہ درج کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ مرزا قادیانی کے زندقہ سے صوفیاء کرام کا دامن کس قدر پاک ہے۔ جس کو آج ان کے متبعین اپنے مرزا قادیانی کی صفائی کے لئے ناپاک کرنا چاہتے ہیں ایک طرف جو عقائد کہ مرزا قادیانی کے دربارہ نبوت ان کی کتب سے معلوم ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف امام شعرانیؒ نے جو شیخ محی الدینؒ وغیرہ کے عقائد جمع کئے ہیں ان کو لکھا جاتا ہے ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست چند ہی امور پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کسی دوسرے موقعہ پر زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ کلام کیا جائے گا۔

عقائد مرزا قادیانی

(الف)..... نبوت ظلیہ نبی ﷺ کے اتباع سے مل سکتی ہے :
۱..... پس کیونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر

بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہے۔ ۲..... لور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ میں ظلی طور پر محمد ہوں میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں۔
(ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

(ب)..... لور جبکہ انبیاء کے کمالات اجزاء متفرقہ کی طرح ہیں لور ہمیں حکم ہے کہ ہم سب کے سب طلب کریں لور ان تمام اجزاء کے مجموعہ کو اپنے نفوس میں جمع کریں..... الخ۔“
(حیات البشر ص ۷۸ خزائن ص ۲۹۵ ج ۷)

(ج)..... مگر میں سچ بچ کہتا ہوں کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسیٰ سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے..... خدا تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو لور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔“ (چشمہ مبہنی ص ۱۲ خزائن ص ۳۵۵ ج ۲۰)

(د)..... یہ یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی لور صدیق پائچکے۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں لور پیشین گوئیاں ہیں۔ جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵ حاشیہ خزائن ص ۲۰۹ ج ۱۸)

عقائد شیخ عبد الوہاب شعرانی

”فان قلت) فهل النبوة مكتسبة او موهبة فالجواب ليست النبوة مكتسبة حتى يتوصل اليها بالنسك والرياضات كما ظنه جماعته من الجمعي“ وقد افتى المالكية وغيرهم بكفر من قال ان النبوة مكتسبة ص ۱۶۷ ج ۱ فلا تلحق نهاية الولاية بداية النبوة ابداولوان ولما تقدم الى العين التي ياخذ منها لانياء لا تحرق . وقال الشيخ اعلم ان الله تعالى قد سد باب الرسالة عن كل مخلوق بعد محمد الى يوم القيامة وانه لا مناسبة بيننا بين محمد لكونه في مرتبة لا ينبغي ان تكون لنا وقال في

شرحه لترجمان الاشواق اعلم ان مقام النبی ممنوع لنا دخوله وغاية معرفتنا به من طريق الارث النظر اليه كما ينظر من هو في اسفل الجنة الى من هو في اعلى عليين وكما ينظر اهل الارض الى كواكب السماء وقد بلغنا عن الشيخ ابی يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر حزم ابرة تجليلا دخولا فكدان يحترق . ص ۶۴ ج ۲

خلاصہ ترجمہ :..... نبوت اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی تاکہ کوئی شخص عبادت کر کے نبوت حاصل کر سکے بلکہ مالکیہ اور غیر مالکیہ نے ایسے شخص پر جو نبوت کو منکسب کرتا ہو کفر کا فتویٰ دیا ہے ولایت کا انتہائی درجہ نبوت کے ابتدائی درجہ سے بھی کم ہے۔ اگر جس چشمہ سے انبیاء فیض لیتے ہیں۔ ولی بھی فیض لینا چاہے تو تاب نہ لاسکے اور جل جائے..... شیخ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا مقام اس قدر رفیع اور عالی ہے کہ ہم میں اور آنحضرت ﷺ میں کوئی مناسبت بھی نہیں کیونکہ حضور ﷺ ایسے مرتبہ میں ہیں کہ جو ہمارے لئے حاصل ہی نہیں ہو سکتا بہت سے بہت ہلور وراثت اور نقل کے ہم اسے اس طرح دیکھ سکتے ہیں جیسے اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم کو شیخ ابی یزید سے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ ان پر مقام نبوت کی سوئی کے ناکے کے برابر صرف تجلی ہوئی تھی تو قریب تھا کہ جل گئے ہوتے نصیب ہونا تو درکنار۔

لیجئے وکیل صاحب! اگر آپ مصنف الیواقیت کے واقعی معتقد ہیں تو ان کے ان اقوال پر بھی غور فرمائیے اور انصاف سے کہئے کہ کیا ایسے شخص کے نزدیک نبوت ظلیہ کوئی حقیقت واقعی ہو سکتی ہے۔ جبکہ آپ کے مرزا قادیانی تو نبی کریم ﷺ کے اتباع سے حصول نبوت جائز رکھتے ہیں اور وہ ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا تو زعم باطل ہے کہ وہ ظلی طور سے بعینہ حضور ﷺ بن گئے ہیں مگر صاحب الیواقیت نقل فرماتے ہیں کہ ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ نبوت کے ابتدائی مراتب سے بھی کمتر ہے اس سے یہ بات بھی حل ہو گئی کہ ولی میں چاہے کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو نبوت نہیں ہوتی۔ مرزا قادیانی تو بعینہ آنحضرت ﷺ بن جانے کے مدعی ہیں۔ مگر شیخ عبد الوہاب

شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے مقام کو بہت سے بہت، ظلی طور سے دیکھ ہی سکتے ہیں اور وہ بھی قریب سے نہیں بلکہ اتنے فاصلہ سے جیسا کہ اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ دوم شیخ محی الدین ابن عربی کو آپ نے اپنا موافق سمجھا تھا ان کی عبارت بھی ماقبل میں نقل ہو چکی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ کے نزدیک حصول نبوت تو درکنار نظریاتی مقام النبی بھی قریب سے دشوار ہے۔ علاوہ ازیں ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ کہیں آپ شیخ کے معتقد بن تو جائیں۔ اگر آپ دل سے شیخ کے معتقد ہوتے تو اب تک آپ کا دامن کبھی کامرزا قادیانی پر ایمان سے پاک ہو گیا ہوتا۔ لیجئے آپ کے مرزا قادیانی اپنے الہامات میں امر و نہی ہوتا بیان فرماتے ہیں اور شیخ ایسے شخص پر قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

مرزا قادیانی کے مستحق قتل ہونے پر شیخ محی الدین ابن عربی کا فتویٰ

عبارت مرزا

”اگر کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

مثلاً یہ الہام: ”قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذالک ازکی لهم“۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیس برس مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۶۶ خزائن ص ۴۳۶ ۴۳۵ ج ۱۷)

ابن عربی کا فتویٰ

”وقال الشیخ ایضاً فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات

من قال ان الله امره بشئ فليس ذلك بصحيح انما ذلك طلييس لان الامر من قسم الكلام و ذلك باب مسدود دون الناس
 فقد بان لك ان ابواب الاوامر الهيته والنواهي قد سدت و
 كل من ادعيها بعد محمد ﷺ فهو مدعى شريعة اوحى بها اليه سواء وافق شرعنا او خالف فان كان مكلفا ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحا.
 ص ۲۴ جلد ۲

جو شخص یہ خیال کرے کہ خدا نے اسے کسی شے کا امر کیا ہے۔ تو یہ صحیح نہیں بلکہ تلہیس شیطان ہے کیونکہ امر و نہی اقسام کلام میں سے ہیں اور اسکا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنے الہام میں امر و نہی بیان کرے خواہ وہ ہماری شریعت کے موافق ہوں یا مخالف وہ دراصل نئی شریعت کا مدعی ہے۔ لہذا اگر مکلف ہو گا تو ہم اس کو قتل کریں گے اور اگر پاگلوں جیسا ہو تو اس سے اعراض کریں گے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا شیخ عبدالوہاب شعرانی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ ابلی یزید یہ سب حضرات دائرہ اسلام سے خارج ہی تھے۔ والعیاذ باللہ! ورنہ انہوں نے کیونکر اپنی کتب میں ایسے عقائد تحریر کر دیئے جن سے مرزا قادیانی کی جائے تصدیق کے تکذیب ہی نہیں بلکہ تکفیر سے بھی بڑھ کر قابل قتل و گردن زدنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی کے اقوال بالادیکھ کر کوئی شخص ان کے کفر میں تردد نہیں کر سکتا۔ اگر وقت و گنجائش مساعدت کرتی تو میں آپ کو بتلاتا کہ مرزا قادیانی کے دماغ میں نبوت ظلیہ کا مفہوم نبوت تشریعیہ سے بھی کچھ آگے ہی ہے۔ پھر کیا ایسی نبوت کو بھی کفر نہ کہا جائے تو کیا اسلام کہا جائے جس پر طرہ یہ کہ ان بے اصل اختراعات کو بزرگان دین کے سر رکھا جاتا ہے اور ان کی غامض و قاتق کو اپنے کفریات کے لئے آزمایا جاتا ہے۔ اگر خدا نے مدد فرمائی تو کسی موقع پر انشاء اللہ! بزرگان دین کی عبارات پر مفصل کلام کیا جائے گا اور منقح کیا جائے گا کہ اس قسم کی عبارات سے ان کی کیا غرض ہے۔

نوٹ: اس باب میں ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ یہ سب مرزا قادیانی کے مسلمات اور ان کی تحریرات سے لکھا گیا ہے۔

لہذا ہماری اس تحریر سے ہم پر کوئی الزام قائم نہ کیا جائے۔ دوم جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی مخالف عبارت کا نقل کر دینا نہ کافی سمجھا جائے گا۔ بلکہ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے فقط یہ سمجھا جائے گا کہ مرزا قادیانی کے کلام خود آپس میں متناقض ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق ہمیں ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو پھر ممکن ہے کہ اس قسم کے اختلافی اقوال کی ہمیں ان ہی کی کتب سے ایک فہرست پیش کرنی پڑ جائے۔ جس کا نمونہ آپ کو ہمارے دوسرے مضمون میں ملے گا۔ واللہ اعلم!

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆.....☆..... قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔

☆.....☆..... مرزا قادیانی کے بلند بانگ مگر بے لغو دعوے ”مراق“ کا کرشمہ ہے۔

☆.....☆..... وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف

قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے۔

جواب الحفی فی آیت التوفی

”مولوی صاحب نے فرمایا کہ: ”فلما توفیتنی“ سوال کا جواب نہیں۔ لیکن صحیح بخاری کتاب التفسیر کو دیکھو: ”فاقول كما قال العبد الصالح“ مولوی صاحب کا حدیث کے خلاف کہنا خیانت ہے یا نہ۔“

اقول: ”من انداز قدرت راسی شناسم“ اس مختصر نویسی کی وجہ سے خوب سمجھتا ہوں لفظ توفی پر تو آٹھ سطریں غارت کی گئیں اور جو کہ اصل حدیث تھی اس پر تین سطریں بھی خدا خدا کر کے پوری ہو سکیں۔ چونکہ قصور علم و فہم کے باعث اصل تقریر سمجھ نہیں سکے۔ اس لئے ایک مبسوط کلام کے صرف ایک قطعہ کو لیکر کلام چلتا کیا گیا ہے اور یہ نہ سمجھ کر کہ کلام اس مقام پر علی التحلیل ہے یا علی المسامحة خیانت کا الزام لگایا گیا ہے۔ حالانکہ سب سے اول تو اسی پر غور کرنا چاہئے تھا کہ کیا اس مقام پر نبی کریم ﷺ سے بھی کوئی سوال ہوا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ یہ فرمائیں گے۔ ثانیاً یہ بھی قابل ملاحظہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ایک طویل کلام میں سے اسی قطعہ کو کیوں مخصوص بالذکر کیا ہے؟ اگر اسی امر پر تھوڑی توجہ کی جاتی تو سارے اضافات اطلام باطل ہو جاتے۔ ثالثاً یہ بھی سمجھنا چاہئے تھا کہ حدیث میں کس لفظ سے: ”فلما توفیتنی“ کا: ”أنت قلت للناس“ کے لئے جواب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ اس حدیث سے: ”فلما توفیتنی“ کا عیسیٰ علیہ السلام کا فقط مقولہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر فاضل معترض کی یہ دیانت ہے کہ خود تو حدیث کے الفاظ پر اضافہ کیا اور بدو ن کسی ایک حرف کے مقولہ مذکورہ کو جواب ٹھہرایا۔ اس پر طرہ یہ کہ دوسروں کے سرخیانت کا الزام لگایا۔ اس لئے ہمیں بھی ضروری ہوا کہ ہم بھی اس عادت کی اصل تلاش کریں اور خود مرزا قادیانی نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا ہے ان کی دیانت کی معترض صاحب سے داد دلوائیں۔

حضرت مولانا شاہ صاحب مدظلہ العالی کی دیانت اور

مرزائی نبی کی کھلی خیانت

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت کی یوں شرح کرتے ہیں :

”کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب الہی میں عرض کرتے ہیں کہ میری امت کے لوگ میری زندگی میں نہیں بچوے بلکہ میری موت کے بعد بچوے ہیں..... اور اس سے زیادہ اور کوئی سخت بے ایمانی نہیں ہوگی کہ ایسی نص صریح سے انکار کیا جائے۔“
(کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۸۶ خزائن ص ۲۱۹ ج ۱۳)

نیز اس آیت کا ترجمہ اس طور سے فرماتے ہیں :

”پھر جب کہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی انکا نگہبان تھا۔ مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے..... تو وہ قیامت کو خدا تعالیٰ کی حضور میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے کہ عیسائیوں نے کون سی راہ اختیار کی۔ اگر وہ یہی جواب دیں گے کہ مجھے خبر نہیں تو ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جھوٹا نہیں ہوگا۔“ والعیاذ باللہ!
(تذکرہ الشہادتین ص ۱۸ خزائن ص ۲۰ ج ۲۰)

کیا یہ انصاف کا خون نہ ہوگا کہ ادھر تو ایک طویل عبارت اپنے مخترع خیال کے موافق اضافہ کرنے کے بعد بھی نص صریح ہی سے تعبیر کی جائے اور ادھر اہل اسلام سے ”رافعک الی“ میں لفظ سماء کا مطالبہ کیا جائے۔ سارے لاہوری اور قادیانی مرزائی مل کر جواب دیں کہ زیر خط جملے آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہیں۔ ورنہ کیوں مخترع عبارت کو نص صریح کہہ کر عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اسی دیانت پر دوسروں پر نکتہ چینی کا شوق پیدا ہوا ہے۔ لو! گوش ہوش کھولو اور آیت کی صحیح تفسیر سنو۔ تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی خیانت اور تمہارے اوہام کا پورے طور سے انکشاف ہو جائے : ”وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.“ یہ سمجھنے کے لئے کہ : ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ جواب ہے یا مقولہ

اولا سوال کو دیکھنا چاہئے کہ سوال کس امر کا ہے۔ ملاحظہ ہو سوال خداوندی: ”ءَاَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِيْ وَأُمِّيَ الْهَيْنِ مِنْ نُّوْنِ اللّٰهِ۔ المائدہ آیت ۱۱۶“ اس مقام پر یہ سوال نہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی کی تجھے اطلاع ہے یا نہیں۔ نہ یہ سوال ہے کہ عیسائی کب گمراہ ہوئے۔ یعنی تیرے سامنے جھوٹے یا تیری موت کے بعد جھوٹے۔ الغرض نہ تعین وقت سے سوال ہے نہ علم و عدم علم سے بلکہ سوال فقط قول کا ہے تاکہ عیسائیوں کے لئے حبکیّت اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تیسیر ہو جائے۔ کیونکہ اگر سوال عیسائیوں کی گمراہی سے کیا جاتا کہ وہ کیوں گمراہ ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو جواب مشکل ہو جاتا اور اگر علم یا عدم علم سے ہو تا تو علاوہ غیر مفید ہونے کے مفید حبکیّت بھی نہ ہو تا و بجدانی الثانی! اس لئے سوال صرف قول سے کیا گیا ہے۔ یعنی تو نے یہ کہا تھا یا نہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہاں سوال فاعل سے ہے نہ نفس فعل سے جیسا کہ تقدیم مسدالہ سے مع تقریب حرف استفہام مستفاد ہوتا ہے۔ لہذا وقوع فعل سے بھی سوال نہیں بلکہ اصل سوال فاعل سے ہے۔ یعنی کیا تو نے کہا تھا..... الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاید فی نفسہ قول ہو چکا تھا اور عجیب نہیں کہ اس کا خود عیسیٰ علیہ السلام کو بھی علم ہو۔ و علیٰ ہذا نفس آیت میں یہ بھی نہیں کہ احتجاج الہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ سوال غالباً اسی کے مؤید ہے۔ الحاصل جبکہ منقح ہو چکا کہ سوال عیسیٰ علیہ السلام سے اس قول کے سرزد ہونے یا نہ ہونے کا ہے تو اب جواب ملاحظہ فرمائیے اور اس کے جمیع اجزاء پر غور کیجئے کہ کس جز سے اصل سوال کا جواب نکلتا ہے اور کون سا جز جواب سے فاضل ہے فرماتے ہیں۔

”سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقِّ اِنْ كُنْتُ قُلْعُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ۔ المائدہ آیت ۱۱۶“ الی قولہ: ”الْعَلَامُ الْغُيُوْبِ۔“ چونکہ مقام محاسن تعبیر اور رعایت آداب کا ہے۔ لہذا سب سے اول عیسیٰ علیہ السلام نے جواب کو مصدر بالتصريح کیا تاکہ اول شی جو عیسیٰ علیہ السلام کے جواب میں ہو وہ خداوند عالم جل شانہ کی ایسے ناپاک خیال سے پاکیزگی اور طہارت ہو۔ پھر دوسرے مرتبہ میں خود اپنا بھی ایسے افعال سے بیزار ہونا بتلایا اور اب تک اصل جواب نہیں دیا۔ اگرچہ اظہار ناراضگی اور بیزاری سے جواب مفہوم ہو جاتا ہے

مگر صراحۃً جواب نہیں۔ کیونکہ ”اَنْتَ قُلْتَ“ کا جواب ”قُلْتَ“ یا ”مَا قُلْتَ“ ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرف و محاورہ شاہد ہیں اصل جواب کو تیسرے مرتبہ میں کہا ہے: ”کَمَا قَالَ۔ مَا قُلْتَ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِي بِهٖ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ۔ الْمَائِدَہ آیت ۱۱۷“ یہ صریح جواب ہے۔ سوال ایزدی کا۔ جس کو تیسرے مرتبہ میں رکھا ہے تاکہ خدائی تقدیس اور اپنے اظہار مہراری اور عدم استحقاق کے بعد جواب اور زیادہ مؤثر ہو اور غالیۃ ادب بھی ملحوظ رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا: ”سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ الْبَقَرہ آیت ۳۲“ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب بحیثیت مدعی علیہ ہونے کے ہے۔ لہذا جو امر کہ بحیثیت شہید ہونے کے ان پر ضرور تھا اس کو بھی مقرون بالجواب کر دیا تاکہ اپنا تہریر مکمل ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص خدا کی طرف سے احوال امتہ پر شہید اور گواہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس پر ضروری ہے کہ وہ خود امت کے زشت اور قبیح افعال میں شرکت نہ کرے، پس کیا جو خدا کا گواہ ہو گا وہ خود بالعکس خدا کی مخالفت کر سکتا ہے؟۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا اس وقت تک تہریر شہید اور تہریر طرف سے ان کے افعال پر گواہ تھا۔ لہذا میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا۔ رہا بعد کا معاملہ سو وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اور میری ماں کو خدا ماننا میری توفی کے بعد ہوا ہے مجھے اس کی معلومات نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا میں نے ان کو یہ نہیں کہا۔ کیونکہ میں ان میں شہید تھا اور جب تو نے میری توفی کی تو اس کے بعد جو معاملہ ہوا وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس تقدیر پر یہ ممکن ہے کہ یہ معاملہ وفات سے سابق ہی ہوا ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت میں داخل بھی ہو۔ کیونکہ آیت سے کسی طرح یہ نہیں نکلا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت حق نصاریٰ اسی بات پر تھی کہ وہ نہیں جھوٹے۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو پڑھو قرآن شریف کی یہ آیت: ”فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ النِّسَاء آیت ۴۱“ اس آیت شریفہ میں خداوند عالم نے جمیع امتوں کے لئے ایک شہید کا ہونا بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی سے اپنی امت پر شہادت لی جائے گی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت منجملہ اور حیثیات کے ایک یہ

بھی ہوتی ہے کہ وہ بمنزلہ سرکاری گواہ کے ہوتے ہیں اور علیٰ ہذا اگر کسی نبی کا اپنی امت پر گواہ ہونے کا یہ مطلب ہو کہ وہ امت اس کے زمانہ میں نہیں بگڑی بلکہ بعد میں بگڑی ہے تو پھر ان نبیوں کے حق میں کیا کہو گے جن پر ایک بھی ایمان نہیں لایا۔ یا اگر بعض لائے اور بعض مرتد ہوئے تو کیا ایسے بعض مرتدین یا کفار جو اس نبی کے زمانہ میں موجود ہوں اس کی شہادت سے خارج ہوں گے یا العیاذ باللہ! انبیاء علیہم السلام ان کے حق میں بھی یہی کہیں گے کہ وہ لوگ بھی ہماری حیات میں گمراہ نہیں ہوئے۔ لہذا یہ بڑی کج فہمی اور ناتجہ کی بات ہے کہ شہادت کو مقصور علی الخیر کر دینا بلکہ شہادت جیسا کہ لغت و عرفاً (اصطلاحاً) عام ہے خواہ خیر پر ہو یا شر پر اس طرح اس کو یہاں بھی عام ہی رکھنا چاہئے اور کیا کہو گے: ”وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ المائدہ آیت ۱۱۷ میں جو کہ خود اسی آیت کے اخیر میں بطور اعتراض تذیلی موجود ہے کیا اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ خدا کی شہادت تک نہیں بگڑے اس بناء پر تو سارے عالم کو صالح اور مومن کہنا پڑے گا کیونکہ سارا عالم خدا کی زیر نگیناں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہذا یہ امر سوچنے کے لائق تھا کہ ذکر شہادت سے یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا غرض ہے اور اپنی امت کے مشرکانہ افعال کی تنصیص اور تقریر سے کیا فائدہ متعلق ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو چکا کہ اگر شہادت سے کوئی اور غرض نہ بھی ہو جب بھی شہادت فی نفسہ خود ایک ایسی شے ہے جس کا ادا کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ آیت بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ ادائے شہادت فقط عیسیٰ علیہ السلام ہی کا فعل مخصوص نہیں بلکہ جمیع انبیاء سے اپنی اپنی امتوں کے حق میں شہادت لی جائے گی۔ اس کے بعد معترض صاحب جس حدیث بخاری کو اپنے لئے مفید سمجھے تھے اس کو غور سے ملاحظہ کریں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جمیع قطععات میں سے اسی کو کیوں مخصوص کیا ہے اور کیوں نہیں فرمایا کہ: ”اقول كما قال الصبد الصالح . سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي .“ بلکہ جائے اس کے یہ فرمایا ہے کہ: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا .“ اگر کچھ انصاف ہے تو سمجھو کہ یہ اسی وجہ سے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اور اجزاء مخصوص سوال ایزدی کے جواب ہی میں وارد تھے۔ لہذا ان کو آپ ﷺ کیسے نقل فرما سکتے تھے جبکہ وہ سوال ہی آپ ﷺ سے نہیں ہوا۔ اس لئے

آپ ﷺ نے اس جزء کو لے لیا جس میں سارے انبیاء شریک ہیں۔ یعنی شہادت۔ لہذا حدیث نے نص کر دی اس بات پر کہ: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۚ اَنْتَ قُلْتَ“ کا جواب نہیں بلکہ وہ امر ہے جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں اور سب پر ضروری ہے۔ ورنہ اگر اس کو: ”اَنْتَ قُلْتَ“ کا جواب قرار دیا جائے تو پھر بتائیے کہ کیا یہی سوال نبی کریم ﷺ سے بھی ہوا تھا؟ اگر نہیں ہو تو پھر اس کا جواب کیسا۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ مقولہ کس وقت کا ہے۔ تو ملاحظہ ہو صحیح بخاری اسی حدیث میں موجود ہے: ”فاقول اصحابی اصحابی فیقال لی انک لا تدری ما احد ثوابعدک“۔ پس جبکہ خود سیاق ہی میں نبی کریم ﷺ کا اس واقعہ سے عالم نہ ہونا اور آپ ﷺ کے اصحاب کا بعد میں بجونا موجود تھا تو پھر آنحضرت ﷺ نے: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا“ سے علی تفسیر الرزاکون سی نئی بات ذکر فرمائی۔ بزرگ مرزا قادیانی جس بات کو آنحضرت ﷺ نے: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا“ سے پیش کرنا چاہتے تھے وہ تو ان کے فرمانے سے پہلے ہی ان کے سامنے پیش کی جا چکی تھی اب کیا اسی بات کو مکرر کرنا تھا؟۔ دوم میں یہ بھی سوال کروں گا کہ کیا نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے بجونے کا علم نہیں۔ کیا آپ ﷺ ہی نے قیامت تک کی امت کے سارے احوال نہیں بیان کر دیئے اور کیا قرب قیامت میں جو امت کا حال ہو گا وہ احادیث میں موجود نہیں؟۔ اگر یہ ساری باتیں موجود ہیں تو بروز حشر: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا“ سے کیونکر نفی علم فرمائی گئی۔ جبکہ دنیا ہی میں آپ ﷺ کو امت کا مجموعی حال روشن ہو چکا تھا۔ رہا: ”انک لا تدری“۔ یہ افراد اور تفصیلات کے اعتبار سے ہے جو کہ علم اجمال کے منافی نہیں۔ دوم: ”انک لا تدری“۔ ”حق جماعۃ مخصوصہ ہے نہ حق امت اور عیسیٰ علیہ السلام سے سوال حق امت ہے اسی لئے وہاں لفظ ابداء الناس کا ہے۔ لہذا اس حدیث نے بالکل فیصلہ کر دیا کہ یہ آیت کسی طرح جواب سوال نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے حق میں سفارش آمیز کلمات ہی فرماتے ہیں: ”اِنْ تَعَذَّبْنَهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ الْمَائِدَہ آیت ۱۱۸“ اب ظاہر ہے کہ یہ جملہ جواب سوال نہیں۔ حالانکہ سیاق واحد ہی ہے۔ البتہ مقولہ ضرور ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ

السلام کے جمیع مقولات کو جواب ہی بنا ڈالنا سخت نادانی ہے۔ سوم یہ کہ اگر آیت: ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ کے وہ معنی بیان کئے جائیں تو پھر ذکر اثر اک امت بعد سفارش قطعاً خلاف مقتضی الحال ہے۔

لور اگر وکیل صاحب دیانت داری سے: ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ کا جواب ہی مانتے ہیں تو پھر ذرا آیت کا مطلب ہی درست کر دیجئے کیونکہ جب آپ کے نزدیک توفی بمعنی موت ہے تو عند الجواب موت کا ذکر کیسا؟۔

کیا عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو گئے تھے۔ والعیاذ باللہ! یا سولی سے نجات پا کر یزعم مرزا قادیانی ستاسی سال کشمیر میں بھی زندہ رہے ہیں۔ پس اگر سولی کے واقعہ کے بعد ستاسی سال لور بھی زندہ رہے ہیں تو پھر اہل شام کے انقلاب خبر کا ذریعہ موت کیوں بتلایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی خبر تو ہجرت الی کشمیر سے ہی منقطع ہو چکی تھی لور موت تو ستاسی سال بعد ہوئی ہے۔ لہذا جو انقلاب خبر کا اصل وقت لور سبب تھا اس کو تو ذکر نہ کرنا لور جو امر کہ ستاسی سال بعد واقع ہوا ہے اس کا تذکرہ کرنا کس قدر لغو ہے۔ لہذا جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا لے لے گا۔ اس کے جواب میں مرزائی خیال کے موافق یہ جواب ہونا چاہئے کہ اے اللہ! جب تک میں ان میں تھا ان کا محافظ لور نگہبان تھا لور جب تو نے مجھے کشمیر روانہ کر دیا پھر مجھے خبر نہیں کیا ہوا۔ کیونکہ دراصل انقلاب خبر زمانہ ہجرت سے ہی مستمر ہے نہ وفات کے بعد سے۔ پس ان ستاسی سال کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ ان میں بھی عیسیٰ علیہ السلام ان کے حالات سے بے خبر ہی تھے (یزعم مرزائی) ہاں! اگر عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو چکے ہوں۔ والعیاذ باللہ! تو شاید ذکر توفی بمعنی موت مناسب ہو۔ کیونکہ اس تقدیر پر انقلاب خبر کا ذریعہ صرف موت ہی ہے۔

اب وکیل صاحب فرمائیں کہ کیا اس آیت کو جواب ماننے سے ان کا مقصد عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب قرار دینا ہے۔ والعیاذ باللہ! یا کچھ لور؟۔ کیونکہ توفی بمعنی موت لے کر اگر: ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ کو جواب قرار دیا جائے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اسی

صورت میں مستقیم ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ سولیٰ علی پر فوت ہوئے ہوں۔ والعیاذ باللہ! ورنہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت میں ہم نے جو کچھ تقریر توفی بمعنی موت لے کر کی ہے یہ سب علی سبیل التسلیم ہے۔ ورنہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ توفی بمعنی موت قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں۔ ہاں! جماع ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ان مقامات پر بھی جہاں توفی بمعنی اخذ ہے موت کے معنی مستقیم بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر مثلاً توفی جماع موت ہی ہوتی ہے۔ پس احد المجامعین کو جماع آخر کے موقع میں رکھ دینے سے بعض وقت مطلب تو بے شک درست ہو جاتا ہے مگر پھر سطحی نظروں کو اس جماع کا معنی حقیقی ہونا متوہم ہونے لگتا ہے اور اسی ایہام نے مرزائی جماعت کا ستیاناس کیا ہے۔ کاش! ان کو سمجھ ہوتی۔ اس کے بعد اسی آیت میں جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کی دیانتداری ہے۔ وکیل صاحب اسے بھی ملاحظہ فرمائیں :

الجما ہے پاؤں یار کا زلف وراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کیا ہے کہ : ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ قیامت کا واقعہ ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں : ”ظاہر ہے کہ یہ سوال (یعنی اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا۔“ (حقیقت الوحی ص ۳۱ خزائن ص ۲۲ ج ۲۲)

اس طرح ہے :

”اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں گے..... تو وہ قیامت کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے۔“ (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸ خزائن ج ۲۰ ص ۲۰۲) (مفصل عبارت پہلے گزر چکی ہے۔)

اس کے برخلاف ملاحظہ فرمائیے اسی آیت کی شرح میں کہتے ہیں :

”ظاہر ہے کہ قال صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے لول ”اذ“ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قہرہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا

ایک قصہ تھانہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے یعنی: ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ وہ بھی بصیغہ ماضی ہے۔“

(نزالہام ص ۲۳۸ ج ۲ خزائن ج ۳۲۵)

اب اس دیانت کو دیکھئے کہ ایک ہی آیت کو حقیقت الوحی میں قیامت کا واقعہ قرار دیا جا رہا ہے اور اسی کو ازالۃ الادہام میں واقعہ ماضی بتلایا جاتا ہے کیا ایک ہی واقعہ ماضی اور مستقبل میں ہو سکتا ہے؟ آئیے میں آپ کو اس کا راز بتاؤں۔

ازالۃ الادہام میں چونکہ وفات عیسیٰ علیہ السلام پر زور دینا مد نظر تھا۔ لہذا وہاں اس آیت کو واقعہ ماضی ہی قرار دینا مفید سمجھا، کیونکہ اگر توفی بمعنی موت لے کر یہ قصہ گزرا ہوا قرار دیا جائے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (بمعم مرزا قادیانی) پھیکا پڑ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے حقیقت الوحی میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے مقصود قائلین حیات پر رد کرنا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: ”اس جگہ اگر توفی کے معنی معہ جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہہ البطلان ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی انہیں آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہو گا۔ پس اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اس رفع جسمانی کی حالت میں خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو جائیں گے اور پھر کبھی نہ مریں گے۔ کیونکہ قیامت کے بعد موت نہیں اور ایسا خیال بدلتہ باطل ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۳۱ خزائن ص ۲۲ ج ۳۲)

بھلا یہ بھی کوئی دیانت ہے کہ جہاں جو مناسب موقعہ معلوم ہو او ایسا ہی لکھ دیا جب اثبات کے لئے قلم اٹھایا تو آیت کو واقعہ ماضی بنایا اور جب قائلین حیات پر رد کرنا شروع کیا تو اسی واقعہ کو قیامت کا واقعہ قرار دے دیا۔ کئے معترض صاحب اسی دیانت کو ساتھ لیکر دوسرے پر خیانت کا الزام؟

اسی طرح مرزا قادیانی نے اس آیت کا مطلب یوں لکھا ہے :

”پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر توفی ان کا تکسان تھا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔“ (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸ خزائن ص ۲۰ ج ۲۰)..... (مفصل حوالہ

اسی مضمون کے ابتداء میں درج ہے اس کی مراجعت کی جائے

چونکہ تذکرۃ الشہادتین میں مرزا قادیانی نے اس قصہ کو قیامت کا واقعہ قرار دیا ہے۔ لہذا قیامت میں علم کی نفی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے بچونے کی قیامت تک کوئی خبر نہیں ہوئی (بزرگ مرزا قادیانی) مگر اس کے برخلاف ملاحظہ ہو: ”لور میرے پرکشفا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہو ا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۵۴، خزائن ص ۲۵۴ ج ۵) لور: ”جیسا کہ میرے پرکشفا کھولا گیا ہے حضرت مسیح کی روح ان افتراؤں کی وجہ سے جو ان پر اس زمانہ میں کی گئی اپنی مثالی نزول کے لئے شدت جوش میں تھی اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرتی تھی کہ اس وقت مثالی طور پر اس کا نزول ہو۔ سو خدا تعالیٰ نے اس کے جوش کے موافق اس کی مثال کو دنیا میں بھیج دیا۔“ (ایضاً ص ۲۴۱) اس طرح ملاحظہ ہو: ”پھر دوسری مرتبہ مسیح کی روحانیت اس وقت جوش میں آئی کہ جب نصاریٰ میں دجالیت کی صفت اتم اور اکمل طور پر آگئی۔“

(کتاب مذکور ص ۲۴۲ خزائن ص ۲۴۲ ج ۵)

آئینہ کمالات اسلام مصنفہ مرزا قادیانی کے ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کو ہر اس وقت جبکہ ان کی امت میں کوئی نئی گمراہی پھیلی اطلاع دی جاتی تھی لور اسی وجہ سے ان کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہوئی پھر نہیں معلوم کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بروز قیامت اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے تذکرۃ الشہادتین میں اس آیت کی شرح میں لکھا ہے۔ اب وکیل صاحب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر رویے اور فرمائیے جب کہ حسب زعم مرزا قادیانی عیسیٰ علیہ السلام قبل از قیامت اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو چکے تھے تو پھر قیامت کے دن یہ کہنا۔ مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔ کیا صریح کذب نہیں۔ والعیاذ باللہ!

الحاصل مرزا قادیانی کی اعلیٰ درجہ کی دیانت صرف یہ تھی کہ جہاں جو سمجھ میں آئے اس کے موافق معنی تراش دیں تذکرۃ الشہادتین میں ابطال حیات مد نظر تھا۔ لہذا وہاں

عیسیٰ علیہ السلام کا بے خبر بنانا مفید رہا اور آئینہ کمالات اسلام میں شبلی مسیح کا دعویٰ کرنا عقیدہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہو۔ لہذا وہاں بدون کسی پس و پیش کے عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی امت کے احوال سے خبردار ہونے کی تصریح کر دی گئی۔ یہ ہیں آپ کے مرزا قادیانی جو ایک ہی آیت میں ایسے مناقض اقوال کہہ کر آپ کو بلا میں گرفتار کر گئے: ”وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ تَعَالَى . وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا . النساء آیت ۸۲“

الحاصل جبکہ مرزا قادیانی کی تفسیر کی حقیقت اور ان کی قدم قدم پر دیانت خونی آشکارا ہو چکی تو اب میں پھر اصل سوال کی طرف توجہ کر کے کہتا ہوں کہ شاید اب اس شخص کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں چند اجزاء ہیں جن کو یہ ایک سیاق میں دیکھ کر سب کو جواب بنا رہے ہیں اور دوسرے پر اعتراض کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ پہلا جز تسبیح ہے جسے بالاتفاق جواب نہیں کہا جاسکتا، دوم اظہار بیزارگی ہے جس سے جواب مفہوم تو ہو جاتا ہے مگر صریح جواب نہیں، سوم صریح جواب، چہارم ادائے شہادت، پنجم ذکر سفارش، اس اخیر جز کو بھی بالاتفاق جواب نہیں کہا جاسکتا۔ پس اگر کلام علی التحقیق والتحلیل کی جائے گی جیسا کہ حضرت موصوف مدظلہ کا منشا تھا جس کو کس قدر اپنے فہم کے موافق میں نے بھی لوا کیا تو پھر ضرور جواب اور مناسبات جواب و متعلقات جواب میں تمیز کرنی پڑے گی اور اگر کلام علی الاجمال والمسامحہ ہے تو پھر چاہے شہادت کے ساتھ سفارش کو بھی جواب ہی قرار دو۔

واللہ تعالیٰ علم و علمہ اتم

بسم الله الرحمن الرحيم

تحقیق عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

واضح رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق اس قدر اختلاف پیش آنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے حصص عمر عام لہائے آدم کی طرح مسلسل اور مشاہد نہیں گزرے بلکہ ان کی عمر میں ایک حصہ طویل وہ بھی شامل ہے جو حالت رفع آسمان پر گزرا ہے۔ اسی وجہ سے روایہ کو مختلف اعتبارات سے مختلف عمریں بیان کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو زمانہ نبوت سے پیشتر کا ہے۔ اس کی تعیین کا تو احادیث میں کہیں پتہ نہیں کیونکہ وہ ایک احادی اور انفرادی حال تھا۔ دوسرا وہ زمانہ جو بعثت کے نام سے موسوم ہے۔ البتہ احادیث میں موجود ہے کیونکہ یہ زمانہ احادی نہیں بلکہ اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ تھا۔ تیسرا وہ زمانہ ہے جو حالت رفع آسمان پر گزرا۔ چونکہ یہ زمانہ بھی مثل لول کے احادی اور انفرادی ہی تھا بلکہ مزید برآں اس میں بتاؤں عالم کی وجہ سے اس جہان سے غیبوبت بھی رہی۔ لہذا اس کی بھی احادیث میں تعیین نہیں کی گئی۔

چوتھا نزول من السماء کے بعد پھر اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ ہے۔ اس سے بھی احادیث میں تعرض کیا گیا ہے۔ الغرض عمر مسیح علیہ السلام کے چار حصص میں سے چونکہ دو حصوں میں بنی آدم کے ساتھ ان کا کوئی معاملہ نہیں رہا۔ لہذا ان کا ذکر بھی احادیث میں نہیں ہے۔ برخلاف اس کے وہ دو زمانے جس میں عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبوت رہے اور بحیثیت امامت رہیں گے۔ احادیث میں مختلف طور سے بیان ہو چکی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ خصائص الکبریٰ و کنز العمال ج ۱۱ ص ۷۸ ۷۹ حدیث ۳۲۲۶۰: ”واخرج ابن سعد عن ابراهيم النخعي قال قال رسول الله ﷺ يعيش كل نبي نصف عمر

الذی قبلہ وان عیسیٰ ابن مریم مکث قومہ اربعین عاما۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس برس رہے مگر اس کے برخلاف کنز العمال ج ۱۱ ص ۷۹ حدیث ۳۲۲۶۲ میں ہے: ”انہ لم یکن نبی کان بعدہ نبی الا عاش نصف عمر عم الذی کان قبلہ وان عیسیٰ ابن مریم عاش عشرين ومائة وانی لا ارانی الا ذاهبا علی رأس السنتين۔“ اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس سال نہیں بلکہ ایک سو بیس سال رہے۔ ان دونوں کے سوا تینتیس سال کا بھی ایک قول ہے۔

الحاصل عیسیٰ علیہ السلام کی عمر قبل الرفع میں تین طور سے اختلاف پایا جاتا ہے اس طرح بعد النزول من السماء کے زمانہ میں چند اختلافات ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے: ”عن ابی ہریرۃ مرفوعا ینزل عیسیٰ علیہ السلام الی ان قال فیمکث فی الارض اربعین سنة۔“ اور مسلم شریف میں ”عن ابن عمر وانه یمکث فی الارض بعد نزوله سبع سنین۔“ اب ملاحظہ کیجئے کہ اول روایت سے بعد النزول من السماء کی مدت اقامت چالیس سال اور دوسری روایت سے سات ہی سال معلوم ہوتی ہے۔ انہیں انتشارات کو علماء نے دیکھ کر تطبیق کے لئے (نہ انکار رفع عیسیٰ علیہ السلام کیلئے) مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ پس کسی نے تو اول کے تینتیس سال اور بعد کے سات سال لے کر مجموع عمر چالیس قرار دی اور کسی نے ایک سو بیس ہی کو زمانہ رفع سے قبل کی عمر قرار دے ڈالی اور بعد کے چالیس سال چونکہ بحیثیت امامت گزریں گے۔ لہذا ان کو نظر انداز کیا لیکن آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ تقدیر اول پر ایک سو بیس والی روایت متروک ہوئی جاتی ہے اور تقدیر ثانی پر سات اور چالیس والی روایتوں کا کوئی محمل نہیں رہتا۔ لہذا ان جمیع احادیث کو جمع کرنے سے اولاً بغرض تنقیح روایات اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ تینتیس سال کی روایت تو مرفوعاً کہیں ثابت نہیں بلکہ علماء نے شد و مد سے اسے نصاریٰ کا قول قرار دیا ہے۔ چنانچہ شرح مواہب جلد اول و خامس و زاد المعاد و جمل میں مشرح مذکور ہے بلکہ شیخ جلال الدین سیوطی جنہوں نے کہ جلالین شریف میں اس قول

کو اختیار کیا تھا امر قاعۃ الصدوق میں اپنا رجوع نقل کرتے ہیں۔ لہذا اسے تو ساقط ہی سمجھئے۔ اس کے بعد یہ غور کیجئے کہ ایک سو بیس والی روایت میں کون سی عمر مذکور ہے تو وہ اسی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک سو بیس وہ عمر نہیں جس پر عیسیٰ علیہ السلام مرفوع ہوئے بلکہ قبل الرفع اور بعد النزول ملا کر مجموعی عمر ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر بعد حذف کسور ساٹھ سال بیان فرمائی ہے اور یہ آپ ﷺ کی جمیع عمر ہے۔ پس جبکہ معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مجموعی ایک سو بیس سال ہے تو اب یہ معلوم کیجئے کہ بعد النزول عیسیٰ علیہ السلام کتنے دن وجہ ارض پر اور حیات رہیں گے۔ تاکہ بقاعد حساب عمر قبل الرفع خود متعین ہو جائے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر رہنے کے متعرض فیہ صرف دو ہی زمانے ہیں۔ یا قبل الرفع حال النبوة یا بعد النزول حال الامۃ پھر جب مجموع عمر بھی معلوم ہے اور ملاحظہ النزول بھی معلوم ہو جائے تو ملاحظہ النزول کو مجموع سے تفریق کر دیجئے تاکہ بقاعدہ حساب حاصل تفریق عیسیٰ علیہ السلام کی قبل الرفع عمر نکل آئے۔ لہذا اس سے پہلے میں اس اختلاف کو رفع کرنا چاہتا ہوں جو ملاحظہ النزول میں ہے تاکہ عند الحساب مفرق یعنی عدد اقل متعین ہو جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد النزول عمر میں روایات دو طرح پر ہیں۔ بعض میں سات سال اور بعض میں چالیس سال ہے۔ ان ہر دو روایات میں صورت تطبیق یہ ہے کہ مجموع زمانہ بعد النزول چالیس سال قرار دیا جائے اور سات سال وہ رہیں جو امام مہدی بمعیت عیسیٰ علیہ السلام گزاریں گے جیسا کہ روایت ابو داؤد سے امام مہدی کا بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام ۷ یا ۹ سال تک علیٰ شک الراوی حیات رہنا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت اقامت زمانہ نزول کے بعد چالیس سال ہے۔ پھر روایت نے مختلف اعتبارات سے متعدد عمریں ذکر کی ہیں۔ ان چالیس کو اگر مجموع عمر ایک سو بیس میں سے تفریق کر دیا جائے تو حاصل تفریق اسی سال ہوتے ہیں جو کہ بمقتضی حدیث کنز العمال عیسیٰ علیہ السلام کی عند الرفع عمر ہے۔ اس کے بعد جو اختلافات کہ عمر عند الرفع میں ہیں۔ ان کو دیکھئے۔

تینتیس سال والے قول کا تو سمجھو ہونا معلوم ہو چکا ہی ایک سو بیس والی روایت تو اس میں خود حدیث سے قرینہ پیش کر چکا ہوں کہ یہ مجموع عمر ہے۔ نہ وہ عمر جو عند الرفع تھی۔ رہی چالیس والی روایت تو اس میں صرف زمانہ نبوت کو لیا گیا ہے۔ زمانہ نبوت سے جو پہلی عمر ہے وہ اس میں محسوب نہیں۔ جیسا کہ کنز العمال ج ۱۱ ص ۷۸ ۴ حدیث نمبر ۳۲۵۹ ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: ”یا فاطمة انه لم یبعث نبی الا عمرا لذلک بعدہ نصف عمرہ وان عیسیٰ ابن مریم بعث رسولاً لاربعین وانی بعث لعشرین۔“

دیکھئے اس روایت میں حضور ﷺ نے اربعین کو مدت بعثت قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی بعثت کا زمانہ عشرين فرمایا کیونکہ چالیس سال پر آپ ﷺ کو نبوت ملی اور بیس برس حذف کسور آپ ﷺ نے تبلیغ نبوت فرمائی جس کا مجموع وہی ساٹھ سال ہوتے ہیں جو ایک سو بیس والی روایت میں مذکور تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ احادیث میں تصنیف مجموع عمر و عمر نبوت ہر دو کے اعتبار سے وارد ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال بعد النبوة رہے اور چالیس ہی سال امام رہیں گے۔ لہذا ان دونوں کو اگر مجموع عمر میں سے گھٹا دیجئے تو عیسیٰ علیہ السلام کی عمر عند البعثہ چالیس سال قرار پاتی ہے جو کہ انبیاء و رسل کی بعثت کی عمر ہے۔ جیسا کہ شرح مواہب ص ۶۳ ج ۱ پر مذکور ہے۔

الحاصل انہیں روایات سے ظنی معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اسی سال کی عمر میں ہوا۔ چنانچہ اصالبہ میں سعید بن المسیب سے اسی طرح مذکور ہے۔ ہاں! اس تقدیر پر فقط ایک عاش کا لفظ بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتا ہے مگر اگر ذرا تامل کیجئے تو اس میں بھی کوئی ضیق نہیں کیونکہ اگر تناسب سیاق و سباق کی رعایت کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مقام پر یہی لفظ مناسب تھا۔ کیونکہ اولاً دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں عاش بصیغہ ماضی صادق تھا ہی۔ پھر حق عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے حصص عمر میں سے دو حصوں کے اعتبار سے صادق تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو تصنیف عمر ذکر کرنی مد نظر تھی۔ لہذا اگر سلسلہ نقص کرتے تو علاوہ نقص نظم کے بیان تصنیف میں تطویل الاطائل اختیار کرنی پڑتی۔

لہذا حصہ ثالث کو بھی جو یہ حقیقت مستقبلہ ہے صیغہ ماضی ہی میں لپیٹ دیا۔ تاکہ تنصیف جمع عمر اور عمر نبوت ہر دو اعتبار سے مع رعایت اختصار مستقیم ہو جائے اور سلسلہ نظم بھی حال رہے۔

چنانچہ اس کے نظائر قرآن شریف میں بھی ہیں: ”کَمَا قَالَ اِنْ ارَادَا اَنْ يَهْلِكَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَامَهٗ“۔ حالانکہ صیغہ استقبال حق ام کسی طرح درست نہیں ہو سکتا مگر فصحاء کا طریق ہے کہ جہاں قحط کلام بن ہو وہاں پھر غیر متعلق امور میں تطویل پسندیدہ نہیں سمجھتے۔

رہی میلاد عیسیٰ والی حدیث جو تفسیر لکن کثیر میں موجود ہے اس کی مراد تشبیہ ہے حسب عدم التغیر ورنہ تو عمر مذکور حق اللہ جنت بھی درست نہیں کیونکہ جولدی ہے اس کی عمر کا حساب ہی کیا؟۔

یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ تنصیف عمر امم و مشاہیر انبیاء علیہم السلام جن کے اعتبار سے زمانہ کی تاریخ بنیان کی جاتی ہے سلسلہ طوٹی اور تناسب قرون کے اعتبار سے ہے۔ یہ تو تطبیق روایات کی نسبت عرض کیا گیا۔ رہا مرزائیوں کی جولدی تو اس میں سہولت ہے کیونکہ اس جماعت کے پاس سوائے زندقہ اور الحاد کے کچھ نہیں۔

بھلا ان سے دریافت کیجئے کہ جبکہ حکم حدیث ہر نبی کی عمر نصف عما قبلہ ہوتی ہے تو مرزا قادیانی کدھر سے نبی ہو گیا۔ کیونکہ اس کی عمر تو نبی کریم ﷺ سے جائے نصف کے جمع عمر سے بھی زیادہ ہے۔ لہذا جس حدیث کو وہ پیش کرتے ہیں وہ بالکل ان ہی کی رویہ بازی اور غواہیت پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: یہ ٹکڑا فقط تحقیق عمر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بغرض نفع خلایق ملحق کر دیا گیا ورنہ سوال سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

حررہ العبد

بدر عالم میرٹھی عفی عنہ

انجاز الوفی فی لفظ التوفی

”ہمارا دعویٰ ہے کہ اہل لغت نے ”توفاه اللہ“ کا محاورہ خاص طور پر الگ لکھا ہے۔ تاج العروس اور لسان العرب، صحاح میں۔ ”قبص نفسه وروحه“ لکھے ہیں۔ اس محاورہ کو لغت دانوں نے مادہ کے دیگر مشتقات سے الگ کیا ہے..... تمام علماء دیوبند وغیرہ زور لگاؤ۔ یہی ثابت ہو گا کہ جہاں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی ہو وہاں بجز قبض روح اور: ”کوئی معنی ہر گز ہر گز نہیں۔“

اس قاعدہ کے سب سے اول موجد مرزا غلام احمد قادیانی ہیں اور اس کے بعد ان کے معتقدین نے اس پر بہت کچھ شور شغب مچایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اس کی پوری حقیقت ناظرین کرام کے روبرو پیش کر دوں تاکہ ایک قدیم دعویٰ کی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے اور اس قاعدہ کی اصلی تصویر جناب ملاحظہ فرمائیں۔ میں مرزائی صاحبان سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس مضمون کو اول سے آخر تک تعصب سے برطرف ہو کر نہایت انصاف اور بلا رو در عایت ملاحظہ فرمائیں۔ عجب نہیں کہ ان کی ہدایت اور میری بخشش کا یہی ایک پیمانہ ہو جائے۔

ملاحظہ ہو ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۶ تا ۲۰۸، خزائن ص ۷۸ تا ۷۳

۳۸۰ ج ۲۱:

”اس بات پر تمام ائمہ لغت عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب ایک علم پر یعنی کسی شخص کا نام لیکر توفی کا لفظ اس پر استعمال کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ: ”توفی اللہ زیدا“ تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ خدا نے زید کو مار دیا..... اور میں نے جہاں تک ممکن تھا صحاح ستہ اور دوسری احادیث نبوی پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے کلام اور صحابہ کے کلام اور تابعین اور تبع تابعین کے کلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے

یہ ثابت ہو کہ کسی علم پر تونی کا لفظ آیا ہو۔ یعنی کسی شخص کا نام لے کر تونی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنی جزوفات دینے کے کوئی اور کئے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک مقام پر جب نام لے کر کسی شخص کی نسبت تونی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس جگہ خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ہے جس کا نام لیا گیا تو اس سے یہی معنی مراد لئے گئے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایسی نظیریں مجھے تین سو سے بھی زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں تونی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہ ہو جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف ماردینے کے معنی ہیں نہ اور کچھ۔ مگر باوجود تمام تر تلاش کے ایک بھی حدیث مجھے نہ ملی جس میں تونی کے فعل کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہ علم ہو۔ یعنی نام لے کر کسی شخص کو مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور اس جگہ جز مارنے کے کوئی اور معنی ہوں۔ اس طرح جب قرآن شریف پر لول سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا..... اور پھر میں نے عرب کے دیوانوں کی صرف اسی غرض سے سیر کی اور جاہلیت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے میں خرچ ہوا مگر میں نے ان میں بھی ایک نظیر ایسی نہ پائی کہ جب خدا تونی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک علم مفعول بہ ہو۔ یعنی کوئی شخص اس کا نام لے کر مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں جز ماردینے کے کوئی اور معنی ہوں۔ بعد اس کے میں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل و کمال سے دریافت کیا تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہوا کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سر زمین میں یہی محاورہ جاری و ساری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے کہ تونی اللہ فلاں تو اس کے معنی قطعی اور یقینی طور پر یہی سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے ماردیا اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے ایک خط آتا ہے اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ: ”تو فی اللہ زیدا۔“ تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے زید کو ماردیا۔ پس اس قدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پہنچ گئی ہے یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے اور امور مشہودہ محسوسہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ تونی استعمال کیا جائے تو اس کے یہی

معنی ہوں گے کہ وہ شخص وفات پا گیا۔ نہ اور کچھ۔“

اس ایک مسلسل مضمون میں مرزا قادیانی نے نو مرتبہ اس قاعدہ کو مکرر کیا ہے۔ اسی طرح مرزا قادیانی کی دیگر کتب میں بھی یہ قاعدہ بھرت موجود ہے مگر میرے خیال میں یہ ایک حوالہ نوحوالجات کے قائم مقام ہے۔ لہذا میں اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے جواب کی طرف تشریح کرتا ہوں۔

تنقیح دعویٰ

چونکہ کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لئے اس کے مادہ اشتقاق کو دیکھنا ضروری ہے۔ اس لئے لفظ: ”تونی“ کے معنی متعین کرنے سے پہلے ہم کو اس کے مادہ کی تفتیش کی حاجت ہوگی۔ لغت میں بیشتر تونی کو دنی کے تحت میں لکھتے ہیں۔ ”ونی“ کے معنی پورا کرنا یا پورا لینے کے ہیں۔ اس مادہ سے عموماً چار باب ملتے ہیں:

۱۔۔۔۔۔ ”وفی الشی ای (تم)“ ۲۔۔۔۔۔ ”واوفی فلان حقہ۔ اذا اعطاه وافیا“ ۳۔۔۔۔۔ ”واستوفاه اذا لم یدع منه شیئاً“ ۴۔۔۔۔۔ ”وتوفاه اللہ“

پیغام صلح کی تخصیص بالذکر کا تین طور سے یہی مفہوم ہے کہ اول کے تین ابواب میں ان کو ہم سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ ہم دونوں فریق ان ابواب کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح چوتھے باب میں بھی اگے اس کا فاعل اللہ یا مفعول ذی روح نہ ہو فریقین کا کوئی اختلاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس صورت میں دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دو قیدیں ملحوظ ہیں۔

(۱)۔۔۔۔۔ باب تفعل ہو (۲)۔۔۔۔۔ فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں اگر یہ دونوں قیدیں منتفی ہو جائیں یا احد ہما تو پھر شاید قادیانی جماعت یا لاہوری پارٹی اس کے متعلق ایسے موٹے لفظوں میں دعوے نہ کرے گی۔ پس اگر ان دونوں قیدوں کا کوئی مفہوم معتبر ہے تو ان کی انتفاء سے مندرجہ ذیل صورتیں پیدا ہوں گی۔ اول شرط کے انتفاء کی تین صورتیں ہیں۔ باب ضرب ہو یا افعال ہو یا

استفعال۔ دوسری شرط کے منتفی ہونے کی بہت سی شکلیں ہیں۔

(۱)..... فاعل اللہ ہو مگر مفعول ذی روح نہ ہو۔ (۲)..... مفعول ذی روح ہو مگر

فاعل اللہ نہ ہو۔ (۳)..... نہ اللہ فاعل ہو اور نہ مفعول ذی روح ہو۔ یہ تیسری صورت بے شمار صورتوں پر مشتمل ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کے افراد اس قدر ہیں ان جملہ صورتوں میں ہمارا اور مرزائیوں کا کوئی نزاع نہیں۔ اب مابہ النزاع باب تعقل میں یہی نقطہ صورت ہے۔ جبکہ فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو اس کا بد یہی نتیجہ یہ ہے کہ توفی کے وہ معنی جو مرزائی صاحبان بیان کرتے ہیں اختلاف باب کا ثمرہ نہیں ہو سکتے اور نہ اس سبب سے اس لفظ کو اپنے مادہ سے جدا مانا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اس باب سے فعل توفی بدون شرائط بالا کے مستعمل ہو تو پھر مرزائی جماعت اس کے متعلق یہ دعویٰ نہیں رکھتی جیسا کہ لوہر کی تشریح سے واضح ہو چکا اور جیسا کہ پیغام صلح کی صریح عبارت کا مفہوم ہے۔ لہذا اب مرزائیوں کا دعویٰ ان الفاظ میں منقح ہونا چاہئے کہ وہی کے جمیع ابواب میں سے فقط ایک باب تعقل اور پھر باب تعقل کی بے شمار صورتوں میں سے فقط ایک صورت جس میں فاعل علی التبعین اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو ایسی ہے جس میں اس کے مادہ کا کچھ پتہ نہیں بلکہ وہ اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ برخلاف اس کے وہی کے جمیع ابواب کے جمیع استعمالات اپنی اصل اور مادہ ہی کے ماتحت ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم بقیہ ساری صورتوں میں اس لفظ کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہو اس طرح ہم صورت بالا کو بھی اپنے مادہ کے ماتحت ہی سمجھتے ہیں۔ اب منصف انصاف کرے کہ ایک لفظ کے جمیع مشتقات کو اپنے مادہ کے ماتحت رکھنے والا حق پر ہو سکتا ہے یا وہ جس نے بلا وجہ فقط ایک صورت کو مستثنیٰ کیا ہو۔ حالانکہ بقیہ اور ساری صورتوں میں وہ بھی ہماری موافقت کرتا ہو۔

اب تفتیش طلب امر یہ ہے کہ آخر فقط ایک صورت میں اس لفظ کو اپنے بقیہ مشتقات سے کیوں جدا کیا گیا؟ اختلاف باب کی وجہ سے تو نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا۔ ہاں! شاید اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہونے کی وجہ سے مگر یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ کسی ایک لغوی نے بھی یہ قاعدہ نہیں لکھا کہ اللہ کے فاعل اور مفعول ذی روح ہونے سے لفظ

اپنے مادہ سے اس قدر دور جا پڑتا ہے۔ گویا کہ پھر اسے اپنی اصل سے کوئی علاقہ ہی باقی نہیں رہتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ (مات زید) کے معنی بھی موت کے ہیں اور (لماۃ اللہ) میں بھی وہی معنی حال ہیں۔ لہذا یہ وجہ بھی اس مختراع استثناء کی قرار نہیں پاسکتی۔ اب ہمیں نہیں معلوم کہ اس لفظ نے مرزائیوں کا کیا قصور کیا ہے جو وہ اس کے معنی سارے استعمالات کے برخلاف بیان کرتے ہیں۔ مجھے بعض اوقات تحیر ہوتا ہے کہ اس جماعت نے خود تو اس قدر بعید از عقل اور نقل دعویٰ کیا ہے۔ اس پر اہل اسلام سے مطالبات کا ارادہ ہے۔ اگر ہم اس کے جواب میں فقط اسی پر اکتفا کریں کہ ہم اس مقام پر بھی وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اس کے دیگر بے شمار استعمالات میں تمہارے نزدیک بھی مراد ہیں تو بالکل جالور کافی ہو گا۔ خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کا ہمارے سر پر الزام یہ ہو۔

”یہ دعویٰ بھی عجیب دعویٰ ہے گویا تمام دنیا کے لئے تو تونی کے لفظ کے یہ معنی ہیں کہ ”قبض روح کرنا“ نہ قبض جسم، مگر حضرت عیسیٰ کے لئے خاص طور پر یہ معنی ہیں کہ مع جسم آسمان پر اٹھالینا۔“ (حیث الومی ص ۳۲ خزائن ص ۳۳ ج ۲۲)

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ دعویٰ تعجب خیز ہے تو یہ دعویٰ بھی تعجب خیز ہے کہ لفظ تونی کے جمیع استعمالات میں تو اس کے مادہ کا اثر ظاہر ہو اور جب اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہو۔ جب اس کے معنی اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ جا پڑیں اور سوائے موت کے ہر گز ہر گز کوئی اور معنی نہ ہو سکیں۔ گویا کہ سارے استعمالات میں سے ایک صورت کو جدید معنی کے لئے مخصوص کر لیتا تو کوئی تعجب خیز دعویٰ نہ ہو، اور مرزا قادیانی کا اختراعی الزام تعجب خیز ٹھہرے اور اگر بالفرض فاعل یا مفعول کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ کے فاعل اور غیر اللہ کے فاعل ہونے سے مرزائی خیال کے موافق لفظ تونی کے معنی میں فرق پڑتا ہے تو پھر اس میں کیوں استعجاب ہے کہ اگر مفعول عیسیٰ علیہ السلام ہوں تو معنی رفع جسمانی کے ہوں اور جب کوئی دوسرا مفعول ہو تو تغیر مفعول کی وجہ سے موت کے معنی مراد ہو جائیں۔

مرزا قادیانی کا الزام بالکل غلط ہے

علاوہ ازیں حقیقت الوحی میں مرزا قادیانی کا تعجب اور ہمارے سر پر الزام ہمارا دعویٰ نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ لہذا میں مکرر دعویٰ کا اعلان کرتا ہوں اگر مرزا قادیانی زندہ ہوں: ”لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى“۔ ”تو وہ سن لیں ورنہ ان کے معتقدیں گوش ہوش کھول کر سن لیں۔ ہم توفی کے معنی محق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہی لیتے ہیں جو ساری دنیا کے لئے لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک توفی کے معنی پورالے لینے کے ہیں (جس کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بلفظ ”بھر لینا“ ادا کیا ہے) اور اسی معنی کے لحاظ سے ساری دنیا کی توفی ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک نہ فقط قرآن شریف میں بلکہ سارے لغت عرب میں اس لفظ کا مدلول اور معنی یہی ہیں۔ مگر ہاں کہیں تھوڑا سا فرق بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تغیر لفظ کی وجہ سے ہونا قرین قیاس ہے مگر نہ اتنا کہ وہ لفظ اپنے مادہ ہی سے جدا جا پڑے۔ وعلیٰ ہذا! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے لیا ہی ہے۔ مگر اس طور سے کہ روح مع الجسد اور سارے عالم کو بھی خدا لیتا ہی ہے مگر اس طور سے کہ فقط روح اب ان دونوں مقام پر لفظ لے لینا موجود ہے جو کہ توفی کا مدلول ہے۔ البتہ کہیں رفع جسمی کے ساتھ مجامع ہے اور کہیں موت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی مجامع مع الرفع ہے اور دیگر بنی آدم کی قبض روح کے ساتھ فقط جس کا بلاخر حاصل موت ہی ہے۔

یہ امر ابھی میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ موت میں بھی لے لینا ہے مثال کے طور سے دیکھئے ”ید“ اور ”وجہ“ کا لفظ خداوند عالم اور عباد دونوں میں مستعمل ہے۔ مگر ”ید“ کا مصداق عباد میں شکل مخصوص ہے اور خداوند عالم میں جو اس کی شان کے مناسب ہے۔ اسی طرح ”عین“ اور ”اصابع“ اور ”رجل“ اور ”ساق“ اور ”اُزار“ اور ”رداء“ ان سب کا استعمال جناب باری عزاسمہ میں بھی احادیث صحیحہ اور قرآن عزیز میں موجود ہے۔ بایں ہمہ مصداق کا فرق بھی ضرور ہے۔

اب کیا کوئی احمق جاہل کہہ سکتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ ”ید“ کا لفظ جب ساری

دنیا کے لئے مستعمل ہو جب تو اس سے ایسا ”ید“ مراد ہو جس میں ”اصلاح“ اور اعصاب لحم و شحم ہیں اور جب خدا کی جناب میں مستعمل ہو تو اس کو ایک بے کیف اور مجہول الحال شی قرار دے دیا جائے الحاصل تو فی معنی موت کبھی مرتبہ مدلول میں مستعمل نہیں ہوا۔ یعنی اس طور سے کہ موت لفظ تو فی کا موضوع نہ ہو ہاں کبھی لے لیا اور پورا کرنا موت کی طرف ختمی ضرور ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کسی کی عمر پوری کرے گا تو اس کی عمر کی انتہا موت ہی سے تو ہوگی باید و موت..... کے بھی عمر ختمی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک موت نہیں آتی، کہا جاتا ہے کہ ابھی اس شخص کی عمر پوری نہیں ہوئی اور جب موت آجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اب اس کی عمر پوری ہو گئی۔ پس عمر کے پورے ہونے کی انتہا چونکہ موت پر ہی ہے۔

کتب لغت میں تو فی بمعنی موت ہونے کا راز

اسی لئے لغویین نے توفاه اللہ کے معنات کے بھی لکھ دیئے ہیں نہ اس لئے کہ ان کے نزدیک تو فی بمعنی موت حقیقی ہے۔ دیکھو لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۵۹: ”توفی المیت استيفاء مدته التي وفيت له وعد ايامه وشهوره واعوامه في الدنيا انتهى۔“

اس معنی کو خود مرزا قادیانی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۲۰۵ حاشیہ خزائن ۷۷ ج ۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں: ”معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ تو فی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں..... اسی بناء پر لسان العرب اور تاج العروس میں لکھا ہے: ”توفی المیت استيفاء مدته التي وفيت له وعد ايامه و شهوره واعوامه في الدنيا۔“ یعنی مرنے والے کی تو فی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کئے جائیں۔“

اب معترض صاحب ملاحظہ کریں کہ خود مرزا قادیانی ہی اپنی آخری تصنیف میں کس قدر صراحت کے ساتھ تو فی کو پورا کئے جانے کے معنی میں تسلیم کرتے ہیں: ”وماذا بعد الحق الا الضلال۔“ الغرض چونکہ عمر کا پورا کرنا اور موت دینا مصداق میں مجامع

ہیں۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں اردو میں مثال ملاحظہ فرمائیے۔ جب کبھی کسی بڑے شخص کا انتقال ہوتا ہے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں بزرگ مر گیا۔ بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ ان کا وصال ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وصال اور وصل کے لغوی معنی ملنے کے ہیں۔ اس طرح انتقال نقل سے مشتق ہے جس کے معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرنے کے ہیں مگر جب کسی بزرگ کی نسبت وصال یا انتقال کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے موت ہی کے معنی سمجھے جاتے ہیں اور اب کیا کوئی جاہل کہے گا کہ چونکہ دنیا کے سارے بزرگوں کے حق میں وصال بمعنی موت استعمال ہوا ہے۔ لہذا وصال کا موضوع لہ موت ہے اور اس بناء پر شاعر کے قول مثلاً: ”وصال یار مشکل ہے“ میں شاعر کی تمنا یا ر کی موت کی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ وصال کے لغوی معنی ملنے کے ہیں مگر چونکہ بزرگوں کی نگاہ میں فقط ایک خدا ہے ملنا ہوتا ہے جو بدوں موت مور نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو بارگاہ ایزدی میں وصول میسر ہوا۔ بلا آخر اس کے مرادف ہو جاتا ہے کہ وہ مر گئے۔ اس لئے وصال مراد موت بولنے لگے ہیں۔ اس طرح لفظ انتقال ہے چونکہ بزرگان دین کی نسبت موت کا لفظ معمولی سمجھا گیا ہے۔ لہذا ان کی موت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہی حال لفظ توفی کا ہے کہ اس میں بھی فی الحقیقت تشریف ہے خصوصاً جبکہ اللہ فاعل ہو۔ پس اگر کہیں یہ لفظ موت کی مراد میں نظر آتا ہو تو یہ نظر الٰہی التعریف ہے۔ لاکونہ موضوعاً کہ جیسا کہ بیت اللہ اور روح اللہ اور انا جزئی بہ میں تقریر کی گئی ہے۔

الحاصل جس طرح عرفان فلاں حضرت کا وصال ہو گیا فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا سے سوائے موت کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ باوجود یہ کہ پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ موت ان الفاظ کے معنی حقیقی ہیں نہ یہ بے ہودہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ یہ الفاظ اپنے دیگر استعمالات مثلاً وصول اور ایصال سے بدول کسی قاعدہ کے بالکل جدا ہیں۔ اس طرح لفظ توفی کو بھی سمجھئے۔ چونکہ عام طور پر عمر کا پورا ہونا موت ہی پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے بھی لکھ دیئے گئے ہیں مگر اس سے لفظ کا اپنے موضوع لہ سے نہ خروج لازم آتا ہے

اور نہ اس معنی کا حقیقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقی معنی کا تحقق چونکہ عموماً موت کے مجامع ہو رہا ہے۔ لہذا عوام جو کہ مجامع للموت یا بمعنی موت ہونے میں کوئی تفریق نہیں کر سکتے تو فی مجامع للموت کو بمعنی موت ہی قرار دے دیتے ہیں۔ لہذا تو فی بمعنی موت اس سرسری اور عامیانہ استعمال کے لحاظ سے ہے۔ رہے خواص اور اہل علم سو وہ چونکہ تنقیحات علیہ سے غوطی مرتاض ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک تو فی مجامع للموت ہونے سے بمعنی موت نہیں بن جاتا بلکہ وہ موت کو مرتبہ مصداق یا جزء اخیر کی مرتبہ میں رکھ کر لفظ کو اپنے مدلول سے خارج نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مضمون کی شہادت کلیات البقاء سے غوطی ہو جاتی ہے: ”(التوفی) الاماتہ و قبض الروح و علیہ استعمال العامۃ والا ستیفاء و اخذ الحق و علیہ استعمال البلغاء۔“

اگر کسی کو عبارت فنی کا سلیقہ ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت کی مراد یہ نہیں ہے کہ بلغاء کے یہاں تو فی کسی ایک مقام پر بھی موت کے مجامع نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بلغاء کے نزدیک اس لفظ کے معنی استیفاء اور اخذ حق کے ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ مراد اس سے موت ہی کیوں نہ ہو۔ پس حق لفظ اور اشتقاق بھی ہے کہ اس میں اخذ اور استیفاء کے معنی ہر حال مرعی رہیں گو بظاہر کہیں سطحی نظریں بمعنی موت سمجھیں۔ و علیٰ ہذا اس عبارت میں تو فی کے محل موت میں مستعمل ہونے سے انکار نہیں مگر وجہ تخریج میں نظروں کا تفاوت ضرور ہے عام آدمی سمجھتا ہے کہ تو فی مصداق میں موت کے ساتھ جمع ہوا تو اس کے معنی ہی موت کے کرنے لگتا ہے۔ مگر بلیغ موت کو انحاء استیفاء میں سمجھ کر استیفاء مرتبہ مدلول میں اور موت کو مرتبہ مصداق میں رکھتا ہے۔

واضح رہے کہ لغویین کا لایۃ اس امر میں متفق ہیں کہ موت تو فی کے معنی حقیقی نہیں مگر پھر وجہ تخریج میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ تو فی المیت بمعنی استیفاء ہے۔ یعنی عمر پورا کرنا اور پورا لینا اور بعض فرماتے ہیں کہ بمعنی اخذ ہے۔ یعنی کون فیہم کا مقابل جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنا حق وصول کر لیا۔ اس لئے کلیات کی عبارت میں دو لفظ آئے ہیں اوالا استیفاء و اخذ الحق۔ پس یہ دونوں شے واحد نہیں ہیں مگر

موت کے مرادف بھی نہیں ہیں یہ بھی یاد رہے کہ استیفاء کی دلالت اس معنی پر لوٹی ہے اور جزا خیری پر ثنائی اور تونی کی دلالت علی العکس ہے۔ یعنی استیفاء میں حرکت مبدء سے مقطع کی طرف ہے اور تونی میں مقطع سے مبدء کی طرف۔ لہذا جب تونی سند الی الرب العزت ہوتا ہے تو اس مقام پر مراد جزائی ہوتا ہے۔ لحاظ جزا اول اور جب سند الی العبد یعنی الی المفعول ہوتا ہے تو مراد جزء اول ہوتا ہے لحاظ جزء ثانی۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ لفظ تونی کسی ایک مقام پر بھی بمعنی موت حقیقتاً مستعمل نہیں۔ ہاں مجامع ضرور ہے۔ لہذا: ”إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَدَافِعُكَ إِلَى آلِ عِمْرَانَ آیت ۵۵“ میں یہ وعدہ کہ اے عیسیٰ میں تیری عمر پوری کروں گا۔ الیٰ حسین الوفاۃ مستنبط ہے اور جب تک کہ ان کی زندگی کے لحاظ پورے ہوتے رہیں گے۔ کہا جائے گا کہ ان کی عمر پوری کی جا رہی ہے۔ و علیٰ ہذا تونی مقدم ہی ہونا چاہئے تھی کیونکہ یہ بمنزلہ مزید علیہ کے ہے اور مجامع ہے رفع کے ساتھ۔ نہ یہ کہ رفع بعد التونی ہے۔ یعنی انقطاع تونی کے بعد رفع نہیں ہے بلکہ تونی جو ایک امر ممتد اور مستمر ہے اس مستمر زمانہ میں رفع بھی ہوا ہے۔ لہذا وہ امر مستمر اس رفع کے ساتھ مجامع ہو گیا؟ پس رفع کے زمانہ میں یہی تونی چل رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور جو اجل خدا کے علم میں مقدر ہے اسے ختم فرما چکیں گے اور وفات پائیں گے تو کہا جائے گا کہ عمر پوری ہو چکی۔ اسی مقام سے تفسیر ابن عباس کی مراد بھی حل ہو گئی کیونکہ ”اننی ممیتک“ کے یہ معنی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ میں تیری موت سے پہلے تجھے موت دیدوں گا۔ بلکہ تونی ایک انتہائی وعدہ ہے جس کی امداء تعلیم ہے کیونکہ اگر تونی کو ذکر ہی نہ کیا جاتا تو کلام منتظر باقی رہ جاتا اور یہ نہ معلوم ہوتا کہ: ”جاعل الذین“ کے بعد کیا ہو گا اور اگر بعد میں ذکر فرماتے تو چنداں لطیف نہ رہتا کیونکہ معلوم ہے کہ انسان کے لئے بلا اثر فنا ہی ہے۔ لہذا انتہائے ارادہ کی اولاً تعلیم فرما کر بقیہ مواعید کو ذکر فرمایا۔ یہ یاد رہے کہ اس تفسیر کو ترتیب کے خلاف سمجھنا سخت نادانی ہے کیونکہ ترتیب فقط واقع کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ترتیب جیسا کہ حسب الوقوع ہوتی ہے۔ اس طرح حسب الذکر اور حسب العرف بھی ہوتی ہے۔ پس کسی کلام کے مطابق ترتیب

ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ساری ترتیبیں اس میں مجتمع ہو جائیں کیونکہ بعض اوقات بعض ترتیب بعض ترتیب کے مناقض ہوتی ہیں۔ لہذا مطابقت ترتیب اسی لحاظ سے لی جائے گی جس اعتبار سے متکلم نے اپنے کلام میں ارادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر متکلم کو چند امور کی فقط تعدید مطلوب ہو تو اس مقام پر وہ واقعہ کا لحاظ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کے مقصود سے خارج ہے۔ جیسا کہ علماء معانی نے جاء زید و عمر اور جاء زید فمر میں لکھا ہے۔ ہاء علیہ میں کتا ہوں کہ اس آیت میں بھی ان مواعید کی ترتیب بتانا مد نظر نہیں اگر ترتیب بتلانی مد نظر ہوتی تو جائے واو کے ف یا ثم حرف عطف لائے جاتے۔ حالانکہ ان حروف میں سے کوئی بھی اس مقام پر موجود نہیں ہیں۔ پس مقصود آیت میں صرف ان مواعید کا افادہ ہے۔ بدون التعرض الی الترتیب الوقوعی۔ لہذا آیت بیان ترتیب سے ساکت ہے اور ترتیب وقوعی خارج کے پردہ ہے۔ ہاں اس قسم کے مقامات پر جو عربی ترتیب ہے وہ آیت میں موجود ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر متوفیک کو مؤخر کر دیا جاتا تو خلاف ترتیب عربی ہو جاتا اگرچہ ترتیب وقوعی کی مطابقت حاصل ہو جاتی مگر وہ غیر مقصود تھی جیسا کہ معلوم ہوا لہذا توفی بمعنی موت لے کر اور یہ مان کر کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد النزول من السماء وقات فرمائیں گے۔ پھر بھی ترتیب یہی تھی جو آیت میں موجود ہے فافہم۔ اور یہ بھی عقلاً معلوم ہے کہ موت سب مرحلوں کے بعد میں ہوا کرتی ہے۔

(۲)..... مغالطہ سے بچانے کے لئے یہ امر بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ہمارا نزاع اس میں نہیں ہے کہ بعض لغت کی کتب میں توفاه اللہ کے معنی مات یا اور کتہ الوفاۃ کے لکھے ہیں بلکہ میری طرف سے اس کا اقرار بھی گزر چکا ہے۔ اور نہ فقط اتنی بات ہمارے مخالف ہے۔ بلکہ النزاع یہ ہے کہ آیا معنی مذکور حقیقی ہیں یا مجازی۔

مرزائی مدعی ہیں کہ موت معنی حقیقی ہیں اور ہماری طرف سے یہ اصرار ہے کہ یہ معنی ہر گز ہر گز حقیقی نہیں چونکہ یہ دعویٰ لغت کے متعلق ہے۔ لہذا کوئی مرزائی کسی ایک معتبر لغت کی کتاب سے دکھا دے جس نے صاف طور پر لکھ دیا ہو کہ توفاه اللہ بمعنی مات حقیقی ہے اور جب تک یہ تصریح پیش نہ کی جائے اس وقت تک لغویین کی کتابیں کھول کھول کر

لفظہا کا لفظ دکھادینا ہمارے لئے کوئی مضرت نہیں ہے کیونکہ ہم بھی اس معنی کو ایک سرسری اور عامیانہ استعمال تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ جب تک کوئی نقل اس کے خلاف نہ پیش کی جائے اس وقت تک لغویین کی تحریر سے متبادر یہی ہے کہ مات معنی حقیقی ہیں تو میں نہایت فراخ دلی سے ایسی نقل پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ملاحظہ ہو اساس البلاغہ ص ۱۰۳ ج ۱۰ مصنفہ علامہ زمخشری جو مرزا قادیانی کے نزدیک بھی بہت بڑے شخص ہیں۔ جیسا کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۸ خزائن ص ۸۰ ج ۲۱ میں ہے :

”اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ زبان عرب کا ایک بے مثل امام جس کے مقابل پر کسی کوچوں و چراگی گنجائش نہیں یعنی علامہ زمخشری۔“

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے فتویٰ دے دیا ہے کہ علامہ زمخشری کے بالمقابل کسی کوچوں و چراگی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں دیکھوں گا کہ مرزائی صاحبان کہاں تک مرزا قادیانی کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اساس البلاغہ ص ۳۰۲ ج ۲ ”ومن المجاز توفی وقواه اللہ ادرکتہ الوفاة“ یعنی توفاه اللہ کے معنی ادرکتہ الوفات کے مجازی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی اور مرزائیوں کی بد قسمتی سے حسب الاتفاق علامہ کی اس عبارت میں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی بھی ہے مگر پھر تصریح فرما رہے ہیں کہ توفاه اللہ کے معنی موت کے مجازی ہیں۔ مرزائیو! خدا ار اپنے نبی کے قول کی تو لاج رکھو اور اب تو شائع کر دو کہ توفاه اللہ کے معنی مات کے مجازی ہیں تاکہ کسی کے تو مقتدی کلاؤ۔

ایک مشہور مرزائی مصنف کی قابل ذکر ایمان داری

اس مقام پر مجھے بہت تأسف کے ساتھ میاں خدا بخش مرزائی مصنف عمل مصعب کی ایمان داری کا حال بھی تحریر کرنا پڑتا ہے۔ ان حضرت نے جب اپنی کتاب میں اس عبارت کو درج کیا ہے تو شاید انہیں مرزا قادیانی کا فتویٰ بھی یاد آگیا ہے۔ لہذا اگر پوری عبارت نقل کر دیتے تو توفی کا معنی موت مجازی ہونا ثابت ہو جاتا جس کے مقابل پر حسب فتویٰ مذکور کچھ

چوں و چرا کی گنجائش نہ رہتی تو اب سہل صورت یہ ایجاد کی کہ علامہ کی اس عبارت کو کاٹ تراش کر ومن الجواز کا لفظ ہی حذف کر دیا اور بعد کی عبارت نقل کر دی جس میں یہ تھا کہ توفی بمعنی موت ہے اور جس جملہ میں اس معنی کا مجازی ہونا مصرح تھا اسے شاید غایت دیانت کے باعث نقل نہیں کیا۔ شبلاش مرداں چنیں کنند۔ مرزا یو! اپنے دیانت داروں کا حال دیکھو اور اب بھی راہ راست پر آ جاؤ اور خوب سمجھو کہ اگر تم میں حق پر پردہ ڈالنے والے زندہ ہیں تو اسلام میں اس پردے کو ہٹا کر مرزائی ایمان کی نگلی تصویر بھی پیش کر دینے والے موجود ہیں اگر کوئی قادیانی یا لاہوری اس مشہور مرزائی مصنف کی اس بددیانتی کو غلط ثابت کر دے تو اسے ایک سو روپے انعام ملے گا۔ ”فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ“

الحاصل جبکہ ہم نے توفی بمعنی موت ہونے پر علامہ زرخشوری جیسے شخص سے مجاز ہونے کی تصریح پیش کر دی ہے۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں تاوقتیکہ کسی ایسے ہی شخص کی عبارت پیش نہ کی جائے جس نے ان معنوں کا حقیقی ہونا تسلیم کیا ہو اثبات مدعی خواب و خیال سمجھنا چاہئے۔

(۳)..... یہ بات مسلم ہے کہ اضداد کا تمایز تقابل سے بہت نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوبصورتی کو بد صورتی کے مقابلہ میں رکھو تو کماحقہ امتیاز ہو جائے گا کہ یہ شے اور ہے اور یہ اور۔ اس طرح ظلمت اور نور الم و سرور انس و نفور خاکساری و غرور کے معانی کا تمایز عند التقابل علی وجہ الکمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر منتہی کتا ہے: ”بصندھا تتبین الاشیاء۔“ و علی ہذا اگر توفی بمعنی موت حقیقت ہے تو ہمیں قرآن کی تتبع سے معلوم کرنا چاہئے کہ کیا قرآن نے کہیں حیات اور توفی کو مقابل ٹھہرایا ہے۔ پس اگر عرف قرآن سے ثابت ہو جائے کہ اکثر مقامات حیات کے مقابلہ میں توفی کو رکھا گیا ہے تو پھر توفی کا بمعنی موت ہونا بے شک قابل غور ہو گا۔ کیونکہ حیات کا مقابل نام موت ہی ہے اور اگر توفی کو پیشتر مقامات پر حیات کا مقابل نہ ٹھہرایا گیا ہو بلکہ جائے توفی کے موت کو حیات کے بالمقابل رکھا گیا ہو تو یہ امر بدہمتہ واضح ہو جائے گا کہ توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ اب میں ذیل میں ان آیات کو نقل کرتا ہوں جس میں توفی اور موت کے مقابلتہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

- (۱).....: ”يُخَيِّ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا . الحديد آیت ۱۷“
 (۲).....: ”هُوَ الَّذِي يُخَيِّ وَيُمَيِّتُ . المؤمن آیت ۶۸“
 (۳).....: ”كِفَاةً . أَحْيَاءُ وَأَمْوَاتًا . المرسلات آیت ۲۶“
 (۴).....: ”يُخَيِّكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ . الجاثیہ آیت ۲۶“
 (۵).....: ”هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا . النجم آیت ۴۴“
 (۶).....: ”لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَخْيُ . الاعلی آیت ۱۳“
 (۷).....: ”يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ . الروم آیت ۱۹“
 (۸).....: ”وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ . الروم آیت ۱۹“
 (۹).....: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ . بَلْ أَحْيَاءُ . البقرہ آیت ۱۵۴“

(۱۰).....: ”أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ . النحل آیت ۲۱“ وغیرہ

اب دیکھئے کہ ان جمع آیات میں جن کو میں نے صرف بغرض تمثیل نقل کیا ہے۔ حیات کا مقابل موت اور موت کا مقابل حیات کو ٹھہرایا گیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ حیات کوئی ایسی شے ہے جو موت نہیں ہے اور موت کوئی ایسا امر ہے جو حیات نہیں۔ اس کے بعد اب توفی کے مقابلات پر نظر فرمائیے۔

- (۱).....: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي . مائدہ آیت ۱۱۷“ (۲).....: ”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَ نَفْسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا . زمر آیت ۴۲“ (۳).....: ”وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمْرِ . حج آیت ۵“ (۴).....: ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ . انعام آیت ۶۰“ (۵).....: ”فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ الخ . مؤمن آیت ۷۷ ، یونس آیت ۴۶ ، رعد آیت ۴۰“ (۶).....: ”حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا . نساء ۱۵“

اب ملاحظہ فرمائیے کہ سورۃ مائدہ میں توفی کو کو نہ فہم کے بالمقابل وز مر میں موت

و حیات کے مجامع اور حج میں ردائی ارذل عمر کے مقابل اور انعام میں جرح کے مقابل اور مومن یونس و رعد میں ارۃ کے مقابل اور نساء میں جعل سبیل کے مقابل قرار دیا گیا۔ ان جمع مقامات میں کسی ایک مقام پر بھی توفیٰ کو حیات کا مقابل قرار نہیں دیا گیا۔ اب ذرا قرآن عزیز کی اس بلیغ تقسیم پر غور فرمائیے کہ ادھر تو حیات کے مقابل موت کو رکھا گیا اور توفیٰ کو مقابل نہ ملایا اور ادھر توفیٰ کا مقابل حیات نہ رکھا بلکہ ان اشیاء کو اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عرف قرآن میں نہ توفیٰ حیات کا پورا مقابل ہے اور نہ حیات توفیٰ کا بلکہ حیات اور موت مقابل ہیں توفیٰ اور کونہ فہیم وغیرہ مقابل ہیں۔ اب اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں توفیٰ کا مقابل امور عدیدہ کو کیوں قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مقابل للتوفیٰ فی ہضہ اس قدر عام ہے کہ جس کے افراد کثیرہ ہیں۔ مثلاً انسان کی تقيض لا انسان ہے۔ اب حجر بھی لا انسان ہے اور شجر بھی لا انسان ہے الی غیر ذالک اور یہ سب انسان کے مقابل ہی ہیں اس طرح توفیٰ کے معنی جبکہ پورائے جانے یا حق وصول کرنے کے تھے۔ لہذا اب اگر کسی شی کو پورا نہ لیا گیا ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں جیسا کہ مائدہ میں توفیٰ کا مقابل مادمت فہیم قرار دیا گیا ہے کیونکہ دوامہ فہیم کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام اس معنی کے لحاظ سے غیر متوفی تھے اور زمر میں تو صراحۃً توفیٰ کو موت اور حیات یعنی عدم موت دونوں کے مجامع قرار دے دیا گیا ہے۔ جس نے فیصلہ ہی کر دیا کہ توفیٰ نہ موت کا پورا مقابل ہے نہ حیات کا۔ لہذا توفیٰ اموات اور احياء دونوں کی بن سکی کما سیجیٰ تفصیلہ عنقریب اس طرح حج میں ”ردائی ارذل العمر“ کا مقابل ملایا گیا ہے کیونکہ ”من یرد الی ارذل العمر“ ظاہر ہے کہ اس معنی سے غیر متوفی ہے۔ ایسا ہی انعام میں جرح غیر توفیٰ ہے کیونکہ حالت جرح میں بھی انسان پورا نہیں لیا جاتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس طرح سورہ مومن و یونس و رعد میں بھی ارۃ کو توفیٰ کا مقابل اسی لحاظ سے قرار دیا گیا ہے کیونکہ حالت توفیٰ ارۃ بعض الذی وعد غیر متصور ہے۔ ایسا ہی نساء میں جعل سبیل حالت توفیٰ نہیں ہے بلکہ جعل سبیل عدم توفیٰ کی صورت میں ہی ہے۔ الحاصل تعدد مقابلات توفیٰ مفہوم مقابل کی فی ہضہ کلیۃ کی جت سے ہے نہ کسی اور جت سے۔ اس بیان سے ایک حق کے طالب کے لئے یہ امر بداہت کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ

عرف قرآن میں ہرگز توفی بمعنی موت نہیں خصوصاً جبکہ ان آیات مندرجہ بالا میں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح بھی ہے۔ لہذا اب اس یہانہ کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ ان جمع آیات میں توفی شرطاً بالا کے برخلاف واقع ہے۔

(۴)..... یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن عزیز میں امامت کی اسناد علی سبیل الحقیقت سوائے خداوند عالم کے اور کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی بلکہ اہیاء اور امامت کو بطور حصر اپنی صفت قرار دیا ہے: ”کما قال هو یحیی ویمیت“ اس وجہ سے محی اور ممیت خداوند عالم کے اسماء مخصوصہ میں سے قرار دیئے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ آیات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں :

(۱).....: ”حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ . نِسَاء آیت ۱۵“ (۲).....: ”قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ . سجدہ آیت ۱۱“ (۳).....: ”إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ . النِّسَاء آیت ۹۷“ (۴).....: ”تَتَوَفَّيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ . نحل آیت ۲۸“ (۵).....: ”تَتَوَفَّيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ . نحل آیت ۲۲“ (۶).....: ”تَوَفَّيْتَهُ رُسُلُنَا . انعام آیت ۶۱“ (۷).....: ”رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ . اعراف آیت ۳۷“ (۸).....: ”فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتَهُمُ الْمَلَائِكَةُ . محمد آیت ۲۷“

ان جمع آیات میں توفی کا فاعل موت اور ملک الموت اور ملائکہ کو قرار دیا ہے۔ پس موت کا فاعل سوائے اپنی ذات کے کسی غیر کو قرار نہ دینا اور توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی بنا دینا ضرور اپنے اندر کوئی مخفی راز رکھتا ہے۔ مرزائی معنی کے مطابق یہ تقسیم اس معجز کلام میں محض اتفاقی اور بے سود ہے اور ہمارے بیان کی رو سے اس میں یہی قرآن شریف کی ایک معجز نما صداقت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ توفی کے معنی ہمارے نزدیک لے لینے کے ہیں اور موت فقط توفی کا نام نہیں بلکہ بعد التوفی اس کا خداوندی کا نام ہے۔ پس توفی کی جس قدر مراد ہے اس کا فاعل ملک (فرشتہ) بھی حقیقتاً بن سکتا ہے کیونکہ توفی کے معنی لے لینا ہے اور فرشتہ

روح کو حقیقتاً لے سکتا ہے مگر اس کے بعد اساک یہ فعل مختص بالباری تعالیٰ ہے اور اس میں فرشتہ کو حقیقتاً کوئی دخل نہیں اور موت چونکہ اسی جزء اخیر کا نام ہے۔ لہذا موت سوائے خدا کے کسی غیر کی طرف حقیقتاً سند نہیں ہو سکتی خلاف التوفی۔ الحاصل قرآن شریف میں لفظ توفی اور موت میں یہ دوسرا امتیاز ہے۔ اول امتیاز تو تعین متقابلات سے واضح ہو چکا اور دوسرا امتیاز تقسیم فاعل سے بین ہو گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ توفی اور موت شے واحد نہیں ورنہ قرآن شریف کے یہ بلیغ فروق محض لغو ہوئے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ!

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی بمعنی

موت حقیقت نہیں

(۵)..... الاستفتاء ص ۴۳ خزائن ۶۶۵ ج ۲۲ پر مرزا قادیانی حقیقی اور

مجازی معنی کیلئے ایک معیار نقل فرماتے ہیں :

”ثم اعلموا ان حق اللفظ الموضوع لمعنى ان يوجد المعنى

الموضوع له فى جميع افرادہ من غير تخصيص و تعيين“

﴿پھر تم جانو کہ جو لفظ کسی معنی کے لئے موضوع ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ وہ معنی

موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں بدون کسی تخصیص اور تعین کے پائے جائیں۔﴾

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے کسی معنی کے موضوع لہ ہونے کے دو حق بیان

فرمائے ہیں اول تو یہ کہ وہ معنی موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں پائے جائیں دوم یہ کہ وہ

معنی بدون تخصیص اور تعین کے مفہوم ہوں۔ آپ اسی معیار کے لحاظ سے لفظ توفی کو بھی

دیکھئے ہم دیکھتے ہیں کہ مرزائی ”موت“ توفی کے معنی موضوع لہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہاں

دونوں شرط منتفی ہیں کیونکہ توفی کے جمیع افراد میں موت کے معنی نہیں پائے جاتے۔ مثلاً

اگر توفی کا فاعل غیر اللہ ہو تو مرزائیوں کے نزدیک توفی کے معنی موت کے نہ ہوں گے۔

اس طرح دوسری شرط بھی منتفی ہے کیونکہ مرزا قادیانی نے اس معنی کا بدون تخصیص و

تعین مفہوم ہونا لازم کر دیا ہے۔ حالانکہ اس مقام پر نہ ایک تخصیص بلکہ دو تخصیصیں

ہیں۔ ادھر تو فاعل کی جانب اور ادھر مفعول کی جانب۔ اب بتائیے کہ جو معنی لفظ کے جمع افراد میں نہ پائے جاتے ہوں اور بدون تخصیص و تعین کے مفہوم بھی نہ ہوں۔ وہ کیونکر معنی موضوع نہ ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک بدون کسی تخصیص و تعین کے توفی کے جمع افراد میں ایک ہی معنی ہیں جو کہ لے لینا ہیں۔ لہذا اس معیار کے لحاظ سے بھی موت حقیقی معنی نہیں ملتے اور لے لینا ہی حقیقی معنی قرار پاتے ہیں:

”لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ“

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی بمعنی لے لینا ہے

(۶)..... اب ہم صراحتہ مرزا قادیانی کی کتاب سے ہی ثابت کئے دیتے ہیں کہ جس جگہ فعل توفی اور فاعل اللہ اور مفعول ذی روح بھی ہے وہاں بھی مرزا قادیانی نے موت کے معنی نہیں کئے..... شاید معترض حق کی طرف رجوع کرے۔

ملاحظہ ہو برائین احمدیہ ص ۵۱۹ خزائن ص ۶۲۰ ج ۱:

”انی متوفیک و رافعک الی..... الخ“ میں تجھ کو پوری نعمت دونوں کا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا..... الخ“

اب ناظرین انصاف کریں کہ کیا بعد از صریح عبارت کے بھی توفی کے حقیقی اور موضوع معنی میں کوئی شک باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس مقام پر خدا فاعل بھی ہے اور مفعول ذی روح بھی اگر کہا جائے کہ مرزا قادیانی نے بھی غلطی کی ہے تو ہمیں ایسے نبی کی دعوت سے معذور سمجھا جائے جسے عربی کے ایک مولے لفظ کے معنی سمجھنے کی لیاقت تک نہ ہو اور اس میں بھی وہ چالیس برس سے زیادہ مدت تک گمراہ رہے اور نہ قرآن کی تمیز آیتوں کی طرف غور کرے اور نہ مرزائیوں کے موبہوم اجماع کی طرف نظر ڈالے حالانکہ بارہ برس تک دعویٰ وحی بھی کرتا ہو اور خدا اس کی غلطی پر اسے متنبہ بھی کرتا ہے مگر وہ فقط (بزع عم خود) گمراہ عوام کے اتباع میں وحی خداوندی کی بھی تاویل کرے احادیث اور محاورہ قرآن کو بھی پس پشت ڈال دے۔ اجماع کی بھی کوئی پروا نہ کرے اور ان سارے دلائل قاطعہ کے رو برو

گمراہ عوام کے اتباع میں بہبودی تصور کرے بلکہ اسی کو طریق انبیاء قرار دے۔
 ونعوذ باللہ من خرافات هذا الدجال و متبعيه فانهم في كل
 واديهيمون ويقولون مالا يفعلون واللہ اعلم!

قرآن شریف سے توفی کا موت سے مغایر ہونے

کا ثبوت اور مرزائی چیلنج کا جواب

”قال الله تعالى! اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ
 فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ
 مُّسَمًّى..... الخ . الزمر آیت نمبر ۴۲“

اے میرے بھٹکے ہوئے دوستو! اور اے سراب خاوع کو ماء مصطفیٰ خیال کرنے والو! آؤ
 اور قرآنی آیت: ”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ . النساء
 آیت ۵۹“ کے تحت قرآن سے ہی فیصلہ کر لو۔ میں نے تم کو تحقیق لغت اور تفقیح محاورات و
 تصرفات قرآن اور بلاآخر خود مرزا قادیانی کی تصانیف تک سے سمجھا دیا کہ توفی بمعنی موت
 ہر گز نہیں اور جس شخص نے ایسا کہا اس نے غور کلام کو چھوڑ کر اطراف میں اپنا وقت عزیز
 ضائع کیا۔ مگر تمہارے نزدیک اگر زمخشری کی تصریح اور ابو البقاء کی تفصیل بھی قابل
 اعتبار نہیں تو آؤ قرآن ہی کو اپنے سامنے رکھو اور اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کر لو پھر یا مؤمن
 صادق بن جاؤ یا کافر مجاہر ہو۔ لیکن خدا قرآن کو اپنے تخیل اور باطل پر حملہ نہ کر و بلکہ اپنے
 باطل کی قرآن سے اصلاح کرو۔ کیونکہ بہت مرتبہ انسان کو باطل کی محبت نصوص کی تحریف
 اور صراح کی تاویل پر مجبور کر دیتی ہے۔ پر نیک وہ ہے جس نے قرآن کو اپنے عقائد سے نہیں
 بلکہ اپنے عقائد کو قرآن سے سیکھا اور سنوارا۔ وبہ نستعین!

یہ امر تو واضح ہے کہ اس آیت شریفہ میں توفی کی دونوں عین ذکر کی گئی ہیں۔ ایک
 ان لوگوں کی توفی جو علی شرف الریحل ہیں اور دوم: ”والتی لم تمت“ یعنی احیاء کی توفی
 جس سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ توفی کوئی ایسا امر نہیں جو مخصوص بالاموات ہو جیسا کہ

اموات کے متعلق ہوتی ہے۔ اس طرح احیاء کے بھی متعلق ہوتی ہے۔ لہذا مرزا قادیانی کا یہ سمجھ لینا کہ سارے قرآن میں تو فی موت ہی کے معنی میں منحصر ہے محض غلطی اور فاحش غلطی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صاف طور سے: ”وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ“ کی بھی تو فی موجود ہے۔

نیز آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نوم اور موت میں کیا فرق ہے یعنی..... دونوں حالتوں میں جسم انسانی سے کچھ لے لیا جاتا ہے پھر یا وہ مر جاتا ہے یا اپنی خواہش ظاہرہ سے تھوڑے عرصہ کیلئے معطل ہو جاتا ہے۔ انہیں دو حالتوں کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں: ”فَیْمُسِکُ الْبَیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتُ وَیُرْسِلُ الْاٰخِرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی“..... الخ الزمر آیت ۴۲ یعنی جو بدن انسانی سے کچھ لے لیتے ہیں اگر اسے لیکر نہ چھوڑا تو موت ہے اور اگر اجل مسمیٰ تک پھر چھوڑ دیا تو نوم ہے۔

الغرض صدر آیت میں احیاء و اموات ہر دو کو خدائی تو فی کے ماتحت رکھ کر ذیل میں ان کا فرق ذکر کیا گیا ہے تو لاچار ماننا پڑتا ہے کہ بے شک تو فی مرتبہ لا بعرطہ میں حیات اور موت دونوں سے مغایر بھی ہے اور مجامع بھی در نہ آیت میں تو فی کو منقسم الی التو فی مع الامساک اور مع الارسال بنانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر تو فی کو ہر دو اقسام کے مغایر اور مجامع نہ لیا جائے بلکہ موت کا عین کر لیا جائے جیسا کہ مرزائی مدعی ہیں تو پھر تقسیم الشیء الی نفسہ والی غیرہ کا استحالة لازم آئے گا اور یہ مستلوم ہو گا کہ: ”قسم الشیء قسیمیما لہ“ اور: ”قسیم الشیء قسما منہ“ کو ”کما لا یخفی“ پس ضرور ہوا کہ مقام تقسیم میں تو فی کو عام ہی لیا جائے تاکہ اس کا مقسم بہ بتورست ہو سکے۔ نیز اگر تو فی کو بمعنی موت لیا جائے تو علاوہ استحالات عدیدۃ کے فی نفسہ آیت کا حسن محو ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ مارتا ہے۔ روحوں کو ان کی موت کے وقت اور اللہ مارتا ہے جو روحمیں ابھی نہیں مریں اور نوم کے وقت..... اب اس مضمون کی رکت اور سخافت ملاحظہ فرمائیے کہ اولاً تو موت کے وقت مارے گا کیا مطلب ہے کیا کفار نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ خدا موت سے پہلے ہی مار دیتا ہے۔؟ جس کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ خدا مارتا ہے

موت کے وقت..... ناظرین انصاف کریں کہ: ”حین موتھا“ کو موت کا ظرف قرار دینا کس قدر لغو ہے۔ دوم صدر آیت میں موت مراد لے کر پھر امساک اور ار سال بالکل غیر مربوط ہوا جاتا ہے کیونکہ امساک دار سال ماقبل میں ذکر اخذ کو متقاضی ہیں اور اس تقدیر پر اخذ کا کہیں تذکرہ نہیں..... سوم لفظ موت جو مرنے والے ہیں اور جو زندہ رہنے والے ہیں دونوں پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا حالانکہ لفظ: ”توفی حین موتھا“ اور: ”والتی لم تمت“ دونوں پر اطلاق کیا گیا ہے۔ چہارم موت کی تقسیم الی الامساک والار سال باطل ہے۔ کیونکہ موت توفی مع الامساک کے مساوی ہے جو کہ توفی مع الار سال کا حسم ہے۔ لہذا مقسم نہیں بن سکتی۔ پنجم موت چونکہ توفی مع الامساک کا نام ہے۔ لہذا موت کے بعد نہ امساک تصور ہے نہ ار سال حالانکہ فحسک میں اسی غرض سے لائی گئی ہے تاکہ امساک اور ار سال کی بعدیہ اور ترتیب بالنسبۃ الی التوفی ظاہر ہو جائے۔ ششم اگر بعد الموت بھی امساک یا ار سال مقصور ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک شخص پر موت کے بعد ایک اور موت طاری ہو یا موت کے بعد پھر حیات اسی عالم میں نصیب ہو۔ ہفتم اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ موت ارواح پر طاری ہوتی ہو کیونکہ آیت میں توفی انفس کا ذکر ہے۔ پس اگر توفی بمعنی موت ہے تو لامحالہ انفس کی موت تسلیم کرنا پڑے گی۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی ارواح پر الی یوم الحشر فناء نہیں برخلاف اس کے اگر توفی بمعنی اخذ ہو تو پھر کوئی استحالہ نہیں۔ کیونکہ اخذ انفس سے ان کی موت ثابت نہیں ہوتی بلکہ موت بعد الامساک ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ پھر موت میں موت کی اضافت انفس کی طرف کیونکر صحیح ہے۔ تو جو با گزارش ہے کہ اس کی جواب دہی ہم دونوں فریق پر مساوی ہے کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی موت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ روح انسانی بھی معدوم ہو جائے مگر بطور تبرع و امید نفع خلائق ذکر کرتا ہوں۔ لیکن اس سے قبل ایک مقدمہ عرض کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ انفس کا اجساد کے ساتھ اور اجساد کا جو انفس کے ساتھ جو حال و محل کا علاقہ ہے وہ سب کو مسلم ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح انفس صعود و ارتقاء میں محتاج الی الاجساد ہیں اس طرح اجساد نقل و حرکت میں محتاج الی الانفس ہیں۔

الغرض جو نفس لور بدن کے علائق ہیں وہ سب پر روشن ہیں اگر مقام میں منجائش ہوتی تو میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرتا مگر سر دست اس کو اہل عقل و فہم کے حوالہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ یہ باہمی ارتباط و احتیاج اس نوعت کو پہنچ چکا ہے کہ افعال جو اجزاء کا اثر روح پر اور افعال روح کا اثر جو اجزاء پر بتن طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا جسم کے افعال پر روح کو مزبور روح کے افعال سے جسم پر مواخذہ ہے۔

پس جبکہ افعال جسم مسند الی الروح اور افعال روح مسند الی الجسم بن سکے تو موت کے جو بحقیقت جسم کے لواحق اور متعلقات میں سے ہے۔ مضاف الی الروح ہونے میں کیا نقص ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اضافہ موت میں بادئی ملاہست ہے لور یہ تاویل نہیں بلکہ امر حق ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ توفی نفس کے بھی معنی کر لینے چاہئیں تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ صدر آیت میں احوال ارواح کا ذکر مقصود بالذات ہے۔ نہ فقط جسم کا لور نہ جسم مع الروح کا۔ لور دلیل اس کی یہ ہے کہ ذیل آیت میں اسماک لور ارسال کا ذکر بھی موجود ہے لور یہ علی الاطلاق روح کے ہی حال بن سکتے ہیں نہ فقط جسم کے لور نہ جسم مع الروح کے۔ الحاصل ان سات وجوہ..... سے ظاہر ہو گیا کہ آیت میں توفی سے مراد اخذ ہے نہ موت اس کی تائید میں ایک حدیث بھی تحریر کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ آیت میں کسی طرح توفی سے موت مراد نہیں بلکہ اخذ لور قبض ہی مراد ہے۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳ باب الاذان بعد ذہاب الوقت :

”عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال سرنا مع النبی ﷺ لیلة فقال بعض القوم لو عرست بنأیا رسول اللہ قال اخاف ان تناموا عن الصلوة قال بلال انا اوقظکم فاضطجعوا واستند بلال ظہرہ الی راحلہ فغلبتہ عیناہ فنام فاستيقظا النبی ﷺ وقد طلع حاجب الشمس فقال یا بلال این ما قلت قال ما لقییت علی نومة مثلها قط قال ان اللہ قبض ارواحکم حین شاء وردھا علیکم حین شاء۔ الحدیث“

اب ملاحظہ فرمائیے کہ ان اللہ قبض اردو احکم میں وہی امر بیان کیا گیا ہے جو اللہ توفی
الانفس میں مذکور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود آنحضرت نے بھی آیت اللہ توفی
الانفس میں توفی النفس کو قبض روح سمجھا ہے نہ موت کما قالوا۔

الحاصل جبکہ یہ امر ٹوٹی منقح ہو چکا کہ توفی سے مراد موت نہیں ہے تو پیغام
صلح کے چیلنج کا بھی شافی جواب ہو گیا۔ کیونکہ اس مقام پر فعل توفی ہے اور اللہ فاعل بھی ہے
اور مفعول ذی روح ہے بلو جود اجتماع ان جمیع شرائط کے پھر معنی موت منتفی ہیں۔

(فائدہ جلیلہ) شیخ شہاب الدین سروردیؒ نے عوارف میں نفس کے متعلق کچھ
کلام کیا ہے جس سے موت کی اضافت میں ایک لطیف توجیہ نکل آئی۔ اور ادنیٰ ملاستہ کہنے کی
بھی حاجت نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سے جیسا کہ جسم متاثر ہوتا ہے اسی طرح نفس
بھی متاثر ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا اضافۃ علیٰ ظاہر ہے۔

آیت دوم: ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ“

انعام آیت ۶۰۔

یہ اقسام توفی میں سے قسم ثانی ہے جس کو اس مقام پر جرح کے مقابل رکھا گیا
ہے۔ یہاں بھی موت مراد نہیں بلو جودیکہ جمیع شرائط پائے جاتے ہیں کیونکہ اس مقام پر توفی
مع الار سال مراد ہے اور یہ توفی مع الامساک کا مقابل اور تقسیم ہے: ”کما مر فناھیک
آیتین من آیات اللہ“

اس کے بعد میں اس جواب کو نقل کرتا ہوں جو خود مرزا قادیانی کے قلم کا نوشتہ
ہے۔ مرزائیوں کو لازم ہے کہ کسی اور جواب کے نقل کرنے سے پیشتر مرزا قادیانی کے اس
جواب کو صحیح بنائیں پھر کوئی نیا جواب اپنی طرف سے تراشیں، کیونکہ اپنے نبی سے زیادہ نہ ان کا
علم ہے نہ فہم۔ لہذا اگر کوئی بہترین جواب ممکن ہو گا تو یہی ممکن ہو گا جو مرزا قادیانی نے پیش
کیا ہے۔

”دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں
آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر

کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے..... سو ان دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے۔ جو بہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تاہر ایک شخص سمجھ لے کہ اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۲۳۲ خزائن ص ۲۶۹ ج ۲)

اس عبارت میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان ہر دو مذکورہ بالا آیتوں میں ظاہر اتوفی سے موت مراد نہیں بلکہ نیند مراد ہے۔ ہاں قاعدہ کے مطرو اور منعکس بنانے کے لئے بلاخر نیند کو بھی موت ہی کی طرف راجع کر دیا گیا ہے تاکہ یہ قاعدہ کلیہ کہ: ”جہاں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہے وہاں جز موت کے اور کوئی معنی نہیں۔“ صحیح بن جائے۔

مگر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے جو ہم ظاہر معنی کو چھوڑ کر فقط قاعدہ کے ٹھکانے لگانے کے واسطے موت مراد لیں ہر چند کہ ہمارے نزدیک جو آیت کے صحیح معنی تھے وہ گزر چکے مگر اس مقام پر بحیثیت منکر ہونے کے میرے لئے گنجائش ہے کہ آیت کے تاویلی معنی تسلیم نہ کروں اور بطور احتمال تھوڑی دیر کے لئے جس کو مرزا قادیانی نے ظاہری معنی ٹھہرایا ہے تسلیم کر لوں۔ دوم اس عبارت میں ایک اور معنی بھی قابل حل ہے اور وہ یہ کہ ابتداء کلام میں تو نیند مراد ہونے کی نفی کی گئی ہے پھر چار ہی سطر پر فرماتے ہیں:

”اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے۔ بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ جو نیند ہے۔“

کس قدر تعجب ہے کہ ابھی چند سطروں کا ہی فصل ہونے پایا تھا۔ جو خود اپنے کلام سے رجوع کر لیا گیا۔ میں نے مانا کہ نیند کو مجازی موت مان کر مراد لیا گیا مگر جب نیند اور مجازی موت شئی واحد ہی ہیں تو پھر مجازی موت مراد ہوتے ہوئے نیند کی نفی کیونکر صحیح ہے۔ سوم اس تقدیر پر توفی بمعنی موت ہو اور موت بمعنی نوم لیا گیا تو اب سوچنا چاہئے کہ کیا آیات قرآنیہ ایسی تادیلات کی متحمل ہیں۔ چہاں اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ توفی آیت مذکور میں بطور استعارہ نوم میں مستعمل ہے تو یہ معنی آیت کے جزء ثانی میں من سکین گے نہ جزء

اول میں۔ کیونکہ حین موت کے ساتھ توفی بمعنی نوم کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ اس تقدیر پر جزء اول میں موت حقیقی کا بیان ہے اور جزء ثانی میں موت مجازی کا۔ پس اگر توفی کو بمعنی نوم لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ حقیقی موت کے وقت بھی آدمی سویا کرتا ہو۔ پنجم جس قدر اعتراضات کہ توفی بمعنی موت لے کر وارو کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر توفی بمعنی نوم لے کر بھی وارو ہیں۔ کیونکہ اگر توفی بمعنی موت لے کر توفی مع الامساک کی مسلوٰی بن جاتا ہے تو بمعنی نام لے کر توفی مع الارسال کی مسلوٰی ہو جاتا ہے۔ لہذا اس تقدیر پر بھی بقیہ اکثر استحالات لازم ہوں گے۔

ایک وہم کا ازالہ

شاید کوئی کہے کہ پیغام صلح میں توفی کے معنی قبض روح کے لئے گئے ہیں نہ موت کے اور قبض روح موت اور نوم دونوں سے عام ہے تو جواباً گزارش ہے کہ یہ محض ایک وہم ہے۔ ظاہر ہے کہ مرزائی جماعت اپنے نبی کا خلاف نہیں کر سکتی۔ اور میں پہلے مرزا قادیانی کی نو عبارتیں نقل کر چکا ہوں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ توفی سوائے موت کے اور کسی معنی میں مستعمل نہیں۔ اس مقام پر ایک حوالہ اور درج کرتا ہوں۔

”بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ در حقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۳۳۵ خزائن ص ۷۰ ج ۲)

بے شک مرزاجی کے کلام میں قبض روح کا لفظ بھی آیا ہے مگر اس سے مراد موت ہی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے نزدیک قبض روح کے وہ عام معنی مراد ہوتے تو پھر ہر دوغہ کو رہ بالا آیتوں میں صاف صورت یہ تھی کہ توفی سے قبض روح مراد لے لیتے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح نہ تھا مگر تاہم ان رکیک تاویلات سے ہمانغیمت ہوتا۔ جو مرزا قادیانی نے جواب میں کہیں ہیں۔ علاوہ ازیں مرزا قادیانی کے کلام میں خود تصریح بھی موجود ہے کہ موت اور قبض روح ایک ہی معنی ہیں۔

”جب عرب کے قدیم و جدید اشعار و قصائد نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبع کیا

گیا اور عمیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں تونی کے لفظ کا ذی روح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جل شانہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ ان تمام مقامات میں تونی کے معنی موت اور قبض روح کئے گئے ہیں۔“ (ازالہ اوہام ص ۸۸۶، خزائن ص ۵۸۳ ج ۳)

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے موت اور قبض روح کو مرادف مانا ہے۔ کیونکہ اگر قبض روح سے مراد عام معنی ہوتے تو ذکر موت محض لغو ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر موت بھی قبض روح کے افراد میں سے ہے جیسا کہ نوم۔ دوم عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کہ: ”بعض مقامات میں تونی کے معنی موت کے کئے گئے ہیں اور بعض مقامات میں قبض روح کے۔“ مگر عبارت میں تو یہ ہے کہ: ”ان تمام مقامات میں تونی کے معنی موت اور قبض روح کے کئے گئے ہیں۔“

اب ظاہر ہے کہ قبض روح سے موت کے علاوہ کسی اور معنی کا ارادہ کیا گیا ہوتا تو تمام مقامات میں موت اور قبض روح مراد ہوتا محض باطل ہے کیونکہ جہاں موت ہے وہاں پھر دوسرے معنی جو موت کے مغائر ہوں مراد نہیں ہو سکتے۔

نیز ملاحظہ ہو ازالہ ص ۸۸ اس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو آیا یہ لفظ اس وقت ان کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر مستعمل ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنی قبض روح اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ اب انصاف کیجئے کہ اس عبارت میں کس قدر صاف اور صریح طریق سے مرزا قادیانی نے قبض روح اور موت کو ایک ہی معنی تسلیم کیا ہے جیسا کہ ”کئی معنوں کا“ مقابلہ بتا رہا ہے۔ اس لئے میں نے بھی پیغام صلح میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب کی ہمار کھی ہے۔

تا مریدین اور مرشد کے کلام میں اختلاف نہ پیدا ہو۔ اس کے بعد یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر قبض روح اپنے عام معنوں کے لحاظ سے لیا جائے تو پھر اس کی نسبت موت اور نوم کی طرف مساوی ہوگی۔ کیونکہ موت اور نوم دونوں میں قبض روح موجود ہے پھر یہ کہنا محض غلط ہوگا کہ موت تونی کے معنی حقیقی ہیں اور نوم غیر حقیقی۔ حالانکہ مرزائی موت کو بمعنی حقیقی اور نوم کو معنی مجازی قرار دیتے ہیں اور اس تقدیر پر یہ کس طرح درست نہیں

کیونکہ قبض روح کی نسبت..... جیسا کہ موت کی طرف ہے۔ اسی طرح نوم کی طرف ہے یعنی اگر موت میں قبض الروح مع الامساک ہے تو نوم میں مع الارسال۔ بہر حال نفس قبض روح دونوں کے ساتھ مقید نہیں پھر کیونکر نوم اور موت میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ان مذکورہ بالا وجوہات سے یہ امر محقق ہو گیا کہ مرزا قادیانی کی نیت میں قبض روح اور موت میں سوائے اجمال اور تفصیل کے کوئی فرق نہیں اور نہ مرزا قادیانی کے کلام میں قبض روح کو موت سے عام لیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے بھی پیغام صلح کی عبارت میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب دہی شروع کر دی ہے۔

میرا خیال ہے کہ شاید مرزائی جماعت بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کرے گی۔ ورنہ اگر اس نے اس طرف اس خیال کی تغلیط کی تو دوسری طرف اس پر واجب ہو گا کہ مرزاجی کی ان جمیع تحریرات کو پہلے ٹھکرا دے جن میں انہوں نے بمعنی موت کی تصریح کی ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے اپنے قاعدہ کی کلیتہ کو حال رکھا ہے۔ اگر کہا جائے کہ گو مرزا قادیانی کی عبارت میں موت ہی مراد ہے مگر ہم نے جن الفاظ میں دعویٰ پیش کیا ہے کہ اس پر تو اعتراض وارد نہیں ہوتا تو میں عرض کروں گا کہ ایسے مہمل اور غنال و مضل کو پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نبی یا مجدد کے سر سے تو اعتراضوں کا انبار اٹھائے۔ اس کے بعد اپنے اختراعی قواعد پیش کر لئے ورنہ اس میں کیا کمال ہے کہ اپنے نبی کو تو مجرم و ملزم ٹھہرایا جائے اور اپنی برأت ثابت کی جائے۔

علاوہ ازیں میں سوال کرتا ہوں کہ جن الفاظ میں براہین احمدیہ حصہ پنجم سے دعویٰ نقل کیا گیا ہے وہ تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تم نے آپ ہی اپنے نبی کی تغلیط کر دی۔ اور اگر صحیح ہے تو پھر اعتراضات کی ذمہ داری آپ پر جس حیثیت سے بھی عائد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ محض اتباع میں بھی قاعدہ مذکورہ..... سے بحیثیت ایک امتی ہونے کے بھی آپ پر مدافعت ضروری تھی۔ لہذا قبل اس کے آپ اپنے نبی کو اصلاح دیں۔ ان کے اس قاعدہ کی اصلاح کی صورت نکالیں۔ اس کے بعد آخر میں نفس معنی قبض روح پر بھی تھوڑا سا کلام کرنا چاہتا ہوں۔

واضح رہے کہ جس شخص نے توفیٰ بمعنی قبض روح لیا ہے۔ اسے اولاً ثابت کرنا پڑے گا کہ روح توفیٰ کے معنی میں داخل ہے۔ آیت مذکورہ: ”اللّٰهُ يَتَوَفَّى النَّفْسَ..... الخ۔ الزمر آیت ۴۲“ میں چونکہ خود آگے انفس کا لفظ موجود ہے۔ لہذا اس سے کوئی احتجاج نہیں ہو سکتا۔ رہا تاج العروس وغیرہ میں توفیٰ اللہ زیداً کے معنی قبض روح کے لکھ دینا۔ سو اس سے بھی استدلال کرنا غایت حماقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لغوتین کی مراد اس مقام پر قبض روح سے موت ہی ہے۔ نہ وہ قبض روح جو موت اور نوم دونوں سے عام ہے۔ کیا آپ کے نزدیک توفیٰ اللہ زیداً بدون قیام قرینہ موت اور نوم دونوں سے ساکت ہے۔ پس لغوتین نے روح کا لفظ اس لئے اضافہ نہیں کیا کہ یہ مفہوم لفظ کا جزء ہے بلکہ تبعیۃ مفعول میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر خود ذکر کروں گا کہ عامۂ ناس کی توفیٰ بھورت موت ہی ہوتی ہے۔ لہذا اسی توفیٰ کو قبض روح سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ نیز اس میں بیان ماخذ معنی عام کا بھی مرعی ہے خلاف موت کے یہی مراد ہے: ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُتَوَفَّ مِنْ وَرَاءِ شِئَاءٍ فَلْيُكْفَرْ۔ الکہف آیت ۲۹“ سوم قبض روح اشتقاق لغوی کے لحاظ سے اگرچہ عام ہی ہے مگر عرفانائیم کی روح کو مقبوض نہیں کہا جاسکتا۔ اور جب عام لوگ اپنے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح قبض ہو گئی تو پیشتر اس سے مراد موت ہی ہوتی ہے۔ حقیقتاً یا تنزیلاً۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ توفیٰ بمعنی قبض روح لے کر پھر آیت آل عمران سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا غایت ضعیف ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ موت کے معنی لے کر بھی تحریف سے کم نہیں مگر میں مرزا قادیانی کی اس تقریر کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں جو انہوں نے ہر ایہن احمدیہ میں کی ہے۔

”سویا در ہے کہ قرآن شریف صاف لغتوں میں بلند آواز سے فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ بطور وعدہ فرماتا ہے: ”یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی (حاشیہ)“ ”معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفیٰ صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل و صلیب یا دیگر خارجی عوارض سے نہ ہو“ (ملاحظہ ہو ہر ایہن احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۵ خزائن ص ۷۷ ج ۲)

”اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جبکہ آیت: ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا“ مکرر: ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ“ صرف تونی کے لفظ کی توضیح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے کوئی نیا مضمون نہیں ہے بلکہ صرف یہ تشریح مطلوب ہے کہ جیسا لفظ متوفیک میں یہ وعدہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کی طبعی موت سے مارا جائے گا۔ ایسا ہی وہ طبعی موت سے مرگیا کہ کسی نے قتل کیا اور نہ کسی نے صلیب دیا۔“

حاشیہ: ”چونکہ یہودیوں کے عقیدہ کے موافق کسی نبی کا رفع روحانی طبعی موت پر موقوف ہے اور قتل اور صلیب رفع روحانی کا مانع ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اول یہود کے رد کے لئے یہ ذکر فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے طبعی موت ہو گی۔ پھر چونکہ رفع روحانی طبعی موت کا ایک نتیجہ ہے۔ اس لئے لفظ متوفیک کے بعد ورافعک الی لکھ دیا۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۹ خزائن ص ۸۲ ج ۲۱)

ان عبارات مذکورہ بالا سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آیت نساء اور آل عمران سے آپ لوگوں کی تلبیس جب ہی چل سکتی ہے جبکہ تونی کو طبعی موت کے معنی میں لیں تاکہ آل عمران میں وعدہ تونی یہودیوں کے بالمقابل بن سکے۔ پس اگر آپ کے نزدیک تونی کے معنی قبض روح ہیں عام اس سے کہ بصورت نوم ہو یا بصورت موت تو پھر انی متوفیک میں موت کہاں سے متعین ہے جائز ہے کہ نوم مراد ہو جیسا کہ مفسرین نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے۔ دوم قبض روح میں یہودیوں کا کوئی رد نہیں نکلتا کیونکہ قتل اور صلیب میں بھی قبض روح موجود ہے۔ وعلیٰ ہذا آیت النساء اس کی تشریح بھی نہیں بن سکتی۔ سوم جبکہ مرزا قادیانی نے تصریح کر دی ہے کہ زبان عرب میں تونی طبعی موت کو کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۵ تو پھر قبض روح کے معنی مراد لیتا مرزا قادیانی کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ چہدام مرزا قادیانی نے جو بڑی سعی و کوشش کے بعد تونی بمعنی موت ہونے کا بتا کر پیدا کیا تھا وہ سب کھویا جاتا ہے۔ کیونکہ قبض روح موت سے عام ہے۔ پس تونی کو بمعنی قبض روح لے کر تو آپ کی اصل بنیاد یعنی وفات عیسیٰ علیہ السلام ہی کو سخت معرت پہنچتی ہے۔ الحاصل تونی بمعنی قبض روح لونا تو مرزا

کے برخلاف دعویٰ ہے۔ دوم اس تقدیر پر علاوہ ان گزشتہ استحالات کے اور چند استحالات ایسے لازم آتے ہیں جن سے ضروری طور پر مرزا قادیانی اور وفات مسیح علیہ السلام کی تکذیب کرنی پڑتی ہے۔ لہذا میں اس معنی کو وہم سے تعبیر کرتا ہوں اور نہیں خیال کرتا کہ کوئی مرزائی ایسے معنی سے اتفاق کر سکے۔

لیجئے آخر میں ہم آپ کو یہ بھی قرآن شریف سے بتا دیتے ہیں کہ توفی بمعنی قبض روح کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

توفی بمعنی قبض روح نہ ہونے کا قرآن شریف سے ثبوت

(۱)..... ”قال تعالى! وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا..... الخ۔ البقرہ آیت ۲۳۴“ اس آیت میں ایک قرۃ حضرت علیؓ کی توفیٰ معروفہ بھی ہے۔ اگر توفی بمعنی قبض روح ہو تو پھر آیت کا ترجمہ یوں ہو گا: ”لور وہ لوگ جو تم میں سے قبض روح کرتے ہیں۔“ حالانکہ یہ بہت باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دنیا میں خدا نے ہم کو قابض ارواح نہیں بنایا۔ خلاف اس کے اگر ہمارے بیان کردہ معنی مر لائے جائیں تو آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر ترجمہ یہ ہو گا: ”لور وہ لوگ جو تم میں سے ہیں۔ چنانچہ اپنی عمر پوری کرتے ہیں..... الخ۔“

چنانچہ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۳ میں اسی آیت کی شرح میں ہے:

”المسئلة اولیٰ“ ”یتوفون معناه یموتون ویقبضون قال الله تعالى (الله یتوفی الانفس حین موتها) واصل التوفی اخذ الشئ واقبًا كاملاً“ ویقال: توفی فلان اذا مات فمن قال توفی کان معناه قبض واخذ ومن قال توفی کان معناه توفی اجله استوفی اكله وعمره وعليه قراءة على عليه السلام یتوفون بفتح الياء“

دیکھئے لام نے کس قدر صاف اور صریح طور سے حضرت علیؓ کی قرۃ نقل فرما کر اس کے معنی استیفاء عمر و اکل کے لئے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ بھلا کوئی

مرزائی قبض روح کے معنے لے کر حضرت علیؑ کی قراءۃ کا مطلب بیان تو کر دے؟ اور اگر نہ بیان کر سکے اور سمجھ لے کہ بے شک تونی بمعنی قبض روح لے کر آیت کا مطلب خبط ہوا جاتا ہے تو وہ جان لے کہ حضرت علیؑ بڑے فصحاء وبلغاء میں سے ہیں۔ بالیں ہمہ ان کی قرأت معروف و نامی ہے۔ پھر کیا اس سے صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن عزیز میں تونی بمعنی قبض روح کا کلیتہً دعویٰ کرنا سر تا پا غلط ہے۔

”قال تعالیٰ! حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ“ تفسیر خازن ص ۱۰۲ ج ۲ میں ہے: ”وقیل ان هذا یکون فی الآخرة“ والمعنی ”حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا“ یعنی: ”ملائکۃ العذاب یتوفونہم“ یعنی: ”یستوفون عددهم عند حشرهم الی النار“ تاج العروس شرح قاموس میں ہے کہ اسکا قائل زجاج ہے۔ اب آپ ذرا انصاف فرمائیے کہ زجاج جیسا امام لغت اس آیت کو محشر میں تسلیم کرتا ہے۔ اگر تونی بمعنی قبض روح ہے تو پھر کیا محشر میں دوبارہ روحیں قبض کی جائیں گی اور کیا زجاج جیسا لغت دان ایسی فاحش غلطی کر سکتا ہے۔ اس طرح تفسیر کبیر میں اس قول کو سلف میں سے حسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ الحاصل یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہو گیا کہ تونی بمعنی قبض روح محض غلط ہے ورنہ حضرت علیؑ اور حسن اور زجاج جیسے حضرات پر لغت عرب سے ناواقفیت کا سخت دھبہ لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ معنی حقیقی مطلقاً قبض واحد میں ہے۔

اب اس کے بعد میں مرزائی قاعدہ کا اصل راز بتلانا چاہتا ہوں تاکہ بچارہ سادہ مسلمان سمجھ لے کہ اس قاعدہ میں نہ کوئی نور ہے نہ صداقت کی کوئی جھلک۔ فقط عوام پر تلبیس ہے اور کچھ نہیں۔

مرزائی قاعدہ کار از طشت از بام ہو گیا

اس پر تو قدرے کافی بحث ہو چکی ہے کہ تونی کے لغوی معنی کیا ہیں اور قرآنی کیا۔ لہذا اب میں چاہتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تونی کیوں مجامع مع الرفع ہے اور عوام کی کیوں مجامع مع الموت تاکہ مرزائی قاعدہ کار از طشت از بام اور اس کی چھپی ہوئی حقیقت منکشف ہو

جائے۔ اور بشرط انصاف آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی عامۃ الناس کی توفی سے مغائر ہی ہونا چاہئے۔ جس سے صاف طور پر آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ مرزائیوں کا ایک امر مسلم پر نظیر طلب کرنا اور انعامی اشتہار دینا محض خداع اور ضلالت ہے۔ واللہ الموفق !!!

واضح ہو کہ آیت: ”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ“ میں ان دو توفیوں کا ذکر ہے جو بطور عادت ہر بشر سے متعلق ہیں۔ یعنی اخذ مع الار سال اور اخذ مع الامساک اور اس وجہ سے ان دونوں کو ایک ہی آیت میں جمع فرما کر نفس دون نفس کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ نفس مفہول بنا کر تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر انسان کو ان دو توفیوں کے ماتحت آنا ہے بالفعل یا بالقوة بر خلاف اس کے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص توفی کا تذکرہ فرمایا تو پھر خطاب بھی مخصوص کر دیا گیا اور اس تیسری مخصوص توفی کو اپنے اخوین سے منفصل قرار دیا ہے: ”کَمَا قَالَ! يَعْيسَىٰ اِبْنِي مُتَوَفِّيكَ“۔ پس اولاً مصدر بالعلم فرما کر آگے خطاب غیر مشترک ہی رکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خداوند عالم کا محض عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے۔ نہ کسی اور کے ساتھ۔ پس جبکہ یہ وعدہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص طور سے ہے تو اب اس کے لئے کسی نظیر کی تلاش کس قدر لغو ہے۔ کیا اگر زید نے صرف عمر سے ہی کوئی وعدہ کیا ہو تو بجز کو اس امر مو عود کے طلب کا حق پہنچ سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ جس کے ساتھ وعدہ ہے اس کے ساتھ ایفاء ہونا چاہئے یہ لیا مہمل بات ہے کہ وعدہ تو فقط عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو اور اس کا ایفاء عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور نبیوں کے ساتھ ڈھونڈا جائے جن سے اس امر موعود کا وعدہ بھی نہیں کیا گیا نہ ان سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

چنانچہ آیت: ”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ“ میں غور فرمائیے کہ کس طرح نفس کی توفی صورت فعل رکھی ہے جو کہ مفید تجد ہے اور آیت: ”يَعْيسَىٰ اِبْنِي مُتَوَفِّيكَ“ میں کس طرح صیغہ اسم فاعل ہے جو کہ مفید وعدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی چونکہ ان ہر دو عام توفیوں سے ایک مغائر توفی تھی۔ لہذا علاوہ تغیر سیاق کے لفظ رافع کا اور

اضافہ فرمایا تاکہ بالتصریح معلوم ہو جائے کہ یہ توفی مجامع مع الامساک یا مع الارسال نہیں بلکہ مجامع مع الرفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے قرآن میں بزرگ مرزا قادیانی ۲۳ مقامات پر لفظ توفی کا مستعمل ہوا ہے۔ مگر کسی ایک مقام میں بھی توفی کو مجامع مع الرفع نہیں رکھا گیا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، حتیٰ کہ جب نبی کریم کے حق میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی صرف توفی کا ذکر ہے مگر رفع کا ذکر نہیں: ”کَمَا قَالَ! وَامَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعْدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ“ یونس آیت ۶۷ اور یہ نہیں فرمایا کہ: ”نَتَوَفَّيَنَّكَ وَنُرَفِّعُكَ“ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اطلاق سے غرض یہی ہے کہ آپ کی توفی کسی نئی شان کی نہیں بلکہ اسی قسم کی توفی ہے جو: ”اللَّهُ يَتَوَفَّي النَّفْسَ“ میں بیان فرمائی گئی۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن عزیز میں تین قسم کی توفیوں کا ذکر ہے:

(۱)..... توفی مع الارسال۔ (۲)..... توفی مع الامساک۔ (۳)..... توفی مع الرفع اول کی۔ دو توفیاں آیت: ”اللَّهُ يَتَوَفَّي النَّفْسَ“ میں مذکور ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور تیسری توفی کا آل عمران میں ذکر ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ چونکہ اول دونوں نوعوں کا جمیع انفس سے تعلق بیان فرمایا گیا ہے۔ لہذا ہم نے اسے غیر منقطع اور سنت دائمی تصور کیا اور تیسری نوع کا مخصوص طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی سے وعدہ کیا گیا ہے نہ سارے جہان سے۔ لہذا ہم نے ان ہی پر مختص مانا۔ پس کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص جس نے خدا کے خوارق کو عادات اور انعام کو اوہام بنایا اور کیا ہی خوش نصیب ہے وہ جماعت جس نے اس کے احکامات کو اپنے اپنے مقام پر بدوں کج بحثیوں کے تسلیم کیا اور شانین مشرق و مغرب۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو اب سنیے کہ چونکہ مرزا قادیانی بھی اس امر کو جانتے ہیں کہ اہل اسلام کے نزدیک یہ توفی مخصوص طور سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہوئی ہے اور کسی کی توفی اس طور سے نہیں واقع ہوئی بلکہ یا نوم کی صورت میں یا موت کی شکل میں ہوئی ہے۔ لہذا قاعدہ بنایا کہ جہاں کہیں اللہ فاعل ہو اور مفعول ذی روح وہاں ہر جگہ موت ہی کے معنی ہوں گے اور ہزار روپے کا اس پر اشتہار شائع کر دیا۔

”اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا حدیث رسول اللہ ﷺ سے یا اشعار قصائد نظم و

نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر پایا گیا ہے۔ یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپے نقد دوں گا۔“ (ازالہ ص ۹۱۹ حصہ دوم خزائن ص ۶۰۳ ج ۳)

سادے اور بھولے مسلمان اس دعوے اور اعلان کو دیکھ کر فوراً گردن تسلیم خم کر بیٹھے۔ حالانکہ اس عبارت میں جو کچھ بھی مرزا قادیانی نے ہوشیاری کی ہے وہی ان کے کشف حقیقت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے اولاً سوائے وفات کے کسی اور معنی پر ہزار روپے کا وعدہ تھا مگر جانتے تھے کہ موت کے علاوہ تو دسیوں جگہ یہ لفظ مستعمل ہوا ہے۔ لہذا کسی اور معنی کی تشریح یوں فرماتے ہیں یعنی قبض جسم..... الخ۔ پس ہزار روپے کا وعدہ اس تقدیر پر ہے۔ جبکہ لفظ توفی کا خدا فاعل ہو اور مفعول ذی روح اور پھر وہاں قبض جسم یعنی رفع مع الجسد کے معنی ہوں۔

اے میرے عزیزو! ذرا غور کرو کیا اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور بھی آسمان پر گیا ہے؟ اگر نہیں گیا تو کسی ذی روح کی توفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی کیسے ممکن ہے۔ جب خدا نے کسی کو رفع مع الجسد کا وعدہ ہی نہیں دیا سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ کسی ذی روح کی توفی اسی طور سے ہو سکے؟ جاؤ اور سارے مرزائی زور لگاؤ اور بتلاؤ کہ سارے قرآن میں یا کسی حدیث میں کبھی خدا نے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور کو بھی رفع مع الجسد کا وعدہ دیا ہے اور پھر وہاں لفظ توفی کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ اگر کوئی مرزائی ایسا دکھاوے تو پھر اسی وقت ہم سے توفی مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ قبض جسم کے معنی میں لے لے مگر اس کی بد قسمتی سے اگر سارے قرآن میں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ایک سے بھی یہ وعدہ نہ کیا گیا ہو تو پھر اسے شرم کرنا چاہئے کہ جس کو خدا نے قبض جسم کا وعدہ ہی نہیں دیا وہ کیونکر آسمان پر جاسکتا ہے؟

چنانچہ پڑھو قرآن کی آیت: ”وَقَالُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ

الْأَرْضِ يَنْبُوعًا. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۰“ (۲).....: ”أَوْتَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعُشْبٍ تَفْتَجِرُ لَأَنْهَارٍ خَلَّلَهَا تَفْجِيرًا. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۱“
 (۳).....: ”أَوُتْسَقَطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعْزَعْتُ عَلَيْنَا كِسْفًا. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۲“
 (۴).....: ”أَوْتَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا. اَيْضًا“ (۵).....: ”أَوَيَكُونُ لَكَ نَبِيٌّ مِّنْ زُخْرَفٍ. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۳“ (۶).....: ”أَوُتَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ تُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۴“ (۷).....: ”تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا. نَبِي إِسْرَائِيل آيَت ۹۵“

یعنی کفار کہتے تھے کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتیٰ کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں۔ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو آسمانوں کا کوئی ٹکڑا ہر سادے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنایا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور اس پر بھی ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانیں گے جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ نازل کرے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ﷺ ان کو ان سوالات کے جواب میں یہی کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اس پر زور و تکبر کر سکے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں۔“
 اس آیت نے ساری بحثوں کا فیصلہ ہی کر دیا۔ اگر لوگ سمجھیں ظاہر ہے کہ کفار نے اس آیت میں محالات سے سوال نہیں کیا بلکہ ان ہی امور سے سوال کیا ہے جو ان کے زعم میں واقع ہو چکی تھیں یا نبی کریم ﷺ نے اس کا وعدہ دیا تھا۔ چنانچہ زمین سے چشموں کا پھوٹنا: ”فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا. البقرہ آیت ۶۰“ سے ثابت ہے اور باغوں کا ہونا: ”تَبَارَكَ الَّذِي اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ فُصُورًا. الفرقان آیت ۱۰“ سے ظاہر ہے اور بیت زخرف کا امکان قول خداوند: ”وَلَوْ لَا اَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ وَلِبُيُوتِهِمْ

أَبْوَابًا وَسُرَرًا عَلَيْهَا يَتَكُونُونَ ۚ وَزُخْرُفًا ۚ الزحرف آیت ۳۳ سے ظاہر ہے اسی طرح سقوطِ سماء کا حال اس طرح ارشاد ہوتا ہے: ”إِنْ نَشَأْ نُخَسِّفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ سبَاء آیت ۹“ اور اتیان خداوند عالم کا بالملائکہ آیت: ”هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ..... الخ ۚ البقرة آیت ۲۱۰“ میں مذکور ہے اور صعود والی السماء حق عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہے: ”كما قال! وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ النساء آیت ۱۵۷، ۱۵۸“ رہا نزول کتاب سو وہ تورات موسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ظاہر ہے۔ الحاصل ان کے سوالات میں کوئی امر مستعبد اور محال نہ تھا۔ صرف سقوطِ سماء ایک امر اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ لہذا اسی کے ساتھ کمازعت لگادیا۔ ورنہ جمیع اشیاء ان کے نزدیک ناممکن نہیں تھیں۔ بلکہ واقعہ تھیں اس وجہ سے ان کا سوال کیا گیا تھا۔ یعنی اگر تو رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ جیسا پہلے رسولوں نے معجزہ دکھلائے ہیں تو نہیں دکھلاتا (افسوس کہ آج مرزائی ان امور کو بھی محال سمجھ رہے ہیں جن کو کفار مکہ تک نے باوجود اس جود و عناد کے ناممکن نہیں سمجھا) ان سب کے جواب میں آپ ﷺ کو ایک ہی امر کی تعلیم ہوئی۔ یعنی اے محمد ﷺ فرمادیجئے کہ میں تو بشر اور رسول ہوں میرے قبضہ میں کچھ نہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نے چٹھے جاری کئے یا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے وغیرہ تو نہ اس وجہ سے کہ ان میں طاقت تھی یا اپنے طوع و اختیار سے ایسا کیا بلکہ خدا نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ لہذا اس نے پورا کیا مگر میرے ساتھ ان امور کا وعدہ ہی نہیں میں کس طور سے آسمان پر جاسکتا ہوں کیونکہ آسمان پر جانا قوتِ بظری اور رسل سے خارج امر ہے صرف ایک خدا کے قبضہ میں ہے جسے چاہے لے جائے۔ الحاصل جبکہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور شخص سے رفع کا وعدہ ہی نہیں ہوا تو پھر کیونکر ہم توفیٰ بمعنی قبضِ جسم دکھلائیں اور کیوں مرزا قادیانی ہم کو ایسے امر پر ہزار روپے کا اعلان دیں جو ہمارے مسلمات میں سے ہے..... میں پھر مکرر بآواز بلند کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک کسی شخص کی توفیٰ مجامع الرفع نہیں ہوئی۔ ہاں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی اگر خداوند عالم قرآن عزیز میں کسی اور کی توفیٰ بھی مجامع مع الرفع قرار دیتا تو ہم اسے بھی تسلیم کر لیتے مگر ہماری نظر

سے نہ کوئی ایک آیت گزری ہے نہ کوئی حدیث۔ اگر مرزائی بتلا سکیں کہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام می کسی اور شخص کی توفی بھی جماع مع الرفع ہوئی ہو تو ہم ان کے بہت مشکور ہوں گے۔ پس اب ایسے امر پر ہزار روپے کا انعام مقرر کرنا جسے بعض لحاظ سے ہم بھی تسلیم کرتے ہوں بالکل ایسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ اگر مجھے کوئی دوسرا آفتاب دکھلا دے تو میں اسے دو ہزار روپے انعام دوں گا۔ ظاہر ہے کہ نہ دو آفتاب موجود ہوں گے نہ وہ دکھلا سکے گا۔ اس طرح سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نہ کسی سے خدا نے رفیع مع الجسد کا وعدہ کیا ہے نہ توفی قبض جسم کے معنی سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ملے گی اور وہی زیر بحث ہے۔

ایک ہزار روپے کا چیلنج

لیجئے مرزا کے قاعدہ کے بالمقابل میں بھی ایک قاعدہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ اگر فعل توفی رفیع کے ساتھ مستعمل ہو اور فاعل دونوں کا اللہ اور مفعول ذی روح ذات واحد ہو تو وہاں صرف اخذ مع الرفع ہی کے معنی ہوں گے نہ کوئی اور معنی۔ اگر کوئی مرزائی سارے قرآن میں ایک مقام پر بھی اس کے خلاف دکھلا دے تو اس کو مبلغ ایک ہزار روپے انعام ملے گا۔

میرے دوستو! اگر قواعد بنانے سے ہی نبوت ملتی ہے تو آؤ میں تمہیں اور چند مطرود اور منعکس قاعدہ بتلاؤں پھر کیا تم مجھے بھی نبی بنا کر پوجا کر دو گے۔ والعیاذ باللہ!

اگر مرزائی اعتراض کریں کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم نے عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہو جو کسی سے نہیں کیا بلکہ ضروری ہے کہ ان سے قبل بھی کسی سے ایسا وعدہ نہ ہوا ہو تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا بھی مسلم نہیں۔

ہر چند کہ یہ اعتراض محض مہمل ہے مگر چونکہ اکثر ان حضرات کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے۔ لہذا ایک مقدمہ کی شکل میں اس کا جواب بھی تحریر کرتا ہوں جس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ جمیع شکوک کا فور ہو جائیں گے۔ وبہ التکلان

ایک ضروری مقدمہ

یہ مقدمہ ہر ذی فہم کے نزدیک قابل تسلیم ہے کہ جو ذات خالق السموات

والا رضین ہے نہ اس کے افعال کی کنہ ہم دریافت کر سکتے ہیں اور نہ ان پر کوئی حق اعتراض رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سب سے پہلا سوال آدم علیہ السلام کے خلاف پر ملائکہ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ ہر چند کہ یہ سوال معترضانہ نظر سے نہیں بلکہ طالبانہ و سائلانہ طریق پر تھا مگر بائیں ہمہ ملائکہ کو پیشانی اور معذرت سے چارہ نہ لگا اور بالآخر: ”سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا..... الخ۔ البقرہ آیت ۳۲“ کہنا پڑا حتیٰ کہ شیطان جو اس معاملہ کو معترضانہ نظر سے دیکھ کر: ”خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍوْ خَلَقْتَ مِنْ طِيْنٍ۔ الاعراف آیت ۱۲“ پکار اٹھا تھا۔ لہٰذا آباد کے لئے حطب جنم بن گیا۔ اس ایک ہی واقعہ میں اہل بصیرت اور اصحاب فہم کے واسطے ایک بڑا سبق ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کیا معاملہ چاہئے۔ عجب نہیں کہ سوال ملائکہ سے بھی مقصود ہو جیسا کہ: ”خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ الاعراف آیت ۵۴“ میں تعلیم کا راز مضمر تھا۔

الغرض عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ خدا کی شان بے شک: ”لَا یَسْتَعْلٰ عَمَّا یَفْعَلُ“ اور ہماری حالت: ”وَهُمْ یَسْتَعْلُوْنَ“ ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بصر کو ایمان ملائکہ پر ایک نوع کی فضیلت ہے کیونکہ ان کا ایمان مبنیٰ علی الشہادۃ ہے اور ہمارا اعلیٰ الغیب اس وجہ سے قرآن عزیز میں خصوصیات کے ساتھ مومنین کے اس وصف کو ذکر کیا گیا ہے: ”هُدٰی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ“ پس خدائی افعال پر معترضانہ نظر شیطانی خصلت اور گردن تسلیم کرنا سنت انبیاء علیہم السلام اور شعار مومنین ہے۔ یہی حقیقت ہے۔

حنیفیت کیاشی ہے

حنیفیت مقابل کفر نہیں بلکہ نفس اسلام کی ایک خصوصیت ہے جس سے یہی مراد ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف متوجہ رہنا کہ پھر یمن و یسار کی طرف میلان نہ ہو۔ چونکہ سب سے اول یہ کلمہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ

السلام ہی کی زبان سے ادا ہوا ہے اسی لئے ان کو حنیف کہا گیا: ”کَمَا قَالَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلْذِّیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ .“ انعام آیت ۷۹ ”پس حنیفیت دراصل وصف تھا پھر ملت ابراہیم کا لقب بن گیا ہے۔ جیسا کہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسلام کی نسبت دعویٰ کیا ہے۔ الحاصل حنیفیت اسلام میں ایک خصوصیت ہے جیسا کہ: ”وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا .“ آل عمران آیت ۶۷ سے ظاہر ہے۔

رہی تقدیم حنیفیت تو شاید وصف مختص ہونے کے لحاظ سے ہو غالباً اسی وجہ سے حنیفیت کو یہودیت و نصرانیت کا مقابل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں اپنے اپنے دوتوں میں: ”اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ .“ میں سے تھیں۔ مگر حنیف نہ ہونے کے باعث ضنّٰلَیْنِ اور مَغْضُوْبٍ عَلَیْهِمْ سے بن گئیں لہذا قرآن مجید میں: ”اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ .“ کے بعد: ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ .“ فرمایا تاکہ ان سے احتراز ہو جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ہم مومن اور قبیح ملت ابراہیمی جب ہی کہلا سکتے ہیں جبکہ ہمارا غیوب پر ایمان ہو اور فضول تشویشیں بے جا سوال و جواب کے بدول خدائی قصص و احکام کی تسلیم ہو۔

اس کے بعد قرآن عزیز میں خدائی افعال پر اعتراض کفار کی جانب سے بھی منقول ہے: ”وَقَالُوا لَوْلَا نَزَلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْاٰتِیْنِ عَظِیْمِ .“ الزخرف آیت ۲۱ ”یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے رئیس پر کیوں نہ اترا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا ہے۔“

مرزا یوں کے نزدیک تو اس سائل کا سوال جس میں سر اسر مرزا قادیانی کی روح ہوگی بہت عمدہ اور موزوں ہونا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن ایک بڑی نعمت ہے وہ تو کسی بڑے شخص ہی کے مناسب ہے۔ جیسا کہ بزرگم مرزا قادیانی امت محمدیہ ﷺ میں سوائے ان کے کسی کو نبوت نہ مل سکی مگر بارگاہ ایزدی میں اس اعتراض کی جو وقعت ہوئی وہ آئندہ فرمان عالی سے ظاہر ہے: ”(فَقَالَ) اَهُمْ یَفْسِمُوْنَ رَحْمَتِ رَبِّکَ .“ (بل) نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ الخ .“ الزخرف آیت ۳۲ ”یعنی کیا تیرے پروردگار

کی رحمت وہ تقسیم کرتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں بلکہ اپنی رحمت کے ہم تقسیم کرنے والے ہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ”اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ الانعام آیت ۱۲۴ یعنی خدا ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔ پس جو تقسیم کرنے والا ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ کے مقابلہ میں کہا تھا کہ: ”اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ“ البقرہ آیت ۲۰۔ آئندہ ارشاد فرماتے ہیں: ”(بل) نَحْنُ قَسَمْنَا..... الخ۔ الزخرف آیت ۲۲“ یعنی نبوت اور رسالت تو ایک بڑا امر ہے زندگی کے سامان جیسے معمولی شے کے بھی ہم ہی تقسیم کرنے والے ہیں تو جیسا کہ تم یہ سوال نہیں کر سکتے کہ فلاں کو رئیس کیوں بنایا اور فلاں کو غریب کیوں؟ اسی طرح تمہیں اس سوال کا بھی حق نہیں کہ فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو کیوں نہ بنایا یہ سب اس وجہ سے ہی کہ خدا میں ہفت علم سب سے اعلیٰ ہے اور اس کی شان وہی ہے جو خود اس نے قرآن عزیز میں بیان فرمائی یعنی: ”لَا یَسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ“ الانبیاء آیت ۲۳ یعنی خدا کے افعال پر خدا سے کوئی باز پرس کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ معیشت کو بینہم رکھا ہے مگر نبوت کو نہیں رکھا۔ اس کے بعد تقسیم دونوں کی اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ: ”اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتِ رَبِّكَ“ الزخرف آیت ۲۲ ”برخلاف اس کے دوسرے جملہ میں: ”(بل) نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ“۔ پس اول تو تقسیم رحمت یعنی نبوت سے اطلاع دی ثانیاً: ”اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ الانعام آیت ۱۲۴ میں مخصوص افراد کو نشانیاں فرمایا گیا ہے ثالثاً: ”اللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنْ النَّاسِ“ الحج آیت ۷۵ ”میں نبوت کا اصطفاء پر مبنی ہونا مذکور ہوا۔ اس سے مستفاد ہوا کہ نبوت امت محمدیہ میں بطور فیضان جاری نہیں ہو سکتی۔ اولاً تو اس وجہ سے کہ نبوت بینہم رکھی ہی نہیں گئی بلکہ جس امر کی تقسیم بینہم ہے۔ وہ معیشت ہے۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ نبوت ان افراد کو جو خدا کے علم میں ہیں مل چکی ہے۔ بطور اصطفاء نہ بطور کسب لہذا کسب بے کار۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ خود قرآن عزیز نے بتا دیا ہے کہ تقسیم تام ہو گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا

ہے کہ: ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي..... الخ . المائدہ آیت ۳“ لہذا کسی جدید قسم کی گنجائش نہیں۔

اس آیت میں اولاً چند امور قابل غور ہیں پہلے تو یہ کہ دین کا اکمال ذکر فرمایا اور نعمت کا اتمام پھر یہ کہ تکمیل دین میں لکم فرمایا اور اتمام نعمت میں علیکم نہ فیکم پہلے سوال کی نسبت گزارش ہے کہ لغویین نے تصریح کی ہے کہ کمال حسب الاوصاف ہوتا ہے اور تمام حسب الاجزاء خصوصاً جبکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی آیت میں مجتمع ہیں تو پھر تفریق ضروری ہے۔ جیسا کہ شیخ سید محمد آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے کہ: ”اذا اجتمعا افترقا و اذا افترقا اجتمعا و علی ہذا“ دین کے ساتھ اکمال ہی مناسب تھا کیونکہ اصول دین جمیع شرائع میں واحد ہی رہے ہیں۔ لہذا دین محمدی میں تکمیل اوصاف کے ہی لحاظ سے رہی مگر نبوت فقط اوصاف کے لحاظ سے کامل نہیں ہوئی بلکہ لحاظ اجزاء بھی مکمل ہو چکی ہے جو اس مقام پر افراد نبوت سے عبارت ہیں و علیٰ ہذا خاتم النبیین کی فقط یہ مراد لینا کہ آپ ﷺ جیسا کامل نبی اب کوئی نہ ہو گا اور امتی نبی برابر ہوتے رہیں گے محض غلط ہے۔ کیونکہ ختم نبوت فرع ہے اتمام نعمت کی اور جبکہ اتمام نعمت حسب الاجزاء ہے تو لا محالہ خاتم النبیین باعتبار الافراد ہو گا نہ حسب الوصف جیسا کہ حدیث: ”و انا اللبنة میں اقامة الافراد“ مقام الاجزاء ہی ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جملہ لوئی میں باوجود یہ کہ دین کی تکمیل مذکور ہے۔ مگر بایں ہمہ کوئی مرزائی قرآن عزیز کے بعد کسی نئی شریعت کا قائل نہیں ہوا۔ اور جملہ ثانیہ میں حالانکہ تقسیم نعمت مصرح ہے مگر پھر بھی نبوت کو جاری ہی مانا جاتا ہے۔ پس اگر اتمام نعمت کسی جدید نبی کی بعثت کے منافی نہیں ہے تو پھر تکمیل دین کسی جدید دین کے لئے کیونکر مانع ہو سکتی ہے؟ رہا: ”اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ“ فرمانانہ ”فیکم“ یہ اسی بناء پر ہے کہ نظر شریعت میں نبوت جاری نہیں بلکہ مسدود ہے۔ لہذا عند البیان تملیہ علیہا ہی انب ہے نہ فیہا الحاصل ایک طرف تو تقسیم نبوت کا تذکرہ دوسری طرف اتمام نعمت کا اعلان۔ اس کے بعد خاتم النبیین کی خبر یہ سارے اجزاء بہتہ دلالت کرتے ہیں کہ اب آئندہ نبوت جاری نہیں۔

کیونکہ جب تقسیم تام ہو گئی تو اب نہ نعلی کی گنجائش ہے نہ بروزی کی۔ یہ سارے اقسام خدائی تقسیم کی تمایہ کے بعد حادث ہوئے ہیں۔ لہذا محض دجل ہیں۔ یہ ایک غث در میان میں آگئی جس کی اس مقام پر تفصیل مد نظر نہیں۔ لہذا میں اپنے اصل بیان کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ جب مقدمہ بالا سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معیشت جیسی معمولی شے پر بھی ہمیں بارگاہ خداوندی میں سوال کا کوئی حق نہیں ہے تو نبوت یا خصائص نبوت یا کسی اور شے اہم کی نسبت کیا حق ہو سکتا ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور حیات میں نیچرمانہ سوالات اور فلسفانہ اوہام پیدا کرنا قطعاً شیطان لعین اور کفار مکہ کی اقتداء کرنا ہے۔ مرزا قادیانی اور ان کے متبعین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بارے میں ایک بڑا اشکال یہ بھی ہے کہ جب ان سے قبل کوئی نبی آسمان پر نہیں گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے جاسکتے ہیں؟

معزز حضرات! یہ محض ایک مہمل اور احمقانہ سوال ہے کیونکہ اسکا لازم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خاتمیت کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سے پیشتر کوئی خاتم نہیں گزرا۔ قرآن شریف کے معجز ہونے کا بھی انکار کیا جائے کیونکہ قرآن سے قبل کوئی کلام معجز نازل نہیں ہوا۔ شق القمر بھی غیر مسلم ٹھہرے کیونکہ پہلے کسی نے قمر کو شق نہیں کیا۔ معراج بھی ایک فسانہ ہو جائے کیونکہ کبھی کسی کو معراج نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوہ طور، ناقہ صالح علیہ السلام یہ سب امور محض حکایات ہوں کیونکہ نہ کسی نبی کے لئے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور ہوانہ کسی کے لئے سوائے صالح علیہ السلام کے ناقہ، دوم اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ کوئی صفت کسی نبی میں جب پائی جاسکتی ہے۔ جب اس کا تحقق نہ صرف ایک نبی میں بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام میں پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے پیشتر کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جو مرفوع الی السماء ہو تو میں عرض کروں گا کہ اگر بالفرض آپ ﷺ سے پیشتر کوئی ایسا نبی گزر بھی جاتا جب بھی عیسیٰ علیہ السلام کا رفع مرزا قادیانی کے اصول پر قابل تسلیم نہ ہوتا کیونکہ پھر اس نبی میں کام جاری ہو گا اور اس کا رفع جب قابل تسلیم ہے جب اس سے پیشتر کوئی نبی نہ آیا ہے۔

پس ایسے سہل اعتراض کرنا آدمی کی نبوت پر ہی نہیں بلکہ ایمان و عقل پر سخت بد نما داغ کا باعث ہیں۔

دیکھو قرآن عزیز تصریح کرتا ہے کہ: ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍۚ الْبَقْرہ آیت ۲۵۲“ یعنی یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور وہ یہی ہیں جن کے مرتبہ بلند کئے تو خود قرآن ہی نے تصریح کر دی کہ فضیلت من کل وجہ کسی کو نہیں سوائے ایک ذات واحد عزاسمہ کے ہاں۔ بعض کو فضیلت کلیہ ضرور ہے مگر فضیلت کلیہ من کل وجہ میں فرق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے مگر پھر بھی خضر علیہ السلام میں ایک وہ علم تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام بے خبر تھے اور کیا قرآن میں نہیں ہے کہ: ”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌۚ یُوسُف آیت ۷۶“ ”وَعَلَىٰ هَذِهِ ابواب مفاضلہ مخلوق سے چل کر خالق تک پہنچتا ہے اور ایک خدا ہی کی ذات پر فتی ہے جسے ہر جہت سے جمع ماسوا پر ایسی فضیلت ہے کہ اس کا افضل کہنا بھی بے ادلی میں داخل ہے کیونکہ مفاضلہ متمایزین میں ہوتا ہے۔ ”نہ من له مثل و من ليس له مثل“ میں الحاصل رفع درجات اور فضیلت اور شے ہے اور کسی خصوصیت جزئیہ میں کسی نبی کا کسی سے متفرد ہو جانا امر دیگر بلکہ منطوق قرآن عزیز ہے۔

جیسا کہ: ”مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍۚ الْبَقْرہ آیت ۲۵۲“ سے واضح ہے۔

پس کیا اگر نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی کوہ طور نہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس صالح علیہ السلام جیسی ناقہ نہ تھی یا موسیٰ علیہ السلام جیسا عصا نہ تھا تو آپ ﷺ اس وجہ سے العیاذ باللہ! مفضول ہو گئے۔

ہرگز نہیں۔ کیونکہ دار و مدار فضیلت کلیہ کا تقرب پر ہے نہ عصا پر نہ کوہ طور پر اور نہ رفع الی السماء پر کیونکہ معجزات ہر زمانہ میں احوال کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں۔ لہذا معجزات سے اگر فضیلت نکالنی ہے تو پھر مرزائی جواب دیں کہ کیا مرزا قادیانی نے اپنے

معجزات نبی کریم ﷺ کے معجزات سے سینکڑوں درجہ زیادہ بیان نہیں کئے۔ اگر آنحضرت کے معجزات کی تعداد چند ہزار لکھی ہے تو اپنے معجزات کی تعداد تین لاکھ اور براہین احمدیہ میں ایک کروڑ سے زیادہ بیان کی ہے تو کیا یہ صریح مقابلہ اور دعویٰ افضلیت نہیں ہے۔

پس اے میرے دوستو! ہریوں کا راستہ چھوڑو اور اہل ایمان کی راہ لو۔ اگر سلامتی درکار ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے قبل کوئی نبی ایسا نہیں گزرا تھا تو پھر قرآن کے معجز ہونے کا بھی انکار کرو گے یا اس جیسا کلام معجز بھی کوئی اور دوسرا متلاؤ گے۔ اگر نہیں تو کیوں خدائی افعال پر اعتراض کرتے ہو اور کیوں انہیں اپنے عقلی اعتراضات کی بناء پر رد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ اگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کیلئے کبھی کوئی امر ظاہر کر دیا تو کیا ضروری ہے کہ ہمیشہ ویسا ہی ہوا کرے۔ یاد کرو جبکہ بنی اسرائیل نے خدا کے بہت سے نبیوں کو قتل کیا۔ پس اگر خدا نے بنی اسرائیل کے آخری نبی کو اپنی اظہار قدرت کی غرض سے مع جسد اٹھالیا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ کیونکہ اب معاملہ قتل کا ختم کرنا تھا۔ لہذا ایک نبی کو اٹھا بھی لیا۔ چنانچہ ان کے بعد پھر قتل کی سنت معدوم ہو گئی۔ لہذا اب عیسیٰ علیہ السلام کا مخصوص رفع تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

یاد رکھو کہ ہر مباحثہ بالذات کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ پس حکمت کے باب میں بالذات صرف ایک خدا کی ذات ہے۔ لہذا ہم سے یا کسی سے کیوں ایسے سوالات کئے جاتے ہیں۔ ہماری کیا قدرت ہے کہ ہم جمیع اشیاء کی حکم بیان کر سکیں؟ ہمیں تو ایک گھاس کے تنکے کی حکمت بھی معلوم نہیں۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ! جمیع ادہام مندفع ہو گئے ہوں گے اور آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تو فی کالفظ جس میں مرزاجی نے سناری عمر صرف کی اور پھر بھی حق تک ان کی رسائی نہ ہوئی آج اس کو اسلام کے ایک اذنی غلام نے کما حقہ واضح کر دکھایا۔ اور متلادیا کہ مدعی نبوت کی ساری کائنات از قبیل اصفاٹ احلام تھیں۔

ہر چند کہ میرے ذہن میں اس لفظ کے متعلق ابھی کچھ اور بھی فوائد ہیں جن کو

یہ وجہ طوالت ذکر کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ ایک ہدایت کے طالب کے لئے اس اختصار ہی میں کفایت دیکھتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

از ریختہ قلم استاذ الاساتذہ انور الشموس المستنیرہ

حضرت مولانا الحاج المولوی السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری

صدر نشین مسند تدریس دارالعلوم دیوبند

متعنا اللہ بعموم فیوضہ وطول حیوۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی رسولہ

محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد !

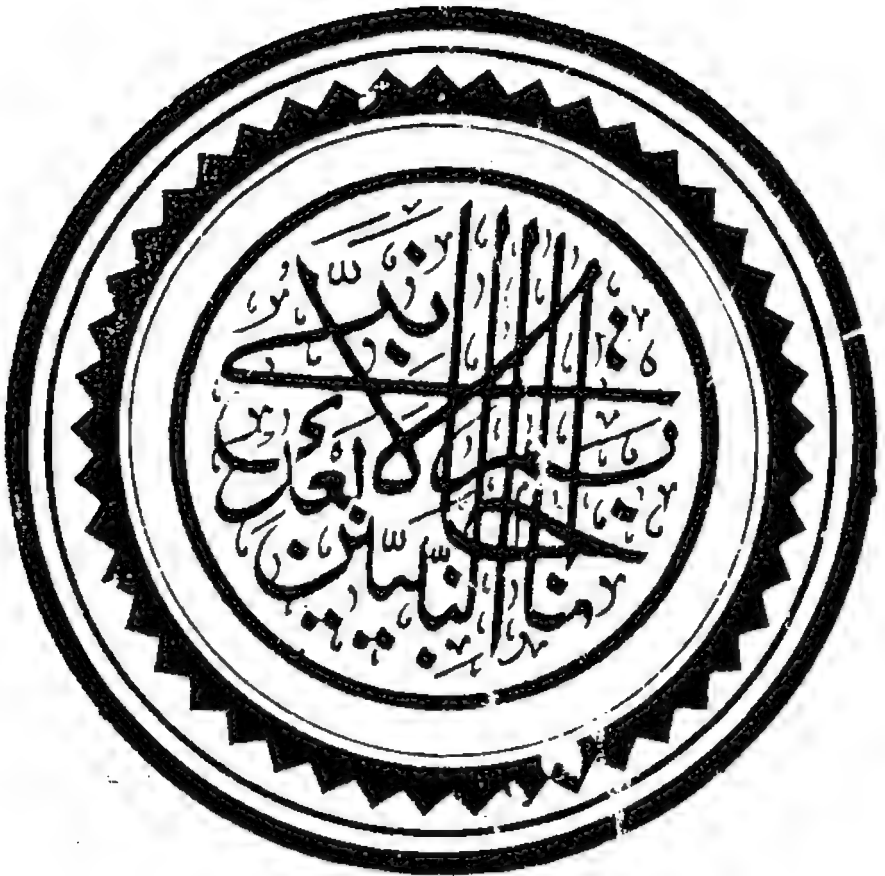
احقر محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ اہل اسلام واہل حق کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ احقر رمضان سال گزشتہ ۱۳۴۱ھ میں بغرض زیارت والد ماجد کشمیر گیا تھا۔ وہاں بضرورت شرعی و مذہبی قادیانی فرقہ کے متعلق متعدد تقریروں کا اتفاق ہوا اور اس کا بھی اعلان کیا کہ جو کوئی بعد خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت اور تحدی اور اپنے منکرین کی تکفیر کرے وہ باجماع امت محمدیہ کافر ہے اور جو کوئی ایسے مدعی کے کفر میں تردد کرے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

چنانچہ قادیانی اور لاہوری جماعت نے اپنے اخباروں میں حقیر کی نسبت طعن و تشنیع بھی کی جس کی کوئی پرواہ نہیں۔ احقر جب واپس دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو فارغ التحصیل طلبہ اور بعض حضرات مدرسین کو اس جانب توجہ دلائی کہ اس فتنہ عظیم میں اپنا فرض ادا کریں۔

چنانچہ محمد اللہ و توفیقہ ان چند مہینوں میں آٹھ دس رسالے تالیف ہو چکے ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ طبع ہوتے رہیں گے۔

سر دست جناب مستطاب مولوی بدر عالم صاحب مدرس دارالعلوم کار سالہ
متعلق مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پیش کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف و ممدوح نے
احقر کی استدعا پر یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ امید غالب ہے کہ اہل حق و اہل دین و اہل علم ان
صحیح اور لطیف مضامین کو دیکھ کر جناب مؤلف او صلہ اللہ الی غایۃ مایتمناہ کے لئے
ترقی مراتب دینیہ و دنیویہ دیں گے۔

والسلام!



حساب قادیانیت جلد پنجم

☆..... بحمدہ تعالیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ”احساب قادیانیت“ کے نام سے چار جلدوں میں مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے ردِ قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو جمع کیا تین جلدیں شائع ہوئی ہیں چوتھی جلد عنقریب شائع ہو رہی ہے انشاء اللہ

☆..... اس وقت پانچویں جلد کی تیاری کا کام شروع ہے جتہ اللہ علی الارض شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد علی مونگیر ویؒ کی خانقاہ مونگیر شریف سے صحیفہ رحمانیہ کے نام پر چوبیس رسائل شائع ہوئے تھے پانچویں جلد ان ”صحائف رحمانیہ“ کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی۔

☆..... قارئین سے درخواست ہے کہ ”احساب قادیانیت“ کے نام سے شائع ہونے والی اس کتاب کی تمام جلدوں کو خرید کر اپنی اپنی لائبریریوں کی زینت بنائیں اس سے انشاء اللہ امت مرحومہ کے تمام اکابرین کے رشتاتِ قلم کا خزانہ آپ کے پاس جمع ہو جائے گا۔

☆..... اللہ تعالیٰ نے توفیق عنایت فرمائی تو امید ہے کہ یہ سلسلہ بیسوں جلدوں پر محیط ہوگا صدیوں پہلے کا خزانہ نئے انداز میں مرتب ہو کر آپ کے قلوب و جگر کو جلائے بخشے گا۔

☆..... یہ کام تحریکی انداز میں آگے بڑھانے کا ہے تمام رفقاء اس کی طرف توجہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشیں۔

نوٹ احساب جلد اول قیمت 100 روپے جلد دوم 100 روپے جلد سوم 100 روپے جلد چہارم زیر طبع ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مکتبہ اشرفیہ اسلامیہ، لاہور، مسیحیہ ۱۳۳۵ھ کو بنی ہوئی
۱۳۳۵ھ

آواز حق

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدیع عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمد لله وكفى وسلام على خاتم الانبياء . اما بعد !
محدث کبیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی کے رسائل کو جمع کرنے کے لئے
تک دو شروع کی تو الحمد للہ ! تمام رسائل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی
کتب خانہ میں موجود پائے۔ البتہ ایک رسالہ ”آواز حق“ کے متعلق ترجمان السنۃ کے
مقدمہ میں مولانا آفتاب عالم مدنی نے تذکرہ کیا تھا وہ مل سکا۔ ہفت روزہ ختم نبوت
کراچی، ماہنامہ لولاک ملتان، ماہنامہ الجمعیت اسلام آباد میں مخدوم العلماء
حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری دامت برکاتہم نے اعلانات شائع کرائے
لیکن کہیں سے جواب نہ آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور کل ہند مجلس تحفظ
ختم نبوت کے ناظم عمومی، یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور
پوری دامت برکاتہم کو دارالعلوم دیوبند عریضہ تحریر کیا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند
کے کتب خانہ کی فہرست نمبر ۷۴۴ سے ۹۴۷ کی فوٹو کاپی بھیج دی۔ رب کریم
کے فضل سے یوں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی کے رد قادیانیت پر جملہ
رشحات قلم میسر آگئے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے انتہائی شکر گزار
ہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر علمی تعاون فرما کر ممنون احسان فرماتے ہیں۔ اس رسالہ
کی اشاعت کا باعث کیا تھا اس کی تفصیل رسالہ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ احتساب
قادیانیت جلد چہارم کا یہ آخری رسالہ ہے جو حضرت قاری محمد عثمان منصور پوری
مدظلہ کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مقدمہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجایا نہ جائے گا

الحمد لله رب العالمين، الصلوة والسلام على سيد المرسلين، خاتم النبيين، رحمة للعالمين صل الله عليه وآله واصحابه وسلم. كنتم خيرامة اخرجت للناس. اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً.

اما بعد۔ لاکھ لاکھ شکر ادا کیجئے اس خلاق لم یزل کا جس نے ہمیں دین اسلام سے مالا مال کیا اور ہم کو بہترین امت بنایا۔ اسی پیارے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے فخر موجودات سرور کونین کو مبعوث فرمایا جس کے وسیلہ سے ہم کو اس خالق کا پیارا کلام پہنچا جو بہر صورت ہمارا دستور العمل ہمارا دین اور ہمارا قانون ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ آپ محمد رسول اللہ کے امتی اس پیارے کلام الہی سے جس میں ہماری بہبودی کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں۔ ناواقف ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھئے اور غور کیجئے مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہائیے۔ چاروں طرف سے اسلام نرغے میں ہے اور مذاہب باطلہ برابر اپنی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ مگر مسلمان اور صرف مسلمان اپنے اس اہم فرض سے غافل ہی نہیں بلکہ لاپرواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرستوں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں اور وہ برابر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ غداری پر آمادہ

ہیں اور عقائد اسلام کی اعلانیہ تخریب و تضحیک میں مصروف اور اسلام کی مقدس روایات کا انتہائی جسارت کے ساتھ استحقاف کر رہے ہیں۔ اٹھنے اور کمر بستہ ہو جائیے۔ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیجئے۔ جان و مال، عزت و آبرؤ اللہ اور اللہ کے حبیب اکرم خاتم النبیینؐ کی رضا مندی کے لیے وقف فرما دیجئے۔ اسلام خالق دو جہاں کا پسندیدہ مذہب ہے۔ دیکھئے کہیں باطل پرستوں کے ہتھکنڈوں سے اسے ضرر نہ پہنچے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ فرمائیے اور غور فرمائیے سلف کے مسلمان کیسے سرفروش اور جانباز تھے۔ رسول اکرمؐ نے تبلیغ دین کے لیے کیا حکم نافذ فرمایا اور آنحضرتؐ نے کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کیں۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کو کیسے فروغ دیا اور کس طرح مقابلہ کیا۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہم اجمعین حامی دین متین نے حفاظت اسلام کے لیے کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کیا۔ مذاہب باطلہ کی کیسی درگت بنائی اور کیسا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام مٹ نہیں سکتا۔ قرآن محرف ہو نہیں سکتا۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے باوجود عقل و خرد رکھنے کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے اور دنیا ہی کے طالب و سرشار رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ناظرین کرام: یاد ہوگا ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ کو تقریب جلسہ میلاد النبیؐ اندرون بادشاہی عاشور خانہ جس کو تاجران اہل سنت والجماعت سالار جنگ بلڈنگ نے منعقد کیا تھا۔ مولانا الیاس صاحب برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ نے بعنوان ختم نبوت ایک مبسوط تقریر فرمائی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انجمن احمدیہ حیدرآباد کی جانب سے مولانا موصوف کی تقریر پر چند بے معنی اور لغو اعتراضات ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کئے گئے۔ جس کو راقم نے جناب مولوی دلدار علی صاحب الفت حیدرآبادی مناعلم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں روانہ کیا اور استدعا کی کہ یہ تردید جو انجمن احمدیہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے اس کا مدلل جواب جامعہ کے کسی استاذ سے مرتب کروا کر فوراً روانہ کیا جائے تاکہ جلد شائع کیا جاسکے۔ مولوی دلدار علی صاحب الفت حیدرآبادی جو جامعہ کے ایک قابل اور سرفروش طالب علم ہیں۔ اس تردید کو حضرت العلامة مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مولانا موصوف جیسے جلیل القدر عالم اور جیسے مناظر ہیں غالباً تمام ہندوستان میں کوئی شخص آپ کی ذات ستودہ صفات سے ناواقف نہیں۔ حضرت مولانا نے بکمال خلوص و بخیال تحفظ اسلام احمدیوں کی اس تردید کا مکمل جواب بذریعہ مولوی دلدار علی صاحب روانہ فرمایا اور اس کی اشاعت کے لیے اظہار خوشنودی

فرمایا۔ جس کے لیے ہم خلوص دل سے حضرت مولانا موصوف اور مولوی ولد ار علی صاحب الفت کی خدمت میں تمام مسلمانان حیدر آباد کی جانب سے ہدیہ ممنونیت پیش کرتے ہیں اور آپ کی اسلام دوستی پر بجان سپاس گزار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس کی طباعت میں زیادہ تاخیر سے کام لیا گیا اور اس عرصہ میں ہمارے یہاں سے بہت جوابات شائع ہو چکے ہیں جس کے لیے ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس فرض دینی کو ادا کیا ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان کو اس سے زیادہ مقابلہ کی قوت عطا کرے۔ درآنحالیکہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہر وقت مقابلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

چونکہ یہ مضمون مولانا کے قلم باطل شکن کا نتیجہ ہے اس لیے ہم اس کے شائع کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مضمون جہاں مرزائی بغوات کا مدلل جواب ہے وہاں مولانا نے اس کا خیال بھی رکھا ہے کہ مرزائیت کے خلاف ہمیشہ کام آنے والا مجموعہ ثابت ہو اور امید کرتے ہیں کہ اہل بصیرت اس مدلل جواب کو ملاحظہ کرنے کے بعد حق و باطل کو اچھی طرح پرکھ لیں گے۔ اور رہزن و رہبر میں تمیز کرنے کے بعد قادیانیت کے ہمرنگ زمین جال سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔ اللہ جل جلالہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچا دے اور باطل کے مقابلہ کی جرأت و قوت عطا فرما دے اور ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور بدل و جان ممنون ہیں کہ جنہوں نے رسالہ ہذا کی اشاعت کے لیے نہایت فیاضی سے کام لیکر ایک اہم دینی خدمت انجام دی۔ ہماری صرف ایک آرزو ہے اور اسی میں کامیابی کے لیے ہم خداوند قدوس سے منتی ہیں کہ اے رب العزت مسلمانوں کو گمراہی سے بچا اور پھر ان کے دلوں میں وہی جذبہ ایمان پیدا کر اور باطل کے مقابلہ کی جرأت عطا فرما اور تمام مسلمانان عالم کو سچا مسلمان اور تیرے حبیب اکرم خاتم النبیین کا سچا پیرو بنا آمین آمین۔

نصیحت: آخر میں ہم جہاں اللہ کے لیے سچی شہادتیں دے کر سرخرو ہوتے ہیں وہاں مرزائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی حرکات سے جو ملک میں فتنہ پیدا کرتی ہیں اور مسلمانوں کے دل کو چوٹ لگتی ہے باز آ جائیں اور بچے رہیں۔ جس کو درحقیقت مرزائی حضرات ہی نے شروع کیا ہے ورنہ ہم حفاظت اسلام کی خاطر ممکنہ کوشش عمل میں لانے کے لیے مجبور ہوں گے۔

ان مسلسل جوابات کی اشاعت کے بعد مرزائی حضرات نے احساس کر لیا ہوگا کہ حیدر آبادی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ختم المرسلین کے بعد کسی ایرے غیرے کو نبی نہیں مان سکتے۔

ضروری گزارش: رسالہ ہذا مندرجہ ذیل پتے سے مفت حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور ہم ناظرین کی خدمت میں ادباً گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس مختصر مفید رسالہ کو ردی یا تمییز کا اشتہار نہ سمجھیں بلکہ پڑھیں اور سمجھیں اوروں کو سمجھائیں تاکہ اس کی اشاعت کا مقصد بھی پورا ہو اور خود بھی ماجر و مشاب ہوں۔

خاکسار

محمد فخر الدین رازی

براق منجی حیدر آباد کن

نوٹ:- مسودہ کاتب کے پاس جا چکا تھا کہ ہمیں جماعت مرزائیہ کے دو پمفلٹ بعنوان ”دعوت قادیانیت پر ہمارے استفسارات کا جواب“ اور ”ختم نبوت“ ملے۔ ناظرین کرام مذکورہ بالا پمفلٹوں کا جواب ہمارے اسی رسالہ میں تلاش کر لیں۔ باقی جو امور تشریح ہیں ان کا جواب انشاء اللہ بشرط فرصت دیں گے۔ فقط

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات



☆☆..... قادیانی زندیق ہیں جو اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام

کہتے ہیں اور شریعت کے مطابق زندیق واجب القتل ہوتا ہے۔

☆☆..... یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی مراتی مسیحیت کے

کرشمے ہیں کہ وہ خود سے خود پیدا ہو کر مسیح ابن مریم بن گیا۔

☆.....☆.....☆

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

مسک الختام فی ختم النبوة خیر الانام

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین

لمثل هذا یلوب القلب من کمد

ان کان فی القلب اسلام و ایمان

”اگر قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان و اسلام ہے تو اس قسم کی باتوں سے قلب مارے غم کے پگھلا جاتا ہے۔“ اس وقت میرے ہاتھ میں جماعت مرزائیہ حیدر آباد کا شائع کردہ ایک مختصر سائریکٹ ہے۔ جس کا عنوان ”ختم نبوت اور جناب پروفیسر الیاس برنی“ ہے۔ اس ٹریکٹ میں اس جماعت نے اپنی قدیم عادت کے موافق سلف صالحین اور مشائخ کرام کی عبارات نقل کر کے ان کے اغراض و مقاصد کے قطعاً برخلاف زہر پھیلا یا ہے اور اپنے نزدیک گویا یہ ثابت کر دیا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ہمیشہ اسی طریق پر مسلم بن المسلمین رہا ہے جیسا کہ اس جماعت نے اپنے زعم فاسد میں سمجھ رکھا ہے۔ اس وقت ہم اس مختصر تحریر میں کسی طویل یا مختصر بحث کرنے سے پہلے یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جب مرزائی مذہب میں خاتم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بھی رسولوں کی آمد جائز ہے تو پھر ختم نبوت کا عنوان ٹھیک اسی طرح بے معنی رہ جاتا ہے جیسا کہ عیسائیوں اور آریوں کا دعویٰ توحید۔ یعنی جس طرح اقا نیم ثلاثہ مان کر مادیہ اور روح کو قدیم کہہ کر توحید کا دعویٰ محض لفظی ہے۔ اسی طرح رسولوں کی آمد تسلیم کر کے ختم نبوت کا لفظ بھی صرف مسلمانوں کی دلفریبی کا ایک آلہ ہے اور بس۔ قرآن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شان میں خاتم النبیین کا لفظ اسی درجہ میں اہم اور قابل ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ کا۔ اسی لیے ایک ہی

آیت میں ان دونوں عقیدوں کو بایں طور جمع کر دیا گیا ہے ”وَلَكِنْ رُّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ (احزاب ۴۰) یعنی بیک وقت آپ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ بلکہ غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کا ذکر بعض وجوہ سے زیادہ مہتمم بالشان ہے۔ کیونکہ مضمون یہ بیان کرتا ہے کہ نبی عربی گوتم میں سے کسی مرد کا باپ نہ سہی مگر اس کے بجائے اللہ کا رسول اور نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔ اہل علم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیاء سابقین مردوں کے باپ ہو کر پھر رسول اللہ بھی ہوتے رہے تو معلوم ہوا کہ ان دو باتوں میں تو کوئی تنافی اور عدم ملائمت نہیں ہے۔ لہذا اگر آپ بھی رسول اللہ ہو کر مردوں میں سے کسی کے باپ ہو جاتے تو کیا مضائقہ تھا۔ اس لیے قرآن نے رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا اور اضافہ کر کے بتلادیا کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس لیے اگر آپ کے بھی پوری اولاد ہوتی تو جس اسرائیلی سلسلہ میں انبیاء کی ذریت میں نبوت جاری رہی اسی طرح اسماعیلی سلسلہ میں بھی بقائے نبوت مناسب ہوتا۔ حالانکہ آپ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نئی ابوت اور اثبات خاتمیت کے اسی ارتباط کو دیکھ کر صحابہ صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ کے فرزند اس لیے زندہ نہ رہے کہ آپ خاتم النبیین تھے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ضرور زندہ رہتے اور نبی ہوتے لیکن عالم تقدیر میں چونکہ تقاض نہیں ہے اس لیے اگر ایک طرف ختم نبوت مقدر ہوا تو دوسری طرف آپ کے لیے پوری اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانا بھی مقدر ہوا اور اعلان کر دیا گیا کہ انبیاء سابقین کی طرح آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ آپ پر نبوت کا ختم کرنا بھی مقصود ہے۔ انبیاء سابقین چونکہ صرف رسول اللہ تھے مگر خاتم النبیین نہ تھے اس لیے پوری اولاد میں ان کے لیے مضائقہ بھی نہ تھا۔ لیکن اس اولوالعزم نبی کے اگر کوئی پوری اولاد بلوغت کو پہنچتی تو اس کی عظمت کے شایان شان یہی تھا کہ سب سے اوّل اسی کو منصب نبوت سے نوازا جاتا اور یہ نامناسب تھا کہ بنی اسرائیل میں تو انبیاء کی ذریت میں نبوت رہے اور اسماعیلی سلسلہ میں اس افضل ترین رسول کے پوری اولاد رجولیت کی حد کو پہنچے اور پھر نبی نہ ہو۔ یہی باعث تھا کہ انبیاء سابقین نے اپنی ذریت میں بقاء نبوت کی دعائیں مانگی ہیں اور حق تعالیٰ نے بھی انہیں ”وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا“ کی بشارتیں سنائی ہیں مگر اس نے جس کے حق میں قرآن نے ”حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ“ الخ فرمایا ہے۔ اپنی امت میں ایک نبی کے لیے بھی دعائیں کی اور نہ خود حق تعالیٰ نے پہلودں کی طرح اس کو انبیاء کی آمد کی کوئی بشارت دی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ دیگر

انبیاء فقط رسول اللہ تھے اور محمد عربی (ﷺ) رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین بھی تھے۔ پھر جس کو خدا نے آخری نبی بنایا تھا وہ کیسے اپنی امت یا ذریت کے حق میں نبوت کی دعا کرتا اور کیسے مناسب تھا کہ اس کی ذریت میں کوئی بلوغت کی حد کو پہنچتا اور وہ ان کا باپ کہلاتا۔ ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین“ (احزاب ۴۰)

محمد (ﷺ) کے لیے یہ مناسب ہی نہ تھا کہ وہ تم میں سے کسی مرد کا باپ ہوتا لیکن وہ تو اللہ کا رسول اور انبیاء میں سب سے آخر آنے والا ہے۔

”عن عامر الشعبي في قول الله ما كان محمد ابا احد من رجالكم قال ما كان ليعيش له فيكم ولد ذكر“ (رواه الترمذی ج ۲ ص ۵۶ ابواب التفسیر)

عامر شعبیؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔ ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم“ کا یہ مطلب ہے کہ تم میں اے لوگو ان کی کسی زریعہ اولاد کا زندہ رہنا مناسب ہی نہ تھا۔ ہمارے اس بیان سے دو امر اور ظاہر ہو گئے۔ اول یہ کہ صحابہؓ کے نزدیک بھی ختم نبوت کے یہ معنی تھے کہ اب آئندہ کوئی رسول نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے وفات ابراہیمؑ کا انہوں نے یہ نکتہ بیان کیا۔ دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نبوت جاری ہوتی تو اس کے اولین مستحق صحابہؓ کے نزدیک بھی آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ہی تھے۔ اسی کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ”لو عاش ابراهيم لكان صديقا نبيا“ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۲۲۰)

(اگر حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو وہ صدیق اور نبی ہوتے)۔ میرا بیٹا ابراہیمؑ اگر زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ اس لیے کہ جب بنی اسرائیل میں انبیاء کی ذریت میں نبوت رہی تو یہ نامناسب تھا کہ آپ کے فرزند کو نبوت نہ ملتی یا ملتی مگر کسی بعید پشت میں ظاہر ہوتی اور یہ تو کیسا ہی نامناسب تھا کہ ذریت محمد (ﷺ) سے نکل کر مثلاً مرزائیوں کے خاندان میں جا گھستی۔ اس جگہ اتنا بیان کر دینا اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ سرور کائنات کے وجود نے دیگر انبیاء کی آمد کو روک دیا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ علم ازلی میں جتنے رسول مقدر تھے وہ ایک ایک کر کے سب آچکے۔ اب ایک دن آخر اس عالم کو ختم کرنا تھا اس لیے آخری دنیا کے لیے وہ رسول جو سب کے آخر میں رکھا گیا تھا بھیج دیا گیا تاکہ اس کی آمد جس طرح رسولوں کی مردم شماری کے خاتمے کی دلیل ہے اسی طرح قیامت کے قرب پر بھی برہان قاطع ہو جائے۔ یہی مطلب ہے ”انا والساعة کھا تبین“ میں اور قیامت ان دو وسطی اور شہادت کی انگلیوں کی

طرح متصل ہیں۔

(اشارہ کرنا کہ حالانکہ معلوم ہے کہ قیامت آج تک نہیں آئی مگر چونکہ دنیا کی مجموعہ عمر کے مقابلہ میں آپ کی بعثت قیامت سے انتہائی قرب رکھتی تھی اس لیے اس کو کھاتین سے ادا کیا اور اسی لیے اس آخری رسول کے منہ میں (کتاب سابقہ میں ایک پیشنگوئی ہے اس کی طرف اشارہ ہے) وہ کلام ڈالا جو موسیٰ علیہ السلام کے کانوں میں پڑا تھا۔ کیونکہ مدارج کلام میں یہ بھی ایک آخری مرتبہ ہے اور اس طور پر رسولوں کا آخر آخری کلام لیکر دنیا کے آخر میں آخرالام کے لیے مقدر ہوا تا کہ اول کا کمال آخر میں دوبالا ہو جائے۔ اور مباحث یوسف علیہ السلام کے ساتھ ملاحظہ محمد ﷺ بھی جلوہ گر ہو۔ اسی مضمون کو صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ایک نہایت خوبصورت اور واضح مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجملہ الاموضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ہلا وضعت ہذہ اللبنۃ وانا خاتم النبیین (رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین و مسلم فی الفضائل ج ۲ ص ۳۸۸ باب ذکر کونہ خاتم النبیین و احمد فی مسندہ ج ۵ ص ۱۲۷ والنسائی و الترمذی ج ۲ ص ۱۱۳ باب ماجاء مثل النبی والانبیاء و فی بعض الفاظہ فکنت اناسلذت موضع اللبنۃ و ختم بی البیات و ختم بی الرمل ہکذا فی الكنز عن ابن عساکر ج ۱ ص ۳۵۳ حدیث نمبر ۳۲۱۲۔)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس میں ہر طرح سے حسن اور خوبی پیدا کی مگر ایک اینٹ کی جگہ اس کے ایک گوشہ میں چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد پھرتے رہے اور تعجب کرتے رہے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی۔ اب میں وہ اینٹ ہوں اور آخری نبی ہوں۔ بخاری نے کتاب الانبیاء میں اس کو بیان کیا ہے اور مسلم نے اس کو فضائل میں اور احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ سے تعمیر کی تکمیل اور اختتام ہوا اور مجھ سے تمام رسل کا اختتام ہوا۔ کنز العمال میں ابن عساکر سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

اس ختمیل میں ایک طرف انبیاء سابقین کو رکھا ہے اور دوسری طرف اپنی ذات کو اور

انبیاء الاحقین کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس کے بعد قعر نبوت کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضورؐ کے نزدیک بعد میں کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ نے ”مثلی و مثل الانبیاء من قبلی“ فرما کر گویا تفریح کر دی کہ من بعدی کوئی رسول نہیں۔ یہ نکتہ میں انہیں شیخ محی الدین عربی سے ہاتھ لگا ہے جن کا ذکر خیر سے پیکر ٹری صاحب نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ”واعلم ان لنا من الله الهام لا الوحي فان سبيل الوحي قد انقطع بموت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد كان الوحي قبله ولم يحن خبر الله ان بعده (ﷺ) و حيا كما قال الله تعالى و لقد اوحى اليك و الى الذين من قبلك و لم يذكر و حيا بعده“ (فتوحات مکیہ ج ۳ ص ۲۳۸ باب ۳۵۲)

(ترجمہ) یاد رہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب الہام کا سلسلہ باقی ہے نہ کہ وحی کا۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ منقطع ہو گیا۔ ہاں۔ پہلے وحی تھی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ کہیں نہیں آیا کہ آپؐ کے بعد وحی ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ”آپؐ کی طرف اے رسولؐ وحی بھیجی گئی اور آپؐ سے پہلے انبیاء کی طرف اور آپؐ کے بعد وحی کا ذکر نہیں کیا۔“ حدیث مذکور ادھر بھی اشارہ کرتی ہے کہ آپؐ کا آخر میں آنا اس لیے مقدر ہوا کہ جو بے رونقی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہونے کی وجہ سے اس قعر میں ہو یہ اتنی وہ اس آخری نبی کی وجہ سے پوری ہو جائے۔

یاد رکھو اب خدائی عزت کسی کو موقعہ نہیں دے گی جولینہ محمدیؑ کے بعد اس قعر کا مکمل کھلائے۔ تکمیل کے بعد تخریب تو ممکن ہے لیکن تکمیل ممکن نہیں۔ خط پر مہر لگا کر اس کا توڑنا تو ممکن ہے مگر اس کا کھولنا ممکن نہیں۔ پھر کون ہے جو ختم محمدیؑ کو توڑ کر قعر نبوت میں آسکتا ہو اور کون ہے جو قعر نبوت کی تکمیل کے بعد اس کی تنقیص کا مدعی ہو۔ واللہ ثم باللہ جس کو خدا تعالیٰ نے آخری نبی کہا ہے وہی آخری نبی ہے۔ پھر کون ہے جو بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے آخری نبی بننے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ام سابقہ کے پاس بہت سے رسول بھیجے گئے۔ پر وہ جس نے قعر نبوت کی تکمیل کی اسی امت مرحومہ کو نصیب ہوا۔ پھر کیا وہ امت جس کا رسول خاتم الانبیاء جیسا رسول ہو نبوت کی نعمت سے محروم کہی جاسکتی ہے۔ کیا وہ امت جس میں شرکت کی تمنا انبیاء رکھتے ہوں بد قسمت ٹھہر سکتی ہے۔ محروم وہ ہیں جنہیں ایسی رسالت عامہ تامہ کے بعد رسالت کی تمنا ہے۔ بد قسمت وہ ہیں جنہیں اپنے آقا کی ہمسری کا ولولہ ہے۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۴ حدیث نمبر ۳۱۸۸۵ میں

ہے۔ ”عن الحسن مرسلًا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا رسول من ادر كنا حيا و من يولد بعدى رواه ابن سعد“ میں موجودین اور بعد میں آنے والوں کا سب کا رسول ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلہ رسالت جاری تھا اس وقت تک رسولوں کو مخصوص قوم اور مخصوص زمانہ کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ لیکن جب نبیوں کا ختم کرنے والا آیا تو پھر اس کی نبوت کو نہ کسی قوم سے مخصوص کیا گیا نہ کسی زمانہ سے بلکہ قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تا کہ جس طرح وہ ان موجودین کا رسول کہلائے اسی طرح بعد میں آنے والوں کا بھی رسول ٹھہرے اور کسی پھوٹے منہ سے یہ نہ نکل سکے کہ وہ نبوت سے محروم ہے۔ مگر مرزائی کب باز آنے والے تھے آخر کار قادیان میں ایک اشتہاری نبی بلا ہی لیا۔ یہ سچ ہے کہ نبوت کوئی زلزلہ نہیں ہے کہ لوگ اس سے گھبرائیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب تک زلزلہ آ کر یہ قعر نبوت گرنے جائے اس وقت تک کسی نبوت کے لیے جگہ بھی خالی نہیں اور اگر یہی دلیل اجراء نبوت کی ہے تو پھر نبوت تشریعی بھی کوئی زلزلہ نہیں ہے۔ لہذا قادیان کے سجادہ نشین کو چاہیے کہ وہ شریعت جدیدہ کا بھی دعویٰ کر دے۔ آخر جب نبوت کی ہوس ہے تو وحی جدید سے کیوں بیزاری ہے۔ اور اگر کامل دین کے بعد کوئی دین نہیں ہے تو کامل نبی کے بعد کوئی نبی کیوں ہو۔ خدا ان خلوتوں میں تششت اور اس جماعت میں تمزق اور ان دیار کی تدبیر کرے جن میں خدا کے رسول کے خلاف یہ نجوئی اور سرگوشیاں ہوتی ہیں اور توہین نبی پر تعظیم نبی کا لفظی طمع چڑھا کر مسلمانوں کی فریب دہی کے منصوبے گاٹھے جاتے ہیں۔

قرآن عزیز کے اس معجز بیان پر سو مرتبہ قربان ہو جائیے جس نے اس امت کو ”خیر امۃ“ کہا۔ مگر اس لیے نہیں کہ اس میں بہت سے نبی ہوں گے۔ اگر اس لیے یہ امت خیر امت ہوتی تو بنی اسرائیل اس سے پہلے اس لقب کے مستحق تھے کہ جتنے رسول ان میں ہوئے اگر قادیان کا سجادہ نشین ”اھدنا الصراط المستقیم“ کی دعا مانگ مانگ کر فنا بھی ہو جائے پھر بھی اتنے تو کیا ایک بھی پیدا نہ ہوگا۔

ہاں۔ اتنی دعاؤں کے بعد جبکہ خیر القرون گزر گیا۔ شیدائی محمدی اپنی جانیں قربان کر کے جام شہادت نوش کر گئے۔ اولیاء اللہ ایک سے ایک ریاضت کرنے والے اپنی عمر میں فنا کر گئے کہ دفعہ مختاری کے امتحان سے ایک فیلر نبوت کے امتحان میں جا پاس ہوا۔ ہر چند کہ اس کے مریدین میں ابھی اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محض مجدد تھا۔ کوئی کہتا ہے سچ سچ نبی تھا۔ لیکن اس

کے آتے ہی یہ امت خیر امت بن گئی اور بد قسمت خوش قسمت ہو گئی۔ ارے۔ اگر اتباع شریعت سے کوئی نبی ہو جایا کرتا تو اے عقل و دین کے دشمنو! سب سے اول ابو کھڑ ہوتا۔ عمر ہوتا۔ عثمان ہوتا، علی ہوتا، مگر سرکارِ دو جہاں نے کیسے پیار کے وقت کیسی محبت کے وقت حضرت علیؑ سے فرما دیا کہ ”انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انه لانیبی بعدی“

(ملکوت ص ۵۶۳ باب مناقب علی بن ابی طالب)

اے علیؑ تو میرا ایسا ہی نائب ہے جیسے کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ مگر میرے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اس لیے ہارون علیہ السلام تو نبی تھے لیکن تو نبی نہیں ہے۔ اور صاف فرما دیا کہ ”الا انه لانیبی بعدی“ خیال فرمائیے کہ صرف اس تشبیہ سے حضرت علیؑ کی نبوت کہاں ثابت ہوتی تھی لیکن سرکارِ دو جہاں نے اس وہم کا بھی ازالہ کر دیا اور فرما دیا ”الا انه لانیبی بعدی“ اس پر بھی ایسے اغبیاء کی جماعت موجود ہے جس کی سمجھ میں ہنوز کچھ نہیں آیا۔ الغرض جبکہ قرآن اس امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دے رہا تھا تو اس نے یہ نہیں کہا کہ اے امت محمدیہ تو اس لیے خیر امت ہے کہ پہلی امتوں میں ہم نے اگر سونبی بنائے ہیں تو تجھ میں دو سونبا نہیں گئے۔ بلکہ یوں فرمایا۔

کنتم خیرامة اخرجت للناس قامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر
و تو منون باللہ (آل عمران ۱۱۰)

تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو تمہیں اس لیے بنایا گیا ہے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دو اور بری باتوں سے منع کرو۔ اور اللہ پر ایمان رکھو۔

یعنی تیری خیریت امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی وجہ سے ہے اس لیے اب تو میں یوں کہتا ہوں کہ اس آیت سے تو بجائے فتح باب نبوت کے ختم نبوت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر اس امت میں نبوت جاری ہوتی تو اس کی خیریت بیان کرنے میں سب سے پہلا نمبر اس امت کی نبوتوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد میں دوسرے اوصاف کا ذکر مناسب تھا۔ حالانکہ یہاں صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کا ذکر ہے کیونکہ جو توحید اس امت کو نصیب ہے ان سے بقیہ امم محروم ہیں جیسا کہ عند التقابل ظاہر ہو جائے گا۔ اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ ”اهدنا الصراط المستقیم“ کی دعا بھی اس لیے ہرگز تعلیم نہیں دے گئی کہ لوگ اس کے ذریعہ سے نبی بنا کریں ورنہ تو بقول سیکرٹری صاحب ذات باری پر شدید الزام آئے

کہا کہ دعا کا نتیجہ دُشمرہ نہیں عطا فرمایا جانا تھا تو دعا کے سکھلانے کا فعل عبث کیوں کیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس دعا کا مقصد عطاء نبوت ہوتا تو جس طرح اس امت میں لاکھوں صدیق اور کروڑوں شہداء و صالحین پیدا ہوئے اسی طرح کم از کم ایک ہزار تو نبی بن جاتے۔ مگر یہاں تو اس فہرست میں صرف ایک ہی نام بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ وہ بھی زیر اختلاف ہے۔ اب مرزائی بتائیں کہ جب تیرہ سو سال کی دعا کا نتیجہ یہ نکلا تو یہ امت خیر امت رہی یا شر امت۔ علاوہ ازیں اگر اس آیت میں نبوت ہی کی دعا ہے تو پھر خود سردار دو جہاں کیوں اس دعا کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ العیاذ باللہ کیا آپ کو بھی نبوت حاصل نہ تھی۔ اگر حاصل تھی اور سب سے افضل حاصل تھی تو دعا کس امر کی مانگتے تھے۔ یہ بھی عجیب دعا ہوئی کہ جو تیرہ سو سال سے چیخ چیخ کر مانگ رہے ہوں ان کی تو قبول نہ ہو اور جس کی بلاناگے قبول ہو چکی ہو وہ اس کے بعد بھی مانگتا ہی رہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی کو حکومت برطانیہ و انسراے بنا دے مگر اس کی درخواست یہی باقی رہے کہ مجھے و انسراے بنا دیجئے۔ سوچو کہ ایسے شخص کو کیا کہو گے۔ لہذا اگر اس آیت میں نبوت حاصل ہونے کی دعا ہے تو آپ کی شان والا پر بہت بڑا الزام عائد ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں کوئی ذرہ ایمان کا باقی ہے کہ ایسی خود ساختہ تقاسیر سے توبہ کرے؟ اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب منعم علیہم کے قرآن نے چار گروہ بیان کیے ہیں یعنی عیین، شہداء، صدیقین اور صالحین تو پھر آپ کو صرف خاتم النبیین کیوں کہا گیا۔ خاتم الشہداء یا خاتم الصدیقین، خاتم الصالحین کیوں نہیں کہا گیا۔ مرزائی لٹریچر میں تو ختم نبوت نبی بنانے کے لیے ہی ہے تو کیا شہادت اور صلاح اور صدیقیت بلا آپ کی مہر کے ممکن ہے؟ اس لیے ضرور تھا کہ جس طرح آپ کو خاتم النبیین کہا گیا تھا اسی طور پر خاتم الصالحین بھی کہا جاتا۔ تا صاف معلوم ہو جاتا کہ ہر نعمت آپ ہی کے دامن کے نیچے مستور ہے۔ اس امر کو حل کرنے کے لیے کہ آپ کو خاتم علی الاطلاق کیوں نہ کہا گیا اور آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مقید کیوں کیا گیا ہے۔ پہلے ہمیں لفظ ”خاتم“ پر بحث کرنا ضروری ہے۔

آیت مذکور میں دو قراءتیں ہیں۔ اول بکسرتا، دوم بفتح تاء۔ جمہور کی قراءت بکسرتا ہے جیسا کہ شیخ سید محمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”وقرأ الجمهور خاتم بکسر التاء علی انه اسم فاعل ای الذی ختم النبیین والمراد به آخرهم“ (جمہور کی قراءت خاتم اسم فاعل تا کے زیر سے ہے یعنی جو ختم کرنے والا ہے انبیاء کا مراد یہ کہ آخری نبی ہے)۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم)

اسی طرح علامہ جریر الطبری لکھتے ہیں کہ ”حسن اور عاصم کے علاوہ تمام قراء خاتم بکسر تا پڑھتے تھے۔ (ج ۱۲۲ ص ۱۶)

یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اختلاف قراءت کی وجہ کسی مسئلہ یا عقیدے کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ قرآن چونکہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی ایسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ معنی کے اعتبار سے۔ اس لیے جس صحابی نے جو قراءت اختیار کی وہ محض اس بنا پر کی کہ اس کو یہی قراءت پہنچی تھی لہذا انہی الفاظ کو محفوظ رکھنا اس نے اپنا فرض منہی سمجھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

”عن علقمة قال قدمنا الشام فالتانا ابوالدرداء فقال افیکم احد یقرأ علی قراءة عبدالله فقلت نعم انا قال فکیف سمعت عبدالله یقرأ هذه الآية ”واللیل اذا یغشی“ قال سمعته ”واللیل اذا یغشی والذکر والانثی“ قال وانا والله هکذا سمعتا رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ ها. ولكن هؤلاء یریدون ان اقرء ”وما خلق“ فلا اتابعهم۔“

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ ہم ملک شام آئے تو ہمارے پاس حضرت ابودرداء تشریف لائے۔ پوچھا کہ کیا تم میں کوئی حضرت عبداللہ کی قراءت کے موافق قراءت کرنے والا ہے میں نے کہا۔ ہاں میں ہوں۔ انہوں نے کہا بولو تم نے عبداللہ کو یہ آیت ”واللیل اذا یغشی“ کس طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ کہا میں نے اس طرح سنا ہے کہ ”واللیل اذا یغشی“ والذکر والانثی“ انہوں نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں کہ ”وما خلق الذکر والانثی“ پس میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔

دیکھئے ”والذکر والانثی“ اور ”وما خلق الذکر والانثی“ میں اختلاف کسی عقیدے یا مسئلہ کی بناء پر نہ تھا۔ کیونکہ مراد دونوں کی ایک ہی ہے بلکہ وجہ وہی تھی کہ جسے جو لفظ پہنچتا وہ اسے ہی محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ جمہور کے موافق رہے یا مخالف۔ اور آج بھی آپ کی قراءت بجائے ”والذکر والانثی“ کے ”وما خلق الذکر والانثی“ ہی ہے اسی طرح حضرت ابوالدرداء نے جو قراءت حضور سے سن لی تھی اور اسے ترک کرنا کسی طرح پسند نہ کیا۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خاتم بالفتح کی قراءت اختیار کی۔ تو اس کی وجہ کسی مسئلہ کا اختلاف نہیں بلکہ وہی تحفظ لفظی جو قرآن کریم کا طغرة امتیاز ہے مد نظر تھا اور یہ کیسے ممکن تھا جبکہ خود

حضور ان سے فرما چکے تھے کہ ”ان نکون منی بمنزلہ ہرون من موسیٰ الا انه لانیبی بعدی“ (تم میرے لیے ایسے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون تھے مگر وہ نبی تھے اور تم نبی نہیں۔ کیونکہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا)۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں۔

عن علی قال وجعت وجعاً فالتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقامنی فی مکانہ و قام یصلی و القی علی طرف ثوبہ ثم قال ہرئت یا ابن ابی طالب فلا بأس علیک ما سالت اللہ لی شیئاً الا سالت لک مثله ولا سالت اللہ شیئاً الا اعطانیہ غیر انہ قیل لی لانیبی بعدک فقممت فکأنی ما اشتکیت۔

(کذا فی الكنز ص ۷۰ ج ۱۳ حدیث نمبر ۳۶۵۱۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں بڑا سخت بیمار ہوا اور حضور کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے پاس مجھے جگہ دی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے کپڑے کا ایک پلہ مجھ پر ڈالا۔ پھر فرمانے لگے لو ابن ابی طالب تم اچھے ہو گئے۔ اب کچھ فکر مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے میں نے کوئی چیز ایسی نہیں مانگی کہ اس کے مثل تمہارے لیے نہ مانگی ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ میں نے اللہ سے مانگی ہو وہ مجھے نہ ملی ہو۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے کہا گیا ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں فوراً ایسا کھڑا ہو گیا گویا بیمار ہی نہیں ہوا تھا اس حدیث نے خوب تشریح کر دی کہ خاتم النبیین کے معنی کیا ہیں۔ اور چلے قراءت خاتم بفتح التاء ہی سہی۔ لیکن کس محبت و پیار کے وقت یہاں بھی صاف کہہ دیا گیا کہ ”انہ لانیبی بعدی“ (میرے بعد کوئی نبی نہیں) جس سے یہ امر تو متیقن ہو گیا کہ نبوت کے بارے میں حضور سرور کائنات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تو یہی تھا۔ لیکن ہم تہماً لغت سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی مستعمل ہوتے ہیں۔ لسان العرب اور قاموس میں مصرحاً موجود ہے کہ خاتم بالفتح بھی خاتم بالکسر کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ مرجع قراءتیں واحد ہونا چاہیں اس لیے ائمہ لغت اور مفسرین نے بالاتفاق خاتم بالفتح کو خاتم بالکسر کی طرف راجع کیا ہے چنانچہ لسان العرب ج ۳ ص ۲۵ میں ہے۔

الخاتم والخاتم من اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فی التنزیل العزیز ما کان محمد الخ ای آخرہم ویقال فیہ خاتمہم وخاتمہم آخرہم وایضاً

فی القاموس و تاج العروس و الخاتم آخر القوم كالخاتم ومنه قوله تعالى و خاتم النبیین ای آخرهم۔

خاتم اور خاتم دونوں نبی اکرم ﷺ کے اسماء مبارک سے ہیں۔ اور قرآن عزیز میں آیت ماکان محمد ابا احد النخ میں خاتم النبیین کے معنی آخر الانبیاء کے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں میں خاتم یا خاتم ہے یعنی آخری ہے۔ اور قاموس اور تاج العروس میں ہے کہ خاتم کے معنی آخر شخص کے ہیں اور خاتم بھی ایسی ہی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول خاتم النبیین ہے یعنی آخری نبی۔ اتنی تحقیق کے بعد حاجت نہ تھی کہ ہم آنحضرت ﷺ کی کچھ اور احادیث پیش کرتے۔ مگر صرف اطمینان خاطر کے لیے ایک حدیث صریح اور پیش کیے دیتے ہیں۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان سيكون في امتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي وانا خاتم النبیین لاني بعدي۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۷ کتاب الفتن واللفظ له، ترمذی ج ۲ ص ۲۵ باب ما جاء لاقومه الساعة)

”ثوبان سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں آخر الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

اس حدیث میں چند امور غور طلب ہیں۔ اولیہ کہ نبی کریم ﷺ نے جب تیس مدعیان کاذب کی خبر دی تھی تو اگر اس مدت میں باب نبوت صادقہ بھی کھلا ہوا ہوتا تو کیا آپ انبیاء صادقین کی بشارت نہ دیتے۔ لیکن جبکہ قرآن و حدیث نے بالاتفاق کہیں ایک رسول کے آنے کی بھی خبر نہیں دی بلکہ اس کے بالکل برخلاف قرآن نے ختم نبوت کا اعلان کیا اور حدیث نے مدعیان نبوت کو دجال اور کذاب ٹھہرایا تو نتیجہ واضح ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے علم میں نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ان مدعیان نبوت کے کاذب ہونے کی علامت صرف اس امر کو قرار دیا ہے کہ وہ اپنے متعلق نبوت کا گمان رکھتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر نبوت باقی ہوتی تو نبوت کا گمان رکھنا بقول سیکرٹری صاحب کوئی زلزلہ یا طاعون تو تھا نہیں پھر اس نعمت کے گمان اور تحیل کو حضور اکرم نے دجالت کی علامت کیوں قرار دیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آگے بطور دلیل بیان فرمایا کہ میں چونکہ (بحکم قرآنی) خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اس لیے نبوت کا خیال میرے بعد کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

خاتم الانبیاء فداء الہی دای تو ختم نبوت کی بحث کو دو لفظوں میں ختم کر گئے تھے اور خوب کھول کھول کر سمجھا گئے تھے کہ میرے بعد ہر مدعی نبوت کو دجال سمجھنا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد نبی کیسا؟ اور اسی پر اسلامی حکومتوں میں عملدرآمد بھی رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلامی میں ایک واقعہ بھی نہیں دکھلایا جاسکتا کہ کسی زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ پھر اس سے ختم نبوت کے مسئلہ پر بحثیں کی گئی ہوں اور اس کے صدق کے دلائل طلب کیے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک کو بموجب دعویٰ نبوت جہنم رسید کر دیا گیا ہے۔

مگر آہ! یہ کیسی بے کسی کا زمانہ ہے کہ آج سرور کائنات کے بعد خائب و خاسر چہرے سریزم ”نبوت نبوت“ پکارتے پھر رہے ہیں اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے کانوں کو اس کی خرافات سے محفوظ ہی کر لیں۔ صد افسوس۔

کبرت کلمۃ تخرج من الفواہم ان یقولون الا کلبا۔ (الکہف ۵)

کیسا بڑا بول ان کے منہ سے نکلتا ہے جواز سر تا پا کذب محض ہے۔

اس مضمون کی اگر جملہ احادیث جمع کی جائیں تو یقیناً اس کے لیے ایک طویل فرصت درکار ہے۔ کیونکہ اس باب میں ایک سو بارہ احادیث آچکی ہیں جن میں علی الاعلان بیان کر دیا گیا ہے کہ خاتم الانبیاء کے بعد نبوت کا سلسلہ کلیۃً مسدود ہے۔ جس کے کان ہوں وہ سن لے اور جس کے دل میں ایمان ہو وہ سمجھ لے۔ البتہ جن صحابہ سے یہ احادیث مروی ہیں ان کے اسماء ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مولانا محترم محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم کے رسائل کی طرف مراجعت کی جائے۔

(۱) قتادہ (۲) عبد اللہ بن مسعود (۳) حسن (۴) مغیرہ بن شعبہ (۵) عائشہ (۶)

جامر بن عبد اللہ (۷) ابوسعید الخدری (۸) ابوالطفیل (۹) ابوہریرہ (۱۰) انس (۱۱) عفان بن

مسلم (۱۲) ابومعاویہ (۱۳) جبیر بن مطعم (۱۴) عبد اللہ بن عمر (۱۵) ابی بن کعب (۱۶) حذیفہ

(۱۷) ثوبان (۱۸) عبادہ بن الصامت (۱۹) عبد اللہ بن عباس (۲۰) عطاء بن یسار (۲۱) سعد بن

ابی وقاص (۲۲) عرباض بن ساریہ (۲۳) عقیقہ بن عامر (۲۴) ابوموسیٰ الاشعری (۲۵) ام کرز

(۲۶) عمر الفاروق (۲۷) ابو حازم (۲۸) ابوالامۃ الباہلی (۲۹) سفینہ (۳۰) تمیم الداری (۳۱)

نعیم بن مسعود (۳۲) عبید اللہ بن عمرو اللہی (۳۳) نعمان بن بشیر (۳۴) ابن زبیل الجعفی (۳۵)

ضحاک بن نوفل (۳۶) علی (۳۷) ابوذر الثقفی (۳۸) معاذ (۳۹) سہل بن سعد (۴۰) حبشی

بن ضادہ^ط (۴۱) اسماء بنت عمیس^ط (۴۲) زید بن ابی اوی^ط (۴۳) ابوہیلہ^ط (۴۴) عقیل بن ابی طالب^ط (۴۵) ابو الفضل^ط (۴۶) نافع^ط (۴۷) عوف بن مالک^ط (۴۸) ابوبکرہ^ط (۴۹) ابومالک الاشعری^ط (۵۰) ابوعبیدہ^ط (۵۱) عصمتہ بن مالک^ط (۵۲) عمرو بن قیس^ط (۵۳) سلمان الفارسی^ط (۵۴) محمد بن حزم الانصاری^ط (۵۵) کھز بن حکیم^ط (۵۶) عبدالرحمن بن سمرہ^ط (۵۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص^ط (۵۸) ابوقادہ^ط (۵۹) قتادہ^ط (۶۰) عبداللہ بن ثابت^ط۔

جب لغت اور احادیث صحیحہ سے یہ امر واضح ہو چکا کہ ”خاتم“ بمعنی ”آخر“ ہے تو آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی۔ کیونکہ اس تقدیر پر اگر آپ کو خاتم الصالحاء اور خاتم الصدیقین و الشہداء کہہ دیا جاتا تو جس طرح آپ کا ظہور انبیاء علیہم السلام کے آخر ہونے کی دلیل ٹھہرا۔ اسی طرح لازم آتا کہ اب آپ کے بعد کوئی صالح اور صدیق بھی نہ ہوگا۔ حالانکہ آپ کی امت میں تمام ام سے بڑھ کر اولیاء و اقطاب مقدر ہو چکے تھے۔ اگر اس امت کے اولیاء کا دیگر امتوں سے مقابلہ کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی امت اس امت مرحومہ کے برابر اولیاء صدیقین کی فہرست پیش کر سکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سمجھ دیتا تو معلوم ہوتا کہ اس امت کے خیر الام ہونے کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوگی کہ مجموعی حیثیت سے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ جس قدر اس امت میں گذرے کسی دوسری امت میں نہیں گزرے اور جیسا افضل رسول اس امت کو ملا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ دیکھو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

”عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذه الامة واربعون من سائر الامم. هذا حديث حسن (رواه الترمذی ج ۲ ص ۱۸۱ ابواب اهل الجنة مشکوٰۃ ص ۴۹۸)

”بریدہ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفوف ہوگی جس میں اسی میری امت کی اور بقیہ چالیس دیگر ام کی ہوں گی۔“ (ترمذی اس کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے)۔

اس حدیث نے کسی قدر وضاحت کے ساتھ آپ کی امت کی کرامت اور اس کے اولیاء مقررین کی کثرت کو ظاہر کیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب صدیقیت وغیرہ سب جاری ہیں تو نبوت کس لیے مسدود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت پر چل کر اور کسی نبی کی تصدیق کر کے

جو انعامات مل سکتے ہیں وہ صرف یہی ہیں۔ نبوت کسب و اتباع کا ثمرہ نہیں ہے۔ قرآن عزیز نے کسی ایک جگہ بھی نبوت کو کسب کا ثمرہ نہیں بتایا بلکہ صرف اپنے اجتباء و اصطفاء پر موقوف رکھا ہے۔ ”اللہ یصطفیٰ من الملئکة رسلا ومن الناس۔“ (الحج ۷۵) انسانوں اور فرشتوں میں سے کسی کو اپنا پیغامبر بنانا صرف خدا تعالیٰ کے اصطفاء سے ہی ہوا کرتا ہے۔

قرآن عزیز فرضیت صوم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ ”لعلکم تتقون“ (بقرہ ۱۸۳) یعنی اگر تم پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے رہو تو شاید متقی ہو جاؤ لیکن ایک آیت بھی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں یہ فرمایا کہ اگر تم اس نبی کا اتباع کرو تو شاید نبی بن جاؤ۔

لہذا خوب واضح ہو گیا کہ اگر اس امت میں نبی نہ بنے تو اس سے آپ کی قوت قدسیہ کا کوئی نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر آپ کی قوت قدسیہ کا اندازہ لگانا ہو تو خود آپ کے فرمان سے اندازہ کرو کہ جنت کی ۱۲۰ صفوں میں سے ۸۰ صفوں جنت میں داخل ہونے والی آپ ہی کی قوت قدسیہ کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ آپ کی قوت قدسیہ کو اگر دیکھنا ہے تو آپ کے امتیوں کو دیکھو جو صرف آپ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بنے ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۲ ابواب الذہد میں روایت ہے۔

يقول قال الله تعالى المتحابون في جلالي لهم منابر من نور يغبطهم النبيون والشهداء.

”جو میرے جلال کا لحاظ کر کے آپس میں محبت رکھنے والے ہیں قیامت میں ان کے لیے ”نور“ کے منبر رکھے جائیں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ کریں گے۔“

وجہ یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصوصیت ہے جو محشر میں ظاہر ہوگی۔ خدا کی راہ میں موت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس موت کو حیات کے احکام ویئے جاتے ہیں۔ ”ولا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء“ (البقرہ ۱۵۴) (اللہ کی راہ میں جو لوگ قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں) اسی طرح حق تعالیٰ جس کو اپنا رسول و نبی بنائے اس کے بھی خصائص ہیں۔ ایسے ہی خدا تعالیٰ کے جلال و بزرگی کو نظر رکھتے ہوئے باہم محبت و آشتی رکھنا اور کوئی دوسری غرض نہ رکھنا بھی محشر میں ایک خاص امتیازی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت کی ہر خصوصیت قابل غبطہ ہے پس جبکہ یہ امت محض آپ کی قوت قدسیہ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بن گئی۔ تو اب اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حدیث اس جماعت کو جو خدا تعالیٰ کے لیے محبت رکھتی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ تو کہتی ہے مگر نبی نہیں کہتی۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ ومن اللہ میں مصرعاً موجود ہے۔

عن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباد اللہ لاناساً ماہم بانبياء ولا شهداء يغبطہم الانبياء والشهداء يوم القيامة بمكانہم من اللہ. قالوا یا رسول اللہ تخبرنا من ہم۔ قال ہم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینہم الخ۔

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو نبی ہیں نہ شہید، لیکن چونکہ ان کا تعلق محض لہجہ اللہ تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ محشر میں انہیں ایک ایسا مرتبہ عطا فرمائیں گے جس پر انبیاء و شہداء کو بھی غبطہ ہوگا۔ صحابہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ وہ لوگ کون ہوں گے۔ کہا جو صرف میری وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ (الخ)

اس سے ظاہر ہے کہ اس امت میں نبوت تو نہیں ہے لیکن ایسے عمل ضرور ہیں جن سے ایک امتی انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قابل غبطہ ہو سکتا ہے۔

الحاصل جب نبوت خدائی اسطفاء پر موقوف ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے کمال پر تو خاتم النبیین کی آمد سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کو جتنے رسول بنانے تھے وہ بتا چکا اور اس محدود عالم کے واسطے جتنے اعداد رسل مقدر تھے ختم ہو لیے اور اس لیے اس نے اس دروازے کو جسے آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے بند کر دیا اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ جس طرح تعمیر عالم کے وقت اجراء نبوت و رسالت کا اعلان ہوا تھا۔ اسی طرح تخریب عالم یعنی قرب قیامت میں اس کے ختم کا اعلان بھی از بس ضروری تھا۔ قال تعالیٰ ”اما یا ابنکم وصل منکم“ (الزمر ۱) سورہ بقرہ میں تفصیل سے موجود ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو اس کا بھی اعلان کر دیا کہ اے آدمؑ کی ذریت تمہارے پاس ہمارے رسول آئیں گے۔ تم ان پر ایمان لانا۔ جب تک خود خدا تعالیٰ ہی نبوت کے ختم کا اعلان نہ کرتا ابتداء آدمؑ پر واجب تھا کہ وہ قیامت تک اس حکم کے ماتحت ہر زمانہ میں رسول کا انتظار کیا کرتے۔ لہذا جب دنیا کو ختم کرنا منظور ہوا تو اس کے ساتھ ہی آخری رسول بھیج کر اعلان کر دیا کہ اب رسول ختم ہوئے۔ دنیا بھی ختم ہے۔ لہذا اب رسولوں کا انتظار نہ کرنا کیونکہ خاتم الانبیاء آچکا۔ اس کے بعد

اب نی نہیں آ سکتا اور اس کے ساتھ میرا کلام اتر چکا جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ لہذا اب نہ شریعت کا انتظار کرو نہ نی کا۔ کیونکہ اب یہی تمہارا نبی ہوگا اور یہی تمہاری شریعت رہے گی۔ اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم الخ“ (میں نے آج تمہارے لیے دین کی تکمیل کر دی) مفسرین نے اس آیت کی شرح میں بہت کچھ لکھا ہے مگر مجھے سب سے پیارے وہ جملے معلوم ہوتے ہیں جو درمنثور میں غالباً ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ”اب ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے تو اب کبھی ناقص نہ ہوگا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے تو کبھی مسلوب نہ ہوگی۔ اور دین اسلام تمہارے لیے پسند کر لیا ہے کہ پھر کبھی ناپسند نہ ہوگا۔“

الحاصل جب شریعت اس معنی سے آخر ہے کہ اس کے بعد میں کوئی شریعت نہیں تو رسول بھی ”آخر“ اس معنی سے ہے کہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں اور اسی لیے حق تبارک و تعالیٰ نے اسے خاتم النبیین فرمایا مگر خاتم الصالحین، خاتم الشہداء اور خاتم الصدیقین کہیں نہ فرمایا۔ کیونکہ سب نعمتیں جو کسی کامل کے اتباع سے مل سکتی ہیں۔ جاری ہیں بلکہ اس امت میں سب سے زیادہ جاری ہیں لیکن نبوت! تو اگر خدا تعالیٰ کو جہاں رکھنا ہوتا تو شاید وہ خاتم الانبیاء کو ابھی اور نہ بھیجتا۔ لیکن جب جہاں ہی ختم کرنا ہے تو نبوت باقی رہے تو کس کے واسطے؟ سیکرٹری صاحب تو نبوت کو رو رہے ہیں اور پیغمبر خدا علم کے خاتمہ کا اعلان کر چکے ہیں۔ احادیث میں مصرح موجود ہے کہ قرب قیامت میں صحیح علم بھی اٹھا لیا جائے گا۔ کیونکہ جب تک علم نبوت کا ابقاء منظور ہے علماء کو باقی رکھنا ضروری ہے لیکن جب عالم کو سینما مقدر ہوگا تو علم نبوت رہے گا نہ اس کے حاملین بلکہ شرور الناس باقی رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

کہتے سیکرٹری صاحب! آپ تو نبوت کے خواب دیکھ رہے تھے اور حدیثیں تو آخر زمانے میں علم کو بھی رخصت کرتی ہیں۔ یہ ایک نہایت موٹی بات تھی کہ جب جہاں ہی ختم ہوتا ہے تو نبوت کا ختم ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ لیکن کیا کریں کہ محض ایک مراتقی شخص کے دعویٰ پر ایمان لا کر اس موٹی بات کے سمجھنے کی بھی اہلیت باقی نہیں رہی۔ قرآن سے آنکھیں بند ہوئیں۔ احادیث سے لاپرواہی برتی گئی اور تنکوں کا سہارا نکالا گیا ہے۔ حتیٰ کہ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ خاتم المفسرین کا۔ حالانکہ اس قائل کو یہ خبر نہیں کہ آپ کے لیے صرف یہی ایک لفظ نہیں بلکہ اس کے ہم معنی اور بھی بہت سے الفاظ وارد ہیں۔

حضرت عبید اللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں بجائے خاتم النبیین کے ختم النبیین ہے اور

احادیث میں ختم ہی النبیین (مسلم ج ۱ ص ۱۹۹) آخر النبیین۔ وانا العاقب والعاقب الذی لیص بعدہ نبی (مسلم ج ۲ ص ۲۶۱) (میں سب سے بعد آنے والا ہوں وہ نبی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) بھی آئے ہیں۔ اب سوچو کہ بھلا یہ سب الفاظ صرف مدحی کہے جاسکتے ہیں؟ صفتی صیغہ میں تو یہ دجل چل سکتا ہے مگر کیا کوئی مدحیہ بھی کہتا ہے کہ ”فلان ختم بہ المفسرون“ اس کے علاوہ القاب مدحیہ جس کے لیے بولے جاتے ہیں وہ خود اس کا مدعی نہیں ہوا کرتا جیسا کہ اگر کسی خاتم المفسرین سے آپ دریافت کریں کہ کیا آپ خاتم المفسرین ہیں تو وہ اگر آدی ہے تو یہی جواب دے گا کہ میں ہرگز اس قابل نہیں۔ ہاں یہ دوسرے لوگ البتہ اس کے اعزاز میں اس لقب کو استعمال کریں گے..... لیکن احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لقب کو آپ نے خود ہی اپنے حق میں استعمال کیا ہے اور جس نے بھی بعد میں استعمال کیا آپ ہی کی تعلیم سے استعمال کیا۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو سمجھو کہ ایک متکلم خاتم المفسرین تعداد اشخاص اور تعداد مان کے اعتبار سے متعدد اشخاص کو کہہ سکا ہے۔ اس لیے اس سے خود ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ لقب محض مدحی طور پر ہے۔ لیکن ازل سے آج تک نہ وحی ساوی نے کسی کو خاتم النبیین کا لقب دیا اور نہ خود رسولوں میں سے کسی نے اس لقب کو اپنے متعلق استعمال کیا اور نہ آنحضرتؐ نے اس لقب سے کسی نبی کو یاد کیا۔ پس اگر یہ لقب خاتم المفسرین کی طرح تھا تو جیسے آج تک ہزاروں خاتم المفسرین گزر گئے۔ دو چار خاتم الانبیاء بھی تو گزر جاتے۔ مگر کون ہے جو ان موٹی اور بدیہی باتوں کو سمجھے۔ ”ومن لم يجعل الله له نورا فلما لهم من نور“ (اللہ نے جس کو نور کا حصہ نہیں دیا تو اس کے پاس نور کہاں سے آئے)۔

اب انصاف ناظرین پر ہے کہ جو مسئلہ قرآن کریم میں اس شد و مد سے مدلل و مبرہن موجود ہو۔ ساٹھ صحابہؓ سے ایک سو بارہ احادیث میں مفصلاً روایت کیا جا چکا ہو اس کی تردید کے لیے دور کے استنباطات، تا تمام تشبیہات، رکیک شبہات اور بے سند احادیث بھلا کیا کفایت کر سکتی ہیں۔ غور کیجئے کہ آیہ ”کتتم خیر امة اخرجت للناس (العمران ۱۱۰) اور اهدنا الصراط المستقیم“ کو مسئلہ اجراء نبوت سے کیا علاقہ ہے۔ پہلی آیت میں تو اس امت کی فضیلت بیان ہو رہی ہے اور دوسری میں ایک عام دعا۔ اب خواہ مخواہ ایک مقدمہ کا اور اضافہ کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ نبوت جاری ہے۔ یعنی یہ کہ جب یہ امت خیر امت ہے تو ضرور اس کو نبوت ملنی چاہیے ورنہ

یہ امت خیر امت نہ رہی۔ بھلا پوچھئے تو سہی کہ خیر امت ہونا نبوت ملنے پر کس طرح موقوف ہے۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ امت خیر امت اس لیے ہے کہ اس کا نبی خیر الانبیاء اور افضل الرسل ہے۔ لیکن یہ کہیں تو کس منہ سے کہیں۔ اس سے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت میں آگ لگ جاتی ہے۔

اب اگر سوال کیا جائے کہ یہ امت اگر اسی لیے خیر امت تھی تو بتلاؤ کہ اس امت میں کتنے ہزار نبی ہوئے۔ تو جواب میں ایک خاص نبی ”میدان قادیان“ (Made in Khadiyan) کا نام پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر دوسری آیت میں دعاء نبوت کی تعلیم کی گئی تھی تو بتلاؤ کہ اس صراط مستقیم پر چل کر آخر کتنے نبی بن چکے۔ لوٹ پلٹ کر پھر اسی ”متنبی“ کا نام سامنے آتا ہے۔ گویا مرزائیوں کے نزدیک نبوت کوئی زلزلہ تو نہیں ہے لیکن ترطوہ ضرور ہے کہ ہر موقع پر اسی پر ہاتھ پڑتا ہے۔ تو حضرت طوہ خوردن را روئے باید۔ ”اللہم اعلم حیث یجعل رسالتہ۔“ یہ تو قرآن دانی تھی۔ اب حدیث دانی ملاحظہ ہو۔ نبی کریم ﷺ حضرت عباسؓ سے فرماتے ہیں۔ ”اطمنن یاعم فانک خاتم المهاجرین فی الہجرة کما انا خاتم النبیین فی النبوة“ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۶۹۹ حدیث نمبر ۳۳۲۸)

یہاں بھی ایک جاہلانہ مقدمہ اور بڑھایا جاتا ہے وہ یہ کہ حضرت عباسؓ کے بعد اور بہت سے مہاجر ہوئے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے بعد نبی بھی ہوں گے۔

اول تو میں کہہ چکا ہوں کہ ایک سو بارہ احادیث کے مقابلہ میں صرف تشبیہات کے پردے میں کام نکالنا صریح بددیانتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں مقصود بالذات یہ ہے کہ محض لفظی مشارکت بیان کر کے حضرت عباسؓ کو تسلی دی جائے۔ نہ یہ کہ مسئلہ نبوت کی تشریح کی جائے۔ اگر مسئلہ نبوت کی تشریح منظور ہوتی تو یوں فرمانا اولیٰ تھا ”یاعم انا خاتم النبیین فی النبوة کما انت خاتم المهاجرین فی الہجرة“ اس فرق کو علماء سمجھیں گے۔ اس لیے اس کی تفصیل کو ہم چھوڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ سیکرٹری صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ مہاجر کا لقب اسلام میں کب سے شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا۔ دنیا جانتی ہے کہ سردر کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت مکہ سے ہجرت کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جس نے بھی اپنا وطن چھوڑا ہو اور جس سمت بھی گیا ہو ہجرت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد ہجرتیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن جس طرح کہ یہ ہجرت

مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی تھی اسی طرح جب مکہ مکرمہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا اعلان بھی ہو گیا کہ ”لاھجروا بعد الفتح“ (کنز العمال ج ۱۶ ص ۶۶۰ حدیث نمبر ۴۶۲۷۸) یعنی جو ہجرت فرض کی گئی تھی اب وہ ختم ہو گئی۔ اور اسی درمیان میں مکہ مکرمہ چھوڑنے والے صحابہؓ مہاجر کہلائے۔ اس کے بعد وہ ہجرت ربی نہ وہ مہاجر۔

حضرت عباسؓ نے چونکہ سب سے آخر میں ہجرت کی تھی اور روایات سے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہوتا۔ جس نے ان کے بعد ہجرت کی ہو اس لیے بھی ”آخر المہاجرین“ کہلائے۔
نہیں معلوم ”آخر“ ہونا کوئی زلزلہ یا طاعون ہے کہ مرزائی اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں۔ کسی نبی کا آخر میں ہونا تسلیم کرتے ہیں نہ کسی مہاجر کا۔

اب تو غالباً سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ بھی اجرائے نبوت کے بجائے ختم نبوت ہی کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس طرح ہجرت ختم ہونے کی وجہ سے حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں۔ اسی طرح نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے محمد عربی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جیسے کہ مکہ مکرمہ کے دارالاسلام ہو جانے کے بعد ہجرت ختم ہو گئی۔ اسی طرح قصر نبوت مکمل ہو جانے کے بعد نبوت پر مہر لگ گئی۔ پھر معلوم نہیں کس اس حدیث سے التامطلب کیسے نکال لیا گیا۔ رہا خاتم الاولیاء کا لفظ۔ اس میں تو خیر سے تشبیہ بھی نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں تو صرف تشبیہات سے استدلال تھا۔ یہاں اور بے معنی۔ اس سے بڑھ کر ایک دلیل اور سنئے۔ ”قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا انہ لا نبی بعدہ“ (مکملہ مجمع البحار ج ۵ ص ۵۰۲) یہاں بھی ایک جاہلانہ مقدمہ اور لگایا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب ”لا تقولوا لا نبی بعدہ“ کہا تو معلوم ہوا کہ نبوت جاری ہے اول تو یہ قول بلا سند ہے۔ ذرا اس کی سند دکھائیے۔ دوسرے صحیح بخاری میں خود آنحضرت ﷺ سے لانیبی بعدی موجود ہے۔ اب سیکرٹری صاحب فرمائیں کہ کس پر عمل کیا جائے۔ صحیح بخاری میں نقل شدہ آنحضرت ﷺ کے قول پر یا مجمع البحار پر کہئے کیا ارشاد ہے۔

سوم آپ صفحہ ۶ پر خود ایک صحابی کی شہادت نقل کرتے ہیں جس کے بعد اس قول کی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ ”قال رجل عند المعيرة حسبك اذا قلت خاتم الانبياء فاننا كذا نحدث ان عيسى عليه السلام خارج فان هو خارج فقد كان قبله و بعدہ“ (ترجمہ) مغیرہ بن شعبہ کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ صلی اللہ علی محمد خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ۔ اس پر مغیرہ نے فرمایا کہ تجھے کافی تھا کہ کہہ دیا ”خاتم الانبیاء“ کیونکہ ہم

لوگ یعنی صحابہ باتیں کیا کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہونے والے ہیں۔ پس اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے (یہ ترجمہ خود مرزائی سیکرٹری صاحب نے کیا ہے)۔ یہاں بھی جہالت ظاہر ہو رہی ہے یعنی اس کو بھی اجراء نبوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے والے ہیں اور وہ بالاجماع نبی ہیں تو کوئی لابی بعدہ کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ آپ کے بعد وہ بھی تشریف نہ لائیں گے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ یہ تو کہو کہ آپ سب نبیوں میں آخری نبی ہیں لیکن یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ کیونکہ ایک پہلا نبی آنے والا ہے۔ لہذا آپ آخر بھی رہے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے مخالف نہ ہوا۔ کیونکہ آخر میں تو وہی ہوگا جو دنیا میں آخر میں پیدا ہوا اور جو پہلے پیدا ہوا تھا مگر اس کی عمر دراز ہوئی اسے آخر کون کہہ دے گا۔ ظاہر ہے کہ زید کا آخری بیٹا وہی کہلائے گا جو سب سے آخر میں پیدا ہوا ہو۔ اب اگر بالفرض اس سے پہلے بیٹے کی عمر طویل ہو جائے اور وہ اس آخری لڑکے کے بعد تک زندہ رہے تو اس وجہ سے وہ آخری نہیں ہو سکتا۔

ایسے ہی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے تھے اس لیے بعد میں آنے سے آخر نہیں کہے جاسکتے۔ اب بتلائیے کہ اس خاص صحابی کی شہادت آپ کے مخالف ثابت ہوئی یا موافق۔ بلکہ اس نے تو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب شدہ قول کی بھی تشریح کر دی۔

اگر یہ بے سند قول تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ لابی بعدہ سے کسی بیوقوف شخص کو یہ احتمال پیدا ہو سکتا تھا۔ لہذا اس کو بھی رفع فرما دیا اور نزول مسیح علیہ السلام کو اور مؤکد فرما دیا۔ ہاں۔ خوب موقعہ پر یاد آیا کہ مغیرہؓ کی اس عبارت میں سیکرٹری نہ حب کے ترجمہ کردہ یہ الفاظ بھی ہیں۔ ”اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے۔“ اس خاص شہادت سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ جو عیسیٰ ہیں وہ ظاہر ہونے والے ہیں نہ کہ پیدا ہونے والے۔ دوسرے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ وہی عیسیٰ ہوں گے جو آپ سے پہلے آچکے ہیں۔ پھر مرزائی سیکرٹری سوچے کہ قادیان میں جنے ہوئے شخص کو مسیح کیسے مانا جاسکتا ہے۔ کیا یہ وہی عیسیٰ تھے جو آپ سے قبل آچکے ہیں۔ اس عبارت میں صاف مذکور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی دو آمد ہیں۔ ایک آپ سے پیشتر اور ایک آپ کے بعد یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے جو حضرت مغیرہؓ صحابی کا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اب آپ کے بعد کوئی

نبی نہ آئے گا۔ کہیں لانیبی بعدی اسے نزول مسیح علیہ السلام کی بھی نفی سمجھ لو۔ یعنی حدیث کے الفاظ اجراء نبوت کے منافی ہیں نہ کہ نزول نبی کے۔

اب اگر دل میں ایمان کا کوئی ذرہ ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت سے مصدق دل توبہ کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ایک خاص صحابی کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ آنے والا مسیح وہی ہے جو ایک مرتبہ آچکا ہے۔ کیا مرزا جی آواگوں کے چکر میں پھنس کر کسی جون میں پہلے بھی آچکے ہیں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مضمون کے آخر میں ان علماء امت کی شہادتیں بھی نقل کر دیں جن کو سیکرٹری صاحب جماعت مرزا سیہ نے اپنے موافق سمجھا ہے اور اگر درحقیقت ان کو یقین ہے کہ وہ علماء اسی کے موافق ہیں تو ان کو چاہیے کہ ایک مرتبہ بحلف تحریر شائع کر دیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہو۔ مگر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ جملہ علماء نہ وفات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے اور نہ اجراء نبوت کے۔ ہمیں حیرت ہے کہ جن علماء کی کتابیں ہر خاص و عام کے ہاتھوں میں موجود ہوں کس ایمان کے ساتھ ان پر افتراء کرویا جاسکتا ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ کی شہادت

ودعوى النبوة بعد نبينا صلى الله عليه وسلم كفر بالاجماع (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲) (ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ بالاجماع کفر ہے)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی پہلی شہادت

”وقال الشيخ (امی محی الدین ابن العربی) اعلم ان مقام النبى ممنوع لنادخوله و غاية معرفتانه من طريق الارث النظر اليه كما ينظر من هو فى اسفل الجنة الى من هو فى اعلى عليين“ و كما ينظر اهل الارض الى كواكب السماء. وقد بلغنا عن الشيخ ابى يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر حزم ابرة تجليا لادخولا فكاد ان يحترق (البواقیت والجواهر ص ۷۲ جلد ۲)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا۔ خوب جان لو نبوت کے مقام میں داخل ہونا ہمارے لیے بالکل ممنوع ہے اور اس مقام کی انتہائی معرفت بطریق ارث کے یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اس مقام کی طرف محض نظر کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جنت کے تختانی حصہ والا محض اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتا ہے اور جیسا زمین والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہمیں

شیخ ابی یزید سے یہ تحقیق بات پہنچی ہے کہ درحقیقت نبوت کا مقام سوئی کے ناکے کے برابر (محض) تجلی کی حد تک کھولا گیا ہے۔ داخل ہونے کی حد تک نہیں۔ (اس پر بھی) انسان جل جانے کے قریب ہو جاتا ہے۔ (الہیائیت والجواب ص ۲۵ جلد ۲)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی دوسری شہادت

”وقال الشيخ (امی محی الدین العربی) من قال ان الله تعالى امره بشئ فليس ذلك بصحيح انما ذلك تلبیس لان الامر من قسم الكلام وصفته وذلك باب مسدود دون الناس..... فقد بان لك ان ابواب الامر الالهيہ والنوامی قد سدت وكل من ادعاها بعد محمد صلى الله عليه وسلم فهو مدعى شريعة اوحى بها اليه سواء وافق شرعنا او خالف فان كان مكلفا ضربنا عنقه والاضر بنا عنه صفحا.“ (الہیائیت ص ۳۸ جلد ۲)۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں چیز کا حکم کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ سراسر تلبیس اور فریب ہے کیونکہ حکم دینا کلام کی ایک قسم ہے اور یہ دروازہ لوگوں پر بند ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ادا امر و نواہی خداوندی کے دروازے اب بند ہو چکے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ ایک شریعت کا جو اس کے پاس وحی کے ذریعہ پہنچی دعویٰ دار ہے چاہے وہ ہماری شریعت کے بالکل موافق ہو یا مخالف اور اس قسم کا شخص اگر مکلف ہوگا تو ہم اس کی گردن مار دیں گے ورنہ ہم اس سے اعراض کریں گے اور اس کو پس پشت ڈال دیں گے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرائیؒ کی شہادت

(فان قلت) فهل النبوة مكتسبة او موهوبة (فالجواب) ليست النبوة مكتسبة حتى يتوصل اليها بالنسك والرياضات كما ظنه جماعة من الحمقاء. وقد اتى المالكية وغيرهم بكفر من قال ان النبوة مكتسبة.

(الہیائیت ص ۱۶۳-۱۶۵ جلد ۱)۔

(اگر تو یہ کہے) کہ کیا نبوت اکتسابی شے ہے یا وہبی اور عطائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی یہاں تک مجاہدوں سے اور کثرت عبادات و ریاضات

سے حاصل ہو جایا کرے جیسا بعض احمقوں کا خیال ہے۔ بلکہ وہ وہی شے ہے۔ اور مالکیہ وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص نبوت کو مکتوبات سے کہے وہ کافر ہے۔

مگر مرزائی یوں کہتے ہیں کہ اهدنا الصراط المستقیم کی دعا کرو اور نبی بن جاؤ۔
وفیه فلا تلحق نہایة الولاية بدایة النبوة (البیاقیت ج ۲ ص ۷۱) انتہائی درجہ ولایت کا نبوت کے ادنیٰ مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے وہ عبارت نقل کی ہے جو اوپر مسطور ہو چکی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت

لہذا آں سرور..... در شان حضرت فاروقؓ "فرمودہ است علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام" لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ، یعنی لوازم و کمالاتیکہ در نبوت در کار است ہمہ را عمر دارد۔ اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل ختم شدہ است علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام بدولت منصب نبوت مشرف نکشت۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۱۳ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۳۲۷)

لہذا سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو عمرؓ ہوتا۔ یعنی نبوت کے لیے جن کمالات اور خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب عمرؓ میں موجود ہیں۔ لیکن منصب نبوت چونکہ خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لیے مرتبہ نبوت سے مشرف نہیں ہوئے۔ (مکتوب شریف ص ۲۳ جلد ۳)

اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے منصب نبوت اور کمالات نبوت کا فرق خوب واضح فرمادیا ہے۔ کمالات دوسری شے ہیں اور منصب امر دیگر۔

جیسا کہ ایک شخص میں وائسرائے بننے کی لیاقت موجود ہو مگر ہر لیاقت والا "وائسرائے" نہیں بنادیا جاتا۔ علاوہ لیاقت کے وہ کمال جو منصب وائسرائیت کے شرائط میں ہیں ان کا تحقق ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی اگر چہ علی وجہ الاہتمام وائسرائے بننے کی لیاقت رکھتا ہو مگر اسے وائسرائے نہیں بنایا جاسکتا۔ یا جب تک ایک وائسرائے موجود ہے اور اس کے زمانہ ملازمت کی مدت باقی ہے دوسرا شخص کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو وائسرائے نہیں ہو سکتا۔

اس طرح جب تک نبی کریم ﷺ کا وہ دور نبوت باقی ہے خواہ کوئی کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو۔ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض آپ کی امت میں کوئی نبی اپنی لیاقت کی وجہ سے ممکن ہوتا تو عمرؓ

ہوتے۔ لیکن جب حکم پیغمبر علیہ التحیۃ والتسلیم منصب نبوت انہی کو نہ ملا تو مرزا قادیانی کو کہاں سے مل جاتا۔ مگر بے حدت کا کیا چارہ۔ اگر کوئی بے حدت کر کے بادشاہی کا دعویٰ کرے اور اپنی لیاقت کو پیش کر کے یوں کہنے لگے کہ جب موجودہ بادشاہ کے کمالات سے زیادہ کمالات مجھ میں موجود ہیں تو پھر میں بادشاہ کیوں نہیں۔ تو جو جواب ایسے شخص کو دیا جائے گا اس سے زیادہ سخت جواب اس نابکار کا ہے جو بادشاہ دو جہاں کی مملکت میں اپنی بادشاہی کا اعلان کرتا ہے۔

اسی کو حضرت مرزا شہید جان جانا نے فرمایا ہے اور اسی لیے غیر از نبوت بالا صالہ کی قید لگائی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شہادت

خاتمیت زمانی اپنا دین والیمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ سوا گراہی باتیں جائز ہوں تو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)۔

اب ذرا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی عبارت کا مطلب نہ سمجھنے والے اور دوسروں کو غلط طور پر گمراہ کرنے والے خود مولاناؒ کی اس عبارت کو بھی دیکھ لیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بوقت فرصت ان سب حضرات کی عبارت کا مفصل مطلب بیان کر کے واضح کر دیں گے کہ یہ حضرات درحقیقت ختم نبوت کے اولین علم بردار ہیں۔ علماء امت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کی شہادت بھی پیش کر دی جائے۔

ختم نبوت پر مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت

پہلی شہادت: اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا نہ کوئی نیا۔ (انجام آتھم ص ۲۷ خزائن ج ۱۱ ص ۲۷ حاشیہ)

دوسری شہادت: میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (آسانی فیصلہ ص ۳ خزائن ج ۳)

قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ (ازلہ اوہام حصہ دوم ص ۶۱ خزائن ج ۳ ص ۵۱۱-۳۱۳)

تیسری شہادت: ”کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے

قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت
ولکن رسول الله و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی
آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ (انجام آقلم ص ۷۲ خزائن ج ۱ ص ۲۷ حاشیہ)
آنحضرت کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔

(حاشیہ تجلیات الہیہ ص ۹ خزائن ج ۲ ص ۲۰۱)

اب مرزائی سیکرٹری صاحب کو چاہیے کہ سر پکڑ کر روئے کیونکہ خود ان کے میڈان
قادیان نبی نے بھی خاتم النبیین کے بعد رسولوں کی آمد ناجائز قرار دی ہے۔ بلکہ لفظ نبی کا اطلاق
بھی ناجائز رکھا ہے۔

نوٹ :- ہم ناظرین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ میڈان قادیان نبی کی ان عبارات کو
دیکھ کر وہ یہ نہ سمجھیں کہ مرزا قادیانی صحیح نبوت کے مدعی نہ تھے بلکہ ان کی عادت تھی کہ موقع پر ہر
قسم کی بات لکھ جاتے تھے۔ کبھی نبوت سے انکار کیا گیا تو اس طرح جیسا کہ آپ نے عبارت بالا
میں ملاحظہ فرمایا۔ اور کبھی دل میں آگئی تو زور و شور سے رسالت کا دعویٰ کر ڈالا۔

”ملاحظہ ہواربعین نمبر ۳ ص ۳۶ خزائن ج ۷ ص ۲۶۶“

۱..... خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب
اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

۲..... مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا
مصدق ہے ”هو الہدی ارسل رسولہ بالہدی الخ“ (انجاز احمدی ص ۱۹ خزائن ج ۱ ص ۱۱۳)

۳..... پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ
اس نام کے مستحق نہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ خزائن ج ۲ ص ۲۲ ۲۰۶-۲۰۷)

۴..... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر (یعنی اپنے الہامات پر) اسی
طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں
قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل
ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۱۱ خزائن ج ۲ ص ۲۲ ۲۲۰)

یہاں طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوت
سے منکر ہیں تو پھر کیونکر اپنی تصانیف میں نبوت کا دعویٰ کر سکتے ہیں تو اس کا جواب ہم خود مرزا غلام

احمد قادیانی کی شہادت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ مجھے مراق یعنی مانگو لیا کا مرض تھا اور ظاہر ہے کہ جو شخص مراقی ہو اور صبح الدماغ نہ ہو اس سے اس قسم کے بے معنی دعاوی کچھ مستبعد نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت اپنے مراق اور کثرت بول وغیرہ پر پہلی شہادت: دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرتؐ نے پیشینگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑکی اور ایک نیچے کے دھڑکی۔ یعنی مراق اور کثرت بول۔

(اخبار بدر قادیان ۷ جون ۱۹۰۶ء، ملفوظات ج ۸ ص ۳۴۵، تحفۃ الاذنان ماہ جون ۱۹۰۶ء)

مراقی مرزا قادیانی کا یہ فقرہ بڑا مزے دار ہے۔ اپنے مراق میں کچھ خبر نہ رہی کہ یہاں مسیح علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا اقرار ہو گیا جب مسیح علیہ السلام بقول مراقی مرزا قادیانی فوت ہو چکے تو پھر آسمان سے کیونکر اتریں گے۔ ان کے خیال کے موافق تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ جب مسیح قادیان میں پیدا ہوگا۔ مگر جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ ”والفضل ماشہدت بہ الاعداء“

دوسری شہادت: میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں۔ تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے۔

(کتاب منظور الہی ص ۳۳۸۔ ملفوظات ج ۲ ص ۳۷۶)

تیسری شہادت: ہمیشہ سرد اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنچ دل کی بیماری دورے کے ساتھ آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس کی ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ بسا اوقات سو سو مرتبہ رات کو یاد ان کو پیشاب آتا ہے۔

(ضمیمہ اربعین ۳ ص ۴۴، خزائن ج ۱ ص ۴۷۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کی ان تین ذاتی شہادات سے ثابت ہے کہ انہیں مراق تھا اور دراصل یہی باعث اوعاء نبوت ہوا۔ کتب طب میں تصریح ہے کہ مراق کی علامات میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ کبھی مراق کا مریض دعویٰ نبوت بھی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اکسیر اعظم ج ۱ ص ۱۸۸ میں لکھا ہے اگر مریض دانشمند ہوئے باشند دعویٰ پیغمبری و معجزات و کرامات کنند و سخن از خدا گوید و خلق را دعوت کند۔

اسی طرح شرح اسباب ۶۹ جلد ۱ میں ہے۔ ”وقد يبلغ الفساد في بعضهم الى حد يظن انه يعلم الغيب و كثير ما يخبر بما سيكون قبل كونه و فيه قد يبلغ الفساد في بعضهم الى حد يظن انه صار ملكاً۔“ (الخ) (بعض لوگوں میں فساد یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے اور اکثر آئندہ آنے والے امور کی خبر دینے لگتا ہے اور بعضوں میں فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں)

اسی مراق کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۵ خزان ج ۷ ص ۴۱۳ میں لکھا ہے کہ ”وانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل لکھا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی ہم ان خطوط کو نقل کر دیتا بھی خالی از دلچسپی نہیں سمجھتے جو خود اس میڈان قادیان نبی کے ایک خاص عقیدت مند نے شائع کیے ہیں۔ ان خطوط کو دیکھ کر مراق کے سوا مرزا قادیانی کے دیگر پوشیدہ امراض کا عقدہ بھی کھلتا ہے۔ معلوم نہیں کہ مراق ان امراض کا باعث تھا یا ان امراض کی وجہ سے مراق ہو گیا تھا۔

مکتوب اول: مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ..... مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی.....

ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھا کہ محبت کے وقت لپٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا تھا..... وہ عارضہ بالکل جاتا رہا..... یہ منی کو بھی غلیظ کرتی ہے..... آپ اسے دودھ اور ملائی کے ساتھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں..... چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔ لیکن چونکہ گھر میں ایام امید ہونے کا کچھ گمان ہے جس کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت میں نہیں دیکھتا نظر۔ (مکتوبات احمد یہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۳-۴ مکتوب نمبر ۱۰)

دوا کے جلد تیار کرنے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ تو آپ نے اسی مکتوب میں بیان کر

دی ہے لیکن ”زیادہ زیادہ کھالینے کا سبب جاننے کے لیے آپ کا دوسرا مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔
مکتوب دوم: اخویم محمد دم و مکرم مولوی نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عنایت نامہ پہنچا..... جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو۔ جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں فقط۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۲۰-۲۱ مکتوب نمبر ۱۴)

میں ان بااخلاق قارئین سے معافی چاہتا ہوں جو اس قسم کے بد اخلاقی اور حیا سوز مضامین کو مطالعہ کرتے ہوئے ان افعال شنیعہ کے مرتکب سے تو انماض کر لیتے ہیں اور ناقل کو کسی طرح معاف نہیں کر سکتے اس مراقی نبی کی حالت زیوں نقل کرنے کے لیے آج بہ مجبوری ہمیں انہی کے الفاظ کو نقل کرنا پڑا ہے تاکہ مسلمان خواب غفلت میں نہ رہیں اور حیا و وفات کے مسئلہ میں پڑ کر ختم نبوت جیسے بدیہی مسئلہ میں شور و شغب سے متاثر ہو کر مفت ایمان نہ بیچ دیں۔ اگر کسی بے ایمان کے ساتھ ایمان جیسی شے فروخت کی جائے تو بہر حال کچھ تو کمال درکار ہے۔ مگر محض ایک مراقی آدمی پر ایمان لے آنا میں تو نہیں سمجھتا کہ سوائے مراقی کے کوئی دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے۔ اس وقت میرا یہ فقرہ اس فقرہ سے بدرجہا مہذب اور نازل تر ہے جو مراقی نبی نے اپنے نہ ماننے والوں کے متعلق لکھا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ

”جو ان پر ایمان نہ لائے وہ حرام زادہ ہے“

”یقبلنی ویصدق دعوتی الاذریۃ البغایا“

(آئینہ کمالات اسلام خزائن ج ۵ ص ۵۴۷-۵۴۸)

”حرام زادہ کے سوا ہر شخص مجھے قبول کرے گا اور میری دعوت کی تصدیق کرے گا۔“

”ان العداصاروا خنازیر الفلا ونساء ہم من دونہن الا کلب“

”دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتوں سے بڑھ گئی ہیں۔“

(نجم الہدی ص ۱۰ خزائن ج ۱۴ ص ۵۳)

اپنے مضمون کے خاتمہ پر مراقی مرزا قادیانی کے چند عقائد بھی ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ یہ جماعت کس درجہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہے۔ صرف مسلمانوں کے بہکانے کے لیے دوسرے دانت دکھلا دیتے ہیں جو صرف دکھانے کے ہیں۔ کھانے کے نہیں ”وما نخفی صدور ہم اکبر۔“

آنحضرتؐ کے معراج مبارک کے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

سیر معراج اس جیم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے..... اس قسم کے کشفوں میں خود مؤلف (یعنی مرزا قادیانی) کا تجربہ ہے۔

اس مختصر عبارت میں آپ کے جسم مبارک کو کثیف کہنا اور معراج کو کشف قرار دینا اور اسی پر بس نہیں بلکہ جو فخر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو نصیب نہ تھا اس میں اپنے آپ کو صاحب تجربہ قرار دینا جیسی گستاخی بارگاہ رسالتؐ میں ہے اس کا اندازہ آپ کا ایمان کر رہا ہوگا۔

آنحضرتؐ کے معجزات کے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

”آنحضرت ﷺ کے معجزات..... جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزے ہیں۔“

(مکتوبات احمدیہ ج ۳ ص ۴۹)

میری تائید میں اس (اللہ تعالیٰ) نے وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں..... اگر میں ان کو فردا فردا شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

(ہیئۃ الوحی ص ۶۷ خزائن ج ۲۲ ص ۷۰)

معجزہ شق القمر کے متعلق میڈان قادیان نبی کی بڑ

لاخسف القمر المیزوان لی غسا القمران المشرفان النکر (قصیدہ انجاریہ)

ترجمہ:- (اس کے لیے آنحضرت ﷺ) کے لیے تو چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا تو کیا اب بھی تم میرا انکار کرو گے۔

(انجاء احمدی ص ۷۱ خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

اس ناپاک شعر میں معجزہ شق القمر کو چاند گہن سے تعبیر کیا ہے اور پھر اس میں بھی اپنی ہی فضیلت بتلائی ہے۔ کیونکہ اس مراقی کے لیے چاند اور سورج دونوں کا خسوف ہوا۔ ”والعیاذ باللہ عن هذه الخرافات“

خطبہ الہامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک کتاب ہے جو عربی میں ہے اور درمیان میں اس کا ترجمہ فارسی اور اردو میں ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ میں اس کی عربی عبارت اور اردو

ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

وقد مضى وقت فتح مبین فی زمن نبینا المصطفیٰ و بقى فتح آخر و هو اعظم و اکبر و اظهر من غلبة اولی و قدر ان وقته وقت السمع الموعود من الله الرؤف الودود و الیه اشار فی قوله تعالى سبحان الذی اسرى النخ.

ترجمہ:- اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ ”سبحان الذی“ النخ (خطبہ الہامیہ ص ۲۸۸ خزائن ج ۱۶ ص ۲۸۸)

اس عبارت میں مراقی نبی نے دعویٰ کیا ہے کہ جو فتح ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئی وہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے بہت بڑی ہے اور زیادہ ظاہر ہے۔ لعود باللہ من ذالک.

دعویٰ فضیلت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کلام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا (ہیئۃ الوحی ص ۱۲۸ خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۲)

دیکھئے! ذرا مراقی مرزا قادیانی کو کیسے اپنے جامہ سے باہر ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی ذی روح ان کی ان قسموں کی تصدیق کرے گا الا من سفہ نفسه۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت غالباً عین دورے کے حال میں لکھی گئی ہے۔

جگر گوشہ آنحضرتؐ کے متعلق مرزائے قادیان کے اشعار

کر بلائے است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم
ہر آن میرے لیے ایک نئی کر بلا ہے ایسے حسین تو سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں
(نزول المسح ص ۹۹ خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

وقالوا علی الحسنین فضل نفسه القول نعم واللہ ربی سیظہر
لوگ کہتے ہیں کہ حسین (علیہما السلام) پر اپنے کو فضیلت دیتا ہے میں کہتا ہوں ہاں ایسا ہی ہے اور میرا پروردگار اس

کو ظاہر کرے گا۔

وشتان ما بینی و بین حسینکم فانی اؤید کل ان وانصر
مجھے ہر آن مدد پہنچتی اور تائید غیبی میرا ساتھ دیتی ہے۔ تو بولو میرے اور تمہارے حسین کے درمیان کتنا فرق ہے۔

واما حسین فاذا کروادشت کربلا الی هذه الایام تبکون فانظروا
والله لیست فیہ منی زیادة وعندی شہادات من الله فانظروا

حسین (علیہ السلام) جس کی وجہ سے تم آج تک کربلا کو چننے پھرتے ہو اور اس پر روتے رہتے ہو۔ قسم خدا کی اس
میں میرے سے زیادہ ایک بھی فضیلت نہیں تھی اور مجھ میں ایک چھوڑ بہت سی شہادتیں ہیں اللہ کی جانب سے۔

وانی فتیل الحب لکن حسینکم فتیل العدا فالضرق اجلی واطهر
میں عشق و محبت سے منقول ہوں اور تمہارا حسین برہنائے عداوت منقول ہے تو کتنا ظاہر اور کھلا ہوا فرق ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۶۹، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳)

آٹھ کروڑ اہل اسلام کے حق میں مراقی نبی کا حکم

میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور..... ہے اس پر
ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آقہم ص ۶۲، خزائن ج ۱۱ ص ۶۲)

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا کذاب یا
متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہ امام ہو جو تم میں سے ہو۔

(اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۸، خزائن ج ۱۷ حاشیہ ص ۳۱، تذکرہ ص ۳۸۹ طبع سوم)

احادیث مبارکہ کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ

ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی
حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ
حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور
دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب
بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا (اعجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۳۰)

”اقول احسافلن تعدو قدرک“ مرزا قادیانی کے مراقی ہونے کے لیے ان کی
یہ بیباکانہ تعلیایں کیا کم ہیں۔ فاعتبر وایا اولی الابصار۔

قارئین کرام! یہ اردو کی چند عبارتیں ہیں۔ آپ خود ان عبارات کو پڑھ کر اس جماعت کا عقیدہ معلوم کر سکتے ہیں۔ تاویلات کا دروازہ کب بند ہوا۔ اور کسی کی زبان یا قلم کا پکڑ لینا کب اختیار ہے۔ لیکن ایک سنجیدہ شخص غور کرے کہ اگر نبوت کا دروازہ درحقیقت کشادہ ہے اور فی الواقعہ اس امت کی خیریت نبی بننے میں ہی مضمر ہے۔ تو آخر اس ۱۳۰۰ سال کے عرصہ میں کتنے نبی بن چکے۔ مرزائیوں سے دریافت کیجئے وہ بھی سوائے اس مراقی نبی کے کسی ایک کا نام نہیں لیں گے۔ تو کیا آپ کا دل گوارا کرتا ہے کہ اپنے نبی کریم کی خاتم المرسلینی چھوڑ کر اجراء نبوت کے قائل ہوں اور وہ بھی ایسے شخص کی خاطر جو بہ اقرار خود اس قسم کے ناپاک امراض کا شکار ہو۔ ایسے فاسد عقیدہ کا حامل ہو اور دنیا ئے اسلام کو سوائے ضرر رسانی کے اس کا کوئی اور کام نہ ہو۔

میں اس وقت عدیم الفرست ہوں اس لیے بالاختصار آپ کے سامنے یہ چند اوراق پیش کر کے اس فتنہ عظیم کے استیصال کی آپ حضرات سے پرزور درخواست کرتا ہوں۔ اگر آپ حضرات خاموش رہے اور یہ فتنہ ترقی کرتا گیا تو اس کی جوابدہی روز محشر آپ ہی حضرات کو کرنی ہے۔ دین متین کی تائید کے لیے تیار ہو جائیے اور یقین کیجئے کہ آپ کی خیریت صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے بدولت ہے۔ اگر آپ اپنے اس اہم فریضہ سے غافل ہیں تو پھر آپ کو اپنے لیے خیر امت کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس مقدس ریاست میں آنحضرتؐ کے ختم المرسلینی کے برخلاف یہ کیسی اشاعت ہو رہی ہے۔ جس کی دینی فداء کاری حمیت اور غیرت اور رسول عربی کے ساتھ والہانہ جذبہ زبان زد خاص و عام ہو چکا ہے۔ اسلام صرف مصلے پر کھڑے ہو کر دور کعت ادا کر لینے کا نام نہیں ہے۔ ”لاحتی ناطر و ہم علی الحق اطرا“ جب تک تم لوگوں کو کمان کی طرح حق تسلیم کرنے پر جھکا نہ دو گے اس وقت تک اسلام کا صرف دعویٰ ہے۔ اگر اس راستہ میں تم اپنے وطنوں سے باہر کر دیئے جاؤ۔ اہل و عیال سے جدا کر دیئے جاؤ۔ حرمت و عزت سے محروم ہو جاؤ۔ ناعاقبت اندیش اور دین کا درد نہ رکھنے والے مسلمانوں کے ہدف ملامت بن جاؤ۔ تو تمہارے لیے یہ وہی مبارک سنت ہوگی۔ جو تم سے پیشتر دین کے حامیوں کی رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کے پردہ میں دین کی بے حرمتی ہمارے ہاتھوں نہ کرائے اور حمایت دین کا وہ جذبہ دے کہ ایک مرتبہ پھر عہد سلف تازہ ہو آمین یا رب العالمین۔

ولک الحمد اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی خیر الرسل خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔
 نوٹ :- مرزائی جماعت اکثر بہکانے کے واسطے کہہ دیا کرتی ہے کہ حوالہ جات غلط ہیں۔ احقر ان جملہ امور کو جن کا تحریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ ہر وقت مرزا قادیانی کی کتب سے ثابت کرنے کے لیے موجود ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حوالہ غلط نہ نکل سکے گا۔ اگر کسی صاحب کو شبہ ہو تو وہ احقر سے تصحیح فرما سکتے ہیں فقط۔

عاجز ناکارہ

بندہ محمد بدر عالم غفری اللہ عنہ

ذابھیل ضلع سورت

نوٹ: ٹریکٹ ہذا کی کتابت ہو چکی تھی کہ ہمیں ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء کے زمیندار میں مصر کی جماعت احمدیہ کا حسب ذیل مترجمہ بیان ملا جس کو زمیندار نے ”الفتح“ قاہرہ سے منقول کیا ہے۔ ہم بحکمہ نقل کرنے کے بعد ارباب بصیرت سے ملتہم ہیں کہ وہ اسے غور سے پڑھیں۔

غلام احمد قادیانی کی بیعت جہنم کی خریداری ہے مصر میں فتنہ قادیانیت کی ناکامی و نامرادی

جماعت احمدیہ مصریہ کا بیان

ذیل کا اعلان مصر کی جماعت قادیانیہ کی طرف سے قاہرہ کے اخبار ”الفتح“ مورخہ ۲۷ رجب ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا ہے یہ جماعت قادیانیوں کے دام فریب میں پھنس کر مرزا غلام احمد کی بیعت کر چکی تھی۔ لیکن مرزا اور اس کی جماعت کے متعلق مفصل حالات معلوم ہو جانے پر انہوں نے اس دین باطلہ سے توبہ کر لی ہے۔ (مدیر و معاون)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الحمد لله رب العلمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین
 ہم مسلمانان نو جوانوں کی آرزو تھی کہ ہم دین حق کی نشر و اشاعت کریں اور علم اسلامی

کو سرفراز کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ لیکن ہم فرقہ قادیانیہ کی حقیقت سے خالی الذہن تھے۔ ہم اس فرقہ کے بعض دعوے سن چکے تھے۔ اور ہمیں کہا گیا تھا کہ فرقہ قادیانیہ خدمت اسلام کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یہ ایک ہی جماعت ہے جو منظم صورت میں دعوت اسلام دیتی ہے۔ ہم اس زمرہ میں داخل ہو گئے۔ تاکہ ان کے ساتھ مل کر خدمت اسلام کریں۔ اور ہمارا یہ اقدام خلوص نیت پر مبنی تھا۔ ہم نے قطر مصری میں مصری جماعت قادیانیہ کی جس کے صدر احمد حمادی آفندی مقرر ہوئے۔ ہم اس فرقہ میں داخل تو ہو گئے۔ لیکن ہمیں اس کے اندرونی حالات کا علم نہ تھا اور نہ ہمیں غلام احمد قادیانی کی سیرت سے واقفیت تھی۔ کیونکہ یہ قوم اس کے حالات کو چھپانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور نہیں چاہتی کہ لوگ غلام احمد کی تصنیفات سے بخوبی مطلع ہوں۔ کیونکہ یہ کتابیں ہر مسلم کو قادیانیت سے توبہ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

اب ہمیں اس شخص کے حالات اور اس کی تالیفات سے آگاہی ہو گئی ہے۔ جسے یہ لوگ صیغہ راز میں رکھنا چاہتے ہیں اور یہاں غلام احمد کی خطبہ الہامیہ کا ایک ہی قول درج کرنا کافی معلوم ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ بعثت ثانیہ (مرزا کی بعثت) بعثت الاولیٰ (بعثت محمدیہ) سے افضل ہے اور مرزا کی سیرت کے متعلق صرف یہ بات جان لینا کافی ہے کہ وہ محمدی بیگم سے شادی کرنے کی ہوس میں مٹا جاتا تھا۔

ہمیں جب یہ امور اور فرقہ قادیانیہ کے دیگر اندرونی حالات معلوم ہوئے تو ہم پر ظاہر ہو گیا کہ ہم نے غلام احمد کی بیعت کرنے میں کس قدر غلطی کا ارتکاب کیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ غلام احمد قادیانی اور ہر ایسی چیز سے جو اس سے متعلق ہے حتمی طور پر توبہ کرنا حسانت سے ہے اور قادیانی لوگ مسلمانوں کو استعمار اجنبی کے جوے کے نیچے آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ اس کا کلام اس کی اپنی نظر میں قرآن کریم سے بڑا اعجاز ہے اور مس قادیانی کا جلال تمام انبیاء سے افضل ہے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچا اور ہم پر واضح ہو گیا کہ ہم نے مرزائے قادیانی کی بیعت کر کے جہنم خرید لی ہے۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم مشرق و مغرب کے برادران اسلام کی اطلاع

کے لیے شائع کر دیں۔ کہ ہم اس فرقہ سے تائب ہو کر خدا اور رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

احمد حمزہ علی فاضل عبد الحمید اسید حسن احمد عبدالسلام
رئیس جماعت احمدیہ مصریہ کاتب محکمہ الاستئناف الابلہ سیکرٹری دعوت و تبشیر طالب ثانوی
جماعت احمدیہ مصریہ

احمد عبدالسلام عبد السلام احمد عبد الحمید اسید
میکینکل انجینئر رئیس مطبع جریدہ المطرقہ جریدہ المطرقہ

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆.....☆..... کسی مرزائی کو داماد مانا ایسا ہے جیسے کسی ہندو 'سکھ' چوہڑے کو داماد مانا لیا جائے۔

☆.....☆..... جس شخص نے کہا کہ قادیانی مسلمانوں سے اچھے ہیں وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہو گیا۔

☆.....☆..... مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں بلکہ محارب کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

☆.....☆.....☆

فہرست کتب مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	رعایتی قیمت
۱	الخلفۃ المہدی	شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی	20/=
۲	تحفہ قادیانیت جلد اول	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی	100/=
۳	تحفہ قادیانیت جلد دوم	" "	100/=
۴	تحفہ قادیانیت جلد سوم	" "	100/=
۵	تحفہ قادیانیت جلد چہارم	" "	زیر طبع
۶	خاتم النبیین	" "	100/=
۷	رئیس قادیان	مولانا محمد رفیع دلاوری	100/=
۸	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر محمد الیاس برنی	150/=
۹	مقدمہ قادیانی مذہب و قادیانی قول و فعل اول دوم	" "	زیر طبع
۱۰	احساب قادیانیت جلد اول	مولانا تلال حسین اختر	100/=
۱۱	احساب قادیانیت جلد دوم	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	100/=
۱۲	احساب قادیانیت جلد سوم	مولانا حبیب اللہ امرتسری	100/=
۱۳	احساب قادیانیت جلد چہارم	حضرت کشمیری، حضرت تھانوی، حضرت عثمانی، حضرت میرٹھی	زیر طبع
۱۴	سوانح مولانا تاج محمود	صاحبزادہ طارق محمود صاحب	100/=
۱۵	رفع و نزول عیسیٰ	مولانا عبداللطیف مسعود	100/=
۱۶	تحریف بائبل	" "	80/=
۱۷	قومی تاریخی دستاویز	مولانا اللہ وسایا صاحب	100/=
۱۸	قادیانی شبہات کے جوابات	" "	100/=
۱۹	سوانح حضرت قاضی احسان احمد	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی	100/=